تاریخ

سلطنتِ خداداد

(میسور)

محمود خاں محمود بنگلوری

پبلشرز یونائیٹڈ لاہور

نوٹ :- اس کتاب میں ہر جگہ جہاں اہلِ نوائط لکھا گیا ہے یا نائطہ وغیرہ
یہ لفظ دراصل "نوآیت" ہے۔ اور یہی اس کی صحیح ہجے ہے۔ اور اس
کے معنی نئے آنے والے کے ہیں۔ سعادت نامہ جو خود اہلِ نوائط کی لکھی
ہوئی تاریخ ہے۔ اسی ہجے اور معنی کو مستند سمجھتی ہے۔ محمود

بارِ چہارم
قیمت سات روپے آٹھ آنے

۱۹۴۷ء

نامی پریس پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور میں باہتمام ایم اے سلام پرنٹرز اینڈ پبلشرز یونائیٹڈ لاہور نے چھپوا کر شائع کیا

نذر

آن شہیدان محبت را امام — آبروے ہند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاک قبرش از من و تو زندہ تر

عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جان چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین — فقر سلطان وارث جذب حسینؓ

رفت سلطان زین سرای ہفت روز

نوبت او در دکن باقی ہنوز — علامہ اقبالؒ

اس عین عقیدت احترام سے

جو میرے دل میں ہے اپنی اس ناچیز تصنیف کو تحقیق کے ہاتھوں حضور سلطانی میں

جو شہید اکبر و سلطان المجاہدین ہے

پیش کرتا ہوں

محمود

فہرست مضامین

فہرست تصاویر

نقشے

دیباچۂ طبعِ ثانی

میرے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ گذری تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرّۂ ناچیز کی تصنیف اس قدر مقبولیّت حاصل کرے گی کہ اس کی شہرت حدودِ ہند سے نکل کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ جائے گی۔ خود ستائی ہوگی اگر میں یہاں ان تبصرات کا اعادہ کروں جو اس کتاب پر ہندوستان اور ممالکِ غیر کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک طرف جب میں اپنی بے بضاعتی اور دوسری طرف کتاب کی اس مقبولیت کو دیکھتا ہوں تو میرا سر بے اختیار اس خدائے جلِ جلالہٗ و عم نوالہٗ کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جو اپنے بندوں میں جس کسی کو چاہتا ہے عزّت بخشتا ہے۔

میں صمیمِ قلب سے ان تمام مدیرانِ اخبارات و رسائل اور مشاہیر و مورّخین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب پر اپنے گراں بہا تبصرات سے مجھے ممنون فرمایا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت ہی قلیل عرصہ میں ختم ہوگیا۔ مانگ برابر جاری تھی اور اصرار ہونے لگا کہ دوسرا ایڈیشن جلد از جلد شائع کیا جائے لیکن میرا ارادہ تھا کہ اس سے پہلے سلطنتِ خداداد کے متعلق بقیہ حالات کو ایک دوسری جلد میں شائع کردوں اس جلد کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوتا لیکن جب پہلے ایڈیشن کی مانگ نے مجھے

مجبور کر دیا تو میں نے دوسری جلد کا ارادہ ترک کر کے اس کے مضامین کو اسی کتاب میں شامل کر دیا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی کہ کتاب میں ایک تاریخ وار ربط پیدا ہو گیا۔ اس لئے کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہے۔ البتہ "سخنہائے گفتنی" اور "مقدمہ" جو شروع صفحات میں ہیں۔ وہی رہنے دیئے گئے جو پہلے ایڈیشن میں موجود تھے۔

اب تقریباً چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سلطنت خداداد کی مکمل تاریخ ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہے اس دوسرے ایڈیشن کے لئے میں نے جس قدر محنت کی ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ اگر ابنائے ملک نے اس سے کوئی سبق سیکھا اور فائدہ اُٹھایا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت بر آئی۔

ناچیز

محمود

بنگلور: مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۳۹ء
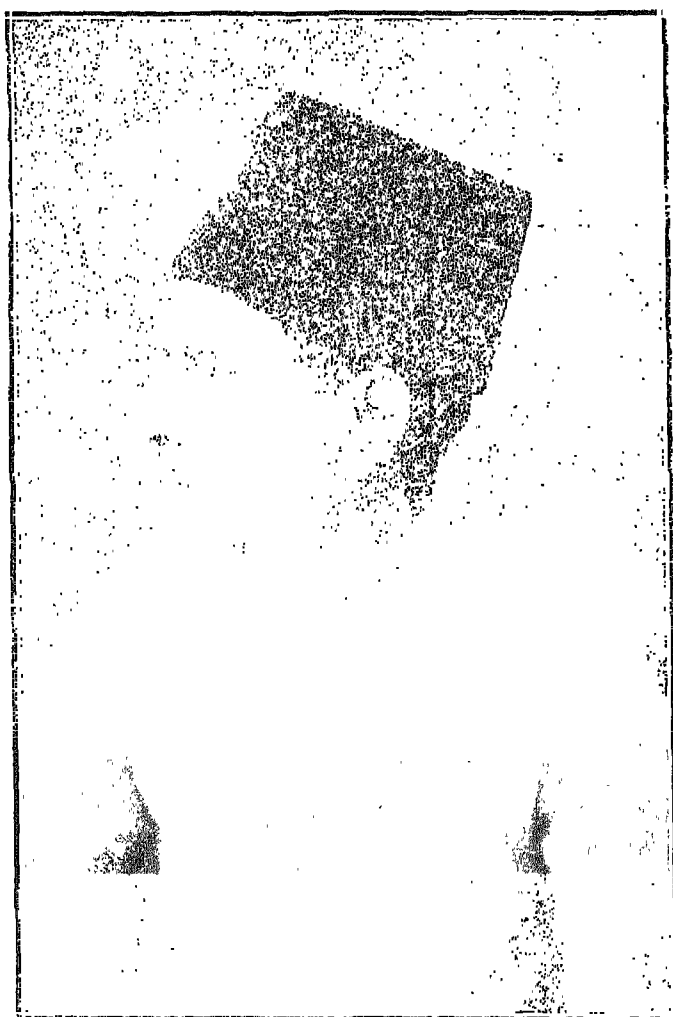
مصنف کتاب

سخن ہائے گفتنی

"تاریخ سلطنت خداداد" لکھنے سے پیشتر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان کی آج کل کی مروجہ تاریخیں اور خصوصاً عہدِ عالمگیر اورنگ زیب سے آج تک کی تاریخ کچھ اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ صحیح حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک مورخ کو باوجود کوشش کے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جن واقعات کو لکھ رہا ہے۔ ان میں کس قدر صداقت ہے۔ آج کل جتنی تاریخیں مروج ہیں۔ وہ تمام کی تمام ایک ہی رنگ میں اور ایک خاص مقصد کو لئے ہوئے ہیں۔ یعنے ہندوستان کے قدیم طرز حکمرانی پر نکتہ چینی ہو اور دیسی حکمرانوں کی برائیاں کھول کھول کر دکھائی جائیں۔ اور واقعات پر کچھ اس طرح پردہ ڈالا گیا ہے کہ اصل اور نقل کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں پڑھانے کے لئے ہر سال نئے نئے مورخین کی تصانیف پیش کی جاتی ہیں مگر وہ دراصل ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہیں اور مصنفین کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ جلب منفعت ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ ہندوستان کے متعلق جو نقش ایک ناظر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا چراگاہ بنا ہوا تھا۔ انسانیت کے نام پر یہاں کے باشندوں کو اس ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جن میں وہ گرفتار تھے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر ہندوستان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو آج یہ ملک چند وحشیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہوتا۔ بلکہ آج بھی انگلستان میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف ہندوستانیوں کی بھلائی کے

لیئے ہے۔ اس لئے کمپنی اپنا روپیہ اور خون بہا کر ہندوستان کی نجات کا باعث ہوئی۔

اور دوسرا الزام ایسے حکمرانوں پر یہ دیا جاتا ہے کہ ان میں حد درجہ مذہبی تعصب تھا۔ جس کی بنا پر انہوں نے غیر مذہب والوں پر تشدد کیا۔ اور اس سلسلہ میں علاوہ اور حکمرانوں کے عالمگیر اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان شہید خاص طور پر ہدفِ ملامت بنے ہوئے ہیں۔

دراصل یہ اسی قسم کی تاریخوں کا اثر ہے جو بچوں کے دل میں سرایت کر کے انہیں ایک دوسرے سے عناد رکھنے کے لیے بچپن ہی سے آمادہ کر دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی ایک صحیح اور اصل تاریخ لکھی جائے۔ اور واقعی اگر ایسے حکمرانوں میں برائیاں موجود ہوں تو انہیں واضح طور پر دکھایا جائے تاکہ دوسرے حکمرانوں کی آنکھیں کھلیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں کا دعوےٰ کس حد تک حق بجانب ہے۔ اور انہوں نے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے کن وسائل سے کام لیا۔ اس قسم کی ایک صحیح تاریخ لکھنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسئلہ ابھی تک حدودِ سیاست کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلا۔ اور خدشہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی کتاب رائی اور رعایا میں منافرت ڈالنے والی نہ سمجھ لی جائے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ وہ کاغذات جن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کی تاریخ منضبط ہے ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں انڈیا آفس یا پارلیمنٹ میں ہیں۔ جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور پھر جو کاغذات کہ وہاں بھی مل سکتے ہیں۔ ان کے متعلق بھی خود انگریزی مورخ ہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جیمس لکھتا ہے:۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات چھپانے میں ید طولیٰ حاصل ہے"

اور ایک دوسرا مؤرخ مسٹر کننگھم لکھتا ہے:۔

"حکومت کے تاریخی کاغذات میں اس درجہ رد و بدل کیا جا سکتا ہے کہ وہ موجودہ عارضی سیاست پر چسپاں ہو سکے۔"

آگے چل کر یہی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"جعلی سندات بنائے گئے ہیں جن پر وزارت کی مہر ہوتی ہے۔ تاکہ لوگوں کو یقین آجائے انہیں اس سلسلہ فریب سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔"

ان مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ کوشش نہیں کی جاتی کہ ایک صحیح تاریخ لکھی جائے، مگر کچھ نہ کئے جانے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے اور اس کے لئے جو کچھ مواد مل سکتا ہے وہ ان تاریخوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے جن کو چند انصاف پسند مؤرخین نے لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی موجودہ تواریخ میں بھی بہت کچھ مواد ہے۔ اور ایک نکتہ رس نظر اس میں بھی حق کو باطل سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ تاریخ کے مرتب کرنے میں مقامی روایات بھی بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے انتخاب میں بھی احتیاط لازمی ہے۔ انہیں موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی کوئی صحیح تاریخ لکھی نہیں جاتی۔ مگر ایک قوم کے لئے اس کی اپنی تاریخ کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے امید ہے کہ ہندوستانی مؤرخ اس ضروری اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے

سلطنت خداداد میسور کی تاریخ بھی تاریخ ہندوستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مؤرخ ہوں اور نہ ادیب۔ صرف ایک فرض منصبی اور تاریخ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی تصنیف اپنے ذمہ لی۔ کتاب کا جہاں تک نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ سے تعلق ہے مکمل ہے۔ اس میں صرف طوالت کے خیال سے

ہر لڑائی کی تفصیل اور مختلف سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی کارگذاریاں جو عین لڑائی میں اُن سے ہوئیں چھوڑ دی گئی ہیں مگر اس کے عوض یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس وقت کی سیاستِ ہندوستان کی تاریخ نہایت وضاحت سے دکھائی جائے تاکہ واقعات اور نتائج آسانی سے سمجھ میں آجائیں۔ اِس لئے کہیں کہیں اِن واقعات کو دُہرایا بھی گیا ہے۔

اب اخیر میں صرف اتنا عرض کرنا باقی رہ گیا ہے کہ اس تاریخ میں حیدرآباد۔ ارکاٹ، میسور وغیرہ کے واقعات بھی جن کا تعلق سلطنتِ خداداد سے رہا۔ دئے گئے ہیں بحیثیت تاریخی واقعات ہونے کے ان سے گریز ناممکن تھا۔ واقعات تاریخی ہیں اِس لئے انہیں بھی اسی نظر سے دیکھا جائے۔ مٹنے والے مٹ چکے اور ان کے عیوب و محاسن بھی انہیں کے ہمراہ چلا گئے۔ تاریخ صرف انہیں یاد دلاتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے سبق حاصل کریں۔

محمود

مقدمہ

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا۔ اِن حالات میں اگر کسی بہادر سپاہی کے دل میں جس کے لئے قدرت نے خود راستے کھول دیئے ہوں۔ الوالعزمیٔ جانبازی اور جہانگیری کے ولولے پیدا ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے؟ جنوبی ہندوستان کا یہ نامور ہیرو جس کے حالات زندگی ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اور تمام ملک ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک لوٹ مار، قتل و غارتگری کی جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اس افتراق انگیز صورت حالات کا ہر شخص پر اثر تھا ایک معمولی سپاہی بھی جو ہتھیار باندھ کر گھر سے نکلتا۔ اس کا منشا یہی ہوتا کہ کسی کو لوٹ کر زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرے۔ اس زمانے میں لوٹ مار ایک معمولی بات تھی۔ جو مذموم نہ سمجھی جاتی تھی۔ ایسے وقت میں ایک اولوالعزم انسان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اپنی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے ملک پر قبضہ کر کے رفتہ رفتہ تاج و تخت کا مالک بن جائے۔ ہمارا یہ نامور ہیرو بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا۔ اور چونکہ اس کی رگوں میں سپہگرانہ خون دوڑ رہا تھا اور اُسکے ساتھ ہی اس کے دل میں اولوالعزمی اور ناموری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کردی۔ کہ دُنیا میں اپنا نام ایک جانباز سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے چھوڑ جائے۔ اس بہادر سپاہی نے نہ تو انگریزوں کی طرح سیاسی چالیں چلیں نہ دوسرے صوبہ داروں کی طرح حرص اور فریب سے کام لے کر اپنے شاہی ملک پر قبضہ کیا۔ بلکہ اس نے محض اپنی بہادری، استقلال

اولوالعزمی اور عزم بالجزم سے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے درجہ سے تاج و تخت کے مرتبہ بلند تک پہنچایا۔ اس کی جنگی تدابیر اور اس کی شمشیر آبدار نے ایک طرف اگر مرہٹے اور نظام حیدر آباد کے قصرِ شاہی میں زلزلے ڈالدیئے تو دوسری طرف نواب کرناٹک اور انگریزوں کے گھروں میں بھی صفِ ماتم بچھادی۔

آج تاریخ ہند ماتم کر رہی ہے کہ باوجود اس جنگی فراست و توانائی کے ہمارے اس نامور ہیرو نے ایک ایسی فاش غلطی کی جس کے باعث آج ہندوستان تسفل اور تعبد کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اگر مدراس کا عہد نامہ لکھا جاتا تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کے کارنامے داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بہرحال نواب حیدر علی کی اس غلطی کو ہم اس لئے قابل معافی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سپاہی تھا۔ جسکو اپنی تلوار پر بھروسہ تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اس نے بہتر یہی سمجھا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کا بھی ملک میں رہنا ضروری ہے۔ اس کو کیا معلوم تھا کہ اس کا یہ رواداری آئندہ چلکر تاریخ ہند میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیگی کہ تمام ہندوستان اہل ملک کے قبضہ سے نکل کر غیروں کے قبضہ میں چلا جائیگا۔ اور خود اس کی نسل تاج و تخت سے محروم کر دیجائیگی اس کے ساتھ ساتھ زمانے کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس دشمن کو اس نے شکست دیکر قابل اعتنا نہ سمجھا اور اس کے ساتھ

"افعی کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن"

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اسی نے اس کی نسل کے ساتھ اس مقولہ پر

"کار خرد مندان نیست"

کا حاشیہ چڑھایا۔

بہرصورت یہ ہمارا نامور ہیرو گوشۂ گمنامی سے نکل کر ناموری کی اس حد تک پہنچا ہے جو اس کے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ وہ دنیا سے جس وقت متعارف ہوا تو معمولی سپاہی تھا اور جس وقت اسے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو وہ ایک نامور فاتح اور مالک تاج و تخت تھا۔ اور اپنے پیچھے شجاعت اور بسالت کی دھاک کچھ اس طرح بٹھا گیا تھا کہ آج جنوبی ہند کا بچہ بچہ اس کو حیدر علی کے نام سے نہیں بلکہ "بہادر" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ بہادر تھا جنوبی ہندوستان نے بہادری کا ایسا بے مثل نمونہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور یہی وجہ اس کے نام کی ہے۔

اس نامور ہیرو کی سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر تاریخوں میں اس کی سخت گیری اور غارتگرانہ اقدامات کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق کچھ لکھوں۔ اور انگریزی مورخین نے اسکو "غاصب سلطنت میسور" جو مشہور کر رکھا ہے۔ اس کی کماحقہ تردید کروں۔

یہ صحیح ہے کہ نواب حیدر علی خاں نہایت سخت گیر حاکم تھا۔ اور جب کبھی میدان جنگ میں اترتا تھا تو لوٹ مار کا حکم دیکر شہر اور دیہات تباہ کر دیتا تھا بلکہ کھیتوں کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص لوٹ مار اور غارتگری کو اپنی گذر اوقات کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ نواب حیدر علی کو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور شہروں اور دیہات میں بسنے والے لوگ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس کا پلہ بھاری ہو۔ اسی سے ملجائیں اور چونکہ نقل و حرکت اور نقل و حمل کے وہ وسیع ذرائع موجود نہیں تھے جو آج اس زمانہ میں موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں پر قابو پانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ ایسا

بے کس اور بے دست و پا بنا دیا جاتے تاکہ یہ لوگ موقع پاکر دشمن کے ساتھ مل کر فساد نہ کریں اور قوتِ مسلّطہ کیلئے فتنہ کا باعث نہ ہوں اس کے علاوہ اس وقت چونکہ جنگ کی کامیابی کا انحصار غلّہ اور دوسرے اسبابِ معیشت پر تھا اس لئے ضروری تھا کہ غنیم کے ہاتھ ایسی کوئی چیز نہ آئے۔ یہ ایک سخت غلطی ہے کہ ہم اس زمانہ کو موجودہ زمانہ کے ساتھ تطابق دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریل، تار، ٹیلیفون، جہاز اور طیاروں نے دنیا کی طنابیں کھینچکر رکھدی ہیں۔ اگر دنیا کے کسی ایک حصہ میں جنگ ہو تو دنیا کے اطراف و اکناف سے ریل اور جہازوں کے ذریعہ سامانِ خورد و نوش اور سامانِ حرب لایا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں اس قسم کے ذرائع مفقود تھے اور جو کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا۔ اسی محدود علاقہ میں حاصل کیا جاتا تھا جہاں جنگ ہوا کرتی تھی۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے۔ تو حیدر علی نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بجانب تھا۔ انگریز مورخین سے بجا طور پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی فوجیں اس وقت کہاں سے رسد حاصل کیا کرتی تھیں؟ اور حیدر علی کو انگریزی علاقہ سے رسد نہ ملنے کیلئے انگریز کیا کرتے تھے؟ اس امر کو ہم ماننے کیلئے تیار ہیں کہ حیدر علی سخت گیر تھا اور ان قوموں سے جو اسکی اطاعت سے منحرف ہوتی تھیں سختی سے باز پرس کرتا تھا۔ دنیا کی تاریخ انہی واقعات سے بھری پڑی ہے حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کرتی آئی ہیں۔ اگر نواب حیدر علی نے بھی اس قانون پر عمل کیا تو وہ ہدفِ مطاعن کیوں بنایا جاتا ہے موجودہ زمانہ میں جس کو تہذیب و ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اخلاق و انسانیت کا وعظ ہمارے ناصحین مشفق اس شد و مد سے دیا کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ آج کل بھی یورپین مدعیانِ تہذیب و انسانیت اپنی نافرمان و سرکش رعایا سے کیا سلوک کرتی ہیں۔ یہ تو اب ایک معمولی بات ہوگئی ہے کہ نہتی آبادیوں پر ازدر و دم توپوں سے گولے اور عقاب پیما طیاروں کے ذریعہ بم برسائے

جاتیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو جلا کر خاک سیاہ کرنا آج بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح صدی دو صدی پیشتر تھا۔ مگر تعجب ہے کہ حیدر علی اپنی نافرمان رعایا کو سزا دے تو وہ سخت گیر اور ظالم کا نام پائے اور مدعیانِ تہذیب اپنے فعل کو عین رحم و انسانیت قرار دیں۔

نواب حیدر علی کے مظالم کی تصویر کا ایک رُخ دکھلانے والے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ میدانِ جنگ میں حیدر علی ایک تندمزاج، جبار و قہار سپہ سالار تھا۔ تو امن کے وقت وہ ایک نہایت حلیم، رحمدل اور انصاف پسند بادشاہ تھا اور جس وقت دشمن پر قابو پا جاتا تو پھر اس کا دل اس طرح موم ہو جاتا کہ تواضع اور مدارات کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اس کا نامور امیر البحر علی راجہ جو اس کی بحری فتوحات کا باعث تھا۔ ایک وقت جب جزائر مالدیوا کے راجہ کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکلوا دیں تو حیدر علی نے اسے فوراً معزول کر دیا۔ اور باوجود فاتح ہونے کے اپنے شکست خوردہ حریف راجہ سے معذرت خواہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ مدراس میں جس وقت انگریزوں کا وجود اور عدم وجود اس کے چشم و ابرو کی ایک ادنیٰ جنبش پر منحصر تھا تو اس نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حیدر علی پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ:۔

"غاصبِ سلطنتِ میسور"

ہے جس نے راجہ کی ملازمت میں رہ کر اسی کے تاج و تخت پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہ سچ ہے کہ حیدر علی نے میسور کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر کن وجوہ کی بنا پر اس نے ایسا کیا؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ سلطنتِ میسور کی وسعت اور عظمت حیدر علی کے قوتِ بازو کی رہینِ منت ہے۔ اور باوجود اس عرق ریزی، جانفشانی اور وفاداری کے راجۂ میسور اپنے

سپہ سالار کو یہ صلہ دیتا ہے کہ اس کے قید یا قتل کرنے کا حکم جاری کرتا ہے حالانکہ خود اسکے وزراء جب اس کے خلاف سازش کر کے محلات پر گولہ باری کرتے ہیں تو وہ حیدر علی ہی تھا جس نے تاج وتخت میسور کو بچایا۔ تاریخ نہیں بتاتی ہے کہ میسور کا راجہ اپنی رانیوں اور وزراء کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا۔ اور جو اسکو سکھلایا جاتا وہی کرتا تھا۔ اس حالت میں کہ جب وزراء خود نواب حیدر علی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان نمک حراموں نے خود اس کے خلاف سازش کر کے اسکی جان لینا چاہی تھی۔ تو حیدر علی سا اولوالعزم سپاہی یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اپ کی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اسقدر آسانی کے ساتھ دوسروں کے قبضہ میں چلی جاتی۔ اس موقع پر اس نے وہی کیا جو ایک دانشمند انسان بار بار ٹھوکریں کھانے کے بعد کر سکتا ہے چنانچہ یہی ہوا کہ حیدر علی نے خود زمام سلطنت اپنے ہاتھوں میں لی مگر راجہ کو بطور ایک باجگذار والئی ریاست کے تین لاکھ کی آمدنی کا ملک دیکر اپنی نگرانی میں رکھا۔ راجہ کے اعزاز و مراتب وہی قائم رکھے گئے جو اس کو پہلے سے حاصل تھے۔

کیا موجودہ تہذیب وتمدن کی تاریخ اس قسم کا کوئی ثبوت پیش کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نوابان ارکاٹ واودھ۔ راجگان ناگپور وستارہ سے کس قسم کا سلوک کیا ہے۔ اگر حیدر علی بھی یہی دل و دماغ لیکر آتا۔ تو اس کے لئے یہ آسان تھا کہ راجگان میسور کے خاندان کا نام ونشان مٹا دیتا یا اسکو شہر بدر کر دیتا۔

اس کے علاوہ دنیا کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک جتنے حکمران خاندان گذرے ہیں۔ ان میں بانیان حکومت ہمیشہ غاصب ہی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہی وجہ دنیا میں حکومتوں کے عزل اور نصب کی ہے۔ قدرت کا قانون ہمیشہ اٹل رہا ہے اور اب بھی اسی طرح اٹل ہے۔ گذشتہ زمانہ کو چھوڑ کر اگر صرف موجودہ حکمران خاندانوں

کو لیا جائے اور ان کے بانیوں کی سوانح حیات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر بانیٔ حکومت دوسرے خاندان کی حکومت غصب کر کے ہی سر یر آرا ہوا۔ اگر حیدر علی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے تو یہ سوائے تعصب کے اور کچھ نہیں۔

انگلستان میں کرامول، فرانس میں نپولین، روس میں لینن، ترکی میں مصطفےٰ کمال ایران میں رضا شاہ، افغانستان میں نادر شاہ، جنوبی ہند میں سلطنت وجیانگر کا بانی ہری ہر اول اور آخر میں رام راج اور ترملا جنکی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ کیا یہ تمام کے تمام غاصبانِ حکومت نہیں؟ لیکن الزام لگانے سے پیشتر دیکھا جاتا ہے کہ اسوقت کے حالات کیا تھے جن سے مجبور ہو کر انہوں نے ایسا اقدام کیا اور آیا انکی ذات ملک و قوم کے لئے فائدہ مند ہوئی یا نہیں؟ اگر حیدر علی پر غاصب کا الزام آسکتا ہے تو آج دنیا کے تمام حکمران خاندان بھی غاصبانِ حکومت ہی ماننے پڑیں گے۔ ورنہ شکم مادر ہی سے کوئی بھی تاج و تخت اپنے ساتھ نہیں لایا اور نہ حکومت و سلطنت نے ہمیشہ کیلئے کسی خاندان میں بقا کا درجہ حاصل کیا ہے اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اس نظریہ کے ماتحت انصاف سے حیدر علی کو دیکھا جائے اور ساتھ ہی اس کے سلوک پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہ نسبت اور بانیانِ سلطنت کے حیدر علی کا کیریکٹر نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔

اب خیر سے صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا باقی ہے جس میں ابھی تک ہمارے بہت سے بھائی مبتلا ہیں۔ ذات پات نسل اور خون کے امتیاز کو اسلام مٹا چکا ہے مگر باوجود اس کے وہ ابھی تک نواب حیدر علی اور اس کے خاندان کو اس بنا پر حقیر سمجھتے ہیں کہ وہ ایک نایک تھا۔ اور لطف یہ کہ وہ لفظ نایک کو ایک خاندانی نام تصور کر بیٹھے ہیں حالانکہ نایک ایک فوجی عہدہ تھا، جو ملیبہ میں فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اور چونکہ ہمارا ہیرو

بھی ابتدا میں فوجی افسر تھا۔ اسی لئے اس وقت اس کو نایک کا خطاب دیا گیا۔ اور یہی وہ خطاب ہے جس کو آج انگریزوں نے بھی اپنی فوج میں رائج کر لیا ہے۔ آج انگریزی فوج ہی کی ترکیب کو دیکھئے کہ کس وضع سے ہوتی ہے۔ سپاہی، نایک، حوالدار، جمعدار اور صوبیدار ایک انگریزی پلٹن کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزوں نے یہ خطابات ملک کے مختلف حصوں سے لئے اور فوج میں رائج کر دیئے۔ نایک تو خاص فوجی خطاب تھا جو میسور میں رائج تھا۔ حوالدار اور جمعدار دکنی سلطنتوں (بیجاپور وغیرہ) میں سیول عہدہ داروں کیلئے مخصوص تھے۔ جو آج افسران پولس اور جمع بندی یعنی سرکاری محصول وصول کرنیوالوں کو دئیے جاتے ہیں۔ یوں بھی تو آج ایک ضلع کے افسر کو جسکے اولین فرائض میں جمع بندی ہیں کلکٹر کہا جاتا ہے۔ جیسے اردو میں جمعداری کہہ سکتے ہیں۔ سلطنت مغلیہ اپنے صوبوں کے سب سے بڑے افسر کو صوبہ دار کا خطاب دیتی تھی۔ اور یہی آج انگریزی فوج میں ایک ایسے افسر کو جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ ماہوار لیتا ہو۔ دیا جاتا ہے اور اس کے ماتحت چھہتر یا ستر سپاہی ہوتے ہیں۔

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی کہ تسخیر قلوب اس طریق سے کرے کہ لوگ محض نام و نمود کی خاطر اس کی وفاداری کا دم بھرنے لگیں۔ اور بڑے بڑے خطابات کا اس طرح فوج میں دیا جانا ہی وہ راز ہے۔ جو اس وقت انگریزی دیسی فوج کی بھرتی کا سبب بنا ہے۔

اس کلیہ کے تحت حیدر علی کی ترقی نایک سے ہوئی۔ چونکہ اس وقت میسور میں صوبہ داری رائج نہ تھی (کیونکہ ریاست ہی اس قدر چھوٹی تھی کہ بمشکل ایک تحصیل کہلا سکتی تھی) اس لئے صوبہ دار کس طرح ہو سکتے تھے؟)

دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مشاہیر عالم کی ابتدا بالکل معمولی طریق پر ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح حیدر علی کا آبائی پیشہ بھی سپہ گری تھا۔ حیدر علی بھی ابتدا میں معمولی سپاہی تھا میسور کو اب تک ناز ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ اس کی خاک سے ایک ایسا سپاہی اٹھا جس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر فرانس اور انگلستان کے قشون قاہرہ تک پہونچی جس کی کی تلوار کی جھنکار سے ہندوستان کی ریاستوں اور سلطنتوں میں تو ایک طرف، سات سمندر پار انگلستان کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے ؎

اپنی قسمت پر تو اے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

خدا کی شان ہے کہ یہ بچہ جو ایک معمولی گھرانے اور ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے تخت میسور پر قابض ہو کر کل جنوبی ہندوستان پر حیدری جھنڈا لہراتا ہے، اور جنوبی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کی حشمت و جلال کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اور اس کی زبردست شخصیت یہاں تک تاریخ ہندوستان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ اس کی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹے جو اس وقت علاقہ بمبئی میں انگریزوں سے جنگ کر رہے تھے اور انگریزوں کی ہستی جنرل گوڈارڈ کی شکست سے انکے رحم پر منحصر ہو چکی تھی۔ ہتھیار ڈال کر صلح نامہ سالبئی پر دستخط کر دیتے ہیں جس کے باعث انگریزوں کے قدم علاقہ بمبئی میں بہت مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

ہندوستان کا یہ نامور ہیرو اپنی بہت سی خصوصیات میں ظہیر الدین بابر بانی سلطنت مغلیہ سے ملتا جلتا ہے شہنشاہ بابر میں جو جو خوبیاں تھیں وہ کم و بیش حیدر علی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جس طرح بابر پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اسی طرح

حیدر علی کو بھی خطرناک مہموں کا سامنا کرنا پڑا ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حیدر علی کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں طور پر ہر دلعزیز تھا۔ اسکے حالات زندگی مسلمانوں نے بھی لکھے ہیں اور انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی سب کے سب معترف ہیں کہ اسکی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک تھے۔ اور اس کے دل میں ہر مذہب و ملت کیلئے احترام تھا۔ اس کی حیرتناک ترقی، اس کے شجاعانہ کارنامے اس کی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے افسانے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔

حیدر علی کے بعد ابوالفتح ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ٹیپو سلطان کا درجہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ متعصب سے متعصب مؤرخ بھی تعریف کرتا ہے کہ خاک ہندوستان سے اٹھ کر سب سے پہلے جس شخص نے

"ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہے"

کا کلمۃ الحق بلند کیا۔ وہ یہی سلطان ہے۔ اس کی وسیع النظری دیکھ چکی تھی کہ ہندوستان کی تباہی کا اصل راز یہاں کی مختلف قوموں کی نااتفاقی میں پنہاں ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت کیا خیال ہے۔ اور آئندہ ان کے منصوبے کیا ہیں۔ حیدر علی بلاشبہ ایک جنگجو سپاہی تھا مگر ہمہ رواداری بھی حد درجہ تھی۔ سلطان کی عاقبت بین نظریں دیکھ رہی تھیں۔ کہ اس رواداری کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا جس وقت عنان حکومت اسکے ہاتھ میں آئی تو اس نے اپنی پوری توجہ اتحاد المسلمین اور اتحاد بین الاقوام ہند پر صرف کر دی ملک کی صنعت و حرفت پر پوری توجہ کی کہ ہندوستان کہیں غیر ممالک کا محتاج نہ ہو جائے۔ سلطان کے یہی عزم و ارادے

تھے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنا دیا تھا اور اسی مخالفت نے اسکو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا۔ مگر اس کے باوجود سلطنت خداداد میسور نے صنعت وحرفت اور دیگر فنون میں جو ترقی کی وہ میسور کو پھر کبھی بھی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان پر ہرگز قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر آباد اور مرہٹوں کو اپنا کے جو کچھ کیا اس کی خود تاریخ شاہد ہے۔ اس لحاظ سے کہ سلطان ہی وہ پہلا شخص ہندوستان میں گذرا ہے جو استعمار فرنگ سے ہندوستان کو آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر ہند کا سچا خیر خواہ اور محب تھا۔ اسے تاریخ میں ایک ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے جو ہندوستان میں اب تک کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوا۔

دنیا کی تاریخ مشکل ٹیپو سلطان کی نظیر پیش کر سکے گی۔ کیونکہ بیچے تاریخی حالات آج اس کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اتنی عظیم الشان شخصیت ہندوستان میں کیا کرنا چاہتی تھی۔ اگر زمانہ اس اولوالعزم سلطان کے ارادوں کو پورا ہونے دیتا تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ اگر لمحات فرصت میں تاریخ پر اور ٹیپو سلطان کے حالات پر غور کیا جائے تو حیرت ہو گی کہ سلطنت خداداد کے زوال سے کتنا بڑا انقلاب ہندوستان میں آیا۔

ہندوستان پر سیادت کیلئے انگریز۔ فرانسیسی۔ نظام الملک حیدر آباد اور مرہٹوں میں کس طرح کی کشمکش تھی۔ ان کو خاص سلطان کے حالات میں واضح کر دیا گیا ہے۔ باوجود ان سخت مصائب میں مبتلا ہونیکے وہ ملک کی ترقی اور رعایا کی فارغ البالی سے بے خبر نہیں تھا۔ چنانچہ پروفیسر جائیسر (جنہوں نے تحقیق کی ہے) لکھتے ہیں کہ:۔

"اس کے حریف ہمیشہ اس کے مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اس کے خاص

افسر ہمیشہ اس کے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے مگر یہ سلطان ہی کا ول وجگر تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کرتا رہا۔"

سلطان نے بار بار کوشش کی کہ نظام الملک اس سے ملجائے مگر افسوس کہ اس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ غیروں سے ملکر اس شیر کو مٹا دیا جائے نمکحرام وزرا کی غداری اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے آخر سلطنت خداداد صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔ اس شیر کی لاش پر جب جنرل ہارس آیا تو فرط خوشی سے پکارا اٹھا کہ:-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

ان الفاظ میں کتنی صداقت پنہاں تھی۔ ذیل کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کس طرح جنرل ہارس کا لفظ لفظ سچا ثابت ہوا ہے۔

سنہ ۱۷۹۹ء:- تسخیر سرنگا پٹم یعنے زوال سلطنت خداداد۔ الحاق جنوبی ہند اور میسور میں رزیڈنٹ کا تقرر۔

سنہ ۱۸۰۰ء:- کڈپہ، کرنول، بلاری، اننت پور اور تنجاور پر انگریزی قبضہ،

سنہ ۱۸۰۱ء:- کرناٹک سے نواب ارکاٹ کو نکال کر مدراس پہنچا دیا گیا۔ اور کرناٹک کا الحاق انگریزوں نے کر لیا۔

سنہ ۱۸۰۱ء:- صوبجات اودھ پر انگریزی قبضہ۔

سنہ ۱۸۰۲ء:- مرہٹی سلطنت کا خاتمہ۔ سورت کا عہدنامہ۔ دربار پونا میں انگریزی رزیڈنٹ کا تقرر۔ بڑودہ پر قبضہ۔ اور گجرات کا الحاق۔

سنہ ۱۸۰۳ء:- حیدرآباد میں رزیڈنٹ کا تقرر۔ حیدرآباد اور انگریزوں کا حلیف بن گیا۔ ناگپور میں رزیڈنٹ کا تقرر۔

بندیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ۔

آگرہ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ۔

جے پور اور جودھپور پر انگریزوں کا قبضہ۔

گوالیار میں ریزیڈنٹ کا تقرر۔

۱۸۱۳ء:۔ ماریشس پر قبضہ

نیپال میں ریزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۶ء:۔ شملہ۔ مسوری۔ نینی تال۔ لنڈھوری پر قبضہ

۱۸۱۷ء:۔ ناگپور پر قبضہ

۱۸۱۸ء:۔ پونا کے پیشوا کی معزولی اور ملک پر انگریزی قبضہ

۱۸۱۹ء:۔ آسام پر قبضہ اور برما میں ریزیڈنٹ کا تقرر

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے تاریخ اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ واقعی انگریزوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی تھی۔ ۱۰ فروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں جس شان کا جلوس نکالا اور انگلستان میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ سر جان انیس ٹرو نظر جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کے لئے کافی تھی یہ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل توجہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان میں ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا"

کیا عجب ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے بعد قدرت نے اہلِ ہند کو ایک اور سنہری موقع دیا ہو۔ کہ وہ حیدر علی اور اس کے فرزند ٹیپو سلطان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے فائدہ

اٹھائیں۔ لیکن یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ اس نے قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے برباد کر کے چھوڑا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نہایت سختی سے انتقام لیتا تھا۔ مگر کیا آج حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیتیں؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسی جذبۂ انتقام سے دیوانہ ہو کر کچنر نے مہدی سوڈانی کی ہڈیاں تک قبر سے نکال کر جلا ڈالیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریزی افسروں کے ہاتھوں جو کارروائیاں ہوئیں ان کی یاد ابھی دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ مگر تاریخ سلطنتِ خداداد میں ایک مثال بھی اس قسم کی دیوانگی کی نہیں ملتی۔

جس طرح نواب حیدر علی غیر متعصب تھے۔ اسی طرح ٹیپو سلطان کے دل میں ہر مذہب و ملت کے لئے عزت تھی جس کا ثبوت آج ملک کے تمام معابد و مناور دے رہے ہیں۔ گو مدارس کی مروجہ تواریخ پردے بھی ڈالنا چاہیں۔ مگر اصل تاریخی واقعات اس طرح چھپائے سے نہیں چھپ سکتے۔ سرنگاپٹم و سرینگری کے مناور اور جاگیریں زبانِ حال سے سلطان کے الطاف و عنایات کا پکار پکار کر ذکر کر رہی ہیں۔ یہی وہ حسنِ سلوک تھا۔ جس کی شہادت پر بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ایک نے ماتم کیا۔

باپ اور بیٹے کے یہی وہ کارنامے تھے جو ان کے نام کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں کہ گویا وہ ابھی تک ہمارے درمیان موجود ہیں۔ اور انہیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہے۔ کہ آج بھی ان کے مزارات پر عقیدت و احترام کے پھول برسائے جاتے ہیں۔

محمود

مسلمان میسور میں کب آئے؟

اتنا زمانہ گذرنے کے بعد یہ ٹھیک طور پر پتہ نہیں لگایا جا سکتا کہ میسور میں مسلمان پہلے پہل کب آئے؟ یوں تو جنوبی ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ ملک عرب میں جس وقت اسلام کا ظہور ہوا۔ تو ملیبار و دکن میں بھی اسی زمانہ میں اس مذہب کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ ضلع ملیبار جنوب میں اور دکن ملک میسور کے شمال میں واقع ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اولیأ اللہ اور دوسرے مبلغین اسلام کی کوششوں سے ملک میسور میں بھی کچھ لوگ اسلام لائے ہوں۔

ان کی موجودگی کا ثبوت مغربی سیاح ابن بطوطہ کی تحریر سے ملتا ہے کہ جب ملک کافور میسور پر حملہ آور ہوا تو راجہ بلالا دیو سوم کے پاس بیس ہزار مسلمان سپاہی موجود تھے۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

"راجہ بلال دیو (حاکم دوسمدر یعنی میسور) کے پاس بیس ہزار مسلمانوں کی فوج تھی۔ جن میں زیادہ تر جنگی قیدی اور غلام تھے" (ابن بطوطہ از مولوی محمد حسین صاحب)

اب سوال یہ ہے کہ یہ جنگی قیدی اور غلام کہاں سے آئے۔ ہوئے سال سلطنت کی تاریخ اس کا جواب دیتی ہے کہ بلالا دیو نے دکن پر کئی بار فوج کشی کی تھی۔ اور ان فوج کشی کے سلسلہ میں دکن کے مسلمان قید ہو کر آئے تھے۔ اس لئے یہ ایک غلط خیال ہے کہ میسور میں مسلمانوں کی ابتدا ملک کافور کے حملہ سے ہوئی لیکن یہ صحیح ہے کہ ان کو جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ملک کافور کے حملہ کے بعد ہی ہوئی۔ اسی لئے مورخین نے میسور میں مسلمانوں کی آمد

ملک کافور کے زمانہ میں بتائی ہے۔

میسور پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ سنہ ۱۳۱۱ء میں ہوا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان علاؤالدین خلجی داد سلطنت دے رہا تھا۔ اس زمانے میں انتہائے جنوب میں مدورا کے تخت کے لئے دو بھائی ویر پانڈے اور سندر پانڈے لڑ رہے تھے۔ ویر پانڈے کی تائید پر ہوے سالا راجہ بلا لا سوم تھا جس کی راجدھانی ملک میسور میں تھی۔ اور اس کا پایۂ تخت دوارکا سمندرم یعنی موجودہ ہلے بید میں تھا۔ سندر پانڈے نے یہ دیکھ کر سلطان علاؤالدین خلجی سے مدد چاہی جس نے ملک کافور کو جنوب پر فوج کشی کیلئے بھیجدیا۔ ملک کافور نے مدورا آتے ہوئے راجہ بلالا سوم کے پایۂ تخت پر حملہ کیا۔ جنگ میں راجہ کو شکست ہوئی۔ ملک کافور یہاں سے مکود پاتا وار۔ بنگلور اور ہسور کے راستے سے مدورا کی طرف بڑھا۔

کافور کے حملے کے بعد سنہ ۱۳۲۶ء میں پھر مسلمان اس ملک پر شہنشاہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں حملہ آور ہوئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال کے بعد ہوے سالا سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں کے یہ دو حملے میسور پر ہوئے۔ مگر ان سے پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مسلمان خاندان یہاں آباد ہوا ہو۔ سنہ ۱۴۰۶ء میں سلطنت وجیانگر کے راجہ دیوراya کی بیٹی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں بعض مسلمان خاندان بہمنی سلطنت دکن سے نکل کر وجیانگر کی فوجی ملازمت میں داخل ہوگئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کا ایک قلیل حصہ اضلاع بلاری کڑپہ وغیرہ میں پھیل گیا تھا۔ ممکن ہے کہ موجودہ حدود میسور میں بھی کوئی خاندان آباد ہوگیا ہو۔ لیکن وجیانگر کے راجہ کرشنا دیوراya کے عہد میں ان تمام مسلمانوں کو جلا وطن کردیا گیا تھا۔ اس کے بعد میسور کا نام تاریخ میں ۱۵۶۵ء میں آتا ہے۔ جبکہ جنوبی ہندوستان کی

بڑی سلطنت وجیانگر کا خاتمہ تالیکوٹہ کی جنگ میں ہو گیا تھا۔ اب تک تو مسلمان دریائے کرشنا
کے شمال ہی میں تھے۔ فتح وجیانگر کے بعد ان کے لیے جنوبی راستہ کھل گیا۔ بیجاپور کی اسلامی
فوجیں ۱۵۷۵ء میں بلگنڈہ تک پہنچ گئیں اور اس طرح میسور کے شمالی حصہ میں مسلمان آباد
ہو گئے۔ اور یہاں انکی حکمرانی قائم ہو گئی۔ مگر اس کے بعد مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے حملے اطراف
میں ہوتے رہے۔ مگر ۱۶۳۶ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگذار بن گیا جس کے بعد ہی بیجاپور
کی اسلامی فوج رن دولہ خاں کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی۔ اور تریکرہ بسوپٹن
ہری ہر پر قابض ہو گئی۔ کاولدرگ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم پر حملہ ہوا۔ جو اس وقت
پایۂ تخت تھا۔ سرنگاپٹم کو اس وقت فتح نہیں ہوا تھا مگر اسلامی فوج نے ۱۶۳۸ء میں بنگلور
بنگلور اور ساوندرگ پر اپنا قبضہ جما دیا۔ اب یہ فوجیں مشرق کی طرف بڑھیں اور ۱۶۳۹ء میں
کولار، ہوسکوٹ، ویلور اور جنجی پر قابض ہو گئیں پھر یہ فوجیں پائین گھاٹ سے میسور پر آئیں۔
ڈوڈبالاپور، سرا اور چاندہ گ ۱۶۴۲ء میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے۔ مفتوحہ علاقہ کو صوبہ کرناٹک
بالاگھاٹ کا نام دیا گیا۔ اور شہر سرا کو گورنر کا صدر مقام بنایا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان بیجاپور
سے آ کر یہاں آباد ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مشرق میں جو فتوحات ہوئی تھیں۔ ان کو پائیں گھاٹ
کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر چونکہ سیواجی کا باپ شاہ جی اسلامی عساکر کے ساتھ تھا اور شاندار خدمات
انجام دے چکا تھا۔ اس لیے بنگلور بطور جاگیر شاہ جی کو دے دیا گیا۔ اور اس طرح مرہٹے
بھی آ کر آباد ہونے لگے۔

چونکہ جنوبی ہند کی اسلامی ریاستیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ آمادہ فساد رہتی
تھیں۔ اور مرہٹوں سے مل کر سلطنت مغلیہ سے بغاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس لیے

اورنگ زیب عالمگیر نے ۱۶۸۲ء میں جنوبی ہند پر حملہ آور ہوا۔ اور ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی سلطنت
کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہو گیا۔ عالمگیر نے جنوب کے انتظام کیلئے دو صوبہ
داریاں قائم کیں۔ ایک ارکاٹ کی اور دوسری سرا کی۔ سرا کا صوبہ بالاگھاٹ میں تھا جس میں
میسور واقع ہے۔ سرا کا پہلا مغلیہ گورنر قاسم خان تھا جس نے میسور فتح کیا تھا اسکے بعد
ذوالفقار خان گورنر تھا۔ اس کے عہد میں مسلمان میسور کے تمام اطراف و اکناف میں پھیل گئے
بیجاپور کے مسلمان پہلے ہی سے کچھ آباد تھے۔ اور اب بیجاپور کے سقوط سے وہاں کی کثیر
آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ اضلاع بلاری۔ اننت پور اور چیتل درگ میں آ گئی۔ اسلئے
میسور میں جس قدر بھی مسلمان آباد ہیں۔ ان میں قریباً نوے فیصدی آبادی بیجاپور کے
مسلمانوں کی ہے۔

نوٹ:۔ سرا بنگلور سے ۷۰ میل شمال مغرب میں واقع ہے۔ موجودہ آبادی قریب پانچ ہزار
کے ہے۔ سلاطین بیجاپور اور سلطنت مغلیہ کے صوبہ داروں کا دار الحکومت رہنے کے باعث اس زمانہ
میں یہاں پچاس ہزار مکان آباد تھے۔ سلاطین مغلیہ کے آخری صوبہ دار دلاور خان کا محل نہایت
شاندار اور مغلیہ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ اب بھی اس جگہ ۵۲ مساجد کے آثار نظر آتے ہیں۔
عہد بیجاپور کی مسجد کے علاوہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد اور عیدگاہ اب بھی اچھی حالت
میں باقی ہیں۔ یہاں عالمگیر اورنگ زیب کی ایک بیٹی کا مزار بھی ہے۔ سوائے اس مسجد اور عیدگاہ
کے تمام شہر اور مساجد وغیرہ ویران پڑے ہیں۔ اور جا بجا کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے مزار اور
عمارات ایک عجیب نقشہ پیش نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تاریخ دکن وجنوبی ہند

سلطنت خداداد میسور کو دکن اور جنوبی ہند میں جن طاقتوں سے واسطہ رہا ہے جب تک ان کی ایک مجمل تاریخ نہ لکھی جائے سلطنت خداداد کی سیاست یا ملک کی اس وقت کی تاریخ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اس لئے ذیل میں یہ واقعات دیئے جاتے ہیں۔

تاریخ میسور

موجودہ ریاست میسور جس کا رقبہ ۲۹۴۶۹ مربع میل ہے۔ اور جس کے حدود پر اضلاع بلاری اننت پور اور علاقہ بمبئی شمال میں اضلاع چتور، سلیم اور کوئمبتور مشرق میں نیلگری اور ملیبار جنوب میں کورگ۔ کنارا اور علاقہ بمبئی مغرب میں ہیں۔ اس کی تشکیل سرنگاپٹم کے زوال کے بعد ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ اس سے پیشتر ریاست میسور صرف اس علاقہ کا نام تھا۔ جو موجودہ ریاست میسور اور اس کے مضافات ۳۳ دیہاتوں پر مشتمل تھا اس لئے مؤرخین نے تاریخ میسور میں اس تمام رقبہ کو جو موجودہ حدود ریاست کے اندر ہے شامل کرلیا ہے۔

اگرچہ رامائن اور مہابھارت میں اس سرزمین کا ذکر آیا ہے۔ مگر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان یہاں حکمران تھا وہ موریا خاندان تھا۔ چندرگپتہ اور اشوکا کے زمانے میں شمالی ہند سے بدھ مذہب کے مبلغین مہیش منڈلا آئے تھے اس زمانہ میں موجودہ

شہر میسور کا نام معین نہیں مثلاً تھا تاریخ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس قدر تاریک ہے کہ سنہ ۳۰۰ء بعد مسیح تک یہ پتہ بالکل نہیں چلتا کہ یہاں کے حکمرانوں کے نام کیا تھے سنہ ۳۰۰ء بعد مسیح یکے بعد دیگرے اور بیک وقت اس سرزمین پر ستواہن، مہاولی، گنگا، چالوکیا، ہوئے سالا اور یادوا خاندان حکمران ہوتے آئے ہیں۔ سنہ ۱۶۱۰ء میں موجودہ ریاست میسور کا رقبہ چھ ریاستوں پر منقسم تھا۔ ۱۳۳۶ء میں جنوبی ہندوستان کی وہ زبردست ہندو سلطنت وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں وجیانگر مشہور ہے علاقہ میسور بھی اس سلطنت کے زیر اثر آگیا۔ جنوبی ہندوستان اور میسور میں مسلمانوں کی آبادی کے کم ہونے کا باعث یہی سلطنت وجیانگر ہے جو تین سو سال یعنی ۱۵۶۵ء تک مسلمان حملہ آوروں کے درمیان حائل رہی سلطنت وجیانگر کا ایک گورنر سرنگاپٹم میں مقیم رہتا تھا۔ جو مختلف ریاستوں پر نگرانی کرنے کے علاوہ ان سے خراج بھی وصول کرتا تھا سلطنت وجیانگر کے زوال کے بعد اس تمام علاقہ پر سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہوگیا۔ جن کے گورنر کا صدر مقام شہر سرا تھا۔ ۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور کا خاتمہ کرکے اس علاقہ پر قابض ہوگئیں۔ چونکہ اس علاقہ کے علاوہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ بھی عالمگیر کے زیر اثر آگیا تھا۔ اس لئے جنوب میں ایک مستقل صوبہ قائم کیا گیا۔ اس صوبہ کا صدر مقام سرا تھا۔

شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ پر زوال آنا شروع ہوا تو شہر سرا مرہٹوں اور مسلمانوں کا آماجگاہ بنا رہا۔ اور چونکہ مرہٹے شہنشاہ مغلیہ سے فرمان حاصل کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان ریاستوں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔

ان تمام ریاستوں کا نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے یکے بعد دیگرے خاتمہ کر دیا۔

صرف ایک ریاستِ میسور جس پر خاندان اوڈیر حکمران تھا۔ اور جس کی واحد بانی سرنگاپٹم میں بھی باقی رہی۔ نواب حیدر علی کی ملازمت اسی خاندان میں ہوئی۔ اور اس حیثیت سے نواب اور ٹیپو سلطان ہمیشہ اس خاندان کو اپنا مربی سمجھتے رہے یہیں سے انہوں نے ترقی کرتے کرتے سلطنتِ خداداد میسور کی بنیاد رکھی تھی جس کا رقبہ اسی ہزار میل سے اوپر تھا سلطنتِ خداداد میں ریاستِ میسور کی حیثیت ایک جاگیردار کی رہ گئی جس پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان حکمران تھے۔ مگر راجہ کے اعزاز و مناصب اسی طرح قائم رہے جس طرح پہلے تھے۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس اسی شان و شوکت سے نکلتا تھا جس طرح پہلے نکلا کرتا تھا اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی نذر گذاری جاتی تھی۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ اس ریاست کا نام و نشان مٹا دیتے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہونے کے انہوں نے احسان کا بدلہ احسان ہی میں دیا۔ اور اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خاندان اوڈیر تختِ میسور پر حکمران ہے۔ مگر آجکل کی حکمتِ عملی کو کیا کیا جائے کہ مؤرخین تعصب کے جلب منفعت کا لنکا ہو کر حیدر علی کو غاصبِ سلطنت کہہ رہے ہیں۔

موجودہ حکمران خاندانِ میسور کی تاریخ

موجودہ حکمران خاندان اوڈیر کی ابتدا ۱۳۹۹ء سے ہوتی ہے۔ اس کے آگے میسور کی مختصر تاریخ

"تاریخ میسور"

والے مضمون میں دیگئی ہے۔ اس وقت یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس زمانے میں یا اس

کا عزل و نصب صرف حکمرانوں کی زندگی و موت سے وابستہ ہوتا تھا۔ موجودہ وقت میں
ہڈناڈ اور کارو گ ہلی میسور کے قریب بالکل معمولی دیہات ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ ریاستیں بالکل معمولی تھیں بلکہ اس قدر چھوٹی کہ ان کو جاگیر کا خطاب دیا جا سکتا
مگر اس زمانہ میں دشمنوں سے حفاظت کرنے کے لیے یہ جاگیردار جن کو پالیگار کہا جاتا ہے
فوج بھی ملازم رکھتے تھے۔

تاریخ میسور سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں دوارکا سے دو بھائی وجیا رایا اور
کرشنا رایا جنوب کی طرف آئے اور ہڈناڈ میں جو میسور کے قریب ہے ریاست کی بنیاد
ڈالی۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہڈناڈ کے راجہ کے مرنیکے بعد اس کی بیٹی دیوا جی منی سے
ایک قریبی علاقہ کارو گ ہلی کا راجہ شادی کرنا چاہتا تھا۔ مگر نیچ ذات ہونے کی وجہ سے
رانی اس پر راضی نہیں تھی۔ راجہ کارو گ ہلی نے ہڈناڈ پر قبضہ کر لیا اور جبراً شادی کی تیاریاں
ہونے لگیں۔ ایسے وقت میں وجیا رایا اور کرشن رایا نے رانی سے سازش کر کے عین شادی
کے موقع پر کارو گ ہلی کے راجہ کو قتل کر دیا جس کے بعد کارو گ ہلی کی فوجیں منتشر ہو گئیں
اور وجیا رایا سے اس لڑکی کی شادی قرار پائی۔ اور وہ ہڈناڈ کا راجہ بن گیا۔ اس طرح
ہڈناڈ کی حکومت وجیا رایا کے خاندان میں منتقل ہو گئی۔ سلطنت وجیا نگر جب تک
رہی۔ ہڈناڈ کی ریاست اس کی باجگذار رہی۔ مگر جب وجیا نگر کا زوال ہوا اس وقت
تمراج وڈیار نے علم آزادی بلند کر کے سرنگا پٹم کو ۱۵۶۶ء میں دار الحکومت بنایا اسکے
بعد فوراً میسور میں مسلمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اور ریاست میسور سلاطین بیجاپور کی باجگذار
بن گئی سنہ ۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ان علاقوں پر قبضہ کر لیا اور یہ
ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگذار بنی۔ سنہ ۱۶۹۶ء میں مرہٹے سرنگا پٹم پر حملہ آور ہوئے

مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چونکہ اس وقت شہنشاہِ ہندوستان عالمگیر اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں تھا۔ اس لئے راجہ چکدیوارایا اوڈیر نے اپنا رسوخ بڑھانے کیلئے دربارِ عالمگیر میں اطاعت و وفاکیشی کے طور پر تحائف روانہ کئے جس کے صلہ میں دربارِ عالمگیر سے اس کو خطاب جگدیوا ملا۔ نوبت و نقارہ کہنے کا حکم ہوا۔ اور راجہ کے بیٹھنے کیلئے ہاتھی دانت کا ایک تخت بھی دیا گیا (جو ابھی تک میسور میں ہے) دلّی کے انحطاط پر ایک طرف تو حاکم سرا نواب بن بیٹھا۔ اور دوسری طرف میسور کے راجہ خود مختار ہو گئے۔

۱۷۲۴ء میں ارکاٹ کا پہلا نواب سعادت اللہ خاں نواب سرا کی مدد سے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ زرِ نقد وصول کیا۔ اس کے دو برس بعد ۱۷۲۶ء میں مرہٹی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور بے شمار مال و متاع لیکر واپس ہوئے۔ ان حملوں نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ ۱۷۳۱ء میں راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وزراء نے اس کے ایک متبنیٰ لڑکے کو گدی نشین کیا۔ جو ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہا۔

اس راجہ کے بعد اس کا متبنیٰ لڑکا چامراج اوڈیر راجہ ہوا۔ اور اس نے وزیروں کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے وزراء نے سازش کرکے راجہ کو قید کر دیا۔ اور ایک تین سالہ لڑکے کو اس کا متبنیٰ بنا کر اسی کے نام پر حکومت کرنے لگے اس لڑکے کا نام کرشنا راجہ اوڈیر تھا ۱۷۲۹ء میں وزیر ننجراج جو در اصل ڈکٹیٹر تھا مر گیا۔ اور اس کی جگہ کراچوری ننجراج وزیر بنا اور اسی کے عہد میں نظام الملک ناصر جنگ سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۷۵۹ء میں پہلی دفعہ میسوری فوجیں حدودِ میسور سے نواب محمد علی والاجاہ کی امداد کیلئے باہر نکلیں۔ اور جنگ ترچناپلی میں حصہ لیا۔ حیدر علی بطور ایک افسر کے اس جنگ میں شریک تھے جس

کا بیان واقعات حیدر علی میں آئیگا۔ ذیل میں آگاہی کے لئے خاندانِ میسور کا شجرہ دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکمران خاندانِ میسور کا سلسلۂ نسب

نمبر	نام	از		تا	
۱۔	یدورایا وجیا	۱۳۹۹ء	سے	۱۴۲۳ء	تک
۲۔	چام راج اوڈیر اول	۱۴۲۳ء	"	۱۴۵۸ء	"
۳۔	تم راجہ اوڈیر اول	۱۴۵۸ء	"	۱۴۷۸ء	"
۴۔	چام راجہ اوڈیر دوم	۱۴۷۸ء	"	۱۵۱۳ء	"
۵۔	چام راجہ اوڈیر سوم	۱۵۱۳ء	"	۱۵۵۲ء	"
۶۔	تم راجہ اوڈیر دوم	۱۵۵۲ء	"	۱۵۷۱ء	"
۷	چام راجہ اوڈیر چہارم	۱۵۷۱ء	"	۱۵۷۶ء	"
۸۔	چام راجہ اوڈیر پنجم	۱۵۷۶ء	"	۱۵۷۸ء	"
۹۔	راجہ اوڈیر اوّل	۱۵۷۸ء	"	۱۶۱۷ء	"
۱۰۔	چام راجہ اوڈیر ششم	۱۶۱۷ء	"	۱۶۳۷ء	"
۱۱۔	راجہ اوڈیر دوم	۱۶۳۷ء	"	۱۶۳۸ء	"
۱۲	کنٹی روا نرسم راجہ اوڈیر	۱۶۳۸ء	"	۱۶۵۹ء	"
۱۳۔	ڈوڈو دیو راجہ اوڈیر	۱۶۵۹ء	"	۱۶۷۲ء	"
۱۴۔	چک دیو راجہ اوڈیر	۱۶۷۲ء	"	۱۷۰۴ء	"
۱۵۔	کنٹی روا اوڈیر	۱۷۰۴ء	"	۱۷۱۵ء	"

۱۶- دوڈ کرشنا راجہ اوڈیر سنہ ۱۷۱۵ء سے سنہ ۱۷۳۱ء تک

۱۷- چامراجہ اوڈیر ہفتم سنہ ۱۷۳۱ء " سنہ ۱۷۳۴ء "

۱۸- کرشنا راجہ اوڈیر سنہ ۱۷۳۴ء " سنہ ۱۷۶۶ء "

۱۹- ننجراجہ اوڈیر سنہ ۱۷۶۶ء " سنہ ۱۷۷۰ء "

۲۰- چامراجہ اوڈیر ہشتم سنہ ۱۷۷۰ء " سنہ ۱۷۷۶ء "

۲۱- چامراجہ اوڈیر نہم سنہ ۱۷۷۶ء " سنہ ۱۷۹۶ء "

۲۲- کرشنا راجہ اوڈیر سوم سنہ ۱۷۹۶ء " سنہ ۱۸۳۲ء "

نوٹ:- کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اوڈیر جمع ہے وڈیا کی۔ جو کنڑی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنے صاحب یا مالک کے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت سلطنت وجیانگر میں یہ خطاب ایک چھوٹے ضلع کے گورنر کو دیا جاتا تھا جس کے ماتحت ۳۳ دیہات ہوتے تھے۔ (تاریخ رئیس)

سلطنتِ خداداد کا خاتمہ سنہ ۱۷۹۹ء میں ہوگیا۔ راجہ کرشنا راجہ اوڈیر سوم کو موجودہ ریاست میسور دیوان پورنیا کی نگرانی میں دی گئی۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں راجہ کو معزول کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کر دیا۔ یہ انتظام پچاس سال تک قائم رہا۔ اور اس کے بعد پھر ریاست اسی خاندان میں مہاراجہ چامراجہ اوڈیر کو دے دی گئی۔

تاریخِ نوابانِ ارکاٹ

خاندانِ نایطہ

نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خاں

سنہ ۱۷۱۰ء سے سنہ ۱۷۳۲ء

دوست علی (برادر زادۂ نواب سعادت اللہ خاں)

سنہ ۱۷۳۲ء سے سنہ ۱۷۴۰ء

صفدر علی

سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۲ء

محمد سعید

سنہ ۱۷۴۰ء سے سنہ ۱۷۴۳ء

دختر

اس لڑکی کی شادی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے ہوئی۔
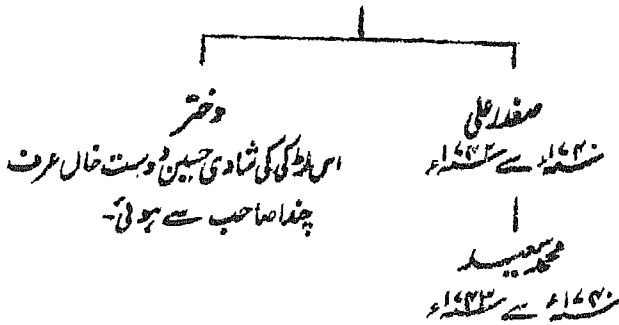
خاندانِ انوری

انوار الدین

سنہ ۱۷۴۳ء سے سنہ ۱۷۴۹ء

محفوظ خاں

محمد علی والاجاہ

سنہ ۱۷۴۹ء سے سنہ ۱۷۹۵ء

عبد الوہاب

عمدۃ الامراء

سنہ ۱۷۹۵ء سے سنہ ۱۸۰۱ء
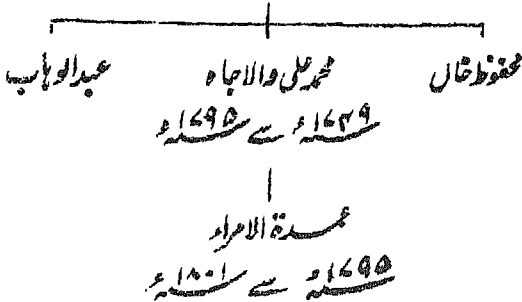
یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے جب جنوبی ہندوستان کو فتح کیا تو جنوبی ہند میں دو صوبہ داریاں قائم کیں ایک تسرا کی اور دوسری ارکاٹ کی ۱۷۱۱ء تک ارکاٹ اور تسرا ایک ہی صوبہ دار کے ماتحت تھے لیکن اس سال انتظامی نقطۂ نظر سے تسرا پر ایک دوسرے صوبیدار کا تقرر ہوا جس کا نام امین خاں تھا سعادت اللہ خاں جو ارکاٹ اور تسرا دونوں صوبوں کا صوبیدار تھا اس تقرر کے خلاف تھا مگر امین خاں زندگی بھر تسرا کا صوبیدار رہا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کمزور نکلے اس وقت نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن نے فیصلہ کیا کہ تسرا کی صوبیداری بھی سعادت اللہ خاں کو دے دی۔ اور طاہر خاں سعادت اللہ کی جانب سے تسرا کا صوبہ دار مقرر ہوا۔

سعادت اللہ خاں کا خاندان ۱۷۴۳ء تک ارکاٹ میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے آخری سالوں میں یعنی سنہ ۱۷۴۲ء میں محمد سعید نامی ایک صغیر سن لڑکا نواب بنا لیکن اس کے اہل خاندان نے اسکی مخالفت کی۔ ان مخالفتوں سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرے شخص انوار الدین نامی نے آصفجاہ نظام الملک اول کی تائید سے ارکاٹ کی امارت حاصل کر لی۔ (یہی انوار الدین خاندان والاجاہی کا بانی ہے) انوار الدین کی مخالفت پر محمد سعید کا ایک رشتہ دار حسین دوست عرف چندا صاحب تھا سنہ ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک کا انتقال ہوا تو تخت کیلئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں جنگ چھڑ گئی اس سے فائدہ اٹھا کر انوار الدین نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا اور چندا صاحب نے مظفر جنگ کا۔ مظفر جنگ ارکاٹ میں آیا تا کہ چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دلائے سنہ ۱۷۴۹ء میں آمبور کی جنگ میں انوار الدین کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا محمد علی والاجاہ فرار ہو کر ترچناپلی میں مقیم تھا۔ اس کے بعد جب ناصر جنگ محمد علی کی مدد کیلئے جنوب میں آیا تو مظفر جنگ نے ہتھیار ڈال دیئے اور محمد علی والاجاہ ترچناپلی سے نکل کر ارکاٹ میں آیا۔ اب چندا صاحب

فرار ہو کر پانڈیچری میں پناہ گزین تھا۔ لیکن اس عرصہ میں کڑپہ کے پٹھانوں نے غداری کر کے ناصر جنگ کو شہید کر دیا۔ مظفر جنگ کو رہائی نصیب ہوئی چندا صاحب پھر ارکاٹ کا نواب بنا۔ اور محمد علی ترچناپلی کو فرار ہو گیا چندا صاحب نے ترچناپلی کا محاصرہ کیا۔ محمد علی نے مدراس کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ یہ امداد چندا صاحب اور حیدر آباد دونوں کے خلاف تھی۔ اس امداد سے صلے میں ملک کرناٹک کا ایک بہت بڑا حصہ کمپنی کے ہاتھ آیا۔ ہندوستان میں اب تک کمپنی کی کوئی زمین نہیں تھی۔ یہی علاقہ کرناٹک ہے۔ جہاں کمپنی کی حکومت کی اوّل بنیاد پڑی۔

جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی کمپنی بھی نواب کو روپیہ قرض دیتی رہی۔ نواب والاجاہ محمد علی کا خیال تھا کہ چندا صاحب کو مٹا کر خود ایک مستقل حکمران بن جائے۔ اسلئے اس نے مظفر جنگ (حیدر آباد) کے خلاف بھی سازش کی جس کی وجہ سے حیدر آباد میں پھر سازشوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور حکمرانوں کا عزل و نصب شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۱ء میں بسالت جنگ کو معزول کر کے نظام علیخاں تخت نشین ہوا۔ مگر عین اسی وقت میسور میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی جو حیدر علی کی تھی۔ اب نواب بسالت جنگ نے سرا کی صوبیداری بھی اسکے حوالے کر دی۔ اب محمد علی کی توجہ حیدر آباد سے ہٹ کر حیدر علی کی جانب ہو گئی۔ کمپنی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ حیدر علی کے مقابل صف آرا ہو اس لئے حیدر آباد کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کا ستارہ ڈوب رہا تھا۔ اور قسمت کی گردش بدل رہی تھی۔ محمد علی والاجاہ اور نظام الملک میر نظام علیخاں انگریزی بساطِ سیاست کے دو مہرے تھے انہوں نے عمریں بھی طویل پائیں تاکہ ان کے ہاتھوں سلطنتِ خداداد مٹ جائے اور ہندوستان پر اغیار کا تسلط ہو جائے۔ محمد علی کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا۔ اور نظام علیخاں کی وفات ۱۸۰۳ء میں ہوئی لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ

"آزادی کا خواب دیکھنے والے خود محکوم بن گئے۔ اور اپنے ساتھ کل ہندوستان بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طوقِ غلامی پہنا گئے۔"

انگریز اور فرانسیسی

یورپ سے ہندوستان میں جو قومیں آئیں۔ ان میں جرمن، فلیمش، ڈچ اور پرتگالیوں کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی انگریزوں اور فرانسیسیوں کو نصیب ہوئی۔ حیدر علی کو انہی دو قوموں سے تعلق رہا ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہندوستان کی نااتفاقی اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر یہ وطیرہ اختیار کیا کہ ملک کے راجاؤں اور نوابوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار کر مال و زر کے عوض اپنی فوجوں سے مدد دینا شروع کی جس کی وجہ سے انکے قدم ملک میں جم گئے۔ جس زمانے کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں اس وقت انگریزی کمپنی کا انتظام وارن ہیسٹنگس کے ہاتھ میں تھا اور فرینچ کمپنی ڈوپلے کے ماتحت تھی۔

فرانسیسیوں نے اپنی تمام توجہ جنوبی ہندوستان پر جما دی لیکن انگریز، بنگالہ، بمبئی اور جنوبی ہند میں ہر طرف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک کی معرکہ آرائیاں، بنگال میں میر قاسم و میر جعفر کی ریشہ دوانیاں ۱۷۴۸ء میں نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد کی سازشیں اور کرناٹک میں نوابی کا خواب آزادی ان تمام واقعات نے مل کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک کھلا میدان مہیا کر دیا تھا جس میں دونوں قومیں فراخدلی سے اس خوان یغما پر

"چہ دشمن چہ دوست"

لکھ کر آتے ہیں ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی غلامی لکھی ہوئی تھی۔ انگریز کامیاب ہوگئے ۱۷۶۱ء میں فرانسیسی اقتدار کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ اور اب صرف انگریز ہی مرد میدان رہ گئے تھے۔ اب بنگال میں میر قاسم و میر جعفر۔ علاقہ بمبئی میں چند مرہٹہ ریاستیں دکن اور جنوبی ہند میں حکمران حیدر آباد اور محمد علی نواب ارکاٹ نے ان کے اشارہ چشم و ابرو پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طریق پر اپنی غلامی کے محضر نامے پر اپنے ہاتھوں سے ثبت کر دیں

مرہٹے حیدر آباد اور نوابان ارکاٹ

سلطنت مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک حیدر آباد نے شہنشاہی کے حصول کیلئے قسمت آزمائی شروع کر دی جس میں اول الذکر اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک وقت آیا جب پنجاب سے لیکر بنگالہ تک اور جنوبی ہندوستان میں تنجاور تک ان کا اقتدار قائم ہوگیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۰ء میں نظام الملک کے قبضہ میں صرف حیدر آباد اور اسکے مضافات رہ گئے۔ اگر اس کے دوسرے ہی سال میدان پانی پت میں مرہٹوں کی قسمت کا فیصلہ ہوجاتا تو عجب نہیں کہ کل ہندوستان میں مرہٹی سلطنت قائم ہوجاتی۔

جنوبی ہندوستان (صوبہ کرناٹک) میں نوابان ارکاٹ شاہان مغلیہ کی نیابت کر رہے تھے مگر جب تک مرکزی حکومت دہلی میں کچھ نہ کچھ قوت باقی تھی۔ اس وقت تک نوابان ارکاٹ کی نامزدگی صوبہ دار دکن ہی کرتا تھا مگر دہلی کی رہی سہی طاقت بھی ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔ اور ادھر نظام الملک حیدر آباد مرہٹوں سے دست و گریباں ہوگیا ۱۷۴۸ء میں نظام الملک کی وفات سے چند سال پیشتر مرہٹوں نے کرناٹک پر

قبضہ کر لیا۔ بڑی مشکل اور خونریز جنگوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو اس ملک سے بے دخل کرتے ہوئے میر انوار الدین کو ارکاٹ کی نوابی پر مقرر کیا مگر اس کے چند دن بعد ہی نظام الملک کی وفات ہو گئی۔ اور حیدر آباد کے تخت کیلئے بھائیوں ہی میں کشمکش شروع ہو گئی۔ یہ پیشتر لکھا جا چکا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ کی حمایت میں ارکاٹ کی نوابی کا دعوےٰ کیا تھا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نے مل کر ارکاٹ پر چڑھائی کی۔ اور آمبور میں انوار الدین کا خاتمہ ہو گیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان لڑائیوں میں کس قدر حصہ لیا۔ یہ سچ ہے کہ فرانسیسی اس وقت مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت پر تھے لیکن کیلئے؟ اس کے جواب میں انگریزی تاریخیں خاموش ہیں لیکن خود محمد علی والا جاہ کے حالات بتلاتے ہیں کہ انوار الدین شروع ہی سے انگریزوں کا طرفدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انوار الدین کے والد نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں حج کا سفر کیا تھا تو انگریزوں نے نہایت خاطر تواضع کی تھی۔ اس تواضع کا بدلہ انوار الدین نے اس طرح دیا کہ اس کے نواب مقرر ہوتے ہی جب انگریز اور فرانسیسی دونوں نے اسے دعوت دی تو اس نے صرف انگریزوں کی دعوت قبول کی۔ اب والا جاہ محمد علی اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے :۔

"والد من نظر بر ہمہ روابطہ دیرین اول دعوت انگریزاں قبول فرمودند۔ نزد انگریزاں رفتند و اخلاص ایں قوم مضمر داشتند"

یہی نہیں بلکہ مدراس کے قریب میلاپور کی جاگیر بھی انہیں دیدی۔ اور جب فرانسیسیوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی تو انوار الدین نے انگریزوں کی تائید بھی کی۔ انگریز اور فرانسیسی جب

ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے تھے۔ ان میں تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر جنگیں ہوا کرتی تھیں ان جنگوں کا اثر صرف انہیں تک محدود رہتا تھا۔ اس میں ملکی حکمران حصہ نہیں لیتے تھے اب بھی فرانسیسیوں نے چاہا کہ انوارالدین ان جنگوں میں حصہ نہ لے چنانچہ ڈوپلے نے جو پانڈیچری کا گورنر تھا۔ اپنے ایک خط میں انوارالدین کو لکھا:۔

"آن مشفق را لازم است کہ نفع و نقصان ہر دو فرقہ مساوی دانند۔ و با عانت یک طرفہ پر دازند" (تحفۃ الاخیار)

لیکن اس کے بعد جب انوارالدین نے انگریزوں کو مدد دی تو فرانسیسیوں نے چندا صاحب کی حمایت کی۔ آمبور کی جنگ میں چندا صاحب اور مظفر جنگ کی فتح انوارالدین کی شکست و موت نے فرانسیسیوں کے اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ یہ دیکھ کر انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کا ساتھ دینا چاہا۔ بلکہ خود محمد علی نے اُن سے مدد مانگی لیکن ناصر جنگ انگریزوں کے بالکل خلاف تھا کیونکہ اس کی دُور رس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس قوم کے عزم اور ارادے کیا ہیں۔ اس نے کڑپہ کے پٹھان نواب کو حکم دیا کہ مدراس پر حملہ کر کے انگریزوں کو ملک بدر کر دے لیکن محمد علی کی عیاری اور چالاکی نے اس وقت انگریزوں کو بچا لیا۔ ناصر جنگ اسی سال شہید ہو گیا۔ اور مظفر جنگ رہا ہو کر تخت نشین ہوا جسکی وجہ سے فرانسیسی اقتدار اور ترقی کر گیا۔ معلوم تو ایسا ہو رہا تھا کہ انگریز چند دن کے مہمان ہیں لیکن اسی وقت والاجاہ محمد علی نے جو ترچنا پلی میں پناہ گزین تھا۔ ان سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے خلاف مدد مانگی۔ اور دوسری طرف فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے اولوالعزم گورنر ڈوپلے کو واپس بلا لیا جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اس امداد کے عوض والاجاہ محمد علی نے کرناٹک کے پندرہ علاقے کمپنی کو دینا منظور کئے۔

چونکہ اس زمانہ میں حکومتوں کا انحصار پایہ تختوں کے متزلزل یا استقلال پر ہوتا تھا۔ لہٰذا مدراس کے انگریزی گورنر کو یہ سوجھی کہ اگر کسی طرح چندا صاحب کے پایہ تخت ارکاٹ پر قبضہ کر لیا جائے۔ تو چندا صاحب ترچناپلی کا محاصرہ اٹھا لیگا۔ اور اس کی نوابی خطرہ میں پڑ جائے گی۔

چنانچہ انگریزی فوج نے کلائیو کی سرکردگی میں ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد چندا صاحب اور فرانسیسیوں کو کسی جنگ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ چندا صاحب اس کے دوسرے سال ہی سازشوں کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔

محمد علی انگریزوں کی حمایت یا اُن کی بندوقوں کے سائے میں ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ اور نگرانی کے لئے میجر لارنس بطور ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ محمد علی کو انگریزوں کی دوستی اور رضا اس قدر منظور تھی کہ جب بنگالہ میں انگریزوں کی ہستی نواب سراج الدولہ کے رحم پر منحصر ہو گئی تھی، تو اُس نے اپنی فوجوں کو بنگالہ بھیجا تھا صاحب "قصر والا جاہی" نے لکھا ہے:۔

"ہمگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع و مقامات کرناٹک سوائے فوج مایحتاج قلعہ سفینہ انگریز ہمراہ مسٹر کلیو بسواری جہازات برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود"

محمد علی کی ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے بھی کوشش کر کے مغلیہ سلطنت سے اس کے لئے کرناٹک کا فرمان حاصل کیا۔ اس کے بعد نظام الملک نظام علی خاں سے بھی فرمان حاصل کر لیا گیا۔ ان فرمانوں کی وجہ سے محمد علی کا دماغ آسمان تک پہنچ گیا تھا "ماڈرن میسور" کا مصنف لکھتا ہے:۔

"ان فرمانوں کے حاصل ہونے سے وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا واحد مالک سمجھنے لگا۔ اب اسکی نظریں میسور پر اٹھیں۔ جہاں اس کا ایک حریف پیدا ہو چکا تھا۔ اور یہی حریف ان جنگوں

کی ہے۔ جو حیدر علی و ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے درمیان ہوئیں۔ یہی نہیں بلکہ محمد علی کی نظریں حیدر آباد پر بھی تھیں۔ جہاں اس نے سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا۔"

غرضیکہ اس طرح محمد علی کے ہاتھوں سرزمین ہند میں غلامی کا بیج بویا گیا۔ اور آہستہ آہستہ تمام ہندوستان غلام بن کر رہ گیا۔

ماخذ

نواب حیدر علیخاں بہادر بانی سلطنت خداداد میسور اور ٹیپو سلطان کے حالات جن کتابوں میں لکھے ہیں۔ وہ زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف ہیں۔ جن کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ برٹش ملٹری بایوگرافی مطبوعہ لندن ۱۸۳۱ء

۲۔ الفنٹنک ممویرس آف ٹیپو سلطان مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۰ء

۳۔ مارکوئس آف ولزلی۔ ڈسپاچز " کلکتہ ۱۸۲۶ء

۴۔ ہسٹوریکل اسکیچ آف ساؤتھ انڈیا۔

۵۔ تاریخ حیدر علی۔ مصنفہ لیوان بی بورنگ

۶۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس

۷۔ تاریخ میسور مصنفہ موسیو دلمٹے مطبوعہ لندن ۱۸۲۶ء

۸۔ تاریخ میسور۔ از لوئیس رئیس

۹۔ سفرنامہ بچانن۔

۱۰۔ تاریخ میسور از ہنشیا راؤ ایم۔ اے، سابق انسپکٹر جنرل محکمہ تعلیم میسور مطبوعہ میسور ۱۹۲۳ء

۱۱۔ سیاحت نامہ کپتان لٹل۔ از ایڈورڈ مور، مطبوعہ لندن ۱۷۹۴ء

۱۲۔ایمپائر ان ایشیا۔ از میجر بارنس ایم پی (ممبر پارلیمنٹ)

ان کے علاوہ چند اور بھی انگریزی کتب ہیں جن کا ماخذ پہلی سات کتابیں ہیں۔

ان میں سے دو کتابیں خاص ٹیپو سلطان سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بقیہ سات میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حالات ہیں۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس ایک ضخیم کتاب ہے اور مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ وہ جس وقت میسور کا کمشنر تھا تو زوال سلطنت خداداد پر چند ہی سال گزرے تھے۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ زندہ تھے جنہوں نے اس عہد کے حالات دیکھے اور سنے تھے۔ اس لئے اس کی تمام کتاب تقریباً سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔

تاریخ حیدر علی مصنفہ لیوئن بی بورنگ کا ماخذ زیادہ تر کرنل ولکس کی تاریخ میسور اور دو انگریزی کتابیں ہیں۔ فارسی و اردو میں جو کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ کارنامۂ حیدری۔ بزبان فارسی۔ مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲۔ حملات حیدری

۳۔ جار جنامہ تصنیف ملا فیروز (نظم بزبان فارسی)

۴۔ تاریخ حمید خانی از منشی حمید خاں۔ میر منشی لارڈ کارنوالس

۵۔ فتوحات حیدری۔ املاء کہیم شان دہلوی

۶۔ نشان حیدری۔ از مورخ میر حسین علی کرمانی تصنیف ۱۸۰۲ء بمقام کلکتہ

۷۔ حیدر علی ٹیپو سلطان از مولانا اشہری مرحوم دہلوی۔

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ تاریخ نشان حیدری شہادت ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتہ میں جہاں شہزادگان ٹیپو سلطان مقیم تھے۔ مورخ دربار سلطانی سے

لکھوائی گئی۔ اور اس کے چالیس سال بعد حالات حیدری کلکتہ ہی میں مرتب ہوئی۔

میں نے ان سب کتابوں کو دیکھا ہے اور اس کے علاوہ چند قلمی نسخے بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ ان میں ایک نامہ حیدری ہے۔ جو کسی نے اس وقت کی دکنی زبان میں بمقام فرنچ راکس (جو سرنگاپٹم کی شمالی جانب ہے) زوال سلطنت کے ایک سال بعد لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ فارسی کتاب بالکل اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور نامکمل ہے۔ اس میں حیدر علی کے حالات تو ہیں مگر ٹیپو سلطان کے حالات صرف میسور کی تیسری جنگ تک ہیں اور مصنف کا نام بھی درج نہیں۔ ہفت خوان حیدری ایک اور کتاب ہے جس میں اگرچہ تاریخی واقعات مذکور ہیں لیکن ان میں مصنف کے حسن عقیدت کو بہت دخل ہے۔ اور بعض جگہ مذہبی رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔

اپنی اس کتاب کی تصنیف کیلئے میں نے جہاں مذکورہ بالا کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہاں ترتیب قریب وہ تمام لٹریچر بھی میری نظر سے گذرا ہے جو مختلف اوقات پر بغرض تحقیق و تفتیش ملک کی مختلف ادبی انجمنوں میں پڑھا گیا ہے جس میں زیادہ تر میتھک سوسائٹی کے کاغذات ہیں۔ انکے علاوہ میں نے انگریزی تاریخوں میں تاریخ رولرز آف انڈیا، تاریخ ہند مصنفہ ہینکلیر، تاریخ ہند مصنفہ مارشمن۔ تاریخ ہند از ڈی لا فوسی۔ تاریخ ہند از شاستری۔ تاریخ ہند از تھامپسن اور رائزیونگ کریسچن پاورز ان انڈیا بھی دیکھی ہے اور جبتک فارسی۔ اردو اور انگریزی تاریخوں میں کسی واقعہ کی صحت کا اطمینان نہیں ہو گیا کوئی واقعہ نہیں لکھا گیا۔ باوجود اس کے جہاں کہیں اختلاف باقی رہا۔ وہاں حوالہ دیدیا گیا ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے اوصاف عادات و اقوال کے متعلق مقامی روایات سے بھی جو لوگوں کو ابھی تک یاد ہیں۔ مدد لیگئی ہے اور جہانتک

امکان میں تھا۔ اسکے متعلق تحقیق و تفتیش کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں گیا۔ اور جب تک یقین نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

فہرست میں جن اردو فارسی کتابوں کے نام اوپر دئے گئے ہیں اسکے علاوہ دو اور کتابیں ہیں۔ ایک کا نام "نظام علی خاں" اور دوسری کا "میر عالم" ہے۔ یہ کتابیں تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد حیدر آباد میں شائع ہوئی تھیں۔ ان کتابوں کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدر آبادی ہیں میں نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ان سے بھی اس دوسرے ایڈیشن میں مدد لی ہے۔

کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں چند نئی تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ان میں حیدر آباد کے میر عالم اور سلطنت خداداد کے غدار وزیر پورنیا کی تصاویر کے علاوہ سلطان کی آخری عمر کی بھی ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کا عکس انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے لیا گیا ہے اور یہ یقین کرنیکے کافی وجوہ ہیں کہ بہ نسبت دوسری تصاویر کے جو عام طور پر تاریخی کتب میں ہیں یہ تصویر سلطان کے اصلی خد و خال سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ نواب حیدر علی کی جوانی کی ایک تصویر پہلے ایڈیشن میں موجود ہے لیکن آخری عمر کی کوئی تصویر اب تک نہیں ملی تھی۔ عام طور پر بازاروں میں یا تاریخی کتب میں جو تصویر ہے۔ وہ اصلیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتی معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی کے کارنامے سنکر کسی مغربی مصور نے ایک فرضی تصویر کھینچ دی ہے گھنی داڑھی اور موچھوں کے علاوہ ایک مضحکہ خیز پگڑی بھی بنائی گئی ہے۔ تمام مورخین متفق اللفظ ہیں کہ نواب بہادر کے نہ داڑھی تھی نہ مونچھ۔ اب کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں دریا دولت کی مغربی دیوار پر جو نقش ہے اسکا ایک عکس دیا جاتا ہے۔ اسمیں نواب بہادر کو جلوس کے ساتھ ہاتھی پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر چونکہ سلطان کے عہد میں کھینچی گئی تھی۔ اسلئے اسکے صحیح ہونے کا بہت امکان ہے۔

نسب نامہ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان

- شیخ ولی محمد (وارد گلبرگہ از عرب)
  - محمد علی
    - شیخ محمد الیاس
      - حیدر صاحب
    - شیخ علی محمد
    - شیخ محمد امام
    - شیخ فتح محمد
      - شہباز صاحب
      - ولی محمد (خورد سالی میں انتقال کر گیا)
      - حیدر علی سنہ ۱۱۳۴ھ
        - ٹیپو سلطان
        - کریم شاہ
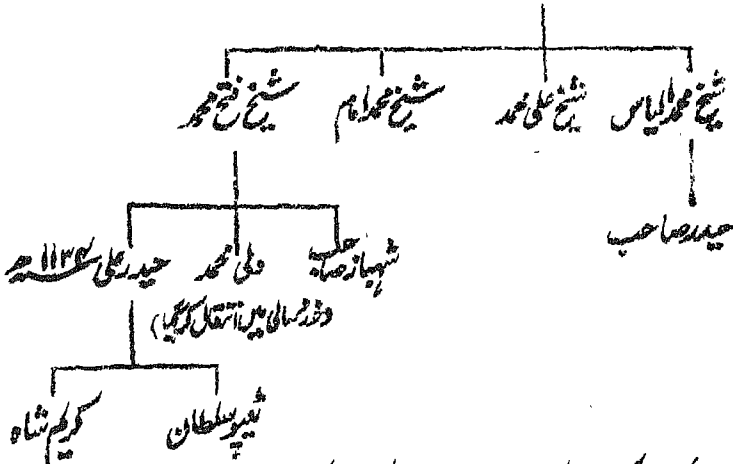
کرنل ولکس اپنی کتاب تاریخ میسور میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے آباد اجداد پنجابی تھے بعض مورخین انہیں افغانی النسل کہتے ہیں۔ صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں۔ کہ حیدر علی کے آباد اجداد صحیح النسل عرب قبیلہ قریش سے تھے۔ اس خاندان کا ایک بزرگ مکہ سے چل کر بغداد میں آ بسا تھا اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی تک جو بڑی راستہ ہے وہ ایران اور پنجاب سے ہو کر گزرتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ دوران سفر میں وہ پنجاب میں بھی ٹھہرا ہو۔ اور اس سبب سے ویسے پنجابی ہونے میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو۔ دہلی سے چلکر وہ گلبرگہ میں آیا۔ جہاں اس کے بیٹے محمد علی کی شادی حضرت شاہ بندہ نواز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے ہوئی۔ ابھی جب کہ ولی محمد کا انتقال ہوا۔ محمد علی گلبرگہ سے چلکر بیجاپور آکر ٹھہرا۔ اب اس کے ساتھ اسکی بیوی

اور چار لڑکے تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد اس خاندان نے کولار کی طرف نقل مکانی کیا جہاں محمد علی کے بہت سے شناسا مقیم تھے (مصنف نشان حیدری لکھتا ہے کہ بیجاپور سے صرف تین لڑکے آئے تھے اور چھوٹا لڑکا کولار میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس کی والدہ قصبہ کولار ہی کی ایک سیدہ لڑکی تھی)

کولار میں شیخ محمد علی صاحب انتقال ہوگیا۔ تو یہ لڑکے تلاش معاش میں نکلے۔ شیخ محمد الیاس اپنی بی بی اور فرزند حیدر کو کولار میں چھوڑ کر تنجاور چلا گیا۔ دوسرے بھائی شیخ ولی محمد اور شیخ امام کرناٹک جاکر ملازم ہوگئے صرف چوتھا بھائی فتح محمد کولار میں رہا چند سال کے بعد حیدر صاحب بن شیخ الیاس نے راجہ میسور کی ملازمت حاصل کرلی بھتیجے کے ملازم ہونے کے بعد شیخ فتح محمد بھی راجہ میسور کی فوج میں عہدہ نائکی پر مقرر ہوگئے۔ حیدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور فتح محمد میسور سے کولار واپس آگیا۔ جہاں ۱۱۳۰ھ و ۱۱۳۱ھ میں اسکے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شہباز دوسرا ولی محمد۔ ولی محمد چند دن میں انتقال کرگیا۔ اور شیخ فتح محمد دوبارہ تلاش ملازمت میں سرا پہنچا۔ جہاں صوبہ دار سرا نے اسے بالاپور کی قلعہ داری پر مقرر کیا۔ اس ملازمت کے دوران میں بمقام بودی کوٹہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔

حیدر علی کی والدہ کے نسب کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ نشان حیدری میں لکھا ہے کہ حیدر علی کی والدہ سید برہان الدین پیرزادہ تنجاور کی لڑکی تھی۔ اسکے بطن سے تین لڑکے ہوئے ایک بچپن ہی میں انتقال کرگیا۔ دوسرے کا نام شہباز اور تیسرے کا نام حیدر علی ہے۔ اس لڑکی سے فتح حیدر کی شادی کولار میں ہوئی تھی لیکن حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر علی کی والدہ کا نام مجیدہ بیگم ہے۔ جو فتح محمد کی دوسری بی بی ہیں اور یہی روایت صحیح ہے۔

نواب حیدر علی خاں کی والدہ مجیدہ بیگم میر اکبر علیخاں زمیندار سِرا کی لڑکی تھی۔ صوبہ دار
سرا نے میر اکبر علی خاں کو زمین کی واجب الادا رقم کی ادائی کے لیے لکھا۔ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت
طلب کرتے ہوئے تمسک لکھ دیا۔ اور چھ ماہ گزرنے سے پیشتر ہی انکا انتقال ہو گیا چھ ماہ کے بعد
وصولی رقم کے لیے سرا سے طلبی آئی تو میر اکبر علی خاں مرحوم کی بیوی اس رقم کو ادا نہ کر سکیں۔
طلب رقم کیلیے شیخ فتح محمد خود آئے ہوئے تھے انہوں نے یہ حالت دیکھ کر پیغام دیا کہ اگر مجیدہ کو
دامادی میں قبول کر لو تو میں یہ رقم اپنی جانب سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میر اکبر علیخاں کی بیوہ
نے قبول کر لیا اور اس طرح مجیدہ بیگم فتح محمد کے نکاح میں آگئیں

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے کہ حیدر علی عربی النسل تھے مگر بورنگ جو کہ حد درجہ متعصب مورخ ہے
لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی بڑے درجے کو پہونچ جاتا تو اس کا نسب نامہ تیار ہو جاتا ہے
ان تمام امور سے قطع نظر ہم صرف یہ کہیں گے کہ سلطان اور حیدر علی مسلمان تھے اور حسب نسب
میں کسی اعتبار سے کم نہیں تھے مگر ہمارے چند مسلمان بھائی ہیں جو ابھی تک ذات و نسب کو طغرائے
امتیاز سمجھ رہے ہیں۔ اور آج بھی نواب حیدر علی اور سلطان کے نسب نامہ پر لے دے کرتے ہوئے کہتے
ہیں کہ وہ قوم نایک سے تھے لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ نایک کونسی قوم ہے اور کہاں ہے
اور اسکی تاریخ کیا ہے۔ میسور میں فوج کے سپہ سالار کو نایک کہا جاتا تھا۔ اسوجہ سے نواب
حیدر علی کے نام کے ساتھ نایک مشہور ہو گیا۔ ورنہ یہ کسی قوم کا نام نہیں ہے

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب میں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کہ اہلِ نوائط سلطان کے خلاف ہو گئے
تھے جبکہ سلطان اپنے نسبتی بھائی کی شادی بدر الزماں خاں نائطہ کی بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔
ذات و نسب کے امتیاز کا جنون یہاں تک بڑھا کہ ایک اسلامی سلطنت کی بربادی بھی انکے
نزدیک ایک بالکل بے حقیقت شے بن گئی۔ سلطان کے جن امراء و وزراء نے لارڈ ولزلی سے سازش

کی وہ نام نہاد عالی نسبی کے دعویدار تھے اور ان کے نزدیک سلطان کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایک عزیز کا رشتہ ایسے خاندان سے کرنا چاہتا تھا جسے اپنی عالی نسبی پر نہایت فخر اور غرور تھا۔ اللہ اللہ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک حبشی زادے کو۔ ایک غلام کو صحابہ کرامؓ بلکہ خاص خاندانِ نبوت بھی اپنی بیٹیاں مناکحت میں دے دیتے تھے !

اسلام دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ ذات نسل اور خون کے امتیاز کو مٹا کر تمام بنی نوعِ انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دے مگر اسلام کے نام لیوا آج جس طرح اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ اس کا بیّن ثبوت نہ صرف سلطنتِ خداداد بلکہ اور اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کی بربادی سے بھی ملتا ہے مسلمانوں کی باہمی افتراق میں ذات و نسب کے امتیاز کو بھی ایک بہت بڑا دخل رہا ہے ایک طرف تو ان میں سے چند لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ کہ وہ اشرف خاندانوں سے ہیں۔ اور ان میں نجابت و شرافت کا خون دوڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اگر انکے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا کہ اس لحاظ سے ان کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ انکے خون میں عرب کے ممتاز قبائل کے مورثین اعلیٰ ابولہب ابوجہل اور عبداللہ بن ابی منافق کے خون کا اثر بنسبت اور دوسرے اثر کے زیادہ ہے۔ اور نسل میں خون کا اثر لازمی ہے ۔

حیدر علی و ٹیپو سلطان عرب ہوں یا پنجابی یا دکھنی لیکن ان کے مسلمان ہونے میں شک نہیں اور اسی لحاظ سے تاریخ اسلام اور مسلمان ان پر ناز کرتے ہیں اور ہمیشہ کرینگے۔ شرافت و نجابت کا انحصار خون و نسب پر نہیں۔ بلکہ ہر انسان کے اپنے اعمال و اخلاق پر ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

حیدر علی کی ابتدا

(از تاریخ رئیس۔ اس تاریخ کا ماخذ کرنل ولکس کی تاریخ ہے)

حیدر علی کے آباؤ اجداد پنجابی تھے۔ ان میں محمد بہلول نامی ایک شخص پنجاب سے نکل کر
گلبرگہ میں آیا۔ اور وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں اس کے دو لڑکوں محمد علی اور محمد ولی کی شادی
ہوئی جس کے بعد وہ سرا آکر محکمہ محصول میں ملازم ہو گئے۔ یہاں سے پھر دونوں بھائی کولار چلے
گئے۔ جہاں محمد علی کا انتقال ہو گیا۔ چھوٹے بھائی نے تمام اثاث البیت پر قبضہ کر کے
بھاوج کو گھر سے نکال دیا۔ مگر ایک شخص جو محکمہ محصول میں نائک تھا۔ اس نے اس غریب بیوہ کو پناہ
دی۔ اور جب شہباز محمد علی کا لڑکا تھا۔ بڑا ہو گیا تو اس کو بھی اسی محکمہ میں ملازمت دلا دی۔
ایک موقع پر جبکہ گنجی کوٹہ کے محاصرہ میں سرا کی اسلامی فوج کو شکست ہوئی تو شہباز
نے اپنی جوانمردی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر علم نصب کر دیا جس سے شکست فتح میں بدل گئی۔ اس
کارگذاری سے خوش ہو کر صوبہ دار سرا نے شہباز کو فوج میں نائک کے درجہ پر ترقی دے دی۔
جب سرا کی صوبہ داری میں ردوبدل ہوا تو شہباز پچاس سواروں اور چودہ سو پیادے لے کر
ارکاٹ چلا گیا جب یہاں حسب خواہش ملازمت نہ ملی تو وہ فوجدار چتور کے پاس ملازم
ہو گیا چند دن یہاں ملازمت کر کے پھر سرا واپس آیا تو اس کو فتح محمد خاں کا لقب دے کر
کولار کا فوجدار بنا دیا گیا۔ اور بود ی کوٹہ کی جاگیر دی گئی۔ اس جگہ اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے
جن کا نام شہباز اور حیدر علی رکھا گیا۔ یہ لڑکے فتح محمد خاں کی تیسری بیوی سے تھے۔
فتح محمد کی پہلی بیوی کولار میں انتقال کر گئی تھی۔ اس کی دوسری بیوی جو ایک اہلِ نائط

کی لڑکی تھی۔ اس کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اسی کی چھوٹی بہن سے
فتح محمد نے شادی کی۔ حیدر علیؒ اسی کے بطن سے ہیں۔ ان لڑکیوں کا قصہ یوں ہے
کہ اہل نوائط کا ایک خاندان تلاش معاش میں کوکن سے ارکاٹ جا رہا تھا۔ راستے میں
ڈاکوؤں نے ان پر تریکیو کے قریب حملہ کر کے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک لڑکا دو لڑکیاں
اور ان کی ماں بچ نکلیں۔ جو نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں کولار پہونچے۔ فتح محمد
نے یہاں بڑی لڑکی سے شادی کا پیغام دیا۔ جو قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس لڑکی
کی والدہ اور چھوٹی بہن فتح محمد ہی کے پاس رہنے لگیں۔

صوبہ داری سرا کیلئے جب عبدالرسول خاں اور طاہر خاں میں جنگ ہوئی تو فتح محمد
اور انکا بڑا لڑکا دونوں مارے گئے۔ اسوقت فتح محمد کی تیسری بیوی معہ اپنے دونوں بچوں (شہباز
اور حیدر) کے ڈوڈبالاپور میں رہتی تھیں۔ عباس قلی خاں جو طاہر خاں کا فرزند
تھا۔ ڈوڈبالاپور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے فتح محمد پر یہ الزام لگایا کہ حکومت کی بہت
سی رقم ان پر واجب الادا ہے۔ اور اس کی ادائی کے لیے شہباز، حیدر علی اور انکی والدہ
پر ظلم کرنے لگا جس سے تنگ آکر وہ بنگلور میں آگئے۔ جہاں شہباز اور حیدر علی کے ماموں ابراہیم
صاحب بنگلور کے قلعہ دار کے ملازم تھے۔ شہباز کے بڑا ہونے پر اسے بھی وہاں ایک معمولی
ملازمت مل گئی۔

اس کے بعد ہی شہباز کو دیون ہلی جانا پڑا۔ راجہ میسور کی فوج دیون ہلی کا محاصرہ
کئے ہوئے تھی۔ اس کی کمک کیلئے بنگلور کے قلعہ دار نے بھی فوج روانہ کی۔ شہباز اس
فوج میں ملازم تھا اگرچہ حیدر علی فوج میں ملازم نہیں تھے۔ مگر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے
دیون ہلی ہی وہ جگہ ہے جہاں ان کا اقبال چمکا۔ دیون ہلی کا محاصرہ نو مہینے تک رہا۔

اس عرصہ میں حیدر علی نے اپنے بھائی کے ساتھ ملکر جوانمردی کے وہ جوہر دکھائے کہ وزیر
نندراج نے خوش ہوکر ان کو بعہدۂ نایک میسوری فوج میں داخل کر لیا۔ اور حیدر علی کے
زیر کمان پچاس سوار اور دو سو[۲۰۰] پیادے دیئے گئے۔

نوٹ:۔ مذکورہ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔
کرنل ولکس اور ٹیپس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حیدر علی کے خاندان کو باپ او۔
ماں دونوں جانب سے کم تر دکھایا جائے۔

(محمود)

نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حیدر علی ابتدائی تیس سال کی عمر تک میسور کے راجہ کے پاس ایک معمولی ملازم تھے ۱۷۵۲ء میں وہ ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے۔ اس وقت ریاست میسور کی وسعت شمال میں بابا بڈھن کی پہاڑیوں تک مشرق میں صوبہ سرا کو چھوڑ کر بنگلور تک جنوب مشرق میں بارہ محل اور سیلم کا کچھ علاقہ جنوب میں کوئمبتور تک، اور مغرب میں موجودہ حدود میسور تک تھی۔ پوری ریاست میں ہر جگہ پالیگار حکومت کر رہے تھے۔ اور یہ کبھی مطیع رہ کر راجہ کو خراج دیتے تھے اور کبھی خود سر ہو جاتے تھے۔ بہرطور ان علاقوں پر راجہ کی سیادت مانی جاتی تھی ۱۷۵۵ء میں گوپال راؤ صوبہ سرا نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کے پاس صرف سرنگاپٹم اور اس کے مضافات جو ۳۳ دیہات پر مشتمل تھے۔ رہ گئے۔ نواب حیدر علی جب ۱۷۵۵ء میں ڈنڈیگل سے واپس آئے۔ تو انہوں نے ان تمام علاقوں کو از سرنو فتح کر لیا۔

نوٹ

نہ صرف علاقہ میسور بلکہ دریائے کرشنا سے لیکر جنوب میں مدورا تک ہر جگہ پالیگاروں کی حکومتیں قائم تھیں۔ جن میں بعض تو اس قدر چھوٹی تھیں کہ وہ چار میل سے بڑھ کر نہیں تھیں اور بعض کی وسعت تیس ۳۰ چالیس ۴۰ میل تک تھی۔ پالیگاروں میں جو سب سے طاقتور ہوتا تھا وہ راجہ کہلاتا تھا۔ اور دوسرے پالیگار اس کی اطاعت کرتے تھے اس طرح تمام ملک میں پالیگاروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔

حیدر علی رح

نام — حیدر علی

"حملاتِ حیدری" کا مصنف اِس نام کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے والد فتح محمد نے اپنی بی بی مجیدہ بیگم کو ایامِ حمل میں حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور فرزند کی دعا چاہی۔ حیدر علی شاہ نے دعا دی کہ انشاء اللہ فرزند بلند بخت پیدا ہوگا اور کہا اُس کا نام میرے نام پر رکھا جائے۔

سنہ پیدائش — ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء۔ اس سنہ پیدائش پر سوائے مصنف کارنامہ حیدری کے کل مورخین کا اتفاق ہے جس کے نزدیک سنہ پیدائش ۱۱۲۹ھ ہے مگر قرائن واقعات کے لحاظ سے ۱۱۳۴ھ ہی صحیح ہے۔ بودی کوٹہ میں جو کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے۔ اس میں بھی ۱۱۳۴ھ ہی درج ہے۔

مقامِ پیدائش — بودی کوٹہ ضلع کولار۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ضلع کولار میں کولار شہر کے قریب واقع ہے۔

عہدِ طفلی — جس وقت حیدر علی پیدا ہوئے تو ان کے والد شیخ فتح محمد صوبہ دار سرا عابد خاں کے ماتحت منصب دو ہزار پیادہ اور پانچسو سوار معہ فیل ونقارہ وعَلم پر سرفراز تھے۔ اس لیے حیدر علی کا عہدِ طفلی نہایت آرام و آسائش سے گذرا مگر یکایک زمانے نے پلٹا کھایا۔ جس وقت حیدر علی کی عمر پانچ سال کے قریب ہوئی تو

انگریزوں سے امداد طلب کی اور اس امداد کے عوض میں ترچناپلی میسور کو اور کرناٹک کا ایک حصہ انگریزوں کو دینا قبول کیا۔ راجہ کی مخالفت کے باوجود نندراج حیدر علی کے ساتھ میسور کی فوجوں کو لیکر ترچناپلی کی طرف بڑھا حیدر علی نے ان لڑائیوں میں وہ جوہر دکھائے کہ فرانسیسی اور چندا صاحب تنگ آگئے۔ کیونکہ افواج حیدری ہمیشہ شبخون مارا کرتی تھیں اور جو کچھ ملتا تھا لوٹ لیتی تھیں۔ اس طرح فرانسیسیوں کی متعدد توپیں حیدر علی کے ہاتھ آئیں جب چندا صاحب کے قتل سے ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا تو محمد علی نے ترچناپلی کے دینے سے صاف انکار کردیا۔

میسور پر حملے اور نیابت سلطنتِ مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۴ء

وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے نندراج واپس پلٹا۔ مگر بجائے میسور کے ستی منگلم میں مقیم ہوگیا ادھر نظام الملک کی فوجوں نے میسوری فوجوں سے بدلہ لینے کیلئے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا۔ اور ایک معقول زرِ معاوضہ لے کر واپس ہوئیں یہ ابھی واپس ہی ہوئی تھیں کہ ایک اور زبردست دشمن بالاجی باجی راؤ پیشوائے پونا اپنی مرہٹی فوجوں کو لیکر خراج وصول کرنے کیلئے آیا۔ مگر یہاں خزانہ میں رکھا ہی کیا تھا کیونکہ صلابت جنگ کی فوجوں نے خزانہ کا صفایا کردیا تھا۔ راجہ نے ایک کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا۔ اور بطور ضمانت ملک کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی کفالت میں دے دیا۔ مرہٹے واپس ہوتے ہوتے صوبہ داری سرا کا بھی خاتمہ کر گئے۔ نواب دلاور خاں صوبہ دار کو کولار میں جاگیر مل گئی۔ بلونت راؤ مرہٹہ صوبہ دار مقرر ہوا۔ راجہ میسور کی حکومت سرنگاپٹم اور اس کے مضافات تک محدود ہوگئی۔

مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء

اس سال سرا میں بلونت راؤ کی جگہ گوپال راؤ

صوبہ دار مقرر ہوا اس نے راجہ میسور سے ایک کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا۔ اور جب رقم نہ ملی تو مرہٹی فوجوں نے باضابطہ طور پر ان علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا جو بطور ضمانت دے دیئے گئے تھے

سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی

وزیر میسور نندراج ستی منگل میں تھا اور سرنگاپٹم کے حالات اس تک پہنچتے تھے۔ اور وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک کروڑ روپیہ حاصل کر کے سرنگاپٹم واپس آئے۔ تاکہ وہ داغ بدنامی جو ترچناپلی کے حاصل نہ ہونے سے لگ چکا تھا دھل جائے حیدر علی ساتھ تھے۔ قریب دو سال کے عرصہ میں حیدر علی نے ستی منگل کے اطراف وجوانب کے علاقوں کو لوٹ کر ایک کروڑ روپیہ سے زائد جمع کر لیا۔ نندراج نے یہ روپیہ راجہ میسور کو روانہ کر دیا۔ اور چند دن بعد خود بھی سرنگاپٹم آ گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔

حیدر علی سپہ سالار افواج میسور
سنہ ۱۷۵۷ء

حیدر علی کی اس کارگزاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اور انہیں سپہ سالار افواج میسور کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے "فتح حیدر بہادر" کے خطاب کے ساتھ کامل اختیارات بھی دے دیئے گئے تاکہ مرہٹوں سے معاملہ طے کر لیں مگر بجائے صلح کرنے کے حیدر علی اپنی فوج لے کر بڑھے کہ گوپال راؤ سے مقابلہ کریں۔ ادھر مرہٹی فوجیں حیدر علی کی آمد سن کر سرنگاپٹم کی طرف بڑھیں۔ دونوں فوجیں چن پٹن کے قریب مقیم ہوئیں اسی شب کو حیدر علی نے مرہٹوں پر شبخون مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹی فوج اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ حیدر علی چن پٹن سے کوچ کر کے بنگلور کے قریب آ گئے۔ چن پٹن کی شکست سے مرہٹی فوج بددل ہو چکی تھی۔ اور اب حیدر علی کے حملے نے گوپال راؤ کو مجبور کر دیا کہ اپنا تمام اسباب چھوڑ کر فرار ہو جائے

مرہٹی فوج سرا کی طرف پیچھے ہٹ گئی۔ کہ پونا سے کمک حاصل کر کے پھر پیش قدمی کرے۔ لیکن پھر اس کو یہ موقع حاصل نہ ہوا۔

مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء

یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں کا نیر اقبال احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں میدان پانی پت میں ڈوب چکا تھا۔ بالاجی باجی راؤ اس صدمے سے انتقال کر گیا۔ علاقہ میسور میں جس وقت یہ خبر میدان جنگ میں پہنچی۔ تو گوپال راؤ تمام فوج کو جمع کر کے سرا میں قلعہ بند ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حیدر علی نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا جو مرہٹوں کے زیر نگین آ چکے تھے۔ اس نمایاں فتح و کامیابی کے بعد حیدر علی سرنگاپٹم واپس ہوئے۔

وزیر نندراج کے خلاف سازش

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ راجہ کے محلات میں سازش ہو رہی تھی۔ کہ کسی طرح وزیروں کو ہٹا کر راجہ خود مختار ہو جائے۔ رانیوں نے دیکھا کہ حیدر علی کی زبردست شخصیت تمام فوج پر حاوی ہو چکی ہے تو رانی دیواجی منی نے حیدر علی کے پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ کی معرفت حیدر علی سے استدعا کی کہ راجہ کو وزیروں سے نجات دلائے۔ حیدر علی نے نہایت آسانی اور حکمت عملی سے نندراج اور اس کے بھائی سے اسناد وزارت لیکر راجہ کے حوالہ کر دیں۔ نندراج اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حیدر علی نے جس آشتی و صلح سے نندراج سے وزارت لی۔ اس سے نندراج کو حیدر علی سے بجائے رنج کے اور زیادہ محبت ہو گئی۔ جس کا ذکر آگے آئیگا۔ اور دوسری طرف راجہ اور اس کا خاندان حیدر علی کا ممنون احسان ہوا۔ اور اس کے صلے میں حیدر علی کو فرزند ارجمند کا خطاب عطا کیا گیا۔ انگریزی تاریخ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اس وقت ایک محسن و مربّی کے طور پہ کام کیا۔ ورنہ یقینی تھا کہ راجہ کا خاندان مٹ جاتا۔ حیدر علی نے دونوں طرف کی لاج رکھ لی۔"

نند راج کے ستی منگل چلے جانے کے بعد راجہ کے پاس کوئی وزیر نہیں رہا تھا اور اس نے حیدر علی سے درخواست کی کہ کھنڈے راؤ کو راجدھانی کا وزیر بنا دیا جائے اس درخواست کو حیدر علی نے منظور کر لیا۔

فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۵۹ء

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ کرناٹک میں فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے نواب والاجاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈیچری پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ اور اس کے صلہ میں چینجی اور تیاگرھ کے علاقے دینا قبول کئے۔ حیدر علی نے اپنے نسبتی برادر سید مخدوم کی سرداری میں ایک فوج پانڈیچری کو روانہ کی۔ دوران سفر میں معلوم ہوا کہ آنیکل میں پالیگار کی سخت گیریوں کے سبب رعایا میں ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ سید مخدوم نے آنیکل پر حملہ کیا۔ اور پالیگار کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیج دیا یہاں کا انتظام کر کے یہ فوج بارہ محل میں اتری۔ یہاں عزیز خاں حاکم (در ملازمت نواب والاجاہ محمد علی) سے اس کی فوج بگڑی ہوئی تھی اور رعایا بھی نالاں تھی۔ سید مخدوم نے بارہ محل پر قبضہ کر کے عزیز خاں کو کڑپہ کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح علاقہ بارہ محل اور آنیکل پہ قبضہ کرنے کے بعد سید مخدوم پانڈیچری کی طرف بڑھے۔ راستے میں خبر ملی۔ کہ نواب والاجاہ اور انگریزوں نے پانڈیچری کو فتح کر لیا ہے۔ جنوری ۱۷۶۱ء میں حیدری افواج مدافعت کے لئے ارکاٹ کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔

۱۷۶۱ء ۱۷۶۱ء میں جو انقلابات کہ ہندوستان میں رونما ہوئے اس اعتبار سے اس

سال کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یعنی اسی سال شمالی ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ گو اس کے بعد پونا کے پیشوا اس نے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کیلئے بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔

جنوبی ہند میں نواب والاجاہ محمد علی اور انگریزوں کی متفقہ کوششوں سے فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور محمد علی جو خواب آزادی دیکھتا تھا۔ ہمیشہ کیلئے انگریزوں کا محکوم بنکر رہ گیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔

میسور میں راجگان کی مطلق العنانی ختم ہو گئی۔ اور انتظام ریاست نواب حیدر علی کے ہاتھ آیا جنہوں نے آگے چل کر ایک زبردست سلطنت کی داغ بیل ڈالی

واقعات حیدرآباد حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء

حیدرآباد میں آپس کی سازشوں کی وجہ سے صلابت جنگ قید ہو گیا۔ اور اس کے دوسرے دو بھائی میر نظام علی خاں اور بسالت جنگ حکمران ریاست ہوئے جس میں دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے قبضہ میں آیا۔ اس کا مستقر ادہونی تھا۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کا حال سن کر بسالت جنگ نے صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کیلئے قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کشائی کے ڈھنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ اس پر بسالت جنگ نے حیدر علی سے امداد چاہی۔

بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ

فریقین میں ایک معاہدہ ہوا جس سے طے پایا کہ (۱) قلعہ کا سامان و آلات جنگ بسالت جنگ کو ملیں (۲) ہوسکوٹہ اور اس کے مضافات حیدر علی کو ملیں (۳) بسالت

جنگ دربار دہلی میں صوبہ داری سرا کیلئے حیدر علی کی سفارش کرے (۴) قلعۂ گرم کنڈہ جو اب تک حیدر آباد کے ماتحت تھا۔ آئندہ حیدر علی کی ملکیت قرار دیا جائے۔

تسخیر ہوسکوٹہ

حیدر علی کی فوجوں نے چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کو فتح کر لیا۔ اور بموجب معاہدہ تمام سامانِ قلعہ بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ہوسکوٹہ اور اس کے مضافات مملکتِ میسور میں شامل کر لئے گئے (میسور میں مشہور ہے کہ بسالت جنگ نے تمام سامان حیدر علی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا جس کے سبب سے اکثر نواب حیدر علی بسالت جنگ کو تاجر کے لقب سے یاد کرتے تھے)

حیدر علی نائب سلطنتِ مغلیہ اور خطابِ نواب

شہنشاہِ ہند کا سفیر حیدر علی کے نام فرمانِ صوبہ داری سرا لیکر آیا۔ اور اسکے ساتھ شہنشاہ کی جانب سے سپر، شمشیر مرصع کار، پالکی جواہر نگار، ماہی مراتب اور نقارہ ونشان معہ خطاب نواب عنایت ہوئے (انگریزی مورخین کو اعتراض ہے کہ حیدر آباد میں میر نظام علی خان کے نظام دکن ہوتے ہوئے بسالت جنگ کو اختیار نہیں تھا کہ حیدر علی کے لئے خطاب نواب کی سفارش کرتا مگر جب شہنشاہ ہندوستان نے بسالت جنگ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے حیدر علی کو نظامت سرا پر مقرر کر دیا تو انگریزی مورخین کا مذکورہ بالا اعتراض کسی طرح معقول اور مدلل نہیں کہا جا سکتا)

صوبہ سرا کی تسخیر

بسالت جنگ کے جانے کے بعد حیدر علی نے مڑگ سرا، مدگری، آئیں نگار اور سرا پر قبضہ کر لیا۔ اور اسی طرح قریب قریب کل صوبہ سرا پر حیدر علی کا تسلط ہو گیا۔ اور تمام پالیگار سرداروں نے حیدر علی کو خراج دینا منظور کر لیا۔

حیدر علی کے خلاف سازش

جس وقت فرانسیسیوں کی کمک کیلئے افواج حیدری پانڈیچری روانہ ہوگئیں تو میدان خالی پاکر کھنڈے راؤ راجہ اور رانیوں میں سازش ہوئی۔ کہ جس طرح نند راج کو علیحدہ کردیا گیا تھا۔ اسی طرح حیدر علی کو بھی علیحدہ کر دیا جائے۔ آخر تجویز یہ ٹھہری کہ حیدر علی کو دفع کرنے کیلئے مرہٹوں سے مدد لی جائے چنانچہ دربار پونا کو ایک خفیہ چٹھی لکھی گئی۔ کہ میسور کا سپہ سالار حیدر علی راجدھانی پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ اور اس طرح یہ ہندو ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ اگر سلطنت پونا اس معاملہ کو ہاتھ میں لیکر اس وقت امداد کرے تو یہ ہندو ریاست قائم رہ سکتی ہے بلکہ یہ ریاست ہمیشہ کیلئے ممنون احسان اور باجگذار رہیگی اور اخراجات جنگ کیلئے ایک معقول رقم بطور پیشکش دی جائے گی۔

اسلامی فارسی تاریخوں میں اس سازش کے متعلق اس طرح لکھا گیا ہے کہ:۔

"مرہٹے ملک سے جاچکے تھے۔ سابق نند راج کی حکومت سے راجہ اور اس کے خاندان کو رہائی مل چکی تھی۔ راجہ نے خیال کیا کہ اب حیدر علی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی اس لئے راجہ۔ رانی دیواجی اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو دفع کرنے کی سازش کی"

لیکن ماڈرن میسور کا ہندو مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۷ پر لکھتا ہے:۔

"وزیر نند راج اور راجہ کے معاملات میں جب حیدر علی نے رانی کی درخواست پر مداخلت کی تو نند راج نے سرنگاپٹم چھوڑ کر میسور میں اقامت اختیار کی لیکن راجہ اور رانی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نند راج کہیں اور چلا جائے۔ لیکن نند راج نے نہ مانا۔ اس پر حیدر علی نے نند راج پر فوج کشی کی۔ نند راج مجبور ہو کر کونا نور کو جو نجنگڈھ کے قریب ہے چلا گیا۔ اس جنگ کے اخراجات کیلئے حیدر علی نے جاگیر طلب کی۔

لیکن کھنڈے راؤ نے جو اس وقت راجہ کی ملازمت میں تھا۔ اس مطالبہ کی مخالفت کی لیکن آخر میں چار تعلقے دینا منظور کر لئے۔ اس معاملہ میں حیدر علی اور کھنڈے راؤ میں جو گفتگو ہوئی۔ اس کے باعث کھنڈے راؤ کے علاوہ راجہ اور رانی کے دل میں بھی حیدر علی کی طرف سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے رنگناتھ سوامی کے مندر میں بت کے آگے رازداری کی قسم کھاتے ہوئے حیدر علی کے خلاف کارروائی کرنے کی سازش کی اور تجویز ہوئی کہ مرہٹوں سے بھی تائید لی جائے۔"

مرہٹوں کو خط لکھا گیا۔ اس خط کے پہونچتے ہی مادھو راؤ نے ایساجی پنڈت پہنچی کو میسور روانہ کیا۔ دربار میسور نے اس فوج کی نقل و حرکت سے حیدر علی کو بالکل بے خبر رکھا۔ حیدر علی کو اس وقت خبر ہوئی جب یہ فوج سرنگاپٹم کے قریب پہنچی اور یہ راز کھلا کہ حیدر علی کی گرفتاری مقصود ہے شام کا وقت تھا۔ ایک ایک لحظہ کی دیر سوہان روح بنی ہوئی تھی اور اس پر مشکل یہ کہ سرنگاپٹم کی مقیم فوج سے انہیں یہ امید بھی نہیں تھی کہ اس آڑے وقت میں کام آئیگی۔ اس کے علاوہ بیوی اور بچے سرنگاپٹم میں تھے چند رفقا کو حقیقت حال سنا کر حیدر علی نے شب کے پردے میں فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔

حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ جاسوس انکی نقل و حرکت پر نگراں ہیں۔ اور وہ ان راستوں سے جا نہیں سکتے جو عام گذرگاہیں ہیں۔ اس لئے جب رات زیادہ ہوئی اور دنیا پر اندھیرا چھا گیا تو وہ اپنے گھر سے نکلے۔ اور سیدھے دریائے کاویری پر پہنچے۔ اندھیری رات اور بارشوں کی وجہ سے دریا زوروں پہ تھا۔ اور دوسری طرف عزت اور جان پر بنی ہوئی تھی ہمت کر کے دریا میں کود پڑے اور پار نکل گئے۔ صبح ہوتے ہوتے سرنگاپٹم سے بہت دور چلے گئے اور صرف بیس ۲۰ گھنٹوں کے عرصہ میں بنگلور پہنچے۔ جہاں انکی خاص فوج کا ایک

تھا۔ ادھر صبح ہوتے ہی خبر اڑی کہ حیدر علی شب ہی کو فرار ہو گئے ہیں۔ مرہٹے تعاقب کے لئے نکلے۔ اور حیدر علی کی گرفتاری کا انعام مشتہر کیا گیا۔ حیدر علی نے بنگلور پہنچتے ہی سید مخدوم کو جو فرانسیسیوں کی مدد کیلئے پانڈیچری جا رہے تھے خط لکھا کہ فوراً واپس آئیں۔ (یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید مخدوم نواح ارکاٹ میں مقیم تھے۔

سرنگا پٹم میں راجہ میسور نے کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار الیاجی نے تجویز کی۔ کہ فوراً بنگلور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا جائے تاکہ حیدر علی کو کوئی مہلت نہ ملے کھنڈے راؤ کے ماتحت زبردست فوج روانہ ہوئی لیکن حیدر علی بھی غافل نہیں تھے۔ جب یہ فوج بنگلور پہنچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکل کر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ میسوری اور مرہٹی فوج ہزار ہا زخمی اور مقتولوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کھنڈے راؤ اور حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس جنگ کے فیصلے پر ان کی آئندہ قسمت کا انحصار ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی جوانمردی دکھائی ہو وہ تعجب خیز نہیں۔ حملات حیدری میں میدان جنگ کی جو تصویر مصنف نے کھینچی ہے۔ وہ بجنسہٖ ذیل میں دی جاتی ہے:۔

> وہ دونوں مہا بھارت دلیں جیسے ساون بھادوں کے گھنگھور بادل چاروں طرف سے اٹھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں سب سے پہلے گولیاں اور گولے، تگرگ اور بادلے کی طرح دونوں طرف سے برسنے لگے۔ گولوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی کڑکڑاہٹ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک تھی۔ رنجک کا اڑنا۔ مہتابی کا چھٹنا برق کی جھلک اور بجلی کی چمک، دھواں دھار سے توپوں کے ہنگامے حشر برپا کر رہے تھے اور دھماکے سے زلزلت الارض آشکار تھا۔ جب دونوں فوجیں لڑتے لڑتے نزدیک آئیں اور نوبت کشت و خون کی پہنچی۔ تو پھر تیغ و تبر، خنجر، جمدھر، پستول، طپنچے

چھری، کٹاری، بھالے برچھی کی بوچھار ہونے لگی۔ اور لہو کی پھوہاریں اڑنے لگیں۔ ایک لمحے میں خون کی ندیاں اور نالے بہ گئے۔ ہاتھی، گھوڑے، اونٹ گاؤ، بچھڑے ماہی کے مانند اس میں نظر آتے تھے۔ فیلوں کے سر حباب کے مانند تیرتے پھرتے تھے۔ اور کشتیوں کے مانند لاشیں موجوں میں بہہ کر کنارے آ لگی تھیں۔ آخر کار نواب رستم شوکت اسفند یار صولت نے راجہ میسور کے لشکر کو شکست فاش دی۔" (حکایات حیدری)

جب اس شکست فاش کی خبر سرنگا پٹم پہنچی تو محل میں کہرام مچ گیا۔ اور ایساجی سپہ سالار مرہٹہ سے آئندہ تدابیر کے متعلق رائے لی گئی۔

سابق وزیر نندراج کا خط نندراج کو جس وقت حیدر علی کا حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ایساجی سپہ سالار افواج مرہٹہ کو ایک خط لکھا جس میں کھنڈے راؤ کی سازشوں کا پورا پورا حال درج تھا۔ کہ کس طرح اس نے خود اس کو (نندراج کو) سازش کر کے نکالا تھا۔ اور ایساجی کو آگاہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کے فریب میں نہ آئے۔

مرہٹوں کی واپسی اس خط کے دیکھتے ہی ایساجی نے حیدر علی کو لکھا کہ اگر حیدر علی اخراجات جنگ ادا کر دیں تو مرہٹی فوج واپس ہو جائے گی۔ حیدر علی نے روپیہ کے عوض بارامحل کا علاقہ انہیں لکھ کر دیدیا۔ مرہٹی فوج بارامحل پر قبضہ کرنے کے لئے سرنگا پٹم کو چھوڑ کر چلی گئی۔

حیدر علی کی سرنگا پٹم پر چڑھائی ۱۷۶۱ء حیدر علی کے پاس سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سرنگا پٹم پر قبضہ کر لیں۔ ابھی حیدر علی یہ تجویز سوچ ہی رہے تھے کہ

لی۔ اور اس کا اعلان عام کر دیا۔

حیدر علی کے غاصب سلطنت ہونے کی تردید

مذکورہ بالا واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حیدر علی کن حالات میں اور کن مجبوریوں کی وجہ سے تخت میسور پر قابض ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص انگریزی مورخین کی آراء درج کی جاتی ہیں۔ تاکہ جو کچھ بھی شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

تاریخ مدراس آف انڈیا میں صفحہ ۲۴ پر مورخ جی۔ ڈبلیو اسٹول لکھتا ہے۔

"باقی راؤ کھنڈے راؤ نے (جو حیدر علی کا نمک خوار تھا) مرہٹوں سے سازش کی۔ اور حیدر علی اپنی جان بچا کر بنگلور بھاگ گیا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے کہ صرف تین گھنٹوں کے اندر اندر تن تنہا بنگلور پہنچا ہے۔ حیدر علی کی فطرتی چالاکیوں نے بہت جلد فوجوں کو مجتمع کر لیا۔ اور ایک خونریز جنگ میں اپنے دشمن کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ حیدر علی کی فوجیں نہایت سرعت کے ساتھ سرنگا پٹم پہنچ گئیں۔ جہاں حیدر علی نے محل پر قبضہ کر لیا۔ رانیوں کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو لے کر ایک طوطے کی طرح پالے گا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو اس کی وفات تک ایک طوطے کی طرح پنجرے میں بند کر کے دودھ اور چاول دیتا رہا۔"

مورخ [illegible] اپنی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۹۱ پر لکھتا ہے۔

"سنہ ۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے سرنگا پٹم پر قبضہ کر کے کھنڈے راؤ کو قید کر لیا مگر اقرار کیا کہ اس کو ایک طوطے کی طرح پالے گا۔ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے

پنجرے میں بند کر کے دودھ اور چاول کھلا کر اچھی طرح فربہ کیا گیا۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدر علی میں لکھتا ہے۔

"وفا باز کھنڈے راؤ جو صرف حیدر علی کی عنایت سے وزیر بنا تھا۔ حیدر علی کے مقابلے پر آمادہ ہو بیٹھا۔ اس سے حیدر علی کو بہت تکلیف ہوئی لیکن حیدر علی نے اس پر فتح پائی پھر حیدر علی نے اس دغا بازی کا انتقام لینے کے لئے نظام پیشکش کی۔ اور راجہ کے مصاحب کا انتظام کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ لی۔ رانیوں کی سفارش پر کھنڈے راؤ کی جان بخشی کر کے اس کو لوہے کے پنجرے میں رکھا گیا۔ اور تمام عمر اس کو دودھ اور چاول کھلائے گئے۔"

حیدر علی نے جن حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر میسور پر قبضہ کیا اور انگریز مورخین نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن اس کے باوجود چند متعصب مورخین انہیں راجہ کا نمک حرام ملازم اور غاصب سلطنت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الزام کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حیدر علی نے تاج و تخت کیلئے راجہ کے خلاف قطعاً کوئی سازش نہیں کی بلکہ سازش کی ابتدا خود راجہ کی طرف سے ہوئی جس نے مرہٹوں کی مدد سے اس وفادار سپہ سالار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم اسوقت ہوا تھا جب مرہٹے سر پر آپہنچے تھے۔ حیدر علی بمشکل تمام جان بچا کر بنگلور کو فرار ہو گئے۔ اور آخر کار مدافعت میں جنگ لڑی۔ فتح و نصرت ان کے قدم چومنے لگی۔ اور وہ کامیاب و بامراد ہوئے۔

اب اگر اس صورت حالات کی بازی کھیل چکنے کے بعد حیدر علی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو آخر ان کے لئے اور چارۂ کار بھی کیا تھا۔ راجہ اور اس کے وزراء

چند ماہ میں کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب مغلیہ شہنشاہ ہند کی طرف سے حیدر علی کو سرا کی صوبیداری تفویض کر دی گئی تھی۔ اب راجہ میسور سے بحیثیت ملازم کے کوئی واسطہ نہ رہا تھا بلکہ اب میسور خود ان کا ماتحت ہو چکا تھا۔ ریاست میسور چونکہ سلطنت مغلیہ کی باجگذار تھی۔ اس لئے یہاں کا راجہ صوبیدار سرا کے تابع فرمان ہوتا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر نواب حیدر علی کو کیونکر غاصب سلطنت کہا جا سکتا ہے؟"

مشہور ہندو مصنف سیتا دیوی اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:-

"حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کر کے اس کا ملک چھین لیا۔ اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئیگا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی جس میں صرف ۳۳ تعلقے تھے۔ یہاں کے راجہ بیجا پور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگذار تھے۔ ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب کے بھی باجگذار ہو گئے۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک دیو کو جگدیو کا خطاب دیکر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا اس کے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہ نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ و نشان مع خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوئے۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب راجہ میسور کے ماتحت نہ رہا تھا۔ بلکہ راجہ میسور اس

کے ماتحت تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی۔ اگرچہ راجہ میسور تینتیس ۳۳ گاؤں کا مالک تھا۔ اور حیدر علی کے زیر نگیں اسی ۸۰ ہزار میل مربع ملک تھا پھر بھی وہ راجہ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اس کی ہر طرح خدمت کیلئے ہر وقت کمربستہ رہتا تھا۔ اس نے کبھی راجہ میسور کو تباہی سے بچایا لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو بالکل معطل کر دیا اور خود وہ حیدر علی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر ریاست میسور کی زمام خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور راجہ کو ایک باجگذار ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدر علی کیلئے آسان تھا کہ وہ اسی طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرناٹک، اودھ، ناگپور، اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا تھا۔ میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا۔ لیکن نہیں۔ بدنام حیدر علی نے راجہ میسور کے اعزاز و مناصب کو بدستور قائم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان و شوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور اس موقع پر دربار ہوتا تھا۔ اس میں حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ کیا اس کے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟"

حیدر علی نے ۱۷۶۶ء میں صوبہ سرا کے انتظام سے فارغ ہو کر بالا پور خورد اور نندی گرملہ کی طرف توجہ کی۔ بالا پور کا پالیگار پنگنڈہ کے راجہ مراری راؤ سے طالب امداد ہوا۔ میدان نندی میں ان دونوں متحدہ فوجوں کا حیدر علی کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں مراری راؤ پنگنڈہ کی طرف فرار ہو گیا حیدری فوج اسکے تعاقب میں نکلی پہلی لڑائی گوری بندہ پر

بلاپور اور رنگپٹنہ کی فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی سرا میں مقیم تھے۔ کہ ایک
نوجوان حضوری میں آ کر طالب داد ہوا اور کہنے لگا کہ میں راجہ بدنور کا متبنیٰ ہوں۔ راجہ کے
مرنے پر رانی نے ایک برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ اور دونوں نے مجھ کو
میرے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے۔ اور خود حکمران بن گئے ہیں۔ رات دن سوائے عیش و
عشرت کے انہیں اور کوئی کام نہیں۔ رعایا بے دل ہو گئی ہے۔ اور ہر طرف بد امنی پھیلی ہوئی
ہے۔ میں نے رانی کو ان باتوں پر ہر چند توجہ دلائی مگر بے سود۔ رانی اور دیوان نے سازش
کر کے رات کے وقت میرے مار ڈالنے کیلئے چند آدمیوں کو مقرر کیا۔ اور وہ میرا گلا گھونٹ کر
مجھ کو ایک مندر میں دفن کر گئے لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ مندر کے ایک جوگی نے
مٹی ہٹا کر مجھے باہر نکالا۔ اور میرا علاج کیا۔ اور مجھے نصیحت کی کہ بھیس بدل کر نکل جاؤں۔ اب میں
آپ کے پاس آیا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں کہ راجہ کی جگہ مجھے دلائی جائے جس کے عوض
میں ہمیشہ خراج ادا کرتا رہوں گا۔ نواب حیدر علی تمام حالات ہمدردی سے دریافت کر کے
اپنی فوجوں کو لیکر بدنور کی طرف بڑھے۔ راستے میں کہیں بھی مزاحمت نہ ہوئی کیونکہ تمام لوگ
نوجوان متبنیٰ کے نام سے واقف تھے اور حیدری افواج نے بھی اسی طرح
سفر طے کیا کہ جب تک وہ بدنور نہ پہنچ گئیں۔ رانی پر حال نہ کھلا۔ قلعے کے باہر پہنچ کر نواب
حیدر علی نے رانی کو طلب کیا مگر اس نے آنے سے انکار کیا۔ لہٰذا حیدری فوج نے حملہ کر دیا۔
آخر سخت جنگ کے بعد رانی گرفتار ہو کر حیدر علی کے سامنے لائی گئی۔ رانی سے قول و قرار
کر کے متبنیٰ کو تخت نشین کیا گیا۔ اور رانی کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے صلہ میں بیدنور اور منگلور
کے مضافات نواب حیدر علی کو دی گئی۔ چنانچہ نواب منگلور پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔

حیدر علی کے خلاف سازش | نواب حیدر علی کیلئے منگلور سے اپنی کارروائی شروع کی

جدید تعمیرات کی بنیاد ڈالی۔

ٹکسال اور سکہ

نواب حیدر علی نے اس خداداد فتح پر مسرور ہو کر بدنور میں ٹکسال قائم کی اور اپنے نام پر سکہ چلایا۔

حیدر علی اور پرتگیز

بدنور کے چند علاقوں پر پرتگیزی گوا سے نکل کر قابض ہو گئے تھے۔ نواب حیدر علی نے گوا پر چڑھائی کی۔ اور قلعہ راما تک پہونچ گئے لیکن اس کے بعد صلح ہو گئی جس کی رو سے پرتگیزوں نے کاروار کا علاقہ نواب حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

واقعات ملیبار

ملیبار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک زرخیز خطہ ہے جو کیرالا (چیرالا) بھی کہلاتا ہے۔ اس ملک میں آغاز اسلام ہی سے بغرض تجارت عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ ان تاجروں کی بدولت بہت سے خاندان مسلمان ہو گئے تھے اور ماپلے کہلانے لگے تھے بلکہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مسلمان ہو گئی تھیں۔ جن کا ذکر مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کی شہرت فتح بدنور کے بعد سے دور دور پھیل گئی۔ تو ملیبار کے مسلمان جو اپنے ہمسایوں کی روز روز کی لڑائیوں سے سخت تنگ آ گئے تھے۔ نواب حیدر علی سے طالب امداد ہوئے۔ اسکے ساتھ ہی کنانور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہاں کے نائر راجہ کی لڑکی ایک مسلمان رئیس زادہ پر جس کا نام علی تھا۔ عاشق ہو گئی۔ اور جب اس عشق کا حال کھلا تو راجہ کنانور نے باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے اپنی بیٹی کی شادی علی سے کر دی۔ اور اسکو وارث تخت و تاج بنا لیا۔ اس وجہ سے قوم نائر اس قدر برافروختہ ہوئی کہ مسلمانوں پر زندگی حرام ہو گئی۔ علی راجہ کی جانب سے بھی حیدر علی کو ایک عرض موصول ہوئی۔ نواب حیدر علی کو معلوم تھا کہ ماپلے قوم جہاز رانی میں نہایت مشتاق

ہے۔ اس سلئے علی راجہ کی مدد سے نواب کو ایک بحری طاقت رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ نواب نے فوراً ماپلاؤں کی سفارت کو شرف باریابی بخشا۔ اور علی راجہ کو اپنا امیر البحر مقرر کر دیا۔ اس اعلان کا اثر ملیبار پر اچھا پڑا جس کی وجہ سے نائر خود بخود راہ راست پر آ گئے۔

علی راجہ کے فتوحات

علی راجہ اب کنانور کا مستقل حکمران بن گیا۔ اور سلطنت حیدری کا امیر البحر ہو کر ایک زبردست جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کر کے ساحل ملیبار کے ان جزائر پر حملہ آور ہوا جو اب تک اسلامی فاتحین کے حملوں سے بچے ہوئے تھے اور اسلام کا پرتو بھی ان پر نہ پڑا تھا۔ یہاں کے لوگ سواحل ملیبار پر آ کر ماپلاؤں پر ظلم کرتے تھے۔ علی راجہ نے ان جزیروں پر حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کی دونوں آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام

راجہ کے گرفتار ہوتے ہی تمام جزائر پر علی راجہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حیدری علم نصب کر دیا۔ امیر البحر علی جب راجہ کو لیکر منگلور پہنچا۔ تو نواب حیدر علی خاں کو راجہ کی روئداد معلوم ہوئی حیدر علی نے راجہ سے معافی مانگی اور ایک معقول جاگیر اسکے ضروری مصارف کیلئے مقرر کر دی اور علی راجہ سے منصب امیر البحر واپس لے لیا۔

ملیبار میں ماپلاؤں پر ظلم

ماپلاؤں نے صرف دو یا تین مہینے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی تھی۔ کہ علی راجہ کی معزولی کی خبر ملیبار میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نائروں نے سمجھا کہ نواب حیدر علی ماپلاؤں سے دست کش ہو گئے ہیں۔ لہٰذا قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ ماپلاؤں کی ایک زبردست سفارت منگلور پہنچی جہاں حیدر علی مقیم تھے۔

ملیبار پر فوج کشی

سفارت کا بیان سنکر نواب حیدر علی بیس ہزار فوج لیکر ملیبار کی طرف بڑھے۔ کنانور کے قریب علی راجہ نے استقبال کیا۔ اور رکاب کو بوسہ دیا۔ نواب نے اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ کنانور کے قریب ندی کے کنارے پر نائروں کی فوج جمع تھی۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی۔ جس میں حیدری افواج غالب آئیں۔ نائر پسپا ہوکر پیچھے ہٹے۔ اور حیدری افواج تسخیر کالی کٹ کے خیال سے آگے بڑھیں۔

تسخیر کالی کٹ

نواب حیدر علی کی فوج جب کالیکٹ کے قریب پہنچی تو وہاں کے راجہ زامورن نے شہر سے باہر نکلکر آپ کا استقبال کیا۔ اور نہایت قیمتی تحائف پیش کئے۔ اس طرح کالیکٹ بغیر کسی لڑائی کے نواب کے قبضہ میں آگیا۔ نواب قلعہ میں فروکش تھے کہ زامورن اپنے محل کو واپس گیا۔ وہاں اس کے لوگوں نے اس کو سخت غیرت دلائی جس کے باعث اس نے محل کو آگ لگا دی اور جلکر مر گیا۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ کی کارروائی سے برافروختہ ہوکر اس کے رشتہ داروں نے آگ لگا دی تھی)

نائروں سے دوسری لڑائی

نائر اپنی پہلی شکست سے بہت برافروختہ تھے اور اب جو راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی۔ تو انہوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ کالی کٹ پر حملہ کیا مگر معمولی مقابلے کے بعد بھاگ نکلے۔ نواب حیدر علی نے انکا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ پونانی پر حملہ کیا تسخیر کالی کٹ کے بعد کوچین کی طرف بڑھے۔ راجہ کوچین نے بھی اطاعت قبول کرلی۔

نواب کی دور اندیشی

چونکہ بارشوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ملیبار میں کثرت

سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت نواب حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ بارش کا موسم ختم ہونے تک ملیبار سے باہر رہیں یہ سوچکر کوئمبتور کی طرف کوچ کیا کہ فوج کو آرام بھی ملے اور ملیبار کے نزدیک بھی رہیں۔

نواب حیدر علی کے مراجعت کرنے کے بعد نائروں نے بارش کے موسم سے فائدہ اٹھاکر از سر نو ماپلاؤں پر ظلم و ستم کرنا شروع کر دیا۔ اس مرتبہ ان کی حمایت پر راجہ ٹراونکور اور دوسرے سرداران ملک بھی تھے۔ تمام نائروں نے مجتمع ہو کر شہر کالی کٹ اور قلعہ پونانی کا محاصرہ کر لیا۔ نواب کے متعدد عامل مار ڈالے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس موسم برسات میں حیدر علی ادھر آنے کی جرأت نہ کرینگے۔ نواب حیدر علی کی افواج متقیم کالی کٹ اور پونانی سے قاصد خفیہ طور پر کوئمبتور پہنچے۔ اور دوسری جانب یہی خبر سید علی رضا خاں کو جو مدگری میں مقیم تھے پہنچی۔ وہ فوراً اپنی فوج کو لے کر کالی کٹ پہونچ گئے۔ دوسری طرف سے نواب حیدر علی اپنے پندرہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لیکر جس میں فرانسیسی اور پرتگیزی سپاہی بھی تھے۔ ایک آندھی کی طرح ملیبار کے طوفانی موسم برسات میں ندی، نالوں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے پونانی کے قریب پہنچے سواروں کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر زین نہ رکھیں۔ پیادوں کو موم جامے اور چھتریاں دی گئی تھیں۔ نواب حیدر علی بھی کسی خدم و حشم اور نشان و شوکت کے بغیر ایک معمولی سپاہی کی طرح فوج کے ساتھ تھے۔

جنگ پونانی

نائروں کی فوج ایک بہت چوڑی اور گہری خندق میں مورچہ بند تھی۔ گولیاں چلانے کیلئے لکڑیوں کا ہالہ (دیوار) بنایا گیا تھا۔ اور توپ خانہ ایک اونچے ٹیلے پر نصب تھا۔ نواب حیدر علی نے قائم کی مضبوطی کو دیکھکر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ دائیں جانب ایک پرتگیز افسر کمان پر تھا۔ بائیں جانب ایک انگریز افسر جو

نواب کی ملازمت میں تھا کے ماتحت فوج کا ایک حصہ تھا۔ نواب کے فرانسیسی ملازموں کی محفوظ فوج پیچھے رکھی گئی۔ سب سے پہلے داہنی طرف کی فوج نے حملہ کیا۔ اور نپولین افسر خندق تک جا پہنچا گولیاں چل رہی تھیں مگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ لکڑیوں کی دیوار کے پیچھے نائروں کا کیا نقصان ہو رہا تھا۔ ادھر حیدری سپاہ کثرت سے گر رہی تھی۔ پھر بائیں طرف کی فوج بڑھی تو اس کا بھی یہی حال ہوا۔ یہ حال دیکھ کر نواب کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی مگر خندق کو عبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے فرانسیسی افسر نے نواب سے عرض کی کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو آگے بڑھوں۔ نواب نے حکم دیدیا اور یہ فوج آگے بڑھی اور باوجود گولیوں کی متواتر بارش کے خندق میں داخل ہو گئی اور اس کو عبور کر کے لکڑیوں کے حصار پر پہنچی۔ تختے توڑ ڈالے گئے۔ اور نائروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ فوج کچھ اس بے جگری سے لڑی کہ ہزاروں نائر قتل ہو گئے۔ مورچہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر بقیۃ السیف نائر بھاگ نکلے۔ قدر دان نواب نے فرانسیسی افسر کو خود ۲ دس ہزار کا سپہ سالار اور افسر توپ خانہ بنا دیا۔ اس فتح سے نواب کی ہیبت ملک پر چاروں طرف چھا گئی۔ اور نائر اپنے اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ نکلے۔ نواب نے اعلان امن کرتے ہوئے برہمنوں کو روانہ کیا کہ لوگوں کو اپنے اپنے گھروں پر واپس لائیں مگر اس میں کامیابی نہیں ہوتی جس پر نواب نے دوسرا اعلان جاری فرمایا۔

نواب کا اعلان

(۱) نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا لیکن وہ آئندہ ادنیٰ درجہ میں گنے جائیں

(۲) نیچ اقوام نائروں کے جلوس میں دوڑتی تھیں یہ رسم موقوف کی گئی

(۳) پہلے صرف نائر ہتھیار باندھتے تھے آئندہ نیچ اقوام کو بھی ہتھیار باندھنے کی اجازت ہو گئی۔

(۴) جو نائر مسلمان ہوگا۔ اسکے خاندان پر تمام حقوق قدیمہ بحال و برقرار رہیں گے۔
(۵) جو شخص بھی مشرف بہ اسلام ہو۔ اس کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو نومسلم نائروں کو دیئے جائیں گے۔

اعلان کا اثر

نواب حیدر علی کے اعلان کا اثر یہ ہوا کہ ہزارہا لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مرہٹوں کی لشکر کشی سنہ ۱۷۶۴ء

بدنور والوں نے جب دیکھا کہ نواب حیدر علی ملیبار میں مصروف ہے تو انہوں نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ اس شہر و مملکت کو نواب کے قبضہ سے چھڑائیں۔ اس درخواست پر مرہٹوں کا ایک لشکر بدنور پر چڑھ آیا۔ جب نواب کو خبر ہوئی تو وہ میر علی رضا خاں کو ملیبار کا انتظام سپرد کر کے بدنور روانہ ہوئے۔ بدنور نواب کو جملہ شہروں سے عزیز تھا۔ نواب کے پہنچنے تک مرہٹوں نے بدنور پر قبضہ کر لیا تھا مگر بارش کا موسم شروع ہو جانے پر وہ خود بخود واپس چلے گئے۔

چتلدرگ پر فوج کشی سنہ ۱۷۶۴ء

مرہٹوں کی واپسی کے بعد نواب حیدر علی نے چتلدرگ کے علاقوں پر فوج کشی کی۔ مضافات چتلدرگ پر قبضہ ہو گیا مگر خاص قلعہ چتلدرگ باوجود پانچ مہینے محصور رہنے کے فتح نہ ہو سکا۔ اس لئے نواب نے محاصرہ اٹھا لیا۔

شاہنور پر چڑھائی

جس وقت مرہٹوں نے بدنور پر چڑھائی کی تھی۔ تو نواب شاہنور نے اپنی افغانی فوج مرہٹوں کی کمک کیلئے روانہ کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کے لئے نواب حیدر علی نے ایک دستہ فوج کو ہیبت جنگ کے ماتحت روانہ کیا۔ اور خود بھی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پنڈاروں کو مقرر کیا گیا کہ کسی طرح

لڑتے ہوئے افغانی فوج کو حیدری فوج کی کمینگاہ تک لے آئیں۔ پنڈاری فوج لڑتی ہوئی بظاہر مغلوب ہوکر پیچھے ہٹی۔ افغان تعاقب میں بڑھے۔ یہاں حیدر علی کی فوجوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ کاٹ کر رکھدیا۔ نواب عبد الحکیم خاں والی شاہنور نے اس خبر کو سنتے ہی فرار ہوکر قلعہ شاہنور میں پناہ لی جس کا حیدری افواج نے محاصرہ کرلیا جب نواب عبد الحکیم خاں کو معلوم ہوگیا کہ نواب حیدر علی کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں تو طالب صلح ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ دینا منظور کرکے مضافات شاہنور کے چند قلعے بھی حیدر علی کے قبضہ میں دیدیئے۔ یہاں کا انتظام کرنے کے بعد حیدر علی نے اطراف و جوانب کے پالیگاروں اور راجاؤں کے خلاف فوجیں بھیجیں چنانچہ مرزا حسین علی بیگ نے بسواری درگ فتح کرلیا۔ وہاں کے راجہ نے نواب حیدر علی کی خدمت میں یاقوت، مروارید اور جواہرات و زیورات سے بھرے ہوئے میں صندوق بطور پیش کش روانہ کیے۔

مادھوراؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر سنہ ۱۷۶۵ء

واقعات سنہ ۱۷۶۱ء میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب حیدر علی نے مرہٹی سپہ سالار الیباجی کو بارہ محل کا علاقہ تفویض کردیا تھا۔ جب الیباجی بارہ محل پہونچا تو حیدری قلعہ داروں نے قلعے حوالے کرنے سے انکار کردیا الیباجی ابھی کچھ کارروائی کرنے نہ پایا تھا کہ پانی پت میں مرہٹوں کے شکست کی خبر پہونچی۔ الیباجی پونا واپس ہوگیا۔ بالاجی باجی راؤ کے مرنے پر مادھوراؤ پیشوا ہوا۔ اور اس نے از سر نو مرہٹی سلطنت کی تنظیم شروع کردی۔ اس وقت جب حیدر علی بدنور، ملیبار، شاہنور پر قابض ہوگئے۔ تو پیشوا کو ایک نئی طاقت کا ابھرنا نہایت شاق گذرا۔ مادھوراؤ خود اپنی کمان میں ایک لاکھ سوار ساٹھ ہزار پیادے پچاس ہزار تیر انداز اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر علاقہ میسور پر بڑھا۔ اس قدر فوج کے

علاوہ پنڈاریوں کی بے قاعدہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی، مادھوراؤ کے آتے ہی شاہنور کا نواب عبد الحکیم خاں اور چتلدرگ کا راجہ اس سے مل گئے۔ مادھوراؤ سرا پر بڑھا۔ یہاں چند دن کی لڑائی کے بعد میر علی رضا خاں نے قلعہ حوالے کر کے اس کی نوکری منظور کر لی۔ تسخیر سرا کے بعد مرہٹی فوجوں نے مدگری فتح کر لیا جب تمت یہ خبریں نواب حیدر علی کو پہنچیں تو انہیں فکر ہوئی کہ کس طرح اس زبردست غنیم کا مقابلہ کیا جائے مگر بجائے ہمت ہار کر بیٹھ جانے کے جو کچھ فوجیں جمع ہو سکتی تھیں ساتھ لیکر سرنگا پٹم سے بنگلور آ گئے۔ اور یہاں قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوئے۔ سواروں اور پنڈاروں کو حکم دیا کہ صحرائے ناگڑی میں چھپ کر ہمیشہ مرہٹی فوج پر شبخون مارا کریں۔ مادھوراؤ قلعہ ناگڑی کی طرف بڑھا مگر وہاں کے حاکم سردار خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ چار دن تک لڑائی رہی۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جس پر چتلدرگ کے راجہ نے پوشیدہ راستوں سے اپنے آدمیوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے قلعہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اپنے رفقا کے ساتھ صرف تلوار سے لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی لڑتے لڑتے مر گئے۔ اور سردار خاں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکی فوج نے جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی۔ کئی شبخون مارے مگر مرہٹوں کی بے شمار فوج میں چند ہزار آدمیوں کے قتل سے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ناگڑی پر قابض ہو کر مادھوراؤ، بالاپور، کڑپہ، کولار، ملباگل گرم کنڈہ پر قبضہ کرتا ہوا سرنگا پٹم کی طرف بڑھا۔

مرہٹی فتوحات کا اثر

مادھوراؤ کی فتوحات نے ملک پر اس قدر اثر ڈالا کہ تمام پالیگار اور راجہ جو حیدر علی کے زیر اثر تھے حیدر علی سے منحرف ہو گئے اور معلوم بھی ایسا ہوتا تھا کہ سلطنت حیدری اب کوئی دم کی مہمان ہے۔ ادھر حیدر علی کی

بھی احساس ہوا کہ سرنگاپٹم پر مرہٹوں کا قبضہ ہونا ہی انکی سلطنت کا خاتمہ ہے اسوقت لوگ
علانیہ کہہ رہے تھے کہ میسور میں مرہٹی سلطنت قائم ہوجائے گی۔ اور مادھوراؤ کی فتوحات ہندوؤں
میں نہایت فخر و مباہات سے بیان کی جاتی تھیں۔ مادھوراؤ نے چنتامنی کو اپنا صدر مقام
مقرر کرکے ایک بھاری توپ خانہ اور پچاس ہزار کی فوج سرنگاپٹم کی طرف روانہ کی۔ نواب
حیدر علی بھی اپنی خداداد جسارت سے کام لیکر ماگڑی کے جنگل میں مرہٹوں کی ہراولی فوج
کا انتظار کرنے لگے جب نصف شب گذر گئی۔ تو اس فوج پر شبخون مارا۔ اور یہ حملہ
کچھ اس غضب کا تھا کہ قریب قریب کل مرہٹے کٹ گئے۔ اور جو باقی بچے وہ تمام ہتھیار اور
سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوسری طرف مرہٹی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بارہ محل پر پڑھ
رہا تھا۔ اس پر بھی حیدری پنڈاروں نے شبخون مارکر اس کو واپسی پر مجبور کردیا۔ جب
مادھوراؤ کو ان دونوں شکستوں کی خبر پہنچی، تو اس نے چنتامنی سے اٹھ کر امباجی درگم
میں کیمپ قائم کرلیا۔

مادھوراؤ سے صلح ایک جانب تو مادھوراؤ کی غیرت کو گوارا نہیں تھا۔ کہ
اس طرح شکست کھاکر واپس جائیں۔ اور دوسری طرف
فوج کی کمی نے اس کو مزید پیش قدمی سے روک دیا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر نواب
حیدر علی نے سات لاکھ روپیہ مادھوراؤ کے پاس بھیجا۔ اور پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا
اور لکھا کہ مرہٹوں کی کثیر فوج نے تمام ملک کو پامال کردیا ہے باوجود اس کے جنگ
جاری رکھنے سے فائدہ نہیں ہے چونکہ رعیت تباہ و برباد ہورہی ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ
اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے واپس ہوجائیں۔ مادھوراؤ نے اس کو ایک خداداد فتح
خیال کرتے ہوئے پونا کی طرف واپسی منظور کرلی اس کے بعد نواب حیدر علی نے از سر نو سلطنت

انتظام پر توجہ دی۔

راجہ میسور کی وفات ۱۷۶۶ء

۱۷۶۶ء میں راجہ میسور کی وفات ہو گئی۔ اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لہذا حیدر علی نے اسی خاندان کے ایک اور لڑکے کو متبنیٰ بنا کر مسند سلطنت پر بٹھا دیا۔

تاریخ رولرس آف انڈیا کا مصنف لکھتا ہے:-

"اس موقع پر حیدر علی نے خاندان کے تمام لڑکوں کو محل میں جمع کر کے چند کھلونے ان کے آگے ڈال دیئے۔ لڑکے اپنی اپنی پسند کی چیز اٹھانے لگے۔ ایک لڑکے نے تلوار اور لیموں اٹھا لیا۔ حیدر علی نے کہا کہ یہی بچہ راجہ ہونے کے لائق ہے۔ چنانچہ اسی کو راجہ بنا دیا گیا۔"

انگریزوں سے پہلی جنگ ۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء

انگریزی تاریخوں میں یہ جنگ "میسور کی پہلی جنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ انگریزوں اور نظام علی خاں نظام الملک کے دلوں میں نواب حیدر علی کی فتوحات خار کی طرح کھٹکتی تھیں۔ مادھو راؤ پیشوا نے پونا کے حملوں کے بعد انھوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی طاقت بالکل شکستہ اور کمزور ہو گئی ہے اس لئے دونوں طاقتوں نے اتحاد کر لیا اور ان کے ساتھ ایک مرہٹی سردار بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مل گیا۔ جو دکن میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔

انگریزی فوج جس میں زیادہ تر نواب والاجاہ محمد علی کی فوجیں تھیں کرنل اسمتھ کی ماتحت تھیں۔ حیدرآبادی فوجوں کی کمان خود نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ اور مرہٹی سردار علیحدہ کمان پر تھا۔ متحدہ فوجیں بالا گھاٹ میسور پر بڑھیں یعنی انگریزی فوجیں

لکھتے ہیں کہ ابتدا حیدر علی سے ہوئی۔ اس لئے کہ انہوں نے حیدرآباد کے علاقہ پر چھاپہ مارا تھا مگر یہ صحیح نہیں ہے یہاں چند انگریزی تاریخوں ہی سے اس جنگ کے اسباب پر روشنی ڈالی جاتی ہے:-

مورخ ڈیلا فوس اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۷۲ پر لکھتا ہے:-

"فتوحاتِ حیدری سے خوفزدہ ہو کر نظام الملک اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کر لیا۔ اور کرنل اسمتھ کے ماتحت یہ متحدہ فوجیں بغیر کسی وجہ کے میسور پر چڑھ آئیں"

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۷۰ پر رقمطراز ہے:-

"۱۷۶۶ء میں مدراس میں انگریزوں کو معلوم ہوا کہ حیدر علی فرانسیسیوں سے سازش کر رہے ہیں۔ کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں۔ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مدد مانگی۔ اور تینوں فوجیں جن میں نواب محمد علی والاجاہ کی فوجیں بھی شامل تھیں میسور پر حملہ آور ہوئیں"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند صفحہ ۳۲۵ پر لکھتا ہے:-

"نظام الملک ہمیشہ حیدر علی کا حاسد رہا۔ اس کو حیدر علی سے اس درجہ نفرت تھی کہ وہ اس کو یعنی حیدر علی کو غاصبِ سلطنت سمجھتا تھا لہٰذا انگریز مرہٹے اور نظام الملک نے متحد ہو کر حیدر علی پر چڑھائی کی"

تاریخ ریڈرس آف انڈیا صفحہ ۸۲ پر تحریر ہے:-

"حیدر علی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا۔ اور ایک مرہٹی سردار کے ساتھ مل کر انہوں نے میسور پر فوج کشی کی"

مذکورہ بالا انگریزی تاریخوں کے حوالوں سے آپ دیکھ چکے ہیں کہ اس جنگ

کی اصل وجہ کیا تھی۔ اب خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخی کتب ملاحظہ ہوں:۔

"چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدر علیخاں کی روز افزوں قوت سے اندیشہ تھا۔ اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقے پر حملہ کرتے رہتے تھے۔ اسلئے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول بندوبست کرتی اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو فراہم کر لے جن کے ساتھ متفق ہو کر حیدر علیخاں اپنی قوت میں اضافہ کر سکتے تھے۔ ان امور پر نظر کرتے ہوئے کمپنی نے بندگان عالی کو حیدر علی خاں کے خلاف کھڑا کر دیا"

(نظام علیخاں حصہ دوم از سراج الدین طالب صفحہ ۴۴ مطبوعہ حیدرآباد)

توزک آصفیہ میں شاہ تجلی علی لکھتے ہیں:۔ (صفحہ ۱۲۴)

"بندگان حضرت اگرچہ در تحصیل مقصد آں قوم دانا بودہ بنا بر استیصال حیدر نایاب استیلائے اہل فرنگ مندرج بہ تخریب ملک و آبادی معمورہائے ایں قوم مندرجہ است محض ایپاس خاطر رکن الدولہ منظور داشتہ دست رد بہ سینۂ ملتمس او نگذاشتہ پنجہ مسلت آنہا بجناب حسن قبول نگیں فرمودند"

سچ تو یہ ہے کہ نظام علی خاں کو ایک اور اسلامی طاقت کا ابھرنا گراں گذر رہا تھا۔ مگر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ خود حملہ کرتا۔ دوسری طرف مدراس میں انگریزوں کو خوف تھا کہ کہیں حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت انہیں ہندوستان سے نکال دے۔ سازشیں دونوں جانب سے شروع ہوگئیں۔ اور ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے نظام الملک نے علاقہ شمالی سرکار انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور اپنی فوج لیکر انگریزوں کیساتھ علاقہ میسور پر حملہ آور ہوا۔ محمد علی والاجاہ تو پہلے ہی سے انگریزوں کا پٹھو بے وہم تھا۔ اسلئے مورخین نے اسکے نام کو نظر انداز کر دیا ہے

بہر طور یہ متحدہ فوجیں علاقہ بالاگھاٹ پر بڑھیں۔ حیدر علی نے بھی تیاریاں شروع کیں
حیدری فوج مختلف دستوں پر منقسم ہوئی۔ جس میں ایک پر ٹیپو سلطان کمان کر رہے تھے۔
دوسرے پر محمد علی کمیدان تیسرے دستے پر پیت جنگ، چوتھے پر میر علی رضا خاں مقرر
ہوئے۔ اور باقی فوج خاص نواب حیدر علی کے ماتحت تھی۔

یہ فوجیں مدافعت کی غرض سے بڑھیں۔ ادھر انہوں نے متحدہ فوجوں کو رسد نہ ملنے کیلئے
ملک کو لوٹ کر فوجوں پر شبخون مارنا شروع کر دیا جس پر انگریزوں نے یہ چال چلی کہ حیدر علی
کی توجہ ہٹانے کیلئے علاقہ بمبئی سے ایک فوج ساحل منگلور پر اتار دی کہ بڑھ کر بدنور پر قبضہ
کرلے۔ نواب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ٹیپو سلطان کو اس طرف بھیجا۔ اور بعد میں میر علی رضا
خاں اور محمد علی کمیدان کو مشرقی محاذ سپرد کر کے خود بھی ادھر کی جانب بڑھے۔

بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے چلے جانے سے اتحادیوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا
کافی موقع مل گیا۔ اور انہوں نے وانمباڑی، ترانور، کنگن گڑھ، جگدیو، دھرم پوری، کولار
اور ہوسکوٹہ فتح کر لیا۔ ان فتوحات سے مسرور ہو کر والاجاہ نواب محمد علی نے کولار کو اپنا
صدر مقام بنایا۔ اور مرار راؤ حاکم گٹی کو ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام کیلئے اپنے پاس
بلا لیا۔ نواب محمد علی والاجاہ کا خیال تھا کہ حیدر علی کے مولد و مسکن پر قبضہ کر کے حیدر علی
مطیع ہو جائیں گے۔

مغربی محاذ پر لڑائی

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کر لیا مگر فوجوں
کی کمی کے باعث زیادہ کارروائی نہ کر سکے اس عرصہ
میں حیدر علی بھی آپہنچے۔ مگر ان کے پاس بھی فوج زیادہ نہ تھی۔ حیدر علی نے آٹھ ہزار پیدل

بندوقیں تیار کر کے آٹھ ہزار سپاہی نوکر رکھے اور اس نمائشی فوج کو رنگ برنگ کے علم اور نشان دیکر بنگلور پر بڑھا دیا گیا۔ جس وقت انگریزی سپہ سالار نے دیکھا کہ بے شمار فوج اس کے مقابل آرہی ہے۔ تو قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ٹیپو سلطان کو جب حال معلوم ہوا۔ تو سواروں کا رسالہ لیکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ اور ادھر سے توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ انگریزی فوج نہایت سراسیمگی کی حالت میں اپنا تمام سامان چھوڑ کر جہازوں پر سوار ہو کر بمبئی واپس ہو گئی۔

حیدر علی مشرقی محاذ پر

اس فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی مشرقی محاذ پر آئے اس وقت انگریزی فوج ترسی پولی میں مقیم تھی اور اس کے بازو پر مراری راؤ کا کیمپ تھا۔ نواب نے اچانک اس پر شبخون مارا۔ اور بہت سا مال اور اسباب لوٹ کر ساتگڈھ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر اس سے انگریزی فوجوں کے ایک دوسرے دستہ نے نکل کر جنوب میں ڈنڈیگل کوئمبتور دھارا پورم وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ٹیپو سلطان کو جنرل اسمتھ کے مقابلے میں چھوڑ کر حیدر علی دھرم پوری کی طرف بڑھے۔ راستے میں انگریزی فوجوں کیلئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جا رہا تھا۔ اس کو لوٹ لیا گیا۔ دھرم پوری پر چڑھائی ہوئی اور معمولی جنگ کے بعد دھرم پوری کا قلعہ فتح ہو گیا دوسری طرف محمد علی کمیدان نے ہسور فتح کر لیا۔ دھرم پوری کی فتح کے بعد نواب حیدر علی ہوسکوٹہ پر بڑھے اور جب جنرل اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ کولار سے نکل کر ہوسکوٹہ کی مدافعت کیلئے آیا مگر راستے ہی میں ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان نے اس کو روک لیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد قلعہ ہوسکوٹہ فتح ہو گیا تسخیر قلعہ کی خبر پر ٹیپو سلطان نے انگریزی فوجوں پر بنگلور تک آنے کی راہ بند کر دی۔ جہاں ایک میدان میں حیدری فوج ان کے انتظار میں

تھی۔ جس وقت یہ فوج کمینگاہ پر پہنچی۔ تو حیدری افواج نے اس سختی سے حملہ کیا کہ انگریز
پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جنرل اسمتھ کولار کی طرف واپس لوٹ گیا۔ اور نواب حیدر علی نے
ترسی پور میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کے لئے مدراس سے سامان رسد آرہا تھا
حیدر علی کی فوج نے ہر چن پلی کے قریب اس کو بھی لوٹ لیا۔

مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی

اس لوٹ مار اور شبخون کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ اتحادیوں کی فوج خصوصاً نظام کی
حیدرآبادی اور مرہٹی فوج سخت تنگ آگئی۔ جس کی وجہ سے مرہٹی سردار اپنی فوج کو یہاں
سے لیکر دوسری جانب چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حیدرآبادی فوجوں میں دہشت پھیل گئی اور
وہ سب بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔ جنرل اسمتھ نے نظام کو بہت کچھ تسلی دی۔ مگر خبر اڑتی
آئی کہ مرہٹی سردار حیدر علی سے سمجھوتہ کر کے پونا چلا گیا۔ اب تو نظام علیخاں بالکل ہراساں ہو گئے
اور کچھ ایسی دہشت غالب ہوئی کہ اپنے امیروں سے واپسی کا مشورہ کرنے لگے۔
موسیو ڈلٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"نواب نظام علیخاں کے ساتھ تعداد میں تو ایک لاکھ سوار و پیادوں کی جمعیت تھی
لیکن ان میں سے شاید دو ہزار بھی اچھے بہادر سپاہی اور جانباز تھے۔ نظام کے ماتحت
سرداروں میں ایک رام چند رمرہٹہ اور رئیس نواب شاہنواز کڈپہ اور کا وغیرہ کے
بھی شامل تھے۔ نظام کے کیمپ میں ارباب نشاط جیسے رقاصہ عورتوں کی کمی بھی
نہ تھی۔ نواب رکن الدولہ دیوان نظام نے حیدر علی سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی
کی۔ اس صلح نامہ میں طے پایا کہ:-

(۱) نواب محفوظ خاں (برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ) کی بیٹی ٹیپو سلطان سے

بپا ہی جاتے۔

(۲) نواب محفوظ خاں بحیثیت میر انوارالدین کے بڑے ہونے کے صوبہ ارکاٹ قرار پائیں۔ اور وہ اپنا حق ٹیپو سلطان کو تفویض کر دیں۔

(۳) نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

(۴) حیدر علی اور نظام الملک متفقہ طور پر محمد علی کو معزول کرنے کی کوشش کریں گے۔"

صلحنامہ پر حیدر علی خاں اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوئے جس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل سیناجی پنڈت کے ذریعہ مدراس کے گورنر کو ایک مراسلہ بھیجا۔ جس میں نواب محمد علی کا تمام کچا چٹھا بیان کیا تھا کہ کس طرح اس کی سازش سے یہ جنگ ظہور میں آئی ہے۔ مدراس کے انگریز تو جانتے تھے کہ یہ آگ خود ان کی اپنی لگائی ہوئی ہے اسلئے انہوں نے حیدر علی کو دبا دیکھ کر ایسی شرائط پیش کیں جنہیں حیدر علی نے ٹھکرا دیا۔ حیدر علی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ چالباز محمد علی اپنی جوڑ توڑ میں کامیاب ہو اور کسی طرح فوقیت لیجائے اس پر انگریزوں کو آئندہ جنگ جاری رکھنے کی فکر ہو گئی۔ لہذا انہوں نے کرنل اووڈ کے ماتحت بنگلور پر قبضہ کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی۔

کرناٹک پر حملے

نواب حیدر علی نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے قدم انکے ملک میں مضبوطی سے جم رہے ہیں۔ اور والاجاہ محمد علی کولار میں بیٹھا ہوا جوڑ توڑ میں مصروف ہے۔ تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر محمد علی کے علاقوں پر قبضہ کر لیں۔

برق و باد کی طرح حیدری افواج پائیں گھاٹ کی طرف بڑھیں کرشناگری، تریاتور، وانمباڑی، آمبور، سات گڑھ، ویلور، دھونی گڑھ، کبیر پٹن اور ترچناپلی پر قابض ہو گئیں۔

تمام ملک لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ شاہزادہ ٹیپو سلطان نواح مدراس کی طرف بڑھا۔ میر علی رضا خاں تنجاور پر، غازی خاں چتور پر اور مہا میرزا آلور پر۔ ان تمام سرداروں کو حکم تھا کہ لوٹ مار کر کے ان علاقوں کو ویران کر دیں۔

جب حیدری افواج نے پائین گھاٹ کو لوٹ کر ویران کرنا شروع کر دیا۔ اور حیدر علی کا شہروں پر قبضہ ہونے لگا۔ تو اس وقت نواب محمد علی والا جاہ اور جنرل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔

ایک جانب تو رسد بند ہو گئی تھی۔ اور دوسری طرف حیدری فتوحات سے خوف پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کرناٹک میں تو اپنی کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی اور والاجاہی فوجیں بالا گھاٹ خالی کر کے پائین گھاٹ پر آ گئیں۔ محمد علی کو افسوس تھا کہ بنگلور پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے مدراس میں خط بھیجا کہ جنرل اسمتھ کی تاخیر سے متوقع فتوحات نہ ہو سکیں جس پر مدراس گورنمنٹ نے جنرل اسمتھ کو مدراس میں طلب کیا۔ اور والاجاہ محمد علی بھی مدراس گیا۔ کہ آئندہ تدابیر جنگ پر غور کرے۔ جنرل اسمتھ تو مدراس سے کلکتہ چلا گیا اور کرنل اوڈ کو کل فوج کی کمان دی گئی۔ محمد علی مدراس میں مقیم تھا۔ کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں نواح مدراس میں لوٹ مار کرتی قلعہ سینٹ جارج پر پہونچیں۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔

اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ گرا جہاں محمد علی اور گورنر مدراس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انگریزوں پر اس قدر دہشت چھا گئی۔ کہ گورنر مدراس ساحل کی طرف بھاگا اور جہاز میں پہنچکر پناہ لی۔ اس پریشانی میں گورنر کی ٹوپی اور تلوار وہیں میز پر دھری رہ گئی جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ نواب محمد علی والاجاہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اور اپنے محل میں پناہ گزیر ہوا۔ ٹیپو سلطان کا ارادہ تھا کہ بڑھ کر قلعہ مدراس پر قبضہ کر لے مگر انگریزوں

نے ایسا چکمہ دیا کہ سلطان دھوکہ میں آگیا۔ حیدر علی کی طرف سے ایک فرضی قاصد سلطان کے نام یہ فرمان لایا کہ ترنا ملے کی شکست کی وجہ سے فوراً تمہاری مدد درکار ہے۔ لہٰذا سلطان کو لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہو سکا وہ لیکر ترنا ملے واپس ہو گیا۔

کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست

کرنل اوڈ اپنی فوجیں لیکر بانگلور کے راستے سے ہسنور پر بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قابض ہو جائے نواب حیدر علی نے خبر پا کر راستہ روکا۔ اور کرنل اوڈ کی فوج کو شکست دیکر بھاری توپوں اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب پیچھے ہٹنے سے کرنل اوڈ کو معلوم ہوا کہ حیدری لشکر نے ان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

لیوئن بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بد قسمتی سے اس موقع پر حیدر علی کی توپوں سے انگریزی فوج کو بہت مصیبت ناک بربادی میں مبتلا ہونا پڑا۔ آخر کار میجر فٹنر جیرلڈ جو وینکٹ گری میں متعین تھا۔ کرنل اوڈ کی مدد کو پہنچا۔ اور پیچھے سے آکر کرنل اوڈ کی فوج کو تمام و کمال برباد ہونے سے بچا لیا۔ اس بد قسمت جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ کرنل اوڈ کو بھی واپس بلا لیا گیا اور کرنل لینگ اس کی جگہ بھیجا گیا"۔

ادھر تو انگریز بنگلور فتح کرنے کی بیکار کوششیں کر رہے تھے۔ اُدھر حیدر علی نے اپنے نائب فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو نئی فوجیں بھرتی کرنے کیلئے سرنگاپٹم روانہ کیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں۔ تو حیدر علی نے نومبر ۱۷۶۷ء میں فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کو ایک بڑی زبردست فوج اور توپخانہ دیکر انگریزوں سے انتقام لینے کیلئے درہ گجل ہٹی کی طرف روانہ کیا۔ جو اس وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ہیبت جنگ نے جاتے ہی اس پر

قبضہ کر لیا۔

اس کے پیچھے خود نواب حیدر علی ایک جرار فوج مع توپ خانہ لیکر روانہ ہوئے اور ضلع کوئمبتور میں داخل ہو کر کرمڈ پر قابض ہو گئے پھر ایروڈ کی جانب بڑھے۔ رات میں کپتان نکسن سے مقابلہ ہو گیا۔ اور اسے شکست فاش ہوئی۔ اس کی فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یا تو مارا گیا ہو اور یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد نواب حیدر علی نے ایروڈ کو فتح کر لیا۔ انگریزی افسر جو دانمباڑی کا کمانیر تھا۔ اس نے پچھلے سال نواب حیدر علی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انکے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لیگا۔ لیکن اب جو کمانیر پا گیا تو نواب حیدر علی نے وانمباڑی کی تمام فوج کو مع کاویری پورم کی فوج کے گرفتار کر کے سرنگاپٹم کو روانہ کر دیا۔ پھر نواب حیدر علی نے گھاٹوں کے جنوب میں ان تمام اضلاع کو فتح کر لیا۔ جو انگریزوں نے ان سے چھین لئے تھے۔ اس کے بعد حیدر علی مدراس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس فوج کشی پر مدراس کی گورنمنٹ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئی۔ اور کپتان بروک کو صلح کی گفت وشنید کے لئے نواب حیدر علی کی خدمت میں بھیجا۔

نواب حیدر علی نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے ارکاٹ کے دغاباز نواب محمد علی کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے انگریزی سفیر سے کہا کہ "میں خود مدراس آرہا ہوں اور وہاں ان شرائط کو سنوں گا جو کہ گورنر اور کونسل پیش کرنا چاہتی ہے"۔

انگریزی سفیر کو مدراس رخصت کر کے نواب حیدر علی اپنی بے باک جرأت و ہمت سے جس سے وہ ممتاز تھے۔ وہ تدابیر اختیار کیں کہ مدراس گورنمنٹ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یعنے حیدر علی نے اپنی فوج کے اصل حصہ کو اتھور درہ سے ہو کر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا

حکم دیا۔ اور چھ ہزار حیدر سوار اور کچھ پیدل فوج لیکر وہ خود جانب مدراس روانہ ہوئے اور ساڑھے تین دن میں ۱۳۰ میل کا سفر طے کر کے کوہ سینٹ تھامس پر جو مدراس سے پانچ میل پرے ہے جا پہنچے۔ انگریزوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ اور انہوں نے فوراً سر اطاعت خم کر دیا۔

نواب حیدر علی اگر اس وقت چاہتے۔ تو مدراس پر بآسانی قبضہ کر کے جنوبی ہند میں انگریزی اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا برتاؤ کیا جس کی ایک مغلوب دشمن کو اپنے فاتح سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب حیدر علی نے حسب ذیل شرائط پیش کیں جنہیں قبول کرنے کیلئے انگریز مجبور تھے۔

(۱) آئندہ فریقین ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

(۲) فریقین اپنے اپنے مقبوضات کو جو دوران جنگ میں انہوں نے فتح کئے تھے اور اپنے اپنے قیدی ایک دوسرے کو واپس کر دیں۔

(۳) علاقہ کرور جو محمد علی والاجاہ کی ملکیت تھی۔ آئندہ نواب حیدر علی کی ملکیت قرار پائے

ان شرائط کو انگریزوں نے قبول کر لیا۔ فرنچ مورخ موسیو ڈلٹ ان شرائط پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ والاجاہ محمد علی نے سالانہ چھ لاکھ روپیہ بطور نعلبندی حیدر علی کو ادا کرنا منظور کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اس صلحنامہ پر دستخط ہوئے اور اس کی یادگار میں ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج مدراس کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے لگایا گیا۔ جس کے متعلق مسٹر الفرڈ لائل لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فتح کی یادگار مدراس میں اس طرح چھوڑی کہ اس کے حکم سے انگریزوں نے ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج کے دروازے پر لگایا جس میں بتلایا گیا کہ گورنر مدراس

اور ممبران کونسل حیدر علی کے آگے اپنے زانوؤں پر بیٹھے ہیں۔ اور حیدر علی ایک ممبر کی ناک جو ہاتھی کے سونڈ کے مشابہ بتائی گئی ہے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں جس میں سے اشرفیاں رہی تھیں۔ کرنل اسمتھ ایک طرف صلحنامہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تلوار توڑ کر رہا ہے۔"

جنگ کے نتیجہ پر انگریزی مورخین کی رائیں۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-
"کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنی نقل و حرکت سے جو اس صلح سے قبل عمل میں آئی میسور کے سردار حیدر علی نے اپنی سلیقہ شعاری اور ماورائی تدبر و ذکاوت کے اعلیٰ صفات کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف اس کے مدراس کی گورنمنٹ نے کم ہمتی اور اپنے بودے پن کا ثبوت دیا۔ اور نادانی سے دغا باز محمد علی پر بھروسہ کیا۔ مگر حیدر علی نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے محمد علی کی فریب دہی کا پورا پورا اندازہ کر لیا تھا۔"

مسٹر القرڈلائل لکھتا ہے :-
"اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو خاتمہ اس سے بھی بدتر نکلا۔"

ڈی لافوسی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۱۷۷ پر لکھتا ہے :-
"جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا۔"

مورخ تھاسپسن اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۷۰ پر لکھتا ہے :-
"حیدر علی کرناٹک کو ویران کر رہا تھا۔ انگریزی فوجیں اس کے پیچھے رینگ رہی تھیں۔ حیدر علی طوفان باد کی طرح مدراس کے دروازوں پر نمودار ہوا۔ گورنر اور ممبران کونسل پر اتنا ہراس چھا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں چھپ گئے۔ حیدر علی کے پیش کردہ شرائط پر ۱۷۶۹ء میں صلح ہو گئی۔"

کرنل مالیسن اپنی تصنیف "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" میں رقمطراز ہے:۔

"اس وقت حیدر علی کل سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ مدراس شہر کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آمد کا رعب اتنا غالب ہوا تھا کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ ایسی حالت میں انگریزوں کو اس کی تمام شرائط پر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔"

اس شکست کی خبریں انگلستان میں پہنچتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص کی قیمت ساٹھ فی صدی کم ہو گئی۔ یہ عہد نامہ نواب حیدر علی اور شاہ انگلستان کے درمیان لکھا گیا تھا۔ اس لیے کہ نواب نے کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

صلحنامہ مدراس کے متعلق دو نظریے

پہلا نظریہ:۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حیدر علی کی یہ رواداری اس قابل ہے کہ اس پر مسلمان جس قدر بھی ناز کریں۔ بجا ہے۔ اس نے:۔

"زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"

کے مقولے پر عمل کر کے اپنی سچی اسلامی بہادری کا نمونہ دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ حیدر علی کے ظلم و ستم پر اعتراض کرنے والے دیکھیں کہ باوجود فاتح ہونے کے حیدر علی نے اپنے شکست خوردہ حریف سے کیا سلوک کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام انگریزی مؤرخین اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں کہ حیدر علی نے انگریزوں پر اعتماد کر کے اپنی عقل و فرزانگی کا ثبوت دیا۔

دوسرا نظریہ:۔ ہندوستان اس صلحنامہ پر جتنا بھی ماتم کرے بجا ہے۔ ایک فاتح جنرل اپنے مغلوب دشمن سے شرائط صلح یوں طے کرتا ہے۔ کہ اس کے تمام مقبوضات اس کو چھوڑ دیتا ہے اور آئندہ صرف دوستی کا حلف لیکر بغیر کسی معاوضہ کے ہی پلٹ جاتا ہے۔ انگریزوں کی ہستی

اس وقت حیدر علی کے رحم و کرم پر منحصر تھی مگر اس نے انکی بے بسی سے فائدہ اٹھانیکی کوئی کوشش نہیں کی۔ آہ! یہی عفو بیجا سلطنت خداداد کے زوال کا بھی باعث ہوا۔ اگر اسے نواب حیدر علی کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا جائے۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ بدقسمتی سے ہندوستان کے باشندے باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے کے اقتدار کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مرہٹوں کو یہ فکر تھی کہ ایک اسلامی طاقت کا آغاز انکے سد راہ ہے ادھر نظام الملک کو حسد تھا کہ حیدر علی کا وجود اس کے لئے پیغام مرگ ہے۔ حیدر علی بھی ابتدا سے دیکھ رہا تھا کہ اس حسد و نفاق کے سبب مرہٹے اور نظام ہمیشہ اس کی طاقت کو فنا کرنے کیلئے پے در پے حملے کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ اس لئے اس کو ایک ایسے حلیف کی ضرورت تھی۔ جو وقت ضرورت مدد دے سکے۔ اور اس نے اس صلحنامہ کے ذریعہ ایک حلیف پیدا کر لیا مگر اس حلیف یعنے انگریزوں نے جس ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا۔ خاص انگریزی مورخین کی زبانی سنئے۔

تاریخ ہند از ڈی۔ ٹی۔ فوسی صفحہ ۱۸۰:۔

"جب آزمائش کا وقت آیا تو انگریز اپنے عہد پر پورے نہیں اترے"

رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۷۰:۔

"عہد نامہ کچھ ایسے الفاظ میں مرتب تھا کہ جس کے مختلف معنی ہو سکتے ہیں۔ اور اس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر حیدر علی کو جس وقت مدد کی ضرورت تھی۔ کمک نہیں دی۔ اور اس طرح ایک عمدہ دوست کو دشمن بنا لیا"

سنکلیر لکھتا ہے:۔

"جب حیدر علی کو ضرورت تھی تو بموجب عہد نامہ کے انگریزوں نے مدد نہیں دی"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب عہد نامہ پر دستخط کئے تو ان کا یہ ارادہ ہی نہیں تھا کہ اس پر عملدرآمد بھی کریں۔ اور اس پر لطف یہ کہ انہوں نے نواب والاجاہ محمد علی کا علاقہ کرور بھی حیدر علی کو دیدیا۔ کہ ہمیشہ ان دونوں میں چلتی رہے"

میجر ٹارنس ہمیر پا ہیمبٹ اپنی کتاب "ایمپائر ان ایشیا" میں لکھتا ہے :-

"کمپنی کو حیدر علی سے کوئی شکایت نہیں تھی لیکن کمپنی نے نظام حیدرآباد سے اضلاع شمالی سرکار کے متعلق معاہدہ کیا تھا جس کے معنے یہ تھے کہ نظام کو حیدر علی کے خلاف مدد دی جائے۔ سرنگاپٹم اور حیدرآباد کی رقابت مشہور تھی۔ ایک ایسے وقت میں جب مرہٹوں کے حملوں نے حیدر علی کو کمزور بنا رکھا تھا حیدرآباد اور کمپنی کی فوجوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت تک بھی جبتک کمپنی کی فوجیں سرحد میسور پر نہ پہنچیں کمپنی اور حیدر علی میں دوستی تھی۔ لیکن اس دوستی کی حقیقت کیا ہے۔ جو ایک کمزور اور طاقتور کے درمیان ہو۔ حیدر علی اس وقت کمزور تھا۔ کمپنی طاقتور تھی۔ وہ اپنے کمزور دوست کو مہلت دینا نہیں چاہتی تھی۔ کہ وہ طاقتور ہو جائے۔ اس لئے کمپنی کی فوجیں بارامحل کے ملک پر بڑھیں۔ جو انکے مقبوضات کے قریب تھا لیکن جنگ کا نتیجہ کیا نکلا وہی کہ مشرقی جنگوں میں جس طرح ہوتا آیا ہے۔ وہی یہاں بھی ہوا۔ حیدر اپنے دشمنوں مرہٹوں اور نظام سے بھگت کر اپنی پوری طاقت کیساتھ انگریزوں پر برس پڑا۔ وہ میسور سے ایک طوفان کی طرح اٹھا جس کی تندی کے آگے حملہ آور ہانپتے کانپتے اور شدید نقصان اٹھاتے ہوئے یہاں تک بھاگے کہ قلعہ سنٹ تھامس ماونٹ میں پہنچے۔ یہاں حیدر علی نے مدراس کے قلعہ کی دیوار در

کے سارے میں ایک صلح نامہ لکھا گیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ وقتِ ضرورت کمپنی اس
کو سات پلٹنوں سے کمک دے لیکن اس معاہدہ پر کمپنی نے جس طرح عمل کیا وہ
بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔"

نظام الملک اور انگریز

نظام الملک میر نظام علی خاں کو توقع تھی کہ اس کے علیحدہ ہو جانے سے دونوں حریفوں یعنی انگریز
اور حیدر علی میں سے ایک نہ ایک مغلوب ہو جائیگا۔ اگر حیدر علی مغلوب ہو جائیں تو وہ
خار جو اس کے پہلو میں کھٹکتا اور جو اس کے خوابِ شہنشاہیت میں رخنہ ثابت
ہو رہا ہے دور ہو جائیگا۔ اور اگر انگریز مغلوب ہوں تو ان کا نام و نشان مٹ جائیگا اور
اس طرح اس کے وہ مقبوضات جن پر انگریز قابض تھے واپس ملنے کے علاوہ
کرناٹک پر بھی اس کا قبضہ ہو جائیگا۔

تاریخ نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر لکھتا ہے۔

"میر نظام علی خاں نے فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا
پہلے ہی نہیں تھا۔ ہم کو لازم نہیں تھا کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے
جو ان غاصبانِ سلطنت کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں جنگ کرتے۔ اصولاً
تو ہم کو چاہئے یہ تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے۔ یہاں تک
کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب ہو جاتا جس کے بعد حکمتِ عملی سے اس
غالب پر قابو پانا ہمارے لئے آسان تھا۔"

مگر جنگ کا نتیجہ اس کے حسبِ خواہش نہیں نکلا کیونکہ دونوں حریف ایک دوسرے
کے دوست بنکر میدانِ جنگ سے واپس ہوئے۔ اسلئے نظام نے پھر یہی بہتر سمجھا کہ [illegible]

سے قطع تعلق کر کے انگریزوں سے ملجائے۔ دوسری طرف انگریز بھی اپنے سلسلۂ عیاری کو جاری رکھے ہوئے تھے۔ کہ کسی طرح نظام علی خاں کو اپنے دام فریب میں لے آئیں۔ اور جن لوگوں نے اس میں سب سے بڑھکر حصہ لیا۔ وہ دیوان رکن الدولہ اور میر عالم تھے۔ جنہوں نے نظام کو انگریزوں سے دوستی بڑھانے پر مائل کیا۔ اور میر عالم سفیر ہوکر انگریزوں کے آستانے پر حاضر ہوا۔ اور ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے جس کی رو سے نواب محمد علی والاجاہ کی شاہی ارکاٹ دوامی مل گئی۔ اور کرناٹک پر سے حیدرآباد کی سیادت کا تعلق منقطع ہوگیا۔ (سندرس اینڈ ٹیلیٹر)

جنگ کے دوران میں انگریزی علاقہ کی حالت

انگریزی عملداری کے متعلق انگریز مؤرخ تھامسن لکھتا ہے کہ انگریزوں کی فوج نے ملک کے اکثر حصہ کو لوٹ کر تباہ کر دیا تھا۔ رعیت بھوکی مر رہی تھی۔ اور انگریزی عمالان حکومت کا یہ حال تھا کہ باربرداری کے لئے جو مویشی لے جاتے تھے۔ ان کی قیمت بکرایہ تک ادا نہ کرتے تھے۔ نواب حیدر علی پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حیدر علی کے مہذب حریف کس طرح داد حکمرانی دے رہے تھے۔ اور خود ان کا ملک کس امن و راحت میں تھا؟)

نواب حیدر علی کی مراجعت سرنگاپٹم

یوں تو نواب حیدر علی کی سواری کا شاہانہ کر و فر فتح بدنور، کنارا اور ملیبار کے بعد بہت کچھ بڑھ گیا تھا اور جس وقت فتح ملیبار کے بعد نواب حیدر علی سرنگاپٹم آئے تو ان کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت مدت العمر لوگوں کو یاد رہی۔ لیکن جب صلحنامہ مدراس کے بعد نواب حیدر علی مراجعت فرما سرنگاپٹم ہوئے تو ان کے جلوس کی حشم و دبدبہ کیفیت

ایک فرنچ مورخ نے اس طرح لکھی ہے:۔

"جس وقت جلوس سرنگا پٹم پہنچا۔ تو اس میں پچاس ہزار سوار اسی ہزار پیادے، اور چار ہزار بندوقچی شامل تھے۔ اس کے علاوہ توپخانہ اور بان وغیرہ بردار وں کی تعداد علیحدہ تھی۔ جس کی ترکیب اس طرح تھی:"

(۱) سب سے آگے سواران فرنگستان کا خوبصورت رسالہ تھا۔ جن کی خوشنما وردیاں اور اونچی اونچی ٹوپیاں اور ان کے زرق برق اسلحہ اور تنومند گھوڑوں سے عجیب جاہ و احتشام ظاہر ہوتا تھا۔

(۲) ان کے پیچھے تین سو شتر سوار نامہ بر ساز و سامان سے آراستہ دو گولیاں والے اونٹوں پر چمکدار بھالے لئے ہوئے نظر آتے تھے۔

(۳) ان کے پیچھے دو ہاتھی نہایت سر بلند نشان بردار تھے۔ یہ نشان نیلے رنگ کے ریشمی اور زرکار پھریروں سے آراستہ تھے۔ اور ایک نشان پر آفتاب کی صورت، دوسرے پر چاند اور ستاروں کی صورت زری کام سے منقش تھی۔

(۴) انکے بعد ایک سب سے اونچے ہاتھی پر ایک بڑی نقارہ کی رکھی تھی۔ اور نقارہ نواز بجاتے رہتے تھے۔

(۵) پھر قرنا بجانے والے سواروں کا ایک غول تھا۔ اس قرنا کے ذریعے سے جنگی راگ فوج کو سنائے جاتے تھے۔ اور سپہ سالاروں کے احکام بھی انہیں کے ذریعے سے تعلیم یافتہ فوج تک پہنچائے جاتے تھے۔

(۶) ان کے بعد چار ہاتھی اور تھے ان پر بڑے بڑے ہودوں میں ارباب نشاط بیٹھے ہوئے موسیقی کے ساز بجائے جاتے تھے۔

(۷) اس کے بعد پانچ ہاتھی اور تھے جن پر طلائی مرصّع کا عماریاں رکھی ہوئی تھیں
یہ ہاتھی اس لئے ساتھ ہوتے تھے کہ لڑائی کے وقت نواب مع سرداروں کے سوار
رہے مگر نواب نے سوائے گھوڑے کے کبھی ان ہاتھیوں پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔
(۸) ان کے بعد چار اور ہاتھی تھے۔ ان پر زریں ہشت پہلو ہودے کسے ہوئے تھے۔
ان ہودوں پر چھ چھ جوان زرۂ فولاد چار آئینہ جوشن بکتر پہنے ہوئے سوار
تھے۔ اور بھری ہوئی بندوقیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ جو ادنیٰ اشارہ پر
گراب مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔
(۹) اس کے بعد دو رسالے حبشیوں کے تھے۔ ان کے ہتھیار نہایت چمکدار تھے۔
جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ ان کے خودوں کے اوپر سرخ و
سیاہ پر نہایت لطف دیتے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے اور گھوڑوں
کے ابرشمی نیموں میں خوبصورت آویزے عجیب بہار دکھاتے تھے۔
(۱۰) ان کے پیچھے کالوں کا ایک عجیب فشون تھا۔ ایک چادر اوڑھے اور گھٹنوں
کے اوپر تک جانگئے پہنے اور کمر میں بجتا ہوا گھنٹہ باندھے سر پر شتر مرغ کے پر
لگائے سپاہ چال چلتے تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے۔
(۱۱) ان کے بعد ایک لمبی قطار جھنڈی برداروں کی تھی۔ ان کی جھنڈیوں میں
سرخ اطلس کے پھریرے تھے۔ ان جھنڈیوں کے اوپر فولاد کی تیز پھال لگی ہوئی تھی۔
(۱۲) اس کے بعد دولت حیدری کے شاہزادے اور سپہ سالار اور دوسرے افسر اور
جاں نثار تھے جو سر سے پاؤں تک فولاد میں غرق نظر آتے تھے۔ عربی گھوڑوں پر سوار
شمشیر زریں۔ تمام کمر سے لگی ہوئی۔ لباس نہایت خوش رنگ۔ خودوں پر

نواب حیدر علی

دریا دولت باغ کی تصویر ہے جس میں جلوس بتایا گیا ہے۔

جڑاؤ کلغیاں لگی ہوئی تھیں بعض شوقین زرہ بکتر پہن کر رواں تھے گھوڑوں کے سروں پر جڑاؤ کلغیاں اور موتیوں کی جھالریں آویزاں تھیں۔ اس جماعت خاص میں کم و بیش چھ سو آدمی تھے۔

(۱۳) اس جماعت کے بعد اسّی سوار شکاری یکہ تاز تھے۔ ان کے گھوڑے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے عربی اور خوبصورت سامان سے آراستہ تھے۔

(۱۴) اس کے بعد بارہ گھوڑے سواری خاصہ کے چھل بل دکھاتے ہوئے کوتل چلتے تھے۔ یہ گھوڑے بہت ہی قیمتی اور شائستہ تھے۔ اور انکے زریں اور مرصع زین اور لگام بھی لاکھوں روپیہ کی لاگت کے تھے۔

(۱۵) ان گھوڑوں کے پیچھے ایک فوج پیادوں کی تھی۔ جو سنہری ملمع کا ایک لمبا سیاہ رنگ عصا لئے ہوئے تھی۔

(۱۶) اس کے بعد بارہ نقیب ترکی گھوڑوں پر سوار سونے کے عصائے مرصع ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔

(۱۷) ان کے بعد سب منصب دار خانگی۔ جیسے خانساماں، سرگروہ نقیباں اور سلحدار حیدری وغیرہ۔ ان کے گلوں میں طوق زریں ان کی شناخت کا پڑا ہوا تھا

(۱۸) اس کے بعد میر صدقات کا ہاتھی تھا

(۱۹) اتنے سلسلہ کے بعد نواب حیدر علی کا فیل ابیض (سفید ہاتھی) جھوم جھوم کر خراماں خراماں آتا تھا۔ اس خوش نصیب ہاتھی کے اگلے پاؤں میں چاندی کے حلقے اور گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی سب ہاتھیوں سے زیادہ بلند اور تنومند تھا۔ اس کی عماری جس میں نواب حیدر علی بیٹھے تھے سوائے چار کلس طلائی

کے اور کوئی زینت خانہ نہ رکھتی تھی۔ اور دو تیر سونے کی زنجیروں سے بندھے
عماری کی دونوں طرف لٹکتے تھے۔ یہ دونوں تیر راجہ زامرن حاکم ملیبار
کی عماری میں رہتے تھے۔ جب نواب نے اس پر فتح پائی تو وہ تیر نواب کی عماری
میں لٹکائے جانے لگے۔ اس ہاتھی کی مستک پر ایک زریں سپہر لگی ہوئی تھی اور خواصی
میں دو چنور بردار بیٹھے مورچل چھلتے تھے۔ اور مورچل سے نہایت عمدہ خوشبو
نکلتی تھی۔ اور دور دور تک کی ہوا کو معطر کر دیتی تھی۔

(۲۰) نواب کے ہاتھی کے بعد دوسو[۲۰۰] ہاتھیوں کی تھی۔ جو دو دو ہاتھی برابر رکھکر
قائم کی جاتی تھی۔ ان پر طرح طرح کے نقرہ و طلائی مرصع ہودے اور عماریاں
کسی ہوئی تھیں۔ ہر ہودہ پر ایک سردار بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کا خدمتگار اسکی
خواصی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھیوں کی پیشانیاں اور جھولیں زربفت و زرکار کی
مغرق ہوتی تھیں۔ اور جن ہودوں یا عماریوں میں شاہزادے یا اکابر دولت
سوار تھے۔ وہ جواہر بیش قیمت سے مرصع تھیں۔ جھولوں میں سچے موتیوں کی
جھالریں نظر آتی تھیں۔

(۲۱) اس قطار کے بعد پانچ اور سربلند ہاتھی تھے۔ ان میں ایک ہاتھی پر طلائی
مسجد رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھی پر تین مچھلیاں جن کے فلوس جواہر سے بنائے
گئے تھے۔ اور بعض جگہ مینا کاری کی ہوئی تھی۔ چوتھے ہاتھی پر دو ڈونگچیاں سونے
کی دو سنہری چھڑیوں میں رکھی تھیں۔ پانچویں ہاتھی پر ہاتھی دانت کی بنی ہوئی
ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔

(۲۲) اس کے بعد دو رسالے حبشیوں کے اسی ساز و سامان سے آئے جیسے پہلے نکل

چکے تھے۔

(۲۳) ان کے بعد حبشیوں کی پلٹن آئی - ان کا لباس قرمزی رنگ کا تھا۔ گلے میں چاندی کے طوق پڑے تھے۔ اور ہاتھوں میں نیزے تھے۔

(۲۴) پھر اور ایک چالاک اور جاں نثار سپاہیوں کا غول تھا۔ جو دو دو مل کر چلتے تھے۔ ان کا لباس ریشمی تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک نیزہ چودہ چودہ ہاتھ لمبا سیاہ دانشش سے چمکتا ہوا نظر آتا تھا۔"

نواب حیدر علی کا یہ شاہانہ جلوس جہاں جہاں سے گذرتا تھا۔ تماشائیوں کو جاہ و جلال دکھاتا جاتا تھا جس کا ذکر مہینوں ہوتا رہتا - اور درمیان میں جو راجے اور نواب تھے۔ وہ بڑے شوق سے اس کے استقبال اور اس کے فوجی اہتمام کو دیکھنے آتے۔ الغرض نواب کا یہ جلوس سرنگا پٹم کے قریب پہنچا۔ تو میر محمد علیخاں نے بہت اچھی دھوم دھام سے معہ امراء و سرداران دار الامارت شہر سے چند میل آکر استقبال کیا۔ اور تمام امراء سردار اور سب اہلِ فوج دربار کے بعد اپنے گھروں کو گئے۔

مرہٹوں کا چوتھا حملہ میسور پر ۱۷۸۶ء

نواب حیدر علی خاں کی فتوحات اور صلحنامہ بدا اس کی کیفیت جس وقت پونا پہنچی۔ تو پیشوا مادھو راؤ اپنی فوجوں کو جمع کر کے میسور پر اس لیے حملہ آور ہوا کہ نواب نے پچاس لاکھ روپیوں کا جو وعدہ کیا تھا۔ اس کو مع چوتھ وصول کرے نیز اس وقت مرہٹوں کا مقصد خاص یہ بھی تھا کہ صوبہ سرا پر بھی اپنی عملداری قائم کر کے جنوبی ہندوستان میں پھر ایکبار مرہٹی طاقت کو شہنشاہیت کے رتبہ پر پہنچا دیں۔

مرہٹی فوج

مادھو راؤ پیشوا کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار ترمک راؤ

تھا۔ جن کی زیر کمان ایک لاکھ سوار اور سات ہزار پیادے۔ پچاس ہزار بندوقچی۔ اور ایک بہت بڑی تعداد پنڈاری سواروں کی تھی۔ اسکے علاوہ ایک بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا۔ شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چتلدرگ کا راجہ بھی ان کے ساتھ شامل تھے۔ اسقدر کثیر فوج تھی کہ سرزمین میسور نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مرہٹی فوجوں نے دریائے تنگبھدرا کو عبور کرکے سرزمین میسور پر سب سے پہلے کیمپ چیروئی، نوزلی اور چیترا کی کے مقام پر قائم کئے۔ یہ بے شمار فوج کوسوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

نواب حیدر علی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا

مرہٹوں کی اس زبردست یورش کو دیکھ کر نواب حیدر علی نے بموجب عہد نامہ مدراس انگریزوں سے مدد مانگی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انگریزوں کو یقین ہو چکا تھا کہ اس وقت حیدر علی کی خیر نہیں۔

حیدر علی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش

نواب حیدر علی بھی اپنی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پانچ چھ دن کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ راجہ راؤ کی فوجوں نے اپنے زبردست توپخانے سے زمین پر زلزلہ ڈالدیا حیدر علی کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی لیکن حیدر علی نے ہمت نہیں ہاری۔ اور میدان جنگ سے ہٹ کر ایک کمین گاہ میں اس لئے پناہ لی کہ دوسری شب مرہٹوں کے توپخانہ پر شبخون مارا جائے مگر اندھیرے کی وجہ سے جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہو گئی۔ اور ادھر پھر مرہٹوں نے حملہ کر دیا۔ اب نواب حیدر علی کیلئے فرار کے علاوہ کوئی صورت نہ تھی۔ آخر کار وہ پیچھے ہٹے۔ اور انہوں نے اپنے توپخانہ کو حکم دیا کہ مرہٹی فوج پر گولہ باری کریں مگر اتفاق سے توپیں چلنے سے رہ گئیں۔ مرہٹی فوج کی یورش اس غضب

کی تھی۔ کہ حیدری فوج قریب ساری کٹ چکی تھی اور جو باقی تھی وہ بھاگ نکلی۔ نواب حیدر علی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اس حالت کو دیکھ کر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے کہ ایسے میں چند طنبورچی سامنے سے نکلے۔ نواب نے طنبور بجانے کا حکم دیا طنبورچیوں نے اس زور سے طنبور بجایا کہ اس کی آواز سارے جنگل میں گونج گئی۔ مرہٹوں نے جب یہ آواز سنی تو سمجھے کہ حیدر علی کی کمک کیلئے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس لئے وہ جنگ موقوف کر کے پیچھے ہٹ گئے۔ اسی دن شام کو ہیبت جنگ تازہ دم لشکر لیکر آ پہنچا۔ مگر حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ اس لئے وہ بنگلور کی طرف پلٹے۔ اور پلٹتے ہوئے تمام ملک کو ویران کرتے گئے۔ کہ مرہٹوں کو رسد نہ مل سکے۔ بنگلور پہنچ کر حیدر علی نے صلح کیلئے وکیل بھیجا۔ مگر مادھوراؤ نے ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسی سخت شرطیں لگائیں کہ حیدر علی نے جنگ جاری رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

مرہٹی فتوحات

دامن دریائے تنگبھدرا سے نکلکر مرہٹی فوج سرنگا پٹم کی طرف بڑھی۔ اور تمام شمالی و مشرقی اضلاع فتح کر لئے۔ یہاں تک کہ بنگلور سے تیس میل چنگل کے مقام پر آ پہنچے۔ جہاں انکا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ ایک طرف تو اس کثیر فوج کو ملک کی تباہی و بربادی کے باعث رسد ملنا دشوار ہو گیا تھا کیونکہ حیدر علی نے پہلے ہی تمام علاقہ کو ویران کر دیا تھا۔ دوسری طرف ایک پہاڑی کی آڑ لیکر حیدری فوج نے متواتر شبخون مارنا شروع کر دیا۔ اور تیسری طرف قلعہ چنگل کی حیدری فوج اس بے جگری سے مدافعت کر رہی تھی۔ کہ باوجود فوج کی اس کثرت کے مادھوراؤ اس کو فتح نہ کر سکا۔

مادھوراؤ کی پونا کو واپسی

ابھی یہ ہنگامے روز و شب ہو ہی رہے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا۔ اور ادھر مادھو راؤ سخت بیمار ہو کر پونا واپس ہو گیا۔ ترنبک راؤ نے کل فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مرہٹی فوج کی از سر نو تنظیم کرنے کے خیال سے پیچھے ہٹا۔ اور اپنی کمک کیلئے رتنگری میرج، ونکٹ گری، نرگیسی اور کالستری کے راجاؤں کے علاوہ مراری راؤ ہاکم گٹی کو بھی طلب کیا۔

ترنبک راؤ کی فوج کشی

ترنبک راؤ سامان رسد وغیرہ کا انتظام کر کے اپنی ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ سرنگا پٹم پر بڑھا۔ یہ حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ حیدری فوج جو راستوں میں قلعوں پر تھی کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس لشکرِ عظیم کا جس طرف سے گذر ہوتا تھا۔ وہاں کی تمام کھیتیاں پامال کر دی جاتی تھیں۔ بلکہ مرہٹوں نے دیہاتیوں کے جھونپڑوں کی خشک گھانس تک کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس طرح مرہٹی فوج کا یہ طوفان بڑھتا ہوا سرنگا پٹم کے قریب پہونچ گیا۔ نواب حیدر علی سرنگا پٹم کی مدافعت کیلئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چن پٹن کی راہ سے ناگڑی کے جنگل میں آ گئے کہ جب مرہٹے دار الحکومت کا محاصرہ کریں تو پشت پر سے ان پر حملہ کیا جائے مگر ترنبک راؤ بھی نواب کی اس حرکت سے غافل نہ تھا چنانچہ وہ سرنگا پٹم کو چھوڑ کر حیدر علی کے تعاقب میں میرن کٹہ پہنچا۔ اور آتے ہی اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن روزانہ معمولی لڑائیوں میں گذرے جن میں حیدر علی کی فوج شبخون مارتی تھی۔ ان شبخونوں سے تنگ آ کر ترنبک راؤ نے فیصلہ کن جنگ کیلئے میرن کٹہ کی پہاڑی کا ایک سخت اور تنگ محاصرہ کر لیا جس کے باعث حیدری فوج کو رسد ملنا بند ہو گئی۔

حیدر علی کی پسپائی

جب حالت یہاں تک پہونچی تو حیدر علی سرنگاپٹم کو واپس ہونے کے خیال سے اپنا توپخانہ لیکر اندھیری رات میں نکلے بارش کی وجہ سے راستے بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے مشکل سے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ رات آخر ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک توپ چل گئی جس سے مرہٹی فوج حیدر علی کی فراری سے خبردار ہو گئی۔ ترنبک راؤ نے فوراً ایک زبردست فوج روانہ کی کہ حیدر علی کو روک لیا جائے۔ مرہٹی فوج نے پیچھے سے سخت حملہ کرنا شروع کر دیا۔ گولے اور گولیاں برس رہی تھیں مگر حیدر علی آگے ہی بڑھتے جا رہے تھے جب موتی تالاب پر پہونچے تو معلوم ہوا۔ کہ سامنے سے راستہ بند ہے۔ اور مرہٹے تالاب کے بند پر آٹھ توپیں رکھے ہوئے گولے برسا رہے تھے اب نہ آگے بڑھنے کا راستہ تھا۔ اور نہ پیچھے ہٹنے کا۔ اس وقت اپنی خداداد جرأت سے کام لیکر حیدر علی نے ایک منتخب دستہ کے ساتھ موتی تالاب کے بند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر اچانک تھا کہ مرہٹے توپیں اور سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہاں حیدر علی نے تھوڑا توقف کر کے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ رات سے تمام فوج اور خود انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لئے یہاں ناشتہ کیا گیا۔ چند سرداروں نے مشورہ دیا کہ آج کی شب یہیں قیام کیا جائے مگر نواب نے کوچ کا حکم دیدیا۔ فوج اگرچہ بالکل تھک گئی تھی مگر نواب کے ہمراہ چل پڑی۔ اس عرصہ میں یکایک مرہٹوں کی بڑی توپیں آگئیں۔ اور مرہٹوں نے ان سے نہایت شدت سے گولے برسانا شروع کئے اتفاقاً ایک گولہ حیدر علی کے اس اونٹ پر پڑا جس پر بان لدے ہوئے تھے۔ بانوں میں آگ لگ گئی۔ اور یہ آگ ایک اونٹ سے دوسرے اونٹوں پر پھیل گئی جس کے باعث خود حیدری فوج میں انتشار ہو گیا۔ اس سے بڑھکر اور مصیبت یہ پیش آئی۔ کہ بانوں کے اڑنے سے بارود کی گاڑیوں میں آگ لگ گئی۔ بارود

اور گولے اڑنے شروع ہو گئے جس کے باعث صدہا سپاہی جلکر مر گئے اور اس قدر دھواں چھا گیا کہ فوج بالکل پریشان ہو گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹی سواروں نے حملہ کر دیا اور حیدری فوج کے قلب میں آگھسے۔

اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں حیدری فوج کو اپنا بچاؤ مشکل ہو گیا۔ لالہ میاں جو نواب حیدر علی کے بھائی شہباز کے داماد تھے شہید ہو گئے۔ میر علی رضا خاں اور علی زمان خاں سرداران فوج زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے۔ مرہٹے حیدر علی کو گرفتار کرنے کے لئے ڈھونڈھتے پھر رہے تھے کہ ایک جانب حیدر علی کا سپہ سالار یاسین خاں (جو ٹیپو کے ریہ یاسین خاں کے نام سے مشہور ہے) لڑ رہا تھا۔ یہ بھی زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ چونکہ اس کی شکل و شباہت حیدر علی سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی مرہٹوں نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ یاسین خاں نہایت ہوشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ مرہٹوں کا مقصد کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حیدر علی ظاہر کیا جس پر اس کو مرہٹوں نے نہایت ہی احترام و اعزاز کے ساتھ تریمبک راؤ کے پاس بھیجدیا۔

نواب حیدر علی نے دیکھا کہ قسمت پلٹ چکی ہے۔ فوج منتشر ہو چکی ہے سرداران فوج میں سے کسی کا پتہ نہیں۔ اور آپ اکیلے رہ گئے ہیں دھوئیں کی کثرت اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کا ملنا بھی دشوار ہے تو تن تنہا فرار ہوئے اور جبتک سرنگا پٹم نہیں پہونچ گئے دم نہیں لیا۔ سرنگا پٹم میں پہونچکر درگاہ قادر ولی میں ٹھہرے۔ اور بارگاہ خداوندی میں اپنی فوج اور اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے۔ اسلئے کہ شہزادہ میدانِ جنگ میں دھوئیں کی کثرت کیوجہ سے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب شہزادہ ٹیپو سلطان بھی دو تین سواروں کے ساتھ مرہٹی لباس میں سرنگا پٹم میں آگئے

درگاہ پر آ پہنچا بیٹے کو دیکھ کر نواب بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوئے۔ اور انہیں ہمراہ لیکر سرنگا پٹم داخل ہوئے۔

اُدھر میدانِ جنگ میں محمد علی کمیدان نے جب دیکھا کہ نواب کا پتہ نہیں ہے تو جو کچھ سپاہی مل سکتے تھے لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مرہٹی فوج کو آگے بڑھنے سے شام تک روکے رکھا مرہٹوں کی زبردست فوج کے آگے محمد علی کی یہ مدافعت چند گھنٹوں سے بڑھکر کام نہ دے سکی شام کے قریب مرہٹوں نے اس پہاڑی کو بھی فتح کر لیا اور محمد علی کمیدان گرفتار ہو کر ترنک راؤ کے سامنے لایا گیا جہاں ترنک راؤ نے اسکی جوانمردی کو دیکھتے ہوئے پیشوائے پونا کی ملازمت پیش کی۔ کمیدان محمد علی مصلحت وقت سمجھ کر فوراً راضی ہو گیا۔ اور اپنے اہل وعیال کو سرنگا پٹم سے لیکر آنے کی اجازت چاہی جس کی ترنک راؤ نے منظوری دیدی۔

دن ختم ہو کر رات آ چکی تھی مرہٹوں نے اسی میدان میں کیمپ قائم کر دیا جو سرنگا پٹم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مرہٹی فوج کے پہنچتے ہی قلعہ دار سرنگا پٹم کا قلعہ حوالے کر دے گا۔ ان کے خیال میں نواب حیدر علی انکے ہاتھوں میں اسیر تھے۔ اس لئے مرہٹوں نے یہاں چند دن آرام لینے کے خیال سے توقف کیا۔

محمد علی کمیدان کا کارنامہ

دوسرے دن کمیدان محمد علی اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنہیں مرہٹوں نے نہتا کر دیا تھا۔ اپنے اہل وعیال کو لانے کے بہانے سے باہر نکلا۔ اور جب زیادہ رات آگئی تو راستے میں اس مقام پر ٹھہرا۔ جہاں مرہٹوں کا مرادی دستہ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کیمپ

ڈالے ہوئے تھا محمد علی نے ٹھہرنے کی اجازت چاہی۔ رات ہونے کی وجہ سے مرہٹوں نے اجازت دیدی۔ جب رات بہت زیادہ ہو گئی اور مرہٹے غافل ہو کر سو گئے۔ تو محمد علی نے اپنے ہمتے سپاہیوں کے ساتھ ان کی چند بندوقوں اور تلواروں پر قبضہ کر کے مرہٹوں پر حملہ کر دیا اور تمام کو قتل کر کے انکے تمام ہتھیار و سامان لیکر سرنگا پٹم جا پہنچا۔ اور نواب حیدر علی سے مل گیا۔

ترمک راؤ کو جب محمد علی کی خبر پہونچی تو وہ حیدر علی کے دوسرے سرداروں سے جو اس کی اسیری میں تھے سختی سے پیش آیا۔ اور انہیں پونار وانہ کر دیا گیا۔ اور اسی شام کو لیسین خاں کے خیمے میں پہونچکر جس کو وہ نواب سمجھے ہوئے تھا بہت کچھ تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا کہ میدان جنگ میں فتح و شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آپ صبر کرتے ہوئے اپنے پردہ نشینان حرم اور شاہزادوں کو بلا لیجئے۔ کہ پونا پہنچکر جس طرح پیشوا کی رائے ہو عمل کیا جائے۔ یاسین خاں بھی غضب کا چلتا پرزہ تھا۔ اس نے ترمک راؤ کی باتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیا۔ ترمک راؤ بھی مقتضائے وقت خاموش ہو رہا۔

نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا

نواب حیدر علی نے سرنگا پٹم پہنچکر اپنے آنے کی خبر بالکل پوشیدہ رکھی سوائے چند سرداروں کے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا۔ کہ نواب سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ یہاں پھر نواب حیدر علی نے فوج جمع کرنا شروع کی۔ اور اس قدر روپیہ دینے لگے کہ چند ہی دن میں کافی تعداد میں فوج جمع ہو گئی۔

محاصرۂ سرنگا پٹم

باوجود سخت رازداری کے آخر یہ خبر پھیل کر ہی رہی کہ نواب حیدر علی سرنگا پٹم میں موجود ہیں۔ اور پھر فوج جمع کر رہے ہیں۔ ترمک راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے نواب حیدر علی کے دھوکے

میں مبین خاں کو قید کر رکھا ہے اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے سرنگا پٹم پر چڑھائی نہ کر کے ایک سنگین غلطی کی ہے مگر اب سوائے سرنگا پٹم پر حملہ کرنے کے کوئی چارہ کار نہیں تھا اس لئے اس نے فوج کو محاصرہ کرنیکا حکم دیدیا۔ ادھر نواب حیدر علی نے مرہٹے بھرتی ہونیوالے سپاہی کو اس قدر تنخواہ دینا شروع کی کہ ترمک راؤ کی فوج سے کئی سوار اور سپاہی حیدری فوج میں آکر ملنے لگے۔ اور چند ہی دن میں نواب حیدر علی کے پاس بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے۔ اور اب نواب حیدر علی نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلے کی ٹھان لی۔ اس وقت مرہٹے کوہ کری گٹ پر قابض ہو کر قلعہ پر گولہ باری کرتے تھے جس سے حیدری فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

جب محمد علی کمیدان کو نواب کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے نواب سے اجازت چاہی کہ پہلے اس کو ترمک راؤ سے نبرد آزمائی کرنیکی اجازت دی جائے۔ نواب نے یہ بات منظور کر لی۔ محمد علی کمیدان اپنی چیدہ سپاہ کو مرہٹی لباس پہنا کر نکلا اور کوہ کری گٹ کے پیچھے گھنے جنگل سے گذر کر پہاڑ پر آیا۔ اور یہاں پہلے مورچہ پر آکر اطلاع دی کہ ترمک راؤ نے تقسیم فوج کے عوض دوسری فوج روانہ کی ہے جس کو سن کر مورچہ والوں نے اس کو جگہ دیدی۔ مورچہ پر قبضہ ہوتے ہی باقی کارروائی آسان تھی۔ حیدری فوج بے خبر مرہٹوں پر تلواریں لیکر گری اور تھوڑے ہی عرصہ میں کری گٹہ ہاتھ آگیا مگر غنیم کی بے شمار فوج کو دیکھتے ہوئے یہاں پر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ محمد علی نے رات ہی رات میں چھوٹی توپیں سرنگا پٹم روانہ کر دیں اور بڑی توپیں بیکار کر دیں۔ اور مورچہ بھی توڑ دیا۔ صبح ہونے سے پہلے کری گٹہ خالی کر کے محمد علی کمیدان سرنگا پٹم میں واپس آگیا۔

ترمک راؤ کو جب کری گٹہ کے متعلق کی خبر پہنچی تو اس نے پنڈاریکی سواروں کو حکم دیا کہ نواح

سرنگاپٹم کو لوٹ کر اس طرح ویران کر دیں کہ حیدر علی تک رسد بالکل نہ پہونچ سکے۔

اتفاقاً دو دن کے بعد ہندوؤں کی دیوالی آگئی - اور تمام مرہٹے اس دن غسل کر کے عید منانے میں مصروف ہو گئے۔ سپہ سالار ترمک راؤ بھی اتصال دو آبہ کاویری پر غسل کرنے کو سعادت سمجھ کر فوج کے ساتھ پہنچا۔

ترمک راؤ کی فراری

نواب حیدر علی نے پہلے ہی سے یہاں ایک کمینگاہ تیار کر رکھی تھی۔ اور فوج لیکر مرہٹوں کے منتظر تھے۔ دوسری طرف ایک خشک نالے میں شاہزادہ ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ساتھ رات ہی سے بیٹھ گیا تھا۔ محمد علی کمیدان اور غازی خاں سردار پنڈارہ کو حکم تھا کہ جب ترمک راؤ اتصال دو آبہ پر پہنچے تو حملہ کر دیں۔

نوٹ:- "اس زمانے میں پنڈارے کثرت سے ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے ہر حاکم کے پاس ان کی ایک بے قاعدہ فوج ہوتی تھی - پنڈارے لوٹ مار میں مشہور ہیں۔ اسلئے جب کبھی جنگ ہوتی تو روپیہ دیکر ان کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔"

ترمک راؤ جو اس حال سے بے خبر تھا غسل کرنے میں مصروف ہوا۔ اور اس کی فوج پیچھے پہرہ پر متعین تھی کہ اتنے میں محمد علی کمیدان نے حملہ کر دیا۔ مرہٹوں کی ایک دوسری بڑی جمعیت بطور حفظ ماتقدم پیچھے تھی۔ بندوقوں کی آواز سن کر وہ آگے بڑھے۔ مگر غازی خاں کی پنڈارہ فوج نے راستے ہی میں اسکو روک لیا۔ مرہٹی فوج نے غازی خاں کے ساتھ صرف سوار دیکھ کر اسپر حملہ کر دیا اور پنڈارے اس طرح بھاگے کہ انہیں حقیقتاً شکست ہو گئی ہے۔ اس تھوڑی سی فوج کے تعاقب میں مرہٹی فوج یہاں تک آگئی جہاں ٹیپو سلطان کی کمینگاہ تھی۔ مرہٹی فوج کا یہاں تک پہنچنا تھا کہ

ٹیپو سلطان نے اپنی کمینگاہ سے نکل کر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ مرہٹی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مرہٹوں کی بڑی جمعیت جب اس طرح سے دور ہو گئی تو محمد علی کمیدان نے ترنبک راؤ کے خاص باڈی گارڈ پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نواب حیدر علی اپنی کمینگاہ سے نکلے اس فوج کو دیکھتے ہی مرہٹوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اور انہوں نے فرار ہونا شروع کر دیا۔ عین اس موقع پر حیدری فوج نے گولے برسانا شروع کئے جس سے مرہٹوں کے نشان و نقارہ بردار ہاتھی مارے گئے۔ ترنبک راؤ اس حال کو دیکھ کر دریا سے نکلا۔ اور اسی طرح بھیگی ہوئی دھوتی کے ساتھ جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگا۔ تمام فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ حیدری پنڈاروں اور ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کیمپ لوٹنا شروع کر دیا۔ ترنبک راؤ نے موتی تالاب پر جو سرنگاپٹم سے تیس میل دور ہے جا کر دم لیا۔ یہاں پھر اپنی پریشان فوج کو جمع کرنے لگا۔ حیدری فوج کے ہاتھوں کئی ہزار سپاہی مارے گئے۔ اور سات ہزار سپاہی اسیر ہوئے۔ اب ترنبک راؤ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ پھر سرنگاپٹم پر چڑھائی کرے۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کو پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ کی طرف بڑھا دیا۔ کہ ان پر قبضہ کرے تاکہ رسد نہ ملنے کی وجہ سے نواب عاجز آ جائے۔ یہاں مرہٹے ملک کو کچھ اس طرح ویران کرنے لگے کہ گھاس تک بھی باقی نہ چھوڑی۔ مگر حیدری فوج کے دستے بھی ساتھ ساتھ تھے۔ اور جب کبھی موقع پاتے شبخون مارتے تھے۔

پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے

ترنبک راؤ کے رخصت ہوتے ہی نواب نے شہزادہ ٹیپو سلطان اور کمیدان محمد علی کو پائین گھاٹ کی طرف روانہ کیا۔ اور یہاں ٹیپو سلطان نے راۓ کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ اور کمیدان محمد علی کشنگری میں مقیم ہوا۔ محمد علی کو خبر ملی کہ ترنبک راؤ کا خزانہ کشنگری کی راہ سے جا رہا ہے۔

محمد علی رات کے وقت کشنگری سے نکلکر کوہ ماٹ کے دامن میں چھپ گیا۔ جب مرہٹوں کا خزانہ میدان سے نکلکر درہ کوہ میں داخل ہوا تو محمد علی کمیدان نے ان پر حملہ کر دیا مرہٹے اس اچانک حملے سے بھاگ نکلے۔ کئے ایک قتل ہو گئے۔ اور تمام نقد و جنس محمد علی کے ہاتھ آئے جس کو لیکر محمد علی کشنگری پہنچ گیا۔ جب یہ خبر ترمک راؤ کو ملی۔ تو اس نے اپنا کیمپ تیور گھاٹ سے اٹھا کر قصبہ آدنا لیگری میں قائم کیا۔ دوسرے دن محمد علی نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ مرہٹی فوج اڈنا لیگری سے دھرمپوری پر حملہ کرنے والی ہے ٹیپو سلطان اپنی فوج لیکر دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ دیکھا کہ مرہٹے دھرمپوری کے اطراف میں لوٹ کر گھوڑوں پر سامان لاد رہے ہیں۔ ٹیپو سلطان نے بھی مرہٹوں کو دھوکہ دینے کے خیال سے مرہٹی لباس میں خود بھی ایک طرف لوٹنا شروع کیا۔ اور جب سب سامان گھوڑوں اور بیلوں پر لد چکا تو مرہٹے اڈنا لیگری واپس ہوئے۔ یہاں راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک حصہ کمینگاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ جنہوں نے مرہٹوں پر حملہ کر دیا۔ اور خود مرہٹی فوج کے اندر تلوار چلنا شروع ہو گئی۔ ٹیپو سلطان کی فوج مرہٹی لباس پہنے ہوئے ان میں ملی ہوئی تھی۔ اب تو مرہٹوں کو سوائے فرار ہونے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لوٹ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ چار ہزار گھوڑے صدہا بیل اونٹ اور بیس ہاتھی آئے نیز ملک باؤ ان لیے وزراء حاول سے جوان باختہ ہو گیا۔ آڈنا لیگری سے کیمپ اٹھا کر کاویری پٹن پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کوہ کنگن گڈھ میں کیمپ قائم کیا۔ اور محمد علی کمیدان کی فوج خانخانان ہلی کے قلعہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

مرہٹے کاویری پٹن میں چند دن قیام کر کے خانخانہلی پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں محمد علی کمیدان کی فوج قلعہ گیر تھی۔ ترمک راؤ نے ایک فوجی دستہ بھیجکر قلعہ کا محاصرہ

کر لیا۔ خانخانہلی میں محمد علی نے رات کے وقت قلعہ کی دیوار پر اپنی فوج کے کپڑے لکڑیوں پر پھیلا دیئے اور قلعہ کے اندر آگ سلگائی جس سے مرہٹی فوج کو اطمینان ہو گیا کہ حیدری فوج قلعہ میں رہیگی۔ مگر جب نصف شب گذری تو محمد علی اپنی فوج کو صحیح و سالم قلعہ کے پیچھے سے اُتار کر گھنے جنگل میں لے گیا۔ صبح کو جب مرہٹے قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ خالی تھا۔

ترنبک راؤ نے میل کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ اس کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی۔ کہ اسکی کثیر فوج کو ملک کی تباہی و ویرانی کے باعث سامان و رسد نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں کو گھاس ملنا بھی دشوار تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان کے شبخون نے مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ مگر فوج کی کثرت کی وجہ سے انہیں ان نقصانات کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔ ترنبک راؤ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ کسی طرح حیدر علی سے کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے۔ اور ادھر حیدر علی کو معلوم تھا۔ کہ اس کثیر فوج سے جم کر مقابلہ کرنا کس حد خطرناک ہے۔ لہذا ان کی فوج یا تو دن کو چھپکر حملہ کرتی تھی یا رات کو شبخون مارتی تھی۔

جس وقت ترنبک راؤ نے میل کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ تو حیدر علی نے صلح کی درخواست بھیجی۔ مگر مرہٹی سپہ سالار نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جب تک حیدر علی کامل طور پر اطاعت نہ کر لیں صلح نہیں ہو سکتی۔ لہذا حیدر علی کے سفیر واپس ہو گئے۔ ترنبک راؤ کسی طرح حیدر علی کو کھلے میدان میں مقابلہ کیلئے لانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے تجویز کی کہ بدنور پر قبضہ کر لیا جائے۔ اسلئے مرہٹی فوج بدنور کیطرف بڑھی اور ادھر نواب نے بھی محمد علی کمیدان کو چھ ہزار بندوقچی اور بارہ ہزار سوار اور ایک زبردست توپخانہ دیکر مرہٹوں پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ محمد علی کی فوج کورگ کے جنگلوں سے بدنور کی طرف بڑھی۔ مگر جنگلات گھنے

ہونے کے باعث توپ خانہ کا لیجانا مشکل تھا۔ اس بھاری توپخانہ کو واپس کر دیا گیا۔ ترمک راؤ
کو جب محمد علی کے میدان کی خبر پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوجی دستہ کو اس کی طرف روانہ کیا
اور انعام بھی مشتہر کر دیا کہ کسی طرح یا تو محمد علی کو زندہ پکڑ لائیں یا اس کا سر لائیں۔ اتفاق سے
دونوں فوجوں کا مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہو گیا۔ جہاں دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے
دن مرہٹوں نے ترمک راؤ سے مدد مانگی۔ جس پر ترمک راؤ خود توپ خانہ لیکر میدان
میں آ پہنچا۔ یہاں حیدری فوجوں نے مرہٹی مقتولین کو جمع کر کے حفاظت کیلئے دمدمہ
تیار کیا۔ اور اسی کی پناہ لیکر بندوقیں چلاتے رہے۔ اپنے مقتولین کی یہ حالت دیکھ کر
مرہٹی فوج میں ایک قسم کی سراسیمگی چھا گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ترمک راؤ کو اور بھی
طیش آ گیا۔ شام تک معمولی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس عرصہ میں ترمک راؤ کا توپخانہ
میدان جنگ میں مناسب مقامات پر جما دیا گیا۔ جب شب ہوئی اور لڑائی ختم ہو گئی۔ تو محمد علی
اپنے زخمیوں کو بھی میدان جنگ میں چھوڑ کر جنوب کی طرف چل نکلا۔ مگر زخمیوں سے یہ کہہ
کر گیا کہ مقام استارہ پر پہنچ کر ان کیلئے ڈولیاں بھیجی جائیں گی۔ صبح کو جب مرہٹوں نے
دیکھا تو میدان خالی تھا۔ زخمیوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد علی استارہ کو چلا گیا
ہے۔ مرہٹے بھی شمال کی طرف استارہ پر بڑھے۔ یہاں محمد علی کا پتہ نہیں تھا۔ ترمک راؤ اور
اس کی فوج کا بڑا حصہ راسئے پٹن کی ندی کے کنارے تھا۔ جس پر ٹیپو سلطان کی فوجوں
نے صحرائے ماگڑی درگ سے نکل کر شبخون مارا۔ جس میں بہت سا سامان حیدری فوج
کے ہاتھ آیا۔

ترمک راؤ نے محمد علی کے نہ ملنے سے مایوس ہو کر اپنی فوج کو آگے بڑھایا۔ اور ادھر
نواب حیدر علی بھی فوج لیکر ماگڑی درگ کے گئے جنگلوں میں محمد علی اور ٹیپو سلطان کی

فوجوں سے آکر مل گئے۔ اور ایک زبردست شبخون مارنے کا انتظام کرنے لگے۔ نواب حیدر علی کی خوش قسمتی سے یہ موقع بہت جلد حاصل ہو گیا، اسلئے کہ مرہٹوں کی تمام فوج ایک گھنے جنگل کے کنارے کیمپ ڈالے ہوئے پڑی تھی۔

مرہٹی فوج پر شبخون

نواب حیدر علی نے ان تمام بیلوں کو جو تربک راؤ کی فوج سے ملے تھے۔ جمع کیا۔ اور اطراف و اکناف سے بھی قریب دس ہزار بیل جمع کئے۔ اور ان تمام بیلوں کی سینگوں پر کپڑے لپیٹ کر انہیں تیل سے تر کر دیا جب بہت رات گذر گئی تو حیدری فوج نے چاروں طرف سے تربک راؤ کے کیمپ کا محاصرہ کرتے ہوئے بیلوں کی سینگوں کو آگ لگا کر کیمپ کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹی فوج جاگ اٹھی اور جب خیموں سے باہر نکلی تو دیکھا کہ تمام جنگل چراغاں بنا ہوا ہے۔ اور ہر طرف چراغ نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی زبردست فوج حملہ کرنے کیلئے آگئی ہے۔ وہ ابھی تیاری میں ہی تھے کہ بیل آگ کی گرمی سے پریشان ہو کر ہر چہار طرف دوڑنے لگے جس کی وجہ سے مرہٹوں کے خیموں میں آگ لگ گئی۔ اور خود انکی سواری اور باربرداری کے جانور گھبرا کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلے۔ اور ادھر اطراف سے حیدری فوج جنگل میں چھپی ہوئی گولیاں برسا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ تھا جس کو شمار کرنے سے مرہٹے عاجز تھے۔ اگر غنیم کی فوج انکے آگے آجاتی تو وہ اور بات تھی۔ مگر یہاں غنیم کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اندھیری رات تھی اور کیمپ جل رہا تھا۔ اور خود انہیں کے بیل، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ ہر چہار طرف دوڑ دوڑ کر قیامت برپا کر رہے تھے۔ اس حالت میں محمد علی کمیدان کی فوج نے گولے اور بان برسانا شروع کر دیئے۔ مرہٹوں کو اب سوائے فرار ہونے کے اور کوئی دوسری راہ نظر نہ آئی۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس طرف جائیں

ہر شخص نے جدھر راستہ نظر آیا۔ بھاگنا شروع کر دیا۔ توپیں لیجانے کیلئے بار برداری کے جانور ہی نہیں تھے۔ اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ترمک راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ اسوقت حیدری فوج کے پنڈاروں نے کیمپ لوٹنا شروع کر دیا۔ اور ان کے ساتھ خود مرہٹی فوج کے پنڈارے بھی شامل ہو گئے۔ دوست دشمن کی تمیز اٹھ گئی۔ اور آپس میں تلوار چلنے لگی۔ ترمک راؤ فرار ہوا۔ اور صبح کے وقت جب اس نے میدان سے دس میل دور ہٹ کر قیام کیا۔ تو اس کے پاس سوائے چند ہزار سپاہیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اب اس نے یہاں پھر اپنی فوج کو متحد کرنا شروع کیا۔ اور پونہ سے امداد کا طالب ہوا۔

نواب حیدر علی کا نیرِ اقبال بلندی پر تھا۔ پونا میں پیشوا مادھو راؤ کا انتقال ہو گیا اور تخت نشینی کیلئے نارائن راؤ اور رگھو با میں کشمکش شروع ہو گئی۔ اس موقع سے حیدر علی نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ایک سفیر کو ترمک راؤ کے پاس بھیجا کہ صلح کر لیجائے۔ ترمک راؤ بھی پونا کی حالت کو دیکھتے ہوئے اور اپنی موجودہ کمزوری کا احساس کرتے ہوئے فوراً صلح پر راضی ہو گیا۔ اور مطالبہ کیا کہ حیدر علی اخراجاتِ جنگ ادا کریں۔ مگر یہاں حیدر علی نے ملک کی تباہی و بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ آخر بہت سے رد و قدح کے بعد چھتیس ۳۶ لاکھ روپیہ پر معاملہ طے ہو گیا۔ اور ترمک راؤ پونا واپس چلا گیا۔ اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ یہ جنگ ۱۷۷۰ء سے شروع ہوئی تھی۔ اور ۱۷۷۲ء میں ختم ہوئی۔

مرہٹوں کی مذکورۂ بالا جنگ کے متعلق بہادر نامے میں لکھا ہے:-

کروں کیا بیاں ماجرائے ستیز ۔۔۔ کہ برپا تھی اس جا پہ اک رستخیز

سرِ حلق مردانِ جنگ آزما ۔۔۔ نثارِ دمِ خنجر و تیغ تھا

وداں خوں تھا مانند دریائے آب — سر پہلواناں تھے مثلِ حباب
جوانمرد جتنے تھے اس فوج کے — سبھی دفعتہ واں پہ مارے گئے
ہوئے کشت اعدا بہت وقت جنگ — زمیں خوں سے یکسر ہوئی لالہ رنگ
کوئی لوٹتا تھا پڑا خاک پر — کوئی کھائے نیزہ گرا آہ کر
ہوئے کشتہ کتنے کروں کیا بیاں — سوا لاش کے کچھ نہ واں تھا عیاں
مظفر ہوئی غازیوں کی سپاہ — ہوئی فوجِ یوناں سراسر تباہ"

مگر سب سے دلچسپ ملا فیروز کی وہ فارسی نظم ہے۔ جو انہوں نے اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھی ہے۔ ملا فیروز نے اپنی تاریخ جارج نامہ یعنی فتوحات برطانیہ انگریزی تاریخوں سے مرتب کی ہے اس کتاب میں انہوں نے اس جنگ کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ اس کا اقتباس ناظرین کی دلچسپی کیلئے یہاں دیا جاتا ہے۔

اس وقت جب حیدر علی کو موتی تالاب پر شکست ہوئی۔ اور وہ تن تنہا سرنگا پٹم کی جانب فرار ہوئے تو حیدر علی کی زبان سے ملا فیروز لکھتے ہیں:-

اگر سوخت بارود بان بیشتر — ازاں جنس دارم بسے قلعہ پر
چو باشد بعالم شہا مہرباں — ندارم غم از سوخت بارود باں
مباشد اگر خیمہ ام نیست تنگ — بود خیمہ ام آسماں روزِ جنگ
دگر فرس بود ازاں ننگ نیست — بمرداں بسیط زمیں تنگ نیست
بہ حیدر بہشتی مرا نیست کار — عروس ظفر یابم در کنار

اور پھر جب ٹیپو سلطان اور سرداران فوج آکر ملے اور نئی فوج کی بھرتی شروع کی تو فرماتے ہیں:-

امیدان من نیک خواہ من اند — ہوادارِ قیصر کلاہِ من اند
خدا این ہمہ دادہ حق بے شمار — بپاسِ نعم بندِ قتال وقتِ کار
چو یکدل شناسیم در روزِ جنگ — شود دشمن ما دو دل بے درنگ

فوج اور سرداران لشکر کو نئے حملہ سے پیشتر یوں مخاطب فرماتے ہیں :-

الا اے سواران شمشیر زن — جوانان شیر افگن پیل تن
سواری بر اسپان تازی کنید — ز فرق عدو گوئے بازی کنید
حرام است آرام در روز جنگ — برآئید از خانہا چوں خدنگ
بفوج عدو تیر باران کنید — ہوا را چو ابر بہاران کنید
بہ پیلان بہ بندید کوس و درائے — کہ تا گاو و ماہی بجنبید ز جائے
چو سر بر کشید آفتاب برین — من و ترک و تیغ و میدان کین

پھر خاتمۂ جنگ پر یوں فرمایا ہے :-

"چو بود مرا در خزانہ کمی — فراہم بود می شود آدمی
چنان فتح بینیم بر بد سگال — کہ ترک چو کرگ شود پائمال
چو شمشیر با برق ریشہ آں شود — بہ پونا چو دوناں گریزاں شود"

مورخ تھامسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"پونا میں پیشوا مادھو راؤ کی وفات کے باعث حیدر علی سے ترک راؤنے چھتیس لاکھ روپیہ پیشکش صلح کر لی۔ اور حیدر علی نے مادھوگری اور گرم کنڈہ کے اضلاع مرہٹوں کو دیدیئے۔"

فتح کورگ ۱۷۷۲ء

جب مرہٹے واپس پونا میں چلے گئے تو نواب حیدر علی کو اپنا خزانہ بھرنے کے لئے نئی فتوحات کی سوجھی۔ نواب کی خوش قسمتی سے ملک کورگ میں تخت کے لئے خانہ جنگی برپا تھی۔ اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ (کورگ موجودہ وقت میں ریاست میسور کی مغربی جانب ایک چھوٹا انگریزی صوبہ ہے جس کا رقبہ ۱۵۸۰ مربع میل اور آبادی پچیس ہزار کے قریب ہے) جس میں ایک طرف مرکرے کا راجہ تھا۔ اور دوسری طرف بیل کا راجہ تھا۔ حیدر علی بیل کے علاقہ کی طرف بڑھے۔ راجہ نے قلعہ بند ہو کر نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ چند دن بعد اپنے اہل و عیال کو قلعہ سے نکالکر اندرونِ ملک میں کسی مقام پر بھیج دیا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ خبر ملی تو ایک فوجی دستہ لیکر جنگل میں راجہ کے خاندان پر حملہ کیا۔ اور اچانک تمام سپاہیوں اور راجہ کی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اس حال کے معلوم ہوتے ہی بیل کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ نواب حیدر علی قلعہ پر قبضہ کر کے مرکرا پر بڑھے۔ یہاں کے راجہ نے بہت سا مال و زر دیکر نواب کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح ملیبار ۱۷۷۳ء

نواب فتح کورگ سے واپس ہو کر ملیبار کی طرف بڑھے۔ جہاں علی راجہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ استقبال کیا۔ ملیبار کے جنوبی حصہ میں اس وقت مختلف راجاؤں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ نواب حیدر علی نے چرکل پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں راجہ مارا گیا۔ اور اس کا ایک ہفت سالہ فرزند قید ہو گیا جس کو نواب نے مسلمان بنا کر ایاز خاں نام رکھا۔ اور بطور اپنے ایک فرزند کے اس کی پرورش کی۔

نوٹ:۔ آگے چل کر یہی ایاز خاں یہاں کا نواب بنا۔

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر نواب نے کوچین کی بندرگاہ پر چڑھائی کی۔ کوچین کا راجہ اٹھائیس ہاتھی اور سات لاکھ روپیہ نقد دیکر نواب کا مطیع ہو گیا۔ ان فتوحات سے مغربی میں پورا جنوبی کینارا، ملیبار، کوچین، وائناڈ اور نیلگری نواب کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ اس لئے نواب نے ان تمام علاقوں کو صوبہ کنارا کے نام سے ایک صوبہ بنا کر سردار خاں کو صوبہ دار مقرر کیا۔

واقعاتِ پونا

راؤ صوراؤ کی وفات کے ساتھ ہی پونا میں واقعات نے کچھ ایسا رنگ بدلا کہ رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور نرائن راؤ میں پیشوا کے منصب کیلئے کش مکش شروع ہو گئی جس سے مرہٹے مختلف پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ رگھوبا قید کر دیا گیا۔ اور نارائن راؤ پیشوا بنا، مگر بعد میں نارائن راؤ سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اور رگھوبا پھر قید سے چھوٹ کر پیشوا بنا، مگر مرہٹوں کی ایک جماعت نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کو پیشوا بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس لئے رگھوبا نے انگریزوں سے سازش شروع کی۔ اور دوسری طرف نارائن راؤ کے بچے کی حمایت پرنانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار تھے۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کے اسباب میں انگریزوں کا ہاتھ کس قدر تھا۔ اس کیلئے ایک علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہے۔ اور اس کے علاوہ سوانح حیدر علی سے اس کو زیادہ تعلق بھی نہیں۔ بہر طور مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنا کھویا ہوا املاک دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تسخیر بلاری ۱۷۷۵ء

یہ موقع انہیں اس طرح حاصل ہوا کہ بسالت جنگ ناظم ادھونی اس وقت بلاری پر حملہ آور

ہوا۔ بلاری کے پالیگار نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ حیدر علی اپنی فوج لیکر بلاری کی طرف بڑھے۔ اور بسالت جنگ کی فوج پر جو موسیو ڈی لالی کے زیر کمان تھی اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے حیدر آبادی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ اور نواب حیدر علی کا بلاری پر قبضہ ہو گیا۔ اور بلاری کا راجہ بجائے نظام الملک کے نواب حیدر علی کا خراجگذار بن گیا۔

فتح گٹی ۱۷۷۶ء گٹی جنوبی ہندستان کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ جہاں عرصہ دراز سے مرہٹے حکمران ہوتے چلے آئے تھے۔ گٹی کے راجہ اس قدر زبردست ثابت ہوئے تھے۔ کہ اطراف و اکناف میں ان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور آج تک بھی ضلع اننت پور اور بلاری میں راجگان گٹی کے کارنامے اور گٹی کی عظمت کی داستانیں لوگ ذوق و شوق سے بیان کرتے ہیں۔ نواب حیدر علی نے بلاری کی فتح سے فارغ ہو کر انتقام لینے کے لئے گٹی پر چڑھائی کی۔ کیونکہ یہاں کا راجہ مراری راؤ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر میسور پر حملہ آور ہوتا رہتا تھا۔ اور انگریزوں سے جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس میں وہ بھی نواب والا جاہ محمد علی کے ساتھ تھا۔ نواب حیدر علی نے گٹی کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخر کار جب سخت محاصرہ کی وجہ سے رسد پہنچنا بند ہو گئی اور قلعہ کے اندر تالاب اور باؤلیاں سوکھ گئیں۔ تو راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ اور اس کی عورتوں کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔ اور حیدر علی تمام مضافات گٹی پر قابض ہو گئے جن میں کنچی کوٹہ اور بینی کنڈہ اور سندور شامل ہیں۔ گٹی کے فتح ہونے سے گرم کنڈہ کے قلعہ دار نے بھی اپنا قلعہ خود بخود نواب حیدر علی کے حوالے کر دیا۔

تسخیر بلاری سے متاثر ہو کر نظام الملک مرہٹوں سے مل گیا اور ادھر مرہٹوں کو بھی گٹی کے ہاتھ سے نکل جانے سے حیدر علی سے رنجش پیدا ہو گئی تھی پیشوا رگھوبا نے سولہ[16]

ہزار کی ایک فوج نظام الملک کی مدد کے لئے بھیجدی۔ نواب حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کے ملنے سے پیشتر ہی مرہٹی فوج کو رشوت دیکر ان میں پھوٹ ڈالدی جس کی وجہ سے وہ آپس میں لڑکر واپس ہوگئے۔ حیدر آباد کی جانب سے ابراہیم خاں دھونسہ آیا ہوا تھا جس کی سرکوبی کیلئے نواب نے محمد علی کمیدان کو دھونسہ کے مقابل گھونسہ کا خطاب دے کر بھیجا۔ اور نواب بجلی کی سرعت سے راہ طے کرتے ہوئے تیسرے دن اچانک حیدرآبادی فوجوں پر حملہ آور ہوگئے۔ اس جنگ میں گولوں کے عوض بان مارے گئے۔ اور حیدرآبادی فوج پریشان ہوکر بھاگ نکلی۔ کہا جاتا ہے کہ دھونسہ برہنہ سر ہوکر فرار ہوگیا۔ اور فرانسیسیوں کے دستہ فوج میں جاکر پناہ لی۔ مرہٹوں کے چلے جانیسے حیدرآبادی فوجیں بددل ہوکر گولکنڈہ کی طرف واپس چلی گئیں۔ نواب حیدر علی انکا تعاقب کرتے ہوئے ادہونی پہنچے اور محاصرہ کر لیا۔ اور اپنے ایک سفیر کو بسالت جنگ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ دارالامارت سرنگاپٹم سے دور ہونے کی وجہ سے سپاہیوں کی تنخواہ دو مہینوں سے نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے ضروری مصارف کیلئے دس لاکھ روپیہ بھیجدیا جائے۔ بسالت جنگ نے اس کو غنیمت جان جانکر فوراً روپیہ پیش کردیا۔

"ادھونی کے متعلق مقامی روایت ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے قلعہ کا محاصرہ کرکے چند گولے قلعہ پر برسائے جس کی وجہ سے بسالت جنگ کی حرم سرا میں تہلکہ پڑگیا تو بسالت جنگ نے خود بخود ایک بڑی رقم نواب حیدر علی کو دیکر آئندہ دوستی کا وعدہ کرکے رخصت کردیا۔"

شہزادوں کی شادیاں ۱۷۷۴ء

شمالی اضلاع کی فتح سے فارغ ہوکر نواب سرنگاپٹم واپس پہنچے اور انہیں دنوں میں شہزادہ ٹیپو سلطان

کی شادی اپنی مرضی سے امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور خواتین محل کی مرضی کیمطابق رقیہ بانو سے کی۔ رقیہ بانو لالہ میاں شہید چرکولی کی دختر تھیں۔ خواتین محل کو پہلی نسبت اسلئے پسند نہ تھی کہ وہ خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ مگر نواب حیدر علی کو اپنی بات قائم رکھنے پر اصرار تھا۔ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو یہ شادی جو امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے ہوئی اس قدر دور رس نتائج رکھتی ہے۔ کہ ٹیپو سلطان کے زوال سلطنت میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس رشتہ سے ناراض ہو کر اہل نوائطہ نے انگریزوں سے سازشیں شروع کر دی تھیں۔ نائطہ کو اپنی شرافت اور نسب پر حد درجہ غرور تھا۔ اور اس شادی کو وہ اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اور در پردہ انتقام کی فکر میں تھے ٹیپو سلطان کی شادی کے بعد حیدر علی کی صاحبزادی کا نکاح حافظ سید علی سے ہوا۔ اور شاہباز صاحب کی دو لڑکیوں کا نکاح بھی تربیت علی خان نائطہ اور یاسین صاحب سے ہوا۔ ان شادیوں کا جشن سرنگاپٹم میں ایک ماہ تک ہوتا رہا۔

پونا میں پیشوائی کیلئے کشمکش ۱۷۷۴ء

پونا میں واقعات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ اور حالت یہاں تک پہنچ گئی۔ رگھوبا پونا چھوڑ کر فرار ہو گیا اور میسور میں آ کر حیدر علی سے مدد کا طالب ہوا اور اس کے عوض میں اس نے وہ تمام علاقہ جو دریائے کرشنا سے جنوب کی طرف مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ حیدر علی کو لکھ کر دیدیا۔ مگر اس کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور فوج کا ایک کثیر حصہ اس کو چھوڑ کر پونا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے رگھوبا علاقہ میسور چھوڑ کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ چونکہ رگھوبا کی کارروائیوں میں انگریزوں کا ہاتھ تھا۔ اس لئے دوسری طرف نانا فرنویس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کیلئے تمام سرداران ملک کو

بھی کرنا شروع کیا۔ اور اس سلسلہ میں نواب حیدر علی کو بھی لکھا کہ انگریزوں پر حملہ کرے مگر حیدر علی نے بہ تقاضائے وقت کے لحاظ سے کچھ جواب نہ دیا۔ بلکہ اس کی اطلاع انگریزوں کو دے دی۔ نواب حیدر علی شروع سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح مرہٹے حملے کر کے میسور کو بے وجہ تباہ و برباد کرتے رہے تھے۔

بعض ہندو مؤرخین نواب حیدر علی پر معترض ہیں کہ انہوں نے نانا فرنویس کا وہ راز جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے تھا۔ انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنے تدبر اور حب الوطنی کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک مرہٹوں نے میسور پر چار حملے کئے۔ اور ہر وقت انکی یہی خواہش رہی کہ کسی طرح حیدر علی کو مٹا دیا جائے مادھو راؤ اور ترمک راؤ کے اخیری حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ اگر قسمت حیدر علی کا ساتھ نہ دیتی تو انکے مٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ نواب حیدر علی کی درخواست صلح کو بھی مرہٹے ٹھکرا چکے تھے۔ جب ان حالات کو دیکھتے ہوئے حیدر علی نے دل برداشتہ ہو کر مرہٹوں کے راز کو انگریزوں پر منکشف کر دیا۔ تو انہیں کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔ حیدر علی نے جو کچھ کیا تھا۔ اقتضائے وقت، نزاکتِ حالت، حفاظتِ خود اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے کیا تھا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی سرکوبی کے لئے نکلے شاہنور کا نواب مرہٹوں سے سازش کر رہا تھا۔ اسلئے نواب حیدر علی نے اس پر چڑھائی کی۔ اور شاہنور کی فوجوں کو شکست دے کر عبدالحکیم خاں کو اسیر کر لیا۔ جس پر اس نے اپنی خاص سواری اور نشان کے ہاتھی اور نیز ڈیڑھ لاکھ روپیہ حیدر علی کی نذر کر دیا۔ اور ہمیشہ اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا۔ مصلحت وقت جان کر شہزادہ

کریم شاہ کی شادی شاہنور کے نواب عبد الحکیم خاں کی بیٹی سے کر دی گئی۔

اس شادی کے بعد نواب نے اپنی فوجوں کو سرہٹی، ڈآمل اور کوپل کے راستے سے بادامی اور دھاڑواڑ کی طرف بھیجا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ افواج میسور خاص مرہٹہ واڑی پر حملہ آور ہوئیں۔

فتح بادامی ڈھاڑواڑ ودیگر فتوحات ۱۷۷۸ء

بادامی ایک معمولی جنگ کے بعد فتح ہوگیا۔ مگر قلعہ دھاڑواڑ نہایت مضبوط تھا۔ اور اس کی حفاظت پر مرہٹوں کی ایک زبردست فوج متعین تھی۔ فتح دھاڑواڑ کے متعلق مسٹر الفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنی فوج کے ایک حصہ کو مرہٹی لباس پہنا کر دھاڑواڑ کی طرف روانہ کیا اور قلعہ دار کو ایک جعلی خط بھیجا کہ اس کی کمک کیلئے مرہٹی فوج آ رہی ہے چونکہ حیدر علی نواح دھاڑواڑ میں تھے مرہٹی قلعہ دار نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ حیدر علی کی یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی اسوقت قلعہ دھاڑواڑ پہ پہنچی جب حیدر علی اپنی فوج کے دوسرے حصہ سے قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ اب جب یہ فوج مرہٹہ لباس میں پہنچی۔ تو حیدر علی نے مصنوعی طور پر خالی کارتوس چلانا شروع کر دیئے۔ ادھر تو یہ مصنوعی لڑائی ہونے لگی۔ اور ادھر یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی قلعہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی اور اسی طرح لڑتے ہوئے دروازے پہ پہنچ گئی۔ جہاں قلعہ دار نے اپنی ہی مرہٹی فوج سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فوج قلعہ کے اندر داخل ہوگئی۔ اندر داخل ہونے کے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات تھی۔ اس طرح دھاڑواڑ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہوگیا۔"

حیدر علی دھاڑواڑ سے نکلکر اناگندی پہنچے سلطنت وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کے راجہ کا خاندان اناگندی میں مقیم تھا۔ اور اس وقت وہاں کا حاکم تمراج نامی راجہ تھا جسکی نسبت مشہور ہے کہ دستور کے موافق کسی کو سلام نہ کرتا تھا۔ راجہ نے ایک لاکھ ہُن (ہن تین روپیہ) بطور پیش کش اپنے بیٹے کے ہاتھ روانہ کیا۔ اور حاضری سے معافی کا خواستگار ہوا نواب نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ یہاں سے نکلکر نواب حیدر علی بنکاپٹن کی راہ سے ہاکل واڑی پہنچے۔ یہاں کا راجہ اپنی سفاہت اور حماقت کے لیئے مشہور تھا۔ کئی کوٹھیاں افیون سے بھری پڑی تھیں مگر اسکی حرص کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ

"کاش یہ پہاڑ جو میرے شہر میں ہے۔ افیون کا بن جاتا"

کبھی کبھی باغ کی سیر کو نکلتا۔ تو باغ میں اُونگھتا ہوا پھرتا۔ اور خادموں سے دریافت کرتا کہ ہم کو محل سے نکلے ہوئے کتنے روز ہوئے۔ خدام کہتے کہ آپ جلد چلیں۔ محل نزدیک ہی ہے یہ سُن کر ہنستا ہوا جواب دیتا کہ جلد چلنا جانوروں کا کام ہے۔ محل میں رانی کے پاس تو جاتا ہی نہیں تھا۔ رانی کے خدام زبردستی اٹھا کر لیجایا کرتے تھے۔ نواب حیدر علی نے ہاکل واڑی پہنچکر راجہ کو حضوری میں طلب کیا۔ اور اسکے علاقے اور مال کی کیفیت پوچھی۔ اور یہ بھی دریافت کیا۔ کہ آپ مجھے کیا نذر کریں گے۔ راجہ نے جواب دیا کہ آپ کے اقبال سے کئی سو من افیون بھری پڑی ہے۔ اور دودھ پینے کے لیئے صدہا گائیں موجود ہیں۔ اور کنیزی کے لئے میری رانی موجود ہے جس کے پاس زیور بھی ہے۔ یہ جواب سنکر نواب مسکرا دیئے۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خلق خدا کے محافظ اور اُن کے جان و مال کے "نگہبان" بعد ازاں وہاں اپنا ناظم مقرر کر دیا اور راجہ کے خرچ کیلئے ایک گاؤں کی جاگیر دیدی۔

یہاں سے نواب حیدر علی کڑپہ اور کرنول کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے نواب

ہمیشہ مرہٹے۔ والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کے ساتھ ملکر ملک پر تاخت کرتے رہتے تھے جب حیدری فوج سدھوٹ کڈپہ پہونچی تو حاکم کڈپہ نواب عبد الحلیم خاں نے پانچ لاکھ روپیہ نقد اور ۵ ہاتھی بطور پیش کش بھیجکر خراج گذار رہنے کا وعدہ کرلیا۔ نواب حیدر علی نے پیش کش قبول کرلی۔ اور بنگن پلی کیطرف کوچ فرمایا۔ یہاں ایک معمولی مقابلہ ہوا جس میں حیدری افواج غالب آئیں بنگن پلی کے نواب نے سات لاکھ روپیہ پیش کش دیکر اپنی جان بچائی۔ اور خراجگذار رہنے کا بھی وعدہ کیا۔ یہاں سے حیدری افواج کرنول کی طرف بڑھی۔ نواب کرنول مقابلہ کیلئے آیا۔ اسکے ساتھ ایک پیر سکین شاہ نامی تھے جنہوں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ :-

"میرے ہوتے ہوئے کرنول کی فوج کو شکست نہ ہوگی"

مگر جب سکین شاہ نے نواب حیدر علی کے جلال و جبروت کو دیکھا تو ۔۔ خود لاپتہ ہوگئے۔ انکے علیحدہ ہوتے ہی نواب منور خاں حاکم کرنول نے پچاس لاکھ روپیہ نقد بطور نذر دیکر خراجگذار اور مطیع رہنے کا اقرار کیا۔

اب نواب حیدر علی کے مقبوضات قلعہ دھارواڑ سے لیکر مشرق میں کرنول تک اور جنوب میں کوچین تک پھیلے ہوئے تھے صرف ایک چتلدرگ کا علاقہ باقی تھا یہاں کا راجہ نہایت زبردست فوج اور قلعے رکھتا تھا۔ نواب حیدر علی پیشتر بھی اس علاقہ کو فتح کرنیکی غرض سے اس پر تاخت کرکے قلعہ چتلدرگ کا محاصرہ پانچ ماہ تک کرچکے تھے۔ مگر ناکامیاب رہے چتلدرگ کا راجہ ہمیشہ مرہٹوں سے ملکر حیدر علی کا مخالف رہا اسلئے اب حیدری افواج بغرض انتقام چتلدرگ پہنچیں یہاں راجہ کی فوج نے ایک ایک قدم پر انکا مقابلہ کیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی کو قلعہ چتلدرگ تک پہنچنے کیلئے کئی مہینے لگے۔ آخر کار نواب حیدر علی نے چتلدرگ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ چتلدرگ کے اطراف میں گھنا جنگل تھا اور

نواب کو معلوم تھا کہ مدافعت بھی بہت سخت ہوگی۔ اسلئے انہوں نے پہلے جنگل چھانٹنا شروع کردیا۔
اور توپ خانہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھادیا گیا جس سے قلعے پر گولے برسائے جاتے تھے۔
دن بھر میں جتنا نقصان دیوار قلعہ کو پہونچتا تھا۔ اس کو شب میں چتلدرگ والے درست
کر لیتے تھے کیونکہ فصیل قلعہ کے اطراف بھی جنگل نہایت گھنا تھا۔ نواب حیدرعلی نے
محمد علی کمیدان کو ایک دستہ فوج دیکر حکم دیا کہ کسی طرح قلعہ کے ایک بازو پر حملہ کر کے قابض
ہوجائے کمیدان محمد علی اپنی فوج لیکر رات کے وقت آگے بڑھا رات اندھیری تھی اسنے نہایت ہوشیاری
اور جرأت سے ایک سنگین اور پختہ مکان پر قبضہ کرلیا جو دیوار قلعہ سے باہر کی طرف تھا۔
اس مکان سے جنگل میں ہر سمت مخفی راہیں بنی ہوئی تھیں۔ دوسرے دن نواب حیدرعلی سات ہزار
پیادے اور ایک ہزار سوار لیکر قلعہ پر حملہ آور ہوئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس پر حیدرعلی
راجہ کو کھلے میدان میں لانے کیلئے محاصرہ اٹھاکر بارہ میل پیچھے ہٹ گئے جب تقدیر یاور ہوتی
ہے تو بگڑی بھی بن جاتی ہے۔ خوش قسمتی سے ایک دن چتلدرگ کے راجہ کے دو
سالے قلعہ سے باہر مندر میں پوجا کرنے کیلئے چلے گئے اور غمازوں نے راجہ سے کہدیا کہ وہ نواب
حیدرعلی کے پاس گئے ہیں۔ راجہ نے فی الفور اپنے خسر کو قتل کر کے اسکا مکان لوٹ لیا۔ ادھر
یہ خبر جب راجہ کے سالوں کو پہونچی تو وہ جان کے خوف سے نواب حیدرعلی کے کیمپ میں آگئے۔
اور سارا حال بیان کیا جس پر نواب حیدرعلی نے راجہ ہرپن ہلی کی معرفت سے انہیں بلاکر
خلعت فاخرہ اور جواہر گراں بہا سے سرفراز فرمایا۔ نیز ان کو جاگیر دینے کا وعدہ فرمایا۔ ان
دونوں نے راجہ سے انتقام لینے کی غرض سے حیدری فوج کو ایک مخفی تنگ راستہ پہاڑ کی
چوٹی تک دکھادیا۔ جہاں سے گولے قلعے کے اندر پہونچ سکتے تھے۔ حیدری فوج نے پہاڑ کی
چوٹی پر قابض ہوکر سات دن تک قلعہ پر گولے برسائے جس کی وجہ سے راجہ کی فوج قلعہ

چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ آخر کار جب راجہ نے دیکھا کہ فوج کے اکثر سپاہی بھاگ رہے ہیں۔
اور اکثر وفادار مر چکے ہیں۔ تو وہ نہایت طمطراق سے مسلح ہو کر مقابلہ کیلئے باہر نکلا۔ کمیدان
محمد علی کی فوج کمینگاہ میں چھپی ہوئی تھی۔ جس نے پیچھے سے حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔
راجہ کے گرفتار ہوتے ہی قلعہ پر محمد علی کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں راجہ کے حرم سرا اور دوسرے
معتمد و محافظین تھے۔ ان سب کو گرفتار کر کے نواب حیدر علی کے پاس بھیج دیا گیا۔ راجہ اور اسکے خاندان
کو ایک زبردست دستہ فوج کی حفاظت میں سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ چتلدرگ کی جنگ میں
افواج حیدری نے بہت تکلیفیں اٹھائی اور جانیں قربان کی تھیں۔ اس لئے ہر ایک سپاہی کو
معقول انعام دیا گیا۔ اور چتلدرگ کا انتظام دولت خان کے سپرد ہوا۔ جو نواب حیدر علی کا ایک
بے باپ کا لڑکا تھا۔ اور پہلے پہل نواب کو ستی منگل میں وزیر نندراج کے یہاں کام کرتا ہوا ملا تھا
نواب نے اسکی ہوشیاری و فرزانگی سے خوش ہو کر اس کی پرورش کی تھی۔

فتح چتلدرگ کے متعلق لیوین بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

چتلدرگ نا ہموار اور بنیان کوہستان کے دامن پر کئی میل تک آباد تھا۔ اور
جنگلوں کی طولانی قطار سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں کا سردار بیڈوں ملا ہوا تھا۔ حیدر علی نے
چتلدرگ پر چڑھائی کی تو اس سردار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ مگر اس کی فوج
میں تین ہزار مسلمان بھی تھے جن کو حیدر علی نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ دیکھ کر کسیری
نایک پالیگار ریاست نے مجبوراً حیدر علی کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ حیدر علی
نے اس مقام کو لوٹ کر راجہ اور اس کے خاندان کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیج دیا۔
اور اس کی قوم کے بیس ہزار باشندے گرفتار کر کے ان کو جبراً مسلمان بنایا اور ان
میں سے لڑکوں کو تربیت دیکر سپاہی بنایا گیا۔ یہ جماعت ٹیپو سلطان کے زمانہ میں بہت

تیار کی گئی تھی اور یہ فوج چیلوں کی فوج یا فوج مریدان کہلاتی تھی۔"

تاریخ ہندوستان میں آف انڈیا میں بھی اسی روایت کو دہرایا گیا ہے۔

انگریزی مورخین کی یہ فطرت ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کو بدنام کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی الزام تراش لیتے ہیں کسی کو مذہبی دیوانگی اور تعصب کا الزام دیتے ہیں کسی کو نفرت پھیلانے کا اور کسی کو ظلم و ستم شعاری کا۔ اگر بالفرض نواب حیدر علی اور ان کے جانشین فرزند ٹیپو سلطان شہید تلوار کے ذریعہ اشاعت اسلام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسا کرنے سے انہیں روک نہیں سکتی تھی۔ اور آج جنوبی ہندوستان میں خصوصاً علاقہ میسور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کا جو تناسب نظر آتا ہے۔ نہ رہتا۔ آج ریاست میسور کی ساٹھ لاکھ کی آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمان ہیں۔ اگر جبراً اشاعت اسلام ہوتی تو مسلمانوں کی اکثریت لازمی تھی۔ پایہ تخت سرنگاپٹم بہت سے مندروں سے ڈھکا ہے اور آج بھی یہاں کے کثیر مندر بزبان حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمران کس قدر غیر متعصب، رحمدل اور رعایا پرور تھے۔

تنظیم مملکت فوج

جنگ چیلدرگ سے فارغ ہو کر نواب نہایت جاہ و احتشام کے ساتھ سرنگاپٹم واپس آ گئے۔ اور تنظیم مملکت و فوج پر توجہ کی۔

امتحان وفاداری

انتظام مملکت و فوج سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے سوچا کہ اپنے امیروں اور دوسرے نوابوں راجاؤں اور پالیگاران ماتحت کی وفاداری کا امتحان لیا جائے۔ چند خاص رفقا کے ساتھ نواب حیدر علی سرنگاپٹم سے حیدر نگر کی طرف گئے۔ راستے میں ان رفقا کو بلا کر سمجھا دیا کہ تمام انتظام بطور خود

قائم رکھیں۔ اور ایک فرضی تابوت بنا کر سرنگا پٹم روانہ کر دیں اور مشہور کر دیں کہ نواب حیدر علی کا جنازہ جا رہا ہے۔ اس تجویز کے مطابق نواب ایک خیمہ میں خلوت گزین ہو گئے رفقا نے ایک نہایت آراستہ تابوت زرتار دوشالوں کا اور زریں شامیانے کے زیر سایہ سرنگا پٹم کو روانہ کیا جنازہ کے سامنے عود و عنبر کی انگیٹھیاں تھیں اور آگے پیچھے حفاظ آیات قرآنی پڑھتے جاتے تھے۔ بدرقہ کے لئے سپاہی ساتھ تھے۔ ہر کوئی اور قافلہ اپنے آقا کے غم میں سوگوار روتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ملک میں ایک تہلکہ اور طلاطم برپا ہو گیا۔ اور حیدری فوج بوجہ اپنی خاص عقیدت و محبت کے نہایت غمگین ہو گئی جس طرح دوستوں کو رنج پہنچا۔ اسی طرح دشمنوں اور منافقوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے چنانچہ نواب عبدالحلیم خاں حاکم کڑپہ نے حیدر علی کے وفات کی خبر سنکر لوگوں میں شیرینی تقسیم کی۔ اور مجلس عیش ترتیب دیکر خوشی کے شادیانے بجائے اور حیدر علی کے پیچھے قلعے کو جو علاقہ ریڈ نمنٹ کڑپہ میں مقیم تھا شہر بند کر دیا جب تمام ملک کی حالت معلوم ہو گئی۔ تو نواب حیدر علی نے اپنے خلوت کدہ سے نکل کر ایک بہت بڑا دربار اور جشن شاہانہ منایا۔ اس کے چند دن بعد ایک زبردست فوج اور توپ خانہ لیکر کڑپہ کی جانب کوچ فرمایا۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب عبدالحلیم اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر نواب بہادر نے اس کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

تسخیر کڑپہ ۱۷۶۹ع

اب نواب کڑپہ کیلئے سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں تھا اپنے دو بھتیجوں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ اس فوج کا کڑپہ سے بارہ میل پر حیدری فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو میر علی رضا خاں کی کمان میں تھی۔ اس لڑائی میں افغان غالب آگئے جس پر نواب حیدر علی نے اپنی پوری

فوج کے ساتھ رات کو افغانوں پر شبخون مارا۔ پٹھان منتشر ہو کر کڈپہ کی طرف بھاگ گئے۔
نواب حیدر علی نے ان کا تعاقب کیا۔ افغانوں نے پھر ایک جگہ جم کر مقابلہ کیا۔ دوپہر
تک لڑائی ہوتی رہی جس میں حیدری فوج کے دو ہزار آدمی کام آئے حیدر علی نے توپخانہ
کو آگے بڑھایا۔ اور قلعہ کی دیوار میں تھوڑے سے ہی وقت میں رخنے پڑ گئے۔ حیدر علی کے
خاص باڈی گارڈ دستے نے شہر کڈپہ میں گھس کر افغانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔
جس کی وجہ سے افغانوں کی اس فوج نے جو دوسری جانب نہایت جوانمردی سے لڑ رہی
تھی ہتھیار رکھ دیئے۔ شہر کڈپہ مسخر ہو گیا۔ نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے دونوں
بھتیجے علیحدہ علیحدہ قید کر دیئے گئے۔ نواب حیدر علی نے حکم دیا کہ تمام افغانوں سے
ہتھیار لے لئے جائیں جن پچاس افغانوں نے جو نواب عبدالحلیم خاں اور اس کے
بھتیجوں کے ساتھ تھے ہتھیار دینے سے انکار کر دیا۔ اور نواب نے بھی انکی بہادری
کی قدر کرتے ہوئے ہتھیار دینے پر مجبور نہ کیا۔ یہ افغان جب آدھی رات گذری تو اٹھے
اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ اور یہ افغانی حیدر علی کے خیمے
تک جا پہنچے۔ آواز سن کر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکیے وغیرہ رکھ کر اس
پر چادر ڈال دی۔ اس طرح کہ کوئی سو رہا ہو۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر
نکل گئے۔ اب پورا کیمپ جاگ اٹھا۔ افغان چن چن کر قتل ہونے لگے۔ اس ہنگامہ
میں نواب عبدالحلیم خاں سدہوٹ بھاگ گیا۔ نواب حیدر علی نے ایک فوجی دستہ قلعہ
گنجی کوٹہ کو روانہ کیا۔ اور خود سدہوٹ کا محاصرہ کر لیا۔ میر علی رضا خاں نے
گنجی کوٹہ فتح کر لیا۔ یہ سن کر حلیم خاں نے اپنے وکیل محمد غیاث کو حیدر علی کے پاس
معافی مانگنے کے لئے روانہ کیا حیدر علی نے کہا کہ جب تک قلعہ کے تمام سپاہی باہر نہ نکال

دیئے جائیں معافی نہیں مل سکتی۔ لہٰذا یہ تمام افغان سپاہی باہر نکال دیئے گئے۔ نواب حیدر علی کی فوج اندر جاکر قلعہ پر قابض ہوگئی۔ عبدالحلیم خاں اپنے دیوان خاص میں مسند امارت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیدری فوج کے چند افسروں نے مسند کے روبرو پالکی لاکر رکھ دی۔ حلیم خاں سمجھ گیا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پالکی میں سوار ہوگیا۔ نواب حیدر علی نے حلیم خاں اور اس کے حرم کو نہایت حفاظت و عزت کے ساتھ سرنگاپٹم بھیج دیا۔ جہاں گنجام میں انکے رہنے کا بندوبست اور انکے مصارف کا خاطر خواہ انتظام بھی کر دیا گیا۔ چند دن بعد نواب عبدالحلیم خاں کا انتقال ہوگیا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں الحاق کڈپہ کے متعلق لکھتا ہے:۔ (صفحہ ۷۶-۷۷)

حیدر علی نے اپنے نسبتی بھائی میر علی رضا خاں کو نواب کڈپہ سے مطیع کرنے کیلئے روانہ کیا مگر علی رضا خاں مضبوط اور جفاکش افغانوں کو مطیع نہ کرسکا۔ اگرچہ مقابلہ نہایت سخت ہوا۔ حیدر علی کمک لے کر جا پہنچے۔ کڈپہ کے شمال میں مقام گھوٹر میں افغانوں سے جنگ ہوئی۔ افغانوں کو حیدری فوج کثیر نے چاروں طرف گھیر لیا اس لئے وہ اطاعت پر مجبور ہوئے اور حیدر علی نے ان لوگوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا جنہوں نے اپنی نمک حلالی کی ضمانت دیدی لیکن ان میں اسی سوار ایسے بھی تھے جو ضمانت نہ دے سکے اور انہوں نے ہتھیار دینے سے بھی انکار کر دیا۔ حیدر علی نے بھی ان کی جوانمردی کا پاس کر کے ان کو ہتھیار دینے کیلئے مجبور نہ کیا۔ اور وہ ہتھیار سمیت ٹھہرائے گئے۔ مگر افغانوں کی دغا بازی مشہور ہے۔ وہ آدھی رات کو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مار کر حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے لیکن آہٹ پاکر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکیے وغیرہ رکھ کر ان پر چادر اڑھا دی

گویا کہ حیدر علی بے خبر سو رہے ہیں۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے۔
سنتے ہیں سب جاگ اُٹھے۔ ہوراں افغانوں کا قتل شروع ہو گیا۔ اور کچھ گرفتار
کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ اور ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر انہیں تمام
کیمپ میں گھسیٹا گیا۔ کڈپہ کا نواب سدہوٹ کی طرف بھاگ گیا جو کڈپہ سے تھوڑے
فاصلہ پر تھا۔ لیکن چند دن کے بعد جب اسکی جان، ناموس اور عزت کی ضمانت
دیدی گئی تو اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اس کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔ وہاں
جا کر اس کی حسین ہمشیرہ سے حیدر علی نے شادی کر لی۔ وہ بخشی بیگم کے نام
سے سرفراز ہوئی۔"

انگریزوں کی سازشیں

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ پونا میں مرہٹوں میں
نا اتفاقی اور پھوٹ پڑ چکی تھی۔ اور مرہٹے دو
جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک جماعت رگھوبا کی حمایت پر تھی۔ اور دوسری
جماعت پیشوا نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کی حمایت پر۔ اور یہ جماعت نانا فرنویس زیر قلم
کے ماتحت تھی۔ اس جانشینی کے مسئلے نے یہاں تک طول کھینچا کہ انگریز رگھوبا کی حمایت
میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جب جنگ نے طول کھینچا تو نانا فرنویس نے حیدر علی سے مدد مانگی
اور اس کو بتایا کہ کس طرح انگریز دن بدن اپنی چیرہ دستیوں سے ہندوستان پر قبضہ
کر رہے ہیں۔ تحفظ وطن کی خاطر اب ضروری ہے کہ دیسی حکمران ملک متحد ہو کر
انگریزوں کو ملک سے نکال دیں۔ اسی طرح نظام علی خاں نظام الملک نے بھی نواب
حیدر علی سے مدد طلب کی۔ اسلئے کہ انگریز اس کے علاقہ گنٹور پر بغیر اسکی مرضی کے قابض
ہو چکے تھے۔ اور ان کا اثر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ نواب حیدر علی بھی ان واقعات

دیکھ رہے تھے اور ان کے دل میں بھی انگریزوں کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ۱۷۶۶ء میں صلحنامہ مدراس کی رو سے امداد کا وعدہ کیا تھا مگر جس وقت مرہٹے میسور پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح نواب حیدر علی کو نظام الملک پر بھی بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ ان کی دوربین آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ حیدر آباد میں انگریزوں کا کس قدر رسوخ ہے۔ خود نظام الملک اور ان کا وزیر رکن الدولہ کس قدر طوطا چشم ہیں۔ اور حیدر آبادی فوجیں کہاں تک صعوبت جنگ کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ ابھی پونا اور حیدر آباد سے نامہ و پیام جاری ہی تھے۔ کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری فتح کر لیا۔ اور بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھے۔ یہ بندرگاہ ملیبار میں واقع ہے اور تمام ملیبار حیدر علی کے زیر حکومت تھا انگریزی فوج نے ماہی پر چڑھائی کی۔ اور باوجود حیدر علی کی ممانعت کے انکے ملک سے گذری۔ اس پر فرانسیسیوں نے حیدر علی سے مدد مانگی۔ اور چونکہ وہ حیدر علی کے ملک میں تھے اس لحاظ سے وہ حیدر علی کی ہی حمایت میں تھے۔ اور ان کی امداد حیدر علی پر فرض تھا۔

سر الفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

فرانسیسیوں کی حمایت کے علاوہ حیدر علی کی دور بین نگاہیں جو نتیجہ دیکھ رہی تھیں۔ کہ ہندوستان کی کمزوری کی اصلی وجہ ہندوستان کی بحری طاقت کا فقدان ہے۔ اور بحری طاقت ہی کی وجہ سے یورپین اقوام ہندوستان پر مسلط ہو گئی ہیں۔ اسی خیال سے حیدر علی نے بحری طاقت کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ماہی بندر حیدر علی کے لئے یورپ سے رسل و رسائل قائم رکھنے اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے سامان جنگ حاصل کرنے کے لئے ایک عمدہ بندرگاہ تھا۔

حیدر علی کو پہلے ہی سے انگریزوں سے بدظنی تھی اور جب انگریزوں نے ماہی پر
قبضہ کیا تو اس نے پوری قوت کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا۔"

اس حملہ کے ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی قدیم روایات سے کام لے کر حیدرآباد
میں سازش شروع کر دی اور یہ جھوٹی خبر مشہور کر دی کہ شہنشاہ ہندوستان دکن
کی صوبہ داری نواب حیدر علی کو تفویض کرنیوالا ہے۔ اسکے ساتھ ہی گنٹور کا علاقہ نظام الملک
کے حوالے کر دیا۔ نظام الملک اس خبر سے گھبرا گیا مگر انگریزوں نے تسلی دی کہ حیدر علی
سے وہ خود نمٹ لیں گے جس پر نظام الملک خاموش ہو گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے
جس کو نواب حیدر علی سے حد درجہ حسد تھا۔ اس سازش میں بہت بڑا حصہ لیا۔

"انگریزوں نے شہنشاہ کا عہدنامہ مدراس کو ردی کا کاغذ سمجھ کر پھینک دیا۔ اور جب
حیدر علی کو امداد کی ضرورت تھی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ نواب
والا جاہ محمد علی کے تمام ملک پر وہ قبضہ کر چکے تھے جو حیدر علی کے مستقل رنج
کا باعث بن گیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کر لیا جس کے باعث
نظام الملک بھی ان سے بگڑ بیٹھا۔ اور انگریزی فوج حیدر علی کے علاقے سے بغیر
اسکی اجازت کے گذر کر ادونی کی طرف بڑھنا چاہتی تھی ایک طرف تو مرہٹے انگریزوں
سے ڈر رہے تھے دوسری طرف نظام الملک کا دل رنجیدہ ہو چکا تھا۔ ان وجوہ سے
حیدر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مگر انگریزوں نے فوراً گنٹور کا علاقہ نظام الملک
کو واپس دے کر اس کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ لیکن جنگ کی ابتدا اس طور پر ہوئی کہ یورپ
میں انگریز اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ جانے سے ہندوستان میں انگریز تمام
فرانسیسی علاقوں پر قبضہ کر کے ماہی کی طرف بڑھے جو حیدر علی کے علاقہ ملیبار میں

فرانسیسیوں کی ایک بندرگاہ تھا حیدر علی کو فرانسیسیوں کی حمایت اور دوستی لازمی تھی۔" (تاریخ ہند اتھاچیرن)

یہی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"نواب حیدر علی سے اگر انگریز اپنا وعدہ ایفا کرتے تو وہ انکا بہترین دوست ثابت ہوتا کیونکہ اس کو انگریزوں پر کامل اعتماد تھا۔"

مورخ ڈی لافوسی لکھتا ہے:۔

"انگریزوں نے اپنی وعدہ شکنی اور بے مروتی سے حیدر علی کو اپنا دشمن بنا لیا۔" (صفحہ ۱۸۰)

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے:۔

"نواب حیدر علی خاں کو خیال پیدا ہو گیا کہ انگریز بد عہد ہیں اور نظام علی خاں خود غرض ہے۔ اس لئے اس نے اپنے پرانے دوست فرانسیسیوں کو شریک حال بنانا چاہا۔ اس خیال سے اس نے فرانسیسیوں کی حمایت کی۔"

رسالہ انگلش ہسٹری بیاگرافی میں تحریر ہے:۔

"انگریزوں کو نواب حیدر علی خاں کے ساتھ بموجب عہد نامہ ۱۷۶۹ء دوستی اور اتفاق رکھنا مناسب تھا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مرہٹے جب اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تو اس نے متعدد مرتبہ انگریزوں سے مدد مانگی۔ لیکن انہوں نے نہیں دی۔ جب نواب نے انگریزوں کے قول و فعل میں ایسا ثبات نہ دیکھا تو وہ فرانسیسیوں کی حمایت کرکے ان کی دوستی کا مشتاق ہوا۔"

انگریزوں سے دوسری جنگ
۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

انگریزوں کو جس وقت نانا فرنویس نظام الملک اور حیدر علی کے نامہ و پیام کی خبر ملی۔ تو

انہوں نے بھی اپنے دو سفیر پادری شوارٹز اور بعد میں مسٹر گرے کو [illegible] حیدری میں دوستی بڑھانے کیلئے بھیجا لیکن نواب حیدر علی اسوقت سمجھ چکے تھے کہ انگریزوں کے وعدے کس قسم کے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان سفیروں کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

نوٹ:۔ ان دو انگریزی سفیروں میں پادری شوارٹز جاسوس تھا جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر علی کی فوجی طاقت کا اندازہ کرنے اور حیدر علی کے خلاف جو جماعت تھی۔ ان سے اطلاعات حاصل کرنے کیلئے بھیجا تھا سلطنت خداداد کے زوال کے زیر عنوان اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (دیکھو)

اس کے فوراً بعد انگریزوں نے فرانسیسیوں کے بندرگاہ ماہی پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ملک کرناٹک پر حملہ آور ہوئے۔ نواب حیدر علی کے اس حملے کے متعلق سر آلفرڈ لائل، سینکلیر، ڈی لا فوسی وغیرہ متفق اللفظ ہیں کہ ایک طوفان برق و باد تھا۔ جو میسور سے اٹھا۔ اور ملک کرناٹک پر چھا گیا۔ نواب کی فوج تقریباً اسّی ہزار کی تھی۔

حقیقت میں نواب حیدر علی کا یہ حملہ اس قدر مہیب اور زبردست تھا کہ ملک کرناٹک نے اس سے پہلے اس قدر فوجوں کی کثرت اور خونریزی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو مختلف سپہ سالاروں شاہزادہ ٹیپو سلطان اور کریم صاحب کے زیر کمان دیکر خود بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ جولائی ۱۷۸۰ء میں پائیں گھاٹ [illegible] والاجاہ محمد علی کی طرف پیش قدمی کی اور محمد علی کی فوجوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

شہزادہ ٹیپو سلطان کی فوجوں نے پائیں گھاٹ سے نکل کر آرنی کا محاصرہ کر لیا۔ اسکے بعد [illegible] محاصرہ [illegible] ٹیپو سلطان [illegible] کی طرف بڑھے۔

[illegible]

"والاجاہ محمد علی کے قلعہ دار حسین علی خاں نے شہزادہ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں قلعہ کی حفاظت کے لئے تیار ہوں مگر اس جگہ کثرت سے اہل سادات آباد ہیں۔ اور خواتین سادات آپ کی گولہ باری سے خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ اس لئے گولہ باری موقوف کر کے آپ قلعہ پر قبضہ کر لیں ٹیپو سلطان نے ہنس کر قلعہ کی کنجیاں لے لیں۔ اور قلعہ کا انتظام سید امام کے سپرد کر دیا۔"

فتح آرنی کے بعد ترو تور، کلوہ اور کاویری پٹن معمولی لڑائیوں کے بعد فتح ہو گئے۔

شاہزادہ کریم صاحب نے بندرگاہ محمود بندر پر چڑھائی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا اور چند دن کی جنگ کے بعد محمود بندر پر حیدری افواج کا قبضہ ہو گیا۔

نواب حیدر علی چنگیا گھاٹ سے نکل کر ارکاٹ پر قابض ہو گئے راستے میں جو چھوٹے چھوٹے قلعہ تھے حیدری افواج کے سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور نواب کی فوج ۱۰ اگست ۱۷۸۰ء میں کنجی ورم کے نواح میں تھی۔ اور فوج کے ہراول دستے مدراس کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:۔

"حیدری فوجوں کی لوٹ مار اور آتش افروزی سے جنوب کے بادل جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں ملی ہوتی تھیں۔ مدراس سے صاف نظر آ رہے تھے۔"

جنگ پولی پور ۱۷۸۰ء

حیدری فوج کنجی کوٹہ پر قابض ہو گئی اور خود نواب حیدر علی نے محمد علی والاجاہ پر ضرب لگانے کے لئے ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزوں نے ارکاٹ کو بچانے کیلئے مدراس سے جنرل ہیکٹر منرو کو [illegible]

میں ۱۱۹۴ھ میں ناموری پیدا کی تھی) اور علاقہ نظام سے کرنل بیلی کو جو گنٹور کی طرف جا رہا تھا روانہ کیا۔ اور حکم دیا کہ دونوں فوجیں متفق ہو کر حیدر علی پر حملہ آور ہوں۔ نواب حیدر علی کو جس وقت یہ خبر ملی تو ارکاٹ میں ایک دستہ فوج کو چھوڑ کر مقابلہ کے لئے مقام کنجی پورم آ گئے اور ٹیپو سلطان کو پولی پور کی طرف بھیجا کہ انگریزوں کی دونوں فوجوں کو ملنے نہ دیں۔ سر ہیکٹر منرو کی فوج کنجی پورم سے دو میل آگے ندی کے کنارے کیمپ کئے ہوئے تھی جس وقت کرنل بیلی پولی پور پہنچا تو لڑائی شروع ہو گئی۔ نواب حیدر علی نے دوسری طرف سے ایک حصہ فوج لے کر کرنل بیلی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ کرنل بیلی ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اب حیدری توپ خانہ باغ پر گولے برسانے لگا۔ اور ایک گولہ کرنل بیلی کی میگزین پر ایسا پڑا کہ تمام بارود جل اٹھی۔ اور تمام باغ دھوئیں سے بھر گیا۔ حیدر علی نے پیدل سواروں کو لڑائی کا حکم دیا۔ انگریزی فوج کٹ کٹ کر گرنے لگی اور کرنل بیلی اسیر ہو گیا۔ باقی ماندہ فوج نے ہتھیار رکھ دیئے اور اسیر ہو گئی۔ نواب حیدر علی کو کامل فتح حاصل ہوئی۔

سر آلفرڈ لائل لکھتا ہے :-

"ہندوستان میں اس سے بڑھ کر مصیبت انگریزوں پر اور کوئی نہیں پڑی جس میں دو ہزار انگریزی سپاہ اسیر ہو گئی۔ ان میں ڈیوڈ بیرڈ بھی تھا جس نے بعد میں محاصرہ سرنگا پٹم ۱۷۹۹ء میں نام پیدا کیا۔"

ملا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھتے ہیں :-

زمانے بہم روز نخست بود پے بیلی زمانہ برآشفتہ بود

شدہ انتشش گنبد آسماں بہ شوریدہ و تنگ گشتہ جہاں

عدو اس قدر واں پہ کٹتے ہوئے　　کہ میدان میں کشتوں کے پشتے ہوئے

ہوا موت کا واں پہ بازار گرم　　دل میں نہ رحم اور نہ آنکھوں میں شرم

ہوئی سخت ہی یوں گو بیاں اس گھڑی

کہ ساون کی جس طرح برسے جھڑی"

رسالہ ملٹری سیاکرانی مطبوعہ لندن میں تحریر ہے کہ اس جنگ میں ساڑھے چار ہزار فرنگی سپاہی مقتول ہوئے کرنل فلیچر بھی اسی جنگ میں مارا گیا۔ کرنل بیلی اور کپتان بیرڈ باقی ماندہ فوج کے ساتھ اسیر ہو گئے۔"

جس وقت کرنل بیلی کی شکست کی خبر سر ہکٹر منرو کو ملی تو وہ اپنی بڑی بھاری توپوں کو دریا میں پھینک کر مدراس فرار ہو گیا۔

تسخیر ویلور و ارکاٹ ۱۷۸۱ء

حیدر علی نے کرنل بیلی اور اس کی فوج کو سرنگوں اور روانہ کرکے ویلور پر قبضہ کیا اور پھر ارکاٹ کا محاصرہ کیا۔ چونکہ قلعہ ارکاٹ کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس لئے نواب حیدر علی نے مٹی کے بڑے بڑے دمدمے بنا کر ان پر توپیں چڑھا دیں۔ اور قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ کی والاجاہی اور انگریزی افواج بھی نہایت مستعدی سے مدافعت کرتی رہیں۔ اور حیدری فوجوں کو فصیل تک پہنچنے کا موقع نہ دیا۔ تین مہینے کا محاصرہ اور متواتر گولہ باری سے فصیل قلعہ میں رخنے پڑ گئے جس پر حیدری سواروں نے ایک زبردست حملہ کیا۔ اس حملہ میں نواب حافظ علی خاں (داماد نواب حیدر علی خاں) شہید ہو گئے مگر حیدری سپاہ نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ اور دست بدست جنگ شروع ہو گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں والاجاہی اور انگریزی فوجیں مغلوب ہو گئیں۔ اور والاجاہ محمد علی کے تمام

سردار اسیر ہو گئے۔ ارکاٹ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔

والا جاہ محمد علی کے سرداروں میں سے سید حمید کمیدان۔ راجہ بیربر اور میر صادق نے نواب حیدر علی کی ملازمت اختیار کر لی سید حمید کو چار ہزار سپاہ کی سرداری پر مقرر کیا گیا۔ راجہ بیربر کو ارکاٹ کی گورنری دی گئی۔ اور میر صادق افسر مجالس مقرر ہوا۔

فتح بدنور کے بعد نواب حیدر علی خاں نے ارکاٹ میں ایک جشن شاہانہ منایا اور دربار منعقد کیا جس میں روضۂ ٹیپوستان کے متولی نے نذر گذرانی اور نواب نے ایک سو ایک اشرفی اور شامیانہ زربفت مع چوبہائے طلائی درگاہ کو روانہ فرمایا۔

۱۷۶۵ء میں نواب والا جاہ محمد علی موضع کولار پر جو حیدر علی کا مولد تھا۔ قبضہ کر کے سمجھ بیٹھا تھا کہ حیدر علی مطیع ہو جائیں گے مگر خدا کی شان کہ اس کے صرف بارہ سال بعد حیدر علی نے ارکاٹ پر جو محمد علی کا دارالامارۃ تھا۔ قبضہ کر کے دربارہ شاہانہ منایا اور محمد علی ایک مفرور کی حیثیت سے انگریزوں کے سہارے مدراس میں ایک پناہگزین کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس دربار میں نواب حیدر علی نے فرمایا۔

"والا جاہ محمد علی کی وطن دشمنی اور رہبر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آ گیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں غضب الٰہی کا آ لہ بن کر آیا ہوں"

(نشان حیدری)

میدان جنگ حقیقت میں نمونۂ محشر تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو لوگ میل رکھتے تھے یا جو لوگ دشمنوں کو علانیہ یا خفیہ تائید پہنچاتے تھے۔ ان سے نہایت سختی کے ساتھ انتقام لیا گیا بلکہ اس جرم میں کئی ایک مواضعات تباہ کر دئے گئے ہزارہا عورتیں اور مرد اسیر ہوئے مگر جب کامل طور پر قبضہ ہو گیا تو نواب حیدر علی نے جو سلوک وہاں کی

رعایا سے کیا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر لکھتا ہے :-

"ایک عجیب و خونریز حملہ کے بعد ارکاٹ پر ۳ نومبر کو حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔
قبضہ کے بعد رعایا سے نہایت شائستگی کا سلوک کیا گیا۔ لوٹ مار، قتل و غارت
قطعی طور پر روک دیئے گئے۔ ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ وہ پہلے امن کے ساتھ
اپنا کاروبار جاری رکھے۔ بلکہ ان ملازموں کو جو نواب محمد علی سے متعلق تھے۔
انکے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ جو انگریز قیدی حیدر علی کے قبضہ میں آئے
انہیں حیدر علی کی جانب سے کہہ دیا گیا کہ اپنی مرضی پر بات کیا کریں"

حیدر علی کی یہ جنگ جس قدر ہیبت ناک تھی :- اس کے متعلق ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب ماہی پر قبضہ کر لیا۔ تو حیدر علی کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی
وہ کرناٹک پر ایک طوفان بلاخیز کی طرح چھا گیا۔ شہر، دیہات اور گاؤں پر صرف قبضہ کیا
گیا۔ بلکہ انہیں تباہ کر دیا گیا۔ وہ لوگ (یعنی انگریز) جو محمد علی کی حمایت کرتے ہوئے
حکمرانی کر رہے تھے دنیا کی عنایات کر رہے تھے یا اب ان کو انکی قسمت پر پہنچا دیا
گیا۔ حد یہ تھا کہ فوج مدافعت کے قابل نہیں رہی۔"

مدراس پہنچکر انگلستان کو خطوط لکھے گئے جن میں حیدر علی کے ظلم و ستم کی داستانیں
بیان کی گئیں اور اشتعال دلایا گیا کہ حیدر علی سے انتقام لینا ضروری ہے اس لئے
کہ ملک کے لوگ حیدر علی سے متنفر ہیں لیکن وہ اس کا ایک ثبوت بھی نہ دے سکے بلکہ اس
کے خلاف کرناٹک کے لوگ حیدر علی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اس کی مثال

کرنل کاسبی کے واقعہ سے ملتی ہے :-

"کرنل کاسبی اپنے ایک خط میں اقرار کرتا ہے کہ لوگ اس کی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع حیدر علی کے کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں"

ایک اور دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے :-

"کرنل بیلی جب پولی پور میں حیدری فوج میں گھر گیا تو جنرل منرو نے اسکی تائید کو پہنچنا تھا۔ لیکن اس کو راستہ معلوم نہیں تھا۔ مقامی لوگوں میں سے چند اشخاص کو پکڑ کر راستہ دکھانے کے لئے کہا گیا۔ انکے گلے میں طوق پہنائے گئے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سیدھا راستہ دکھائیں، اور مقام مقصود تک پہنچا دیں تو انہیں انعام دیا جائیگا ورنہ مار دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ بادل نخواستہ چلے اور دن بھر کے سفر کے بعد انگریزی فوج کو ایسی جگہ لے گئے جہاں ایک تالاب تھا اور آگے جانے کا راستہ مسدود۔ اس لئے منرو بروقت بیلی کی تائید کو نہ پہنچ سکا"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے لوگ بھی جو انگریزوں کے محکوم تھے حیدر علی سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست

نواب حیدر علی ارکاٹ میں مقیم تھے۔ اس وقت انگریزوں کا ایک وفد صلح کی درخواست لیکر آیا۔ دوران گفتگو میں نواب نے فرمایا:-

"مجھے گمان تھا کہ انگریزی قوم میں سچائی اور وفا ہے۔ مگر آزمائش سے اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ وہ ان صفات سے معرّا ہے"

نواب نے اس سفارت کو بے نیل و مرام واپس کردیا۔

فتح چندر گیری چیتور ۱۷۸۱ء

ارکاٹ کے جشن شاہانہ سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی خاں نے میر معین الدین خاں کو چیتور روانہ کیا میر علی رضا خاں مضافات ارکاٹ پر قبضہ کرنے کیلئے اور شاہزادہ ٹیپو سلطان جنوبی قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے۔

میر معین الدین بخشی چیتور فتح کر کے چندر گیری کی طرف بڑھا جہاں نواب نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں عرف محفوظ خاں برادر نواب والا جاہ محمد علی مقیم تھا میر معین الدین بخشی نے عبدالوہاب خاں کو اطاعت کیلئے لکھدیا۔ اور ابھی اس کا جواب نہیں آیا تھا کہ ایک واقعہ پیش آگیا یعنی سواران حیدر علی قلعہ کی ایک جانب گھاس لکڑی جمع کرنے کے لئے مامور کردہ تھیں پھر رہے تھے کہ قلعہ دار نے جاسوس سمجھ کر ان پر فائر کا حکم دے دیا جب یہ خبر معین الدین کو پہنچی۔ تو اس نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ اور اتفاق سے دو گولے عبدالوہاب خاں کے حرم سرا میں گرے۔ مورخ نشان حیدری و حملات حیدری لکھتے ہیں کہ عبدالوہاب خاں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اور ادھر تمام عورتیں گھبرا گئیں۔ بیگم عبدالوہاب خاں نے میر معین الدین کو اطلاع دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو تو قلعہ حاضر ہے گولہ باری موقوف کی جائے۔

گولہ باری موقوف ہوئی۔ اور بیگم اپنے شوہر کو پالکی میں ڈالکر مع خواص و خدام میر معین الدین کے کیمپ میں آگئی۔ میر معین الدین قلعہ پر قبضہ کر کے اسیران جنگ کو نواب حیدر علی کے پاس لے آیا۔ جہاں سے انہیں سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان قلعہ ناہی منڈل اور کیلاس گڑھ فتح کرتے ہوئے سات گڑھ

کیطرف بڑھے جہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور اس کی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج تھی۔ مگر حیدری سپاہ کی شان سپہگری اور فتوحات دیکھ کر بغیر کسی لڑائی کے قلعہ ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھے۔ جہاں انگریزی فوج اور والا جاہی فوج متعین تھی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آمبور فتح ہو گیا۔

دوسری طرف حیدری افواج نے اپنے مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کوہ موکل کشن گڈھ، جنید گڈھ، تریناملے، علی آباد، کرناٹک گڈھ فتح کر لیئے۔

فتح آمبور کے بعد ٹیپو سلطان کو راوت اور نیلور پر قبضہ کرکے تیاگ گڈھ پر حملہ آور ہوتے جہاں انگریزی سپاہ متعین تھی چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اور قلعہ داروں کو اماں دیدی گئی۔ مگر قلعہ والوں نے ٹیپو سلطان کے کیمپ میں آکر غداری کی جس پر انہیں قتل کر دیا گیا۔ اور انگریز اسیروں کو سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔

نواب حیدر علی خود بھی اپنی فوج لیکر اطراف و اکناف میں قتل و غارت کرتے ہوئے ۲۰ اگست کو نواح مدراس میں پہنچے۔ انگریز خوفزدہ ہو کر قلعہ اور جہازوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ نواب حیدر علی خان کے فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ تمام ملک کرناٹک سوائے چند ساحلی مقامات کے حیدری فوجوں کے قبضہ میں تھا۔ وارن ہیسٹنگس کو جب یہ خبر ملی کہ پورا مدراس کا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے چلا گیا ہے۔ تو اس نے جنرل سر آئر کوٹ کو جس نے بنگال میں بہت ناموری پیدا کی تھی۔ بحری راستہ سے مدراس بھیجا۔

جنرل سر آئر کوٹ اور والاجاہ محمد علی کی گفتگو

جس وقت انگریزی جنرل سر آئر کوٹ مدراس پہنچا تو والا جاہ محمد علی اپنا قصر ارادۃ تہ کلکٹری چھوڑ کر قیال پیٹ میں بالکل پریشانی کی حالت میں قیام

کر رہا تھا۔ سر آئر کوٹ نے محمد علی سے اس کی فوجوں کے متعلق دریافت کیا۔ جس پر والا جاہ
نے جواب دیا کہ:۔

"میں نے انگریزی فوج کی حمایت کی توقع پر اپنی سپاہ کو موقوف کر دیا تھا۔ اور جو باقی
تھی۔ وہ اب حیدر علی کے قبضہ میں ہے"

کہا جاتا ہے کہ سر آئر کوٹ کو اس جواب پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا:۔

"بغیر فوج کے بادشاہت کرنا اور کاشتکاری لیکن بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں"

نواب محمد علی جاہ نے دو لاکھ ہون (چھ لاکھ روپیہ) جنرل کے سامنے پیش کئے
اور کہا کہ اب سوائے دو ہزار پیادے اور پانچسو سوار کے کوئی فوج نہیں ہے۔

جنرل سر آئر کوٹ نے اپنی سپاہ کے ساتھ نئی فوج بھی بھرتی کی۔ اور بعد اس کے نکلا۔
کرناٹک بالا اور اجڑا دا کم ہوتا ہوا کوہ مور کے دامن میں مقیم ہوا۔ کہ محمود بندر پر چڑھائی
کرے۔

ٹیپو سلطان نے اس عرصہ میں نظر بگٹ (ترچناپلی) اور تنجاور پر حملہ کر کے تمام ملک
کو فتح لیا اور یہاں فوجیں انکی فوجوں کا میجر بال کی متعینہ فوج سے مقابلہ ہو گیا چند دن
کی لڑائی کے بعد میجر بال کی فوج ہتھیار ڈال کر اسیر ہو گئی [illegible] پیچھے ہٹ گیا۔

حیدری فوج کی شکست

جنرل سر آئر کوٹ کوہ مور سے نکل کر واندی واش پہنچا۔
یہاں کپتان فلنٹ محصور تھا۔ انگریزوں کی اس نئی فوج
کے آتے ہی حیدری فوج محاصرہ اٹھا کر واندی واش پر سے ہو کے محمود بندر چلی گئی۔

جنرل کوٹ نے واندی واش پر قبضہ کر کے محمود بندر پر چڑھائی کی اس خبر کے سنتے
ہی نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان محمود بندر پہنچ گئے جہاں انگریزی اور حیدری افواج

میں ایک خونریز جنگ ہوئی۔ دوران جنگ میں سرآئرکوٹ کو معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی میدان
جنگ میں موجود ہیں۔ تو اس نے انگریزی جہازوں کو اس مقام پر گولہ باری کرنیکا حکم دیا
جس کی وجہ سے نواب دوسری جگہ ہٹ گئے اور اُن کے ہٹتے ہی انگریزی فوجوں نے سدراس
قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جس لڑائی میں میر علی رضا خاں پر ایک گولہ لگا جس سے وہ شہید ہو گئے۔ میر علی
رضا خاں کی لاش دفن کے لئے کرم شاہ ماتہ کو دی گئی۔ یہ پہلا وقت تھا کہ انگریزی
جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا۔ اور چونکہ حیدری فوج اس کا جواب نہیں دے سکتی تھی
اس لئے ان کا بہت نقصان ہوا۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو یہاں سے نکال
کر منڈی وام چلے گئے اور محمود بندر انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا۔

اب میدان جنگ کی یہ حالت تھی کہ انگریز اپنی فتح پر مسرور تھے مگر انہیں اس قدر
جرأت نہیں تھی کہ جہازوں کی پناہ چھوڑ کر اندرون ملک میں بڑھیں۔ اس لئے وہ بنگال
آنے والی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ بنگالہ سے کرنل گال اور اسٹورٹ کے تحت پانچ ہزار فوج
اور گولہ بارود کی ۲۴ کشتیاں آ گئیں۔ اس تازہ فوج کے آنے پر کرنل کوٹ اندرون ملک
میں قسمت آزمائی کے لئے نکلا اور اس وقت اس کے ہمراہ نواب الاجاہ محمد علی کا فرزند سیف الملوک
بھی تھا۔ جنرل کوٹ نے پولی پور میں اسی جگہ قیام کیا جہاں کرنل بیلی کو شکست ہوئی تھی۔ ٹیپو سلطان اور
حیدر علی بھی اپنی فوجیں لیکر آ گئے اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔

اس جنگ میں کرنل اسٹورٹ اور سیف الملوک زخمی ہو گئے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی
مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ انگریزوں کو اپنی تازہ دم فوج کی وجہ سے توقع تھی کہ حیدر علی کو شکست
ہو گی مگر نتیجہ انکے حسب خواہش نہ نکلا۔ دوسرے دن شہزادہ ٹیپو سلطان نے پیچھے سے انگریزی
فوجوں پر حملہ کیا جس کی وجہ سے انگریزی افواج پولی پور چھوڑ کر شولنگر کی طرف

بڑھیں۔ راستہ میں حیدری افواج سے چھوٹے چھوٹے مقابلے ہوئے جنہیں حیدر علی غالب آتے اور کبھی انگریز۔ جنرل کوٹ ۱۷۸۱ء میں شولنگھر پہنچا۔ جہاں حیدری فوج کے ایک دستے کو سخت شکست دیکر شولنگھر پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد اس کی فوجیں آرنی کی طرف بڑھیں۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ سیدی امام قلعہ دار نے سختی سے مدافعت کی مگر انگریزی فوجوں نے رات کے وقت شبخون مار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جس وقت نواب حیدر علی کو سقوط شولنگھر اور آرنی کی خبریں پہنچیں۔ تو ایک زبردست فوج سے وہ آرنی کی طرف بڑھے مگر اس سے پیشتر جنرل کوٹ محاصرہ کے خوف سے قلعہ خالی کرکے مدراس کی طرف ہوگیا تھا۔ کیونکہ ٹیپو سلطان نے راستے میں انگریزی سامان رسد جو مدراس سے آرہا تھا۔ لوٹ لیا تھا۔ مدراس پہنچکے جنرل کوٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنرل اسٹورٹ سپہ سالار بنا دیا گیا۔

مدراس گورنمنٹ میں ردوبدل ۱۷۸۱ء اس عرصہ میں انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارٹنی مدراس آگیا۔ اور چونکہ یورپ میں انگریزوں اور ڈچ والوں میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ اس لئے اس نے آتے ہی انگریزی افواج کو ڈچ علاقہ ناگ پٹم پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا۔ کرنل بریتھ وائیٹ کے ماتحت ایک زبردست فوج بھیجی گئی جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کرکے تلیچری پر چڑھائی کی۔ مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کاویری ندی کے قریب اس کو گھیر لیا۔ چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ انگریزی فوج قریب قریب ساری کٹ گئی۔ اور باقی رہی سہی اسیر ہوگئی۔ کرنل بریتھ وائیٹ بھی مقید ہوگیا۔

فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء ہندوستان میں فرانسیسی حیدر علی کی حمایت پر تھے۔ اور موجودہ جنگ کی ابتدا بھی انہیں

کو انگریزوں سے بچانے کیلئے ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ حیدر علی کی ملازمت میں مسٹر سیلو آلن کے علاوہ موسیو ڈی لالی بھی تھے۔ جنہوں نے فرانس کو یہاں کے حالات سے خبردار کر دیا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے مقبوضات بچانے کے لئے اور حیدر علی کی امداد کے خیال سے ایک جنگی جہازوں کا بیڑا بھیجدیا۔ جو امیر البحر سفرن کے ماتحت تھا۔

یہ بیڑا جسوقت خلیج بنگالہ میں آیا۔ تو اس کے اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو امیر البحر ہیوجز کے ماتحت تھا۔ جنگ چھڑ گئی۔ اور فرانسیسی متواتر غالب آتے۔ انگریزوں کا مدعا یہ تھا کہ فرانسیسی اپنے سپاہی ساحل پر اتارنے نہ پائیں مگر فرانسیسیوں نے محمود بندر پر اپنی فوج اتار دی۔

اب سمندر میں فرانسیسی جہازوں کے آجانے سے حیدر علی کی ہمت اور بڑھ گئی۔ اس سے پہلے انگریز ساحلی مقامات چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے تھے۔ ادھر حیدر علی کو محمود بندر کی لڑائی نے سبق دیدیا تھا۔ فرانسیسی سپاہ نے محمود بندر پر اتر کر چیدم برم اور تریپا کوئل پر قبضہ کرلیا۔ اس پر انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ جو جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی۔ اب حیدر علی بھی اپنی فوجوں کیساتھ کڈلور کی طرف بڑھے اسوقت سمندر میں فرانسیسی جہاز ان کی کمک کیلئے موجود تھے۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوئی جس میں انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ حیدری افواج خشکی پر سے حملہ کر رہی تھیں۔ اور فرانسیسی جہازوں پر سے گولے برسا رہے تھے۔ اس فتح کے بعد نواب حیدر علی نے اپنی فوجوں کو وانڈی واش اور سپاٹنکری پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود آرنی کی طرف بڑھے۔ آرنی کا قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد نواب بیمار ہو کر ارکاٹ میں مقیم ہو گئے۔

میدان جنگ کی حالت

سمندر میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑے ایکدوسرے

کے ساتھ برسرپیکار تھے۔ اور ادھر اُدھر حملے کرتے ہوئے پھر رہے تھے۔ ایک وقت فرانسیسی
بیڑے نے مدراس پہنچ کر گولہ باری بھی کی لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں
کڈلور سے واپس آکر مدراس میں جہازوں کی پناہ میں مقیم ہو گئیں۔ اسلئے کہ ساحل چھوڑ کر کھلے
میدان میں حیدری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اس کی خبر جب وارن ہیسٹنگس گورنر
جنرل کو پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوج جنرل پیرس کے ماتحت اڑیسہ اور شمالی سرکار
کے راستہ سے روانہ کی۔ وارن ہیسٹنگس نے حکمت عملی سے چھوٹے ناگپور کے راجہ کو جس کے
علاقہ میں اڑیسہ تھا۔ اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور راجہ کو راستہ دینے کے عوض میں سولہ لاکھ روپیہ کی
رقم دی گئی۔ یہ راجہ نانا فرنویس کا طرفدار تھا۔ جو اس وقت پونا میں انگریزوں سے برسر جنگ تھا
مگر اس کے دربار میں کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ نانا فرنویس کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا
بلکہ روپیہ لیکر ان کی فوجوں کے گذرنے کیلئے راستہ بھی دیدیا۔ تاہم انگریزی مورخین وارن ہیسٹنگس
کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے راجہ کو اپنے ساتھ ملا کر ہندوستان کو مرہٹوں سے
بچا لیا۔ اور جنوب میں بھی حیدر علی کے مقابلہ میں فوج بھیجنے کے قابل ہوا۔

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

جس وقت نواب حیدر علی ارکاٹ کے قریب نرسنگا
راین پیٹ میں مقیم تھے۔ تو ان کے مرض نے زور
پکڑا۔ نواب حیدر علی کو سرطان کا مرض تھا۔ پیٹھ کے پھوڑے نے تمام پیٹھ کو چھلنی کر دیا تھا۔
جراح و حکیم علاج سے عاجز آچکے تھے۔ مشیروں نے عرض کیا کہ آپ مہمات سے کنارہ کش ہو
کر آرام فرمائیں اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو طلب کرکے انتظام سپرد کر دیں۔ نواب حیدر علی نے
شہزادہ کے نام رقعہ لکھا۔ جو اس وقت ملیبار میں لڑائی میں مصروف تھا۔ کرناٹک میں نواب
کی مصروفیت کو دیکھ کر باشندگان کورگ اور ملیبار نے بغاوت کر دی تھی نواب نے میر مخدوم علی کو

کورگ پر روانہ کر دیا۔ جنہوں نے جاتے ہی بغاوت فرو کر دی مگر خود بھی ایک ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کامل طور پر دبا دیا۔ شہزادہ کو رقعے لکھنے کے بعد دوسری صبح ۷ دسمبر ۱۷۸۲ء میں نواب نے کل فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم دیا۔ اور فوج کے ساتھ محتاجوں کو بھی زر نقد اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

نواب حیدر علی خان کی آخری گھڑیاں

قریب شام کے نواب نے تاریخ دریافت فرمائی۔ معلوم ہوا کہ محرم کی چاند رات ہے تو آپ نے غسل کرانے کا حکم دیا۔ غسل کے بعد دوسرا لباس پہن کر کلمہ اور درود شریف پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسی وقت چند سرداران فوج کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچ ہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کیلئے روانہ فرمائی۔ اور اس کے چند ساعت بعد اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

یہ وہ شب تھی کہ ۱۱۹۵ھ رخصت اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز ہو رہا تھا اور انگریزی تاریخ ۷ دسمبر ۱۷۸۲ء تھی۔

امرائے سلطنت نے سلطان ٹیپو کی آمد تک نواب حیدر علی کی وفات کی خبر کا اظہار خلاف مصلحت ملکی سمجھ کر مخفی رکھتے ہوئے جنازہ خفیہ طور پر سرنگاپٹم بھیج دیا۔ جہاں انہیں گنبد میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شاعر نے

تاریخ وفات: "حیدر علی خان بہادر" کہی ہے

۱۱ ھ ۹۵

نواب حیدر علی خان کی وفات کا ہندوستان پر اثر

"نواب حیدر علی خان بہادر" کی بے وقت موت ہندوستان کیلئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور صدمہ جانکاہ بنی جس سے انگریزوں کے اُکھڑتے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔ نواب حیدر علی کے اُٹھنے کے ساتھ گویا ہندوستان کا اقبال بھی رخصت ہوا معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی شاید یہی منظور تھا کہ یہ ہندوستان جنت نشان اغیار کی طوق غلامی میں گرفتار ہو جائے۔

"نواب حیدر علی خان بہادر" جس زبردست شخصیت کے مالک تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پونا میں جو مرہٹے نانا فرنویس کے ماتحت انگریزوں سے لڑ رہے تھے اور یا وجود فاتح ہونے کے جس وقت "نواب حیدر علی خاں" کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے صلحنامہ سالبی پر جس کو وہ پہلے ٹھکرا چکے تھے اب سر اطاعت خم کر کے دستخط کر دیئے۔ نواب حیدر علی خان کی وفات کے وقت انگریزوں کی ہندوستان میں جو حالت تھی وہ مسلمان مؤرخین سے نہیں بلکہ انگریزی مؤرخین کی زبانی سنئے۔

مؤرخ سنکلیر لکھتا ہے :۔

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت اس سے زیادہ خطرے میں کبھی نہیں تھی بنگال پر ناگپور کا راجہ حملہ کرنیوالا تھا۔ وسطی ہندوستان میں نانا فرنویس کے ماتحت مرہٹے انگریزوں سے ایک کامیاب جنگ میں مصروف تھے۔ جنوب میں انگریزی فوجیں جہازوں کی پناہ لئے ہوئے ساحل مدراس پر مقیم تھیں۔ معلوم تو یہ ہو رہا تھا کہ انگریز فاکسا میں کوئی دم کے مہمان ہیں"

مؤرخ ڈی لافوسی لکھتا ہے :۔

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت انتہائی درجہ کمزور ہو گئی تھی۔ کہ حیدر علی کی وفات نے پھر انہیں سنبھال لیا"

اور ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کی وفات انگریزوں کی خوش قسمتی کا باعث تھی۔ اس کی وفات سے نہ صرف میسوریوں کو بلکہ مرہٹوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونیوالے ہیں۔ مگر اس کی وفات نے نانا فرنویس کو مایوس اور مجبور کر دیا کہ انگریزوں کی شرائط صلح پر دستخط کر دے"

ایک اور انگریزی مورخ کی زبانی سنیئے:۔

"قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ اس لیے حیدر علی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دیئے"

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی کا حتی استقرار ہو چکا تھا حیدر علی کی وفات نے انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم کچھ ہندوستان میں جما دیا۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہندو مؤرخین کا اعتراض ہے کہ حیدر علی نے نانا فرنویس کی اس تجویز کو جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے متعلق تھی انگریزوں پر ظاہر کر کے اپنی غداری و حب الوطنی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا۔ وہ اب نانا فرنویس کی عجلت پسندی اور فقدان سیاست کو بھی دیکھیں کہ ابھی میسور کی اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ اور حیدر علی کے بہادر فرزند ٹیپو سلطان نے ابھی جنگ جاری رکھی تھی۔ کہ نانا فرنویس نے انگریزوں سے دبکر صلح کر لی۔ نانا فرنویس ٹیپو سلطان کی شخصیت سے ناواقف نہیں تھا۔ حالیہ جنگ میں پلی اور بریتھ وائیٹ کی شکست سے سلطان کی شہرت تمام ہندوستان بلکہ انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔ اب یہ امر

لاحاصل ہے کہ ہم نانا فرنویس پر اعتراض کریں۔ یا انگریزوں کی سازشوں کا ماتم ہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کا محکوم بن کر رہنا مقدر تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انگریزوں کے قیام وثبات کی ایک صورت پیدا کردی۔

وفات حیدر علی کی تدفین

تاجدار میسور کی وفات کی خبر ملکی وجنگی مصلحتوں کی وجہ سے اس وقت تک مخفی رکھی گئی۔ جب تک ٹیپو سلطان بلیا سے نہ آگئے۔ سلطان کے آنے کے بعد جنازہ نہایت تزک واحتشام سے سرنگاپٹم بھیجا گیا۔ اور لال باغ میں دفن ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس جگہ ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا۔ اس وقت کے کسی شاعر نے تاریخ وفات لکھی ہے۔ جو گنبد کی غربی دیوار پر کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — اللہ محمد ابوبکر عمر عثمان علی فاطمہ

زہے گنبد گزشتہ کوہ بینا — فلک از بہر پیش بود در سجود

تو خواہی مہر و خورشید خوانش — فلک فارغ گردید از رشک او

بود شمسہ اش نور چشم فلک — قمر یافتہ نور تعلیم از او

تراوش کنان ابر رحمت بخاک — گرو بردہ از کوہ بیاں گرد او

سحر گہہ پے کسب فیض و شرف — گزشتم ازیں خواب گاہ نکو

چناں ایں مرصع تازہ آمد بچشم — نمودہ چو روحانیاں جست و جو

کہ ایں شاہ آسودہ راچیست نام — چہ تاریخ رحلت نوشت او

یکے زاں میاں گفت تاریخ و نام
کہ حیدر علیخاں بہادر بگو

۱۱ ھ ۹۵

نواب حیدر علی خان کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار

حلیہ، لباس و طرزِ گفتگو

نواب حیدر علی پورے گرانڈیل جوان تھے۔ قد چھ فٹ کا رنگ گندمی چہرہ پُر رعب، درشتی چستی و چالاکی کے آثار نمایاں تھے۔ داڑھی مونچھ اور ابروؤں کا صفایا کرتے تھے۔ لباس ہندوستانی سفید ململ یا شربتی کا جس کی آستین چست اور دامن فراخ تھا، پہنتے تھے۔ سر پر اونچا عمامہ باندھتے تھے۔ فوجی لباس ایک خاص طرح کا تھا اور تمام فوج میں یہی لباس رائج تھا۔ نواب کا لباس سفید اطلس کا ہوتا تھا جس میں سنہری گل بوٹے بنے ہوتے تھے پیلے مخمل کے موزے، سفید ریشمی کمربند اور سر پر زرکاری کی پگڑی ہوتی تھی۔ اکثر حیدر کی پگڑی ہی اتنی بڑی رہتی تھی کہ اُن کے سر سے چھجا سا بنا ہوا رہتا تھا۔

طرزِ گفتگو

حیدر علی بات چیت نہایت سہولت اور آسانی سے کیا کرتے۔ ہر شخص کی بات پوری سنتے۔ اور اس کا جواب دیتے۔ مذاق کی بھی عادت تھی۔ نواب کی مذاقیہ گفتگو کی شہرت اب تک میسور میں ہر جگہ ہے۔

زبان

حیدر علی کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مروجہ زبانیں یعنی دکھنی اردو، کنٹری، تمل، مرہٹی اور تلنگی میں بھی گفتگو کرتے تھے جس میں کنٹری کو بوجہ ملک میسور کی مروجہ زبان ہونے کے امتیاز حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں کچھ کچھ گفتگو کر لیتے تھے۔

دل و دماغ

نواب حیدر علی کی دماغی قوتیں ایسی تیز، دور رس اور قوی تھیں کہ ایک ہی وقت میں بہت سے کام سرانجام دیتے تھے۔ دربار میں کئی کئی منشی ایک ہی وقت میں عرضیاں سناتے، نواب سنتے جاتے اور دوسری طرف جواب اور احکام بھی دیتے تھے۔ ساتھ ساتھ کھیل تماشے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ ذہن اور حافظہ اس قدر تیز کہ بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ اور جس کسی کو ایکبار دیکھ لیتے پھر کبھی نہ بھولتے۔ اور اپنے ہر سپاہی کو پہچانتے تھے۔ جنگی و ملکی پیچیدہ مسائل اس قدر آسانی سے حل کر لیتے تھے کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ آپ بغیر سوچے بول رہے ہیں۔ میدان جنگ کے مختلف محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات جنگ بھیجتے تھے۔ گویا کہ موقع پر حاضر ہیں۔

موسیو ڈلیٹ لکھتا ہے:۔

"نواب حیدر علی خاں کے عزم بلند کا پلہ کسی طرح تیمور و نادر سے کم نہیں تھا۔"

ادب شناسی

شہنشاہ اکبر کی طرح نواب حیدر علی بھی اُمّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس لئے تمام فرامین و احکام جب لکھاتے تو دوسرے سے پڑھوا کر اپنی مہر جو انگوٹھی پر کندہ تھی چھاپ کر دیتے تھے۔ اور جس کاغذ پر دستخط کی ضرورت ہوتی۔ اس پر علاوہ مہر کے دستخط بھی کر دیتے۔ جو صرف لفظ "ح" تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ بعض لوگ مجھ کو اُمّی کہتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ میرے پیغمبر بھی اُمّی ہی تھے۔ باوجود بے علم ہونے کے اس قدر ادب شناس تھے کہ ان کی محفل میں خلاف ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ نواب حیدر علی کے فرامین اور خط و کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی ادب شناس نظر نے کس قدر بلند پایہ ادیبوں اور میر منشیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔

ملکداری

فرائض ملکداری پر پورا عبور حاصل تھا۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر ملک اور رعایا کے حالات دریافت فرماتے۔ وقائع نویسوں کو حکم تھا کہ جب عمال و حکام کے نقصانات انہیں ملیں تو بے خوف و بیباک حاضر ہو کر اپنا محضر پیش کریں۔ انگریزی مورخین کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کی حکومت میں پولیس کا انتظام اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور محاصل وصول کرنے کیلئے رعایا پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ظالم اور رشوت خوار عاملوں کو تازیانے سے پیٹتے تھے۔ تمام جنوبی ہند میں بہادری کو لیجئے بہادر حیدر علی کا ڈنکا مشہور ہے۔ فوج کی ساخت پرداخت میں خاص ملکہ تھا۔ سپاہیوں سے نہایت محبت تھی اور انکے آرام و آسائش کا اس قدر خیال رکھتے کہ انکے آرام میں اپنا آرام سمجھتے اور ان کی تکلیف کے ساتھ خود بھی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ اس لئے تمام فوج ہمیشہ جاں نثاری پر تیار رہتی تھی۔ اگر کوئی سپاہی ذرا بھی بہادری کا کام کرتا تو اس کو انعام دیتے اور اس کے ساتھ ہی سپاہیوں پر فوجی قانون کے مطابق نہایت سخت تاکید بھی رہتی کہ وہ ہر وقت اپنے کام پر مستعد رہیں یہی نہیں بلکہ رعایا کے کسی فرد سے بھی بہادری اور وفاداری ظاہر ہوتی تو انعام و اکرام دیا جاتا چنانچہ جس وقت انگریزوں سے پہلی جنگ ہوئی تو انگریزوں نے قلعہ کاٹ ہنا کا محاصرہ کیا اور سیڑھیاں لگا کر فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہاں حیدری فوج بہت کم تھی۔ اسلئے مدافعت میں رعایا نے بھی حصہ لیا جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ عورتوں نے چڑھنے والے انگریزی سپاہیوں پر فصیل قلعہ سے گرم گرم پانی جس میں گوبر گھولا ہوا تھا۔ ڈالنا شروع کیا۔ اور یہ کام انہوں نے اس مستعدی سے کیا کہ انگریزی سپاہی فصیل پر چڑھنے سے باز آگئے یہ خبر جب نواب تک پہنچی تو ٹیپو سلطان کی معرفت ان سب عورتوں کو طلائی کڑے اور

روپے بطور انعام بھیجے گئے۔

نواب حیدر علی کی کسانوں پر خاص توجہ تھی ہمیشہ ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کرتے لیکن غنیم کے حملوں کے وقت اپنے ملک کے سرسبز قطعات اور لہلہاتی ہوئی کھیتوں کو برباد کر دینے میں انہیں کوئی دریغ نہ ہوتا تھا۔ تاکہ دشمن کو سامان رسد نہ مل سکے۔ سوداگروں کی خوب آؤ بھگت کرتے اور باہر سے جو سوداگر ملک میں آتے۔ انکی خاطر تواضع حد درجہ کی کرتے۔ اور ان کی تمام جنس خرید کر دوبارہ ان کو اپنے ملک میں آنے کی ترغیب دلاتے۔

نواب کی اپنی سوار فوج پر بھی خاص توجہ تھی۔ اور نواب کی لڑائیوں میں کثرت اچانک دھاوے اور شبخون زیادہ ہوتے تھے۔ اس لئے فوج میں ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ نواب کے حکم سے میسور میں دو جگہ گھوڑے، بیل اور ہاتھیوں کے فارم (چراگاہ) کھلے ہوئے تھے۔ جہاں ان جانوروں کی نسل کشی اور پرورش ہوتی تھی اور یہی سلسلہ آج بھی ریاست میسور میں قائم ہے اور اس محکمہ کا نام میسور میں محکمہ "امرت محل" ہے۔ اس میں زیادہ تر گائے اور بیل رکھے جاتے ہیں۔ گھوڑوں کے لئے بھی ایک علیحدہ فارم قائم تھا۔

خوراک وہ خودمختار بادشاہ جس کی سلطنت کی وسعت اسی ہزار (۸۰۰۰۰) مربع میل سے زیادہ ہو۔ اور اس وقت کے تمام ہندوستان کے بادشاہوں سے بلحاظ وسعت ملک بڑھکر طاقتور ہو۔ اس کے دسترخوان کے متعلق تمام مورخین خاموش ہیں مگر مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایام جشن دسہرہ میں ان کا دسترخوان اس قدر وسیع ہوتا تھا کہ شاہان دہلی کے دسترخوان کا شک گذرتا تھا۔ ورنہ معمولی طور پر بالکل سادہ زندگی بسر کرتے تھے چونکہ بچپن سے طبیعت محنتی اور جفاکش تھی۔ اس لئے ہمیشہ غذا

بھی سادہ اور محدود تھی۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ ہر وقت تخت یا راگی کی سوکھی روٹی اور پانی پہ گذر ہوتا تھا۔ دوسرے وقتوں میں بھی دسترخوان پر راگی (ایک قسم کا غلہ جو میسور میں بکثرت ہوتا ہے اور عام لوگوں کی غذا ہے) کی روٹی ضرور ہوتی تھی۔

روزانہ مشاغل

نواب حیدر علی ہر صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے بیدار ہو کر گذشتہ دن اور رات کی ضروری اخبار سنتے۔ ذمہ دار افسروں کو اجازت تھی کہ جب کوئی بہت ہی ضروری خبر سنانی ہو تو رات اور دن میں کسی وقت حاضر ہو کر سنائیں۔ قریب آٹھ بجے دیوان خانہ میں تشریف فرما ہو کر خطوط اور عرضیاں سنتے اور انکے جواب لکھواتے اس سے فارغ ہو کر گھوڑے، ہاتھی اور شکاری چیتے وغیرہ ملاحظہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بعض خوبصورت چیتوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ اور انھیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور چیتے بھی نواب سے اس قدر مانوس تھے کہ نواب کو دیکھتے ہی کتوں کی طرح خوشی سے کودتے اور دم ہلاتے۔ ان چیتوں کو ڈور یکریشمے ہوئے رہتے۔ اور ان کے سروں پر ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جو رسی کے ایک ادنیٰ اشارے سے بوقت ضرورت آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ قریب دس بجے ناشتہ کر کے پھر دیوان خانہ میں آتے جہاں باہر کے آئے ہوئے سفیروں کو شرفِ باریابی بخشا جاتا۔ اس کے بعد دربارِ عام (نواب کا دربارِ عام ایک وسیع شامیانے میں ہوتا تھا) میں تشریف لاتے۔ یہاں فریادی بذاتِ خود پیش ہوتے اور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ ماتحت راجگان اور امراء کے وکیل اس دربار میں ضرور شامل رہتے تھے جب عرضیاں اور مقدمات کی سماعت ختم ہو جاتی تو تاجروں کو حضوری میں طلب کیا جاتا۔ اور ان میں بعض کو خصوصیت سے بیٹھنے کا حکم بھی ملتا۔ تاجروں کو پان دیکر رخصت کیا جاتا۔ یہ دربار قریب تین بجے کے ختم ہوتا جس کے بعد محل میں جاکر آرام کرتے۔ اور پھر پانچ بجے باہر

آکر فوج کا معائنہ فرماتے ہمنشینوں کو ہمیشہ ساتھ رہنے کا حکم تھا۔ یہاں بھی احکام صادر کئے جاتے جس کے بعد ہوا خوری کو جاتے تھے۔

رات کو رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی۔ اس میں عود و عنبر کی انگیٹھیاں سلگتیں۔ اور خوب روشنی کی جاتی۔ ان محفلوں میں امرا مصاحب اور امیرزادے بھی شامل ہوا کرتے تھے ان امیرزادوں میں سے چار امیرزادے کمربستہ مع شمشیر رہتے تھے۔ گیارہ بجے تک یہ جلسہ رہتا جس کے بعد محل میں تشریف لے جاتے۔

حیدر علی کے مشاغل زندگی میں یہ معمول صرف ان ایام کا ہے جبکہ وہ سرنگاپٹم میں رہتے تھے۔ ورنہ ان کی تمام زندگی جنگ اور سفر میں کٹی۔ سفر میں اکثر ہفتے میں دو دفعہ شیر چیتے اور ہرنا وغیرہ کے شکار کو جاتے۔ اور اس وقت ساتھ صرف نیزہ اور تلوار رکھتے تھے۔

جب حیدر علی کسی بڑی مہم سے فتح پاکر آتے تو جشن منایا جاتا جس میں شعرا قصائد پڑھتے اور انعام پاتے۔

عدل و انصاف

حیدر علی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری۔ ۱۷۶۶ء میں ایک دفعہ حیدر علی کوئمبتور میں ہوا خوری کیلئے نکلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کی کہ اس کی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عرضی بخشی بیگموں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں لگ گئی تھی۔ اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اس کی لڑکی چھین لی تھی۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی لڑکی کو طوائفوں میں سے بتایا اور اسی لئے پیش نہ کرنیکا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعہ دریافت کر کے حیدر شاہ کو دو سو کوڑے

نکالکر معزول کر دیا۔ اور آغا محمد کا سر قلم کر دیا گیا۔ کہ آئندہ جیت کوئی نہ ستائے۔ لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

نواب حیدر علی کی صولت وسطوت کا یہ حال تھا کہ شریر اور مفسدان کے نام سے کانپتے تھے۔ نواب نے خاص خاص جرموں کی سزا دینے کے لئے دو سو چپڑاسی ملازم رکھے تھے۔ جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا ہوتا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں امیر، غریب، سپاہی اور افسر سب برابر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو بھی حیدر علی نے اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے۔

شاہانِ مغلیہ کا طرز اور سرنگا پٹم میں رزم کے تماشے

نواب حیدر علی کے حکم سے آتشبازی کا تماشہ بھینسوں اور بیلوں کی لڑائیاں۔ ہاتھیوں کی باہم ٹکریں۔ پہلوانوں کی کشتیاں ہمیشہ سرِ شام محل کے روبرو ہوا کرتیں۔ فوج کے بہادر سپاہی زرہ بکتر پہنکر ریچھوں اور شیروں سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتے تو خلعت اور انعام کے علاوہ انکی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوتا اگر جانور غالب آنے والا معلوم ہوتا تو فوراً اسکی پیشانی پر گولی ماردی جاتی۔ ایسے وقت میں نواب ہر وقت بندوق ہاتھ میں لئے بیٹھتے تھے۔ اور گولی بھی وہی مارتے تھے۔

تاریخ ہند بتلاتی ہے کہ شاہانِ بیجاپور بھی ہاتھیوں کی باہم لڑائیاں اپنے یہاں رائج کی تھیں۔ مگر جس وقت یہ خبر شہنشاہِ ہندوستان شاہجہان کو پہونچی تو اس نے فوراً انکو بذریعہ بازپرس کی۔ کیونکہ یہ کھیل صرف شہنشاہِ ہندوستان ہی کے لئے زیبا سمجھا جاتا تھا۔ مگر نواب حیدر علی کے زمانے میں سلطنتِ دہلی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ اور ہندوستان بھر میں حیدر علی کے پایہ کا اور کوئی خود مختار زبردست بادشاہ نہیں تھا۔

اقوال

نواب حیدر علی کے مقولے کثرت سے لوگوں کی زبان پر ہیں مگر ان میں جو زیادہ مشہور اور تاریخی شہرت پا چکے ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) ایک بہادر آدمی میدانِ جنگ میں تن کے سر کا اچھلنا کودنا دیکھ کر قیس بسمل کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) توپ اور بندوق کی آواز آہنگ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

(۳) مردوں کی عمدہ نشست گاہ خانۂ زین ہے۔

(۴) لڑائی کے فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ کسی جشن سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۵) میرا پیغمبر صلعم بھی اُمّی، میں بھی اُمّی۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں، جو ہزاروں عالموں سے وقوع میں نہ آئیں۔

(۶) اگر مجھے مجھ ایسا ایک اور شخص مل جائے تو خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کر ڈالوں اور دنیا کو پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا نقشہ دکھا دوں۔

لونڈی بچہ

نواب ہمیشہ جب کسی کو پکارتے تو لونڈی بچہ پکارتے۔ ایک وقت ایک مصاحب نے عرض کی بادشاہوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلنا زیب نہیں دیتا۔ اس پر نواب نے اس مصاحب کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور تم اور جو کوئی بھی ہے۔ وہ تمام لونڈی بچے ہیں۔ بی بی بچے تو صرف دو ہی ہیں جن کا نام حسنینؓ ہے۔ بی بی تو وہی ایک ہوئیں جن کا نام حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہے۔ اور باقی تمام لونڈیاں ہیں۔

شجاعت اور بہادری

نواب حیدر علی یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ خوف و ہراس کیا چیز ہے مشکل سے مشکل امر میں بھی انہوں نے کبھی

ہمت نہیں ہاری۔ سرنگا پٹم میں جب راجہ کی سازش کی وجہ سے جان پر بن گئی تھی۔ تو تن تنہا دریائے کاویری میں کود کر بنگلور آ گئے تھے۔ تریمک راؤ کے مقابلہ میں جب کامل شکست ہو گئی تو سرنگا پٹم فرار ہو کر پھر فوج جمع کر کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ میدان جنگ میں شجاعت اور بہادری کا یہ حال تھا کہ صف دشمن میں گھس جانے سے کبھی خوف نہ کھاتے تھے۔ مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا۔ کہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ نواب پریشان خاطر ہیں۔ کڈپہ میں رات کے وقت جب افغان ان پر حملہ آور ہوئے تو نہایت اطمینان سے اپنے بستر پر تکئے رکھ کر چادر اڑھا دی تاکہ حملہ آور دل کو گمان نہ ہو۔ اور اس کے بعد خود باہر نکلے۔

فراست قیافہ شناسی نواب کو قیافہ شناسی میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا۔ انسان کو دیکھ کر اس کے ظرف و کم ظرفی پست نظری و بلند خیالی شجاعت اور بزدلی پہچان جاتے تھے۔ نواب حیدر علی تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے۔ ایک دن کسی فرمان پر نشان بنا رہے تھے۔ سامنے ایک شخص کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نواب حیدر علی تاڑ گئے۔ کہا کہ دستخط کو کیا دیکھتا ہے پیشانی دکھا کر کہا کہ یہاں دیکھو۔ لیکھ بیر سے چلے ہیں۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر ہو جائے)

غیر جانبداری اور مذہبی رواداری نواب حیدر علی خاں حد درجہ غیر متعصب تھے ان کی تمام زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مذہب کی بنا پر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض کیا ہو۔ ان کے مشیر وزراء اور فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں تھے مصنف حملات حیدری نے اپنی تاریخ میں بہت سے ہندوؤں کے نام لکھے ہیں جن میں قلعہ دار بھی ہیں۔ اور فوجی افسر بھی۔ وزراء میں

کشن راؤ اور پورنیا مشہور ہیں۔ حیدر علی کا پہلا پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ برہمن تھا جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے بعد اس منصب جلیلہ پر کئی ایک ہندو فائز ہوئے۔ سفارت کے اہم عہدوں پر بھی ہندو فائز تھے۔ نواب حیدر علی کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد تھا کہ سیاسی مجرم بھی ہندو پالیگاروں کے قلعے میں قید کیے جاتے تھے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دیئے گئے ہیں جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں مقید تھے۔ انگریزوں سے پہلی جنگ کے دوران میں مدراس سے دو انگریز پادریوں نے حیدری فوج میں گھس کر اپنے آپ کو فرانسیسی مشہور کر دیا اور نواب کی فرانسیسی فوج کے ملازموں کو ورغلانا شروع کیا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو صرف ان کے ظاہری لباس و تقدس کی بنا پر انہیں بجائے سزا دینے کے قید کر کے پانڈیچری روانہ کر دیا۔

رواداری کی مثالیں عام طور پر میسور میں ہر شخص کی زبان پر ہیں جس قدر قدیم مندر ملک میسور میں ہیں سب کی جاگیروں کو حیدر علی نے نہ صرف بحال رکھا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی انعامات دیئے۔ جن کی سندات مندروں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو بہت طویل ہوگی۔ یہاں صرف دو تین مثالیں دی جاتی ہیں جن کی سند کیلئے میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے سالانہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) دیون ہلی کے مندر میں جو ناقوس استعمال ہوتا ہے۔ وہ نواب حیدر علی کا عطیہ ہے۔

میسور آرکیولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۳ء

(۲) سرنگاپٹم میں سری رنگاناتھ کے مندر میں جو برتن استعمال ہوتے ہیں وہ حیدر علی کے دیئے ہوئے ہیں۔

(۳) سرنگیری کے مندر میں نواب حیدر علی کے لکھے ہوئے تین اسناد ملے ہیں۔ جو بطور ریکارڈ کے محفوظ ہیں۔ ان میں ایک وہ خط ہے جو نواب حیدر علی نے ۱۷۶۹ء میں سرنگیری کے گورو کو لکھا۔ اس خط

میں بعد ہدیۂ آداب وسلام کے نواب نے لکھا ہے:

"آپ نے بالاجی پنتیا اور وینکٹیش راؤ نیا کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے۔ اس سے آگاہی ہوئی آپ کی شخصیت واجب التعظیم اور آپ کا تقدس باعث برکت ہے۔ یہ ایک فطرتی بات ہے کہ ہر شخص کے دل میں آپ سے ملنے اور سعادت حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ صاحب رگھوناتھ راؤ پیشوا سے پونا آپ سے ملنا اور آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو انکے پاس بغرض ملاقات بھیجا جائے اس لئے میں اب آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پونا تشریف لیجا کر صاحب موصوف کی خواہش پوری کریں۔ آپکے اس سفر کیلئے ایک ہاتھی۔ ایک پالکی۔ پانچ گھوڑے اور پانچ اونٹوں کا انتظام کرادیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ دیوتا کیلئے زریں کپڑے۔ آپ کے علم ونشان) کیلئے پانچ ریشمی تھان۔ اور خاص آپ کیلئے دو خلعتیں اور ایک جوڑی شال بھی ارسال خدمت ہے۔ اخراجات سفر کیلئے ساڑھے دس ہزار روپیہ ارسال ہے۔"

اس خط میں حیدر علی نے اپنے نام کے ساتھ شروع میں "نواب" اور اخیر میں "خان بہادر" کا خطاب استعمال کیا ہے۔ یہ خط مطلا و مذہب ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

دوسرا خط جس میں تاریخ نہیں ہے سوامی ابھینو نرسمہا بھارتی کے نام ہے جسے سوامی جی کے خط و تحفوں کی وصولی لکھی ہوئی ہے۔ اس خط میں نواب حیدر علی نے گرو جی کو یقین دلایا ہے کہ مندر کے تمام جو انعام ہیں وہ بحال رکھے جائیں گے۔ اور ساتھ ہی درخواست کی گئی ہے کہ سوامی جی مندر میں جاکر اقامت کریں، اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ ارسال شدہ تحائف کو قبول کیا جائے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

تیسرا خط سنہ [illegible] کا ہے دراصل یہ ایک تکنامہ ہے جو تمالان جاگیر کے نام ہے۔ اس

میں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ سرینگیری مندر کی جاگیرات میں مندر کے ملازم اپنی جانب سے جو محصولات وصول کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس حکم نامہ کے عنوان پر نواب حیدر علی کی مہر اور سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ (میسور آرکیولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

سری رنگناتھ کا مندر

سرنگا پٹم کا سب سے بڑا مندر جو سری رنگناتھ جی کے مندر کے نام سے مشہور ہے نواب حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے تھیوسافیکل سوسائٹی جرنل مدراس اپریل ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۴۵۴ پر تحریر ہے۔

"۱۷۷۰ء میں قدیم الدین خاں نامی ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے بہت سی جانوں کے اتلاف کے علاوہ سری رنگناتھ کا مندر بھی جل کر تباہ ہو گیا۔ حیدر علی نے اس مندر کو دوبارہ تعمیر کیا۔" (امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا جلد نہم صفحہ ۷۷)

"بیلور میں گنگا سیوا کے مندر کا دھیانی قبہ حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔"

(امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا جلد پنجم صفحہ ۷۳)

رحم دلی نواب کی درشتی و سختی جس قدر مشہور ہے۔ اسی قدر ان کی رحمدلی بھی مشہور ہے محمد علی کمیدان جو سپہ سالار افواج حیدری تھا اور جس کے کارنامے ہم سوانح حیدری میں لکھ چکے ہیں۔ ایک وقت عہدہ سے اس لئے معزول کر دیا تھا کہ اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ خود اس کے دل میں نواب بننے کی خواہش تھی۔ حیدر علی نے اس کو معزول کر دیا مگر پھر چند دن کے بعد اس کو اس کے سابق عہدے پر بحال کر دیا۔

حیدر علی کی رحمدلی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکے حکم سے ہر بڑے شہر میں سرکاری خرچ پر ایک یتیم خانہ موجود تھا جہاں لاوارث بچے پرورش پاتے تھے جس کی نظیر اس زمانہ میں اور آجکل کی مہذب و متمدن سلطنتوں میں بھی نہیں ملتی۔ انگریزی مورخین نے ان یتیم خانوں

کے وجود کا اعتراف تو کیا ہے مگر اپنی روایتی تعصب پسندی سے یہ بھی لکھا ہے کہ ان تعلیم خانوں میں جو لڑکے پرورش پاتے تھے۔ وہ بڑے ہونے کے بعد فوج میں بھرتی کرلئے جاتے تھے۔

تعمیرات

نواب حیدر علی کو فن تعمیر قلعہ میں کامل دستگاہ تھی۔ ان کے بنائے ہوئے بہت سے قلعے موجود ہیں جب کوئی نیا قلعہ فتح ہوتا تو پھر اس کی درستی و تعمیر نواب کے حسب مرضی ہوتی تھی بنگلور، میسور، بلاری، چتلدرگ اور سرنگا پٹم کے قلعے نواب نے از سر نو تعمیر کرائے تھے۔ نواب حیدر علی کے فن تعمیر قلعہ کے متعلق انکے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ نواب کامل الفن تھے قلعہ بلاری کے متعلق انگریزی تاریخ میں مشہور ہے کہ ایک فرنچ انجینیر نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ نواب حیدر علی نے جس وقت اس قلعہ کا معائنہ فرمایا تو انہوں نے فرنچ انجینیر کو اس بنا پر پھانسی پر چڑھا دیا کہ جس پہاڑی پر قلعہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے ملی ہوئی اور ایک اونچی پہاڑی بھی تھی۔ جس پر غنیم کی فوج قابض ہو کر قلعہ والوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ انجینیر کو پھانسی پر چڑھانے کی روایت صرف چند انگریزی مورخین کی زبانی ہے۔ ورنہ دوسری تاریخوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ بہرطور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب حیدر علی کو اس فن میں کس قدر مہارت حاصل تھی۔ ان قلعوں کے ساتھ ساتھ حیدر علی نے بعض اہم مقامات مثلاً سرنگا پٹم، حیدر نگر، گرم کنڈہ، ڈنڈیگل وغیرہ میں توپ ڈھالنے اور بارود گولہ اور دوسرے ہتھیار بنانے کے کارخانے بھی قائم کئے تھے۔

چونکہ نواب حیدر علی کا اکیس سالہ عہد حکومت تمام تر لڑائیوں اور جنگوں میں گذرا۔ اس لئے نواب کی بنائی ہوئی مسجد یا عمارت سوائے دریا دولت باغ اور محل سلطانی کے کوئی نہیں۔ محل کا بہت سا حصہ ٹیپو سلطان نے بعد میں تعمیر کروایا۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ دریا دولت باغ میں جو تاریخی تصاویر دیواروں پر کھنچی ہوئی ہیں

وہ نواب حیدر علی کے حکم سے بنائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک تصویر میں کرنل بیلی کی شکست کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اور دوسری ایک کارٹون ہے جس میں میر نظام علی خاں نظام الملک کی دوستی و دشمنی دکھائی گئی ہے۔

اطاعتِ والدین

نواب حیدر علی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی اپنے سے بڑے خویش و اقارب کا ادب و لحاظ کرتے تھے ایک دفعہ جبکہ ۱۷۶۸ء میں انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ تو حیدر علی کی والدہ بیٹے کے دیکھنے کیلئے حیدر نگر سے پائیں گھاٹ کے میدانِ جنگ میں تشریف لائیں جس وقت حیدر علی کو خبر ہوئی تو نواب نے تین میل آگے تمام فوج کو دست بستہ کھڑا کر دیا۔ اور آپ شہزادہ ٹیپو سلطان اور کریم شاہ استقبال کو بڑھے جب ہاتھی قریب آ گیا۔ تو نواب اور شہزادے بیٹے بائیں جلو میں ساتھ ہوئے جب سواری فوج کے آگے آئی تو کل فوج نے نہایت تعظیم سے سلامی اتاری۔ والا بیگم کے جلو میں دو سو کنیزیں برقعے پہنے ہوئے عربی گھوڑوں اور گجراتی بیلوں پر سوار تھیں۔ دو ہاتھی کے پیچھے آٹھ رتھ تھے جن پر زرنگار پردے پڑے ہوئے تھے سواری کے آگے فرانسیسی سوار اور چھ سو نیزہ بردار اور پیچھے چار سو ہندوستانی سوار تھے۔ والا نواب بیگم دو روز قیام فرما کر جب واپس گئیں۔ تو نواب پھر اسی مقام تک ہمرکاب رہے جہاں پہلے استقبال کے لئے آئے تھے۔

تعلیم و تربیتِ اولاد

حیدر علی اگرچہ خواندہ نہ تھے مگر انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے نہایت اہتمام کیا تھا۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ امورِ جنگی و سیاسی کی تعلیم بھی دی تھی حیدر علی جنگوں میں ٹیپو سلطان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کو عالم طفلی سے بہت شوق تھا۔ اور وہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے ہی میں مصروف

عکس تحریر سلطانی

یہ عکس سلطان کے اقرار نامہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا ذکر حالات نواب حیدر علی میں آچکا ہے۔ غالبا یہ تحریر اس وقت کی ہے جب سلطان کی عمر ۱۷۰۱۶ سال کی تھی

نظر آتے تھے۔ حیدر علی کو جب ٹیپو سلطان کا یہ انہماک معلوم ہوا تو ایک دن انہوں نے کہا کہ

"جانِ پدر! سلطنت کیلئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔"

حیدر علی نے اپنے فرزند کو امورِ سلطنت میں ماہر کرنے کیلئے جس قسم کی تعلیم دی تھی اور سب کام مشورے سے کرنے کے متعلق جو ہدایات کی تھیں اس کی ایک جھلک اس اقرار نامہ سے ملتی ہے۔ جو باپ سے بیٹے نے کیا تھا۔

ٹیپو سلطان نے یہ اقرار نامہ اپنے قلم سے فارسی زبان میں لکھ دیا تھا۔ نیچے اسکا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

اقرار نامہ

(۱) بغیر مرضی مبارک حضرت خداوندِ نعمت کوئی کام نہیں کرونگا۔ اگر کروں تو جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۲) اگر سرکاری امور میں چوری یا غفلت کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۳) اگر جھوٹ بولوں یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۴) بغیر مرضی مبارک حضور کے کسی سے نقد یا کوئی اور چیز لوں تو میری ناک کاٹ کر شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵) سوائے امورِ سرکاری کے اگر میں کسی سے تکلم و کلام یا دغا بازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۶) اگر سرکار کی جانب سے مجھے کسی ملک کی حکومت تفویض کی جائے اور میرے ماتحت فوج رکھی جائے تو میں تمام متعلقہ امور ان لوگوں کے مشورے سے سرانجام دونگا جنہیں سرکار نے اس غرض کیلئے مقرر کیا ہے۔ اگر میں ان کے مشورہ کے بغیر اپنی رائے سے کام کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۷) اگر کبھی خط و کتابت یا تحریر و نوشت یا کوئی خط کسی جگہ سے آئے تو بجائے حضور کے معتمد

کردہ مشیروں کی صلاح کے کوئی کام نہیں کرونگا۔

(۷) یہ چند قلم اپنی رضامندی سے لکھ کر دے رہا ہوں۔ اور انکے مضمون کو دل میں بطور یادداشت رکھتا ہوا اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام ان دفعات کے مطابق کرونگا۔ اگر نہ کروں تو جو سزا چاہے دی جائے۔

نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحادِ اسلامی کی کوششیں

نواب حیدر علی اس قدر دوراندیش اور بلند نظر تھے کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری ان کے آپس کے نفاق کا باعث ہے۔ اس لیے حیدر علی نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم رہے۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ہر طرح کوشش کی چنانچہ جب کبھی الاجاہ محمد علی اور نظام الملک کی طرف سے ذرا بھی صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو آپ نے اتحاد بین المسلمین کے خیال سے فوراً صلح کر لی۔ جس کا ثبوت اسی کتاب کے گذشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے۔

بحری طاقت

حیدر علی کے کارناموں میں یقیناً سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ بندرگاہ منگلور پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف تجارت بلکہ ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہاں جہاز بنانے کا ایک کارخانہ قائم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگوں میں مصروفیت اور ہندوستانیوں کو جنگی جہازوں کی تعمیر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس شعبہ کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی وفات کے وقت ایک بڑا اور سات چھوٹے جہاز موجود تھے۔ اگر اس شعبہ کو ترقی ہوتی تو یقیناً میسور کی دوسری جنگ میں ان جہازات سے بہت مدد ملتی۔ اس سے قطع نظر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیدر علی کی بلند نظری کس قدر وسیع تھی۔ انگریزی مورخین نے حیدر علی کی تعریف میں سب سے بڑھ کر ان کے اسی کارنامہ کی تعریف کی ہے۔

نواب حیدرعلی کے متعلق مورخین کی آراء

تاریخ رُولرز آف انڈیا میں نواب حیدرعلی کی نسبت لکھا ہے :۔

حیدرعلی کو تمام جانوروں میں شیر زیادہ نہایت پسند تھا۔ حیدرعلی میں بھی یہی صفات موجود تھیں۔ ان میں شیرزہ کی سی شجاعت و بہادری موجود تھی۔ اور جیسے طرح جانوروں میں سے شیرزہ کی صفات میں خوبصورتی اور فطرت میں شرافت موجود ہے حیدرعلی میں بھی موجود تھی۔ اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حیدرعلی ہندوستان کا شیرزہ تھا۔

بہت سی باتوں میں وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنے وقت میں دوسروں سے اپنے آپ کو برتر و فائق ثابت کیا۔ اور خصوصاً اس کی سچائی اور معاملات میں راستی نے اس کو ممتاز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدرعلی سے بڑھکر طاقتور رقیب اور کوئی نہیں ملا۔ حیدرعلی کی فراست اور دانائی کا اس سے بڑھکر اور کوئی ثبوت ہی نہیں ہوسکتا۔ کہ حیدرعلی نے ہندوستان کی اصلی کمزوری کا راز پہچان لیا تھا یعنے یہ کہ خشکی پر قبضہ رکھنے کیلئے بحری طاقت کی ہندوستان کو سخت ضرورت ہے جس کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان کے ساحل غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اسلئے اس نے ایک بحری طاقت کی بنیاد رکھی۔ حیدرعلی کے پیش نظر دو خاص مقاصد تھے۔ انمیں سے ایک یہ ہے کہ ایک زبردست بحری طاقت قائم کی جائے اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی شہنشاہیت قائم ہو۔ پہلے مقصد میں حیدرعلی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی جتنی کہ دوسرے میں چنانچہ بیس سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ایک ایسی سلطنت اور

شہرت حاصل کرلی جس کی وجہ سے آج بھی لوگ اسکے نام کی تعریف و توصیف و تعظیم کرتے ہیں۔

حقیقت میں حیدر علی نے ایک ایسی وسیع اور زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی جو اسّی ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی اور انکے ماتحت کئی نواب اور راجے خراجگذار تھے۔ اور اس لحاظ سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو نواب حیدر علی ایک بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ تھے (چونکہ حیدر علی کے نام کے ساتھ نواب عام طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اپنی تاریخ میں حیدر علی کو نواب کے خطاب ہی سے منسوب کیا ہے)

ایک ہندو مورخ اپنی تاریخ میں جو انگریزی زبان میں ہے لکھتا ہے :-

"انگریزوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کیلئے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھے، اور سکھوں سے کئی مشہور معرکے اور بہت لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اگر کوئی طاقتور دشمن انہیں ملا تو وہ حیدر علی تھا جس کو انگریز شکست نہ دے سکے جنگ لڑنے سے علاوہ اس نے اپنی بہادری کا سکہ انکے دل پر بٹھا دیا۔ اس کا مدراس کا مشہور معرکہ ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ مدت العمر یاد رہیگا۔ مگر اسکے ساتھ ہی اسکے دل میں اس قدر رحم اور مروت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہیں کیا جو اس کیلئے ایک آسان بات تھی، اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان میں اسی وقت انگریزوں کا خاتمہ تھا۔ اس کے بعد کی جنگ میں بھی اس کو اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے مگر قسمت ہندوستان کے خلاف تھی حیدر علی کی وفات انگریزوں اور مرہٹوں کیلئے ایک نقصان عظیم کا باعث ہوئی اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار رکھ کر انگریزوں سے بمقام سالبی

انگریزی نشر اثنا پر صلح کرلی۔

حیدر علی اگرچہ ایک جاہل مسلمان اور زبردست سپاہی تھا مگر مذہبی تعصب سے
بالکل مبرا تھا۔ وہ ایک مادر زاد سپاہی اور ایک عمدہ شہسوار تھا حیدر علی کی زندگی
میں اس کے مقابل کا کوئی جرنیل ہندوستان میں پیدا نہیں نکلا۔ بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا
ہے کہ دنیا میں بھی اس پایہ کے لوگ بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ حیدر علی ہی صرف ہندوستانی
بادشاہ تھا جس نے اپنے ملک کی مدافعت کیلئے بحری طاقت قائم کی۔"

پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم آیا تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کا محل ہندوستانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے محل کے آگے ایک وسیع
میدان ہے۔ اور محل کے دونوں طرف متعلقہ کمرے ہیں سلطنت کے دفاتر ہیں۔ یہاں
شاہانہ سطوت حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ باقاعدگی اور سلیقہ شعاری کی حکومت ہے
سزا دینے کیلئے دو سو نفری ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اور ان کے ہاتھ میں تازیانے ہیں اور
وہ شہر ہوتے جب میں حیدر علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس نے تقریباً ایک
چوبدار کی چٹھیاں پڑھیں۔ اور جواب لکھوایا۔ اس کو یہ پرواہ بھی نہیں تھی کہ لوگوں کا
مذہب کیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو اپنی خواہش اور عقیدے پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح
سے شام تک کام میں منہمک رہتا۔ گویا کہ وقت اور کام کا غلام ہے۔ ہر ایک کام پر خود کڑی
ہی چھوڑتا ہے۔ خود ہی نگرانی رکھتا۔ یہاں تک کہ شہیدوں کیلئے رسیاں ہیں یا نہیں۔ وہ
بھی خود ہی دیکھتا۔"

نوٹ:۔ پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم میں خاص سفیر کی حیثیت سے آیا تھا۔ اور [illegible]
واپس جا کر مدراس کی [illegible] کی جانب سے ایجنٹ کے طور پر [illegible]

اس معاہدہ کی تفصیل کتاب ست انڈر ٹیلیز میں موجود ہے۔ اور تشو اٹیز کے دستخط بھی۔ اس سازش کا ذکر "سلطنتِ خداداد کے خلاف سازش" کے عنوان کے تحت کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

حیدر علی کے مظالم کی داستان

انگریزی مورخین نے نواب حیدر علی کو جو بے رحم اور ظالم مشہور کر رکھا ہے۔ اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کرناٹک نواب کے ہاتھوں سے اجڑ گیا تھا بلکہ ان کو نواب پر اس لئے غصہ ہے کہ انگریزی اسیروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا تھا۔ اور ان کے ختنہ کر کے ان کو مسلمان بنا لیا گیا تھا۔ اور پھر اس کے ثبوت میں جو کتابیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک مسٹر بچہ ہرسٹ کی کتاب میموئرس آف دی لیٹ وار۔ اور دوسری جیمس سکری کی اسیری کے حالات ہیں۔ یہ کتاب لندن میں ۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی۔

بچہ ہرسٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"ہمارا قید خانہ میسور کے کسن راجہ کے محل کے قریب تھا۔ محل کے سامنے میدان کے مشرقی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کی چھت پر چڑھ کر دیکھ سکتے تھے مگر ان کی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ یہاں ہم نے ۱۷۸۲ء کو دسہرہ کا تماشہ دیکھا جبکہ میسور کا راجہ تخت پر بیٹھا ہوا دسہرے کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے۔ جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں مقید تھا۔ جہاں ... اور ... دوسری جگہ تھے۔ عام سپاہیوں کو علیحدہ ایک برج کے کمرہ میں قید کیا گیا تھا۔ اس طرح شہر کے مختلف حصوں میں قید خانے تھے۔ ہمارا قید خانہ دراصل ایک گھر تھا۔

جس میں ایک فراخ صحن تھا اور اس کے گرد اٹھارہ فیٹ کی مٹی کی بنی ہوئی چار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جو ان پر متعین تھے۔ ایک دوسرے کو پیغام بھیجتے تھے۔ ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے کیلئے متعین تھا۔ اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسے بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں ڈال کر رکھا جاتا تھا۔ بیمار ہونے پر سوائے معمولی بازاری ادویات کے دوسری کوئی خاص دوائیاں نہیں دی جاتی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کیلئے کتابیں میسر نہیں تھیں۔ ہم اپنا فرنیچر (پلنگ کرسی وغیرہ) خود بنا لیتے تھے۔ بیلی اور جنرل میتھوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں مر گئے۔ فریزر، رمٹی اور سمپسن ان تینوں افسروں کو مسلمان بنا کر قتل کر دیا گیا۔ سامنے کے واں ہم کو سخت خوف رہتا کہ کہیں ہم کو بھی مسلمان بنا کر ملازمت میں داخل نہ کر لیا جائے۔ قیدخانہ کا افسر سید ابراہیم قیدیوں پر بہت مہربان تھا۔ یہ شخص کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کی ملازمت میں تھا مگر ہمارے متعلق سلطان کی کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ سید ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کی اس وفاداری کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا مزار تعمیر کیا۔ اور اس کو عمدہ حالت میں رکھا۔

(نوٹ: سید ابراہیم کی قبر جو پٹن میں عاقل شاہ کے مقبرے کے قریب واقع ہے۔ اس پر ایک سادہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ہم اس قید کی حالت میں دن گزار رہے تھے۔ کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے آکر ہم کو خوشخبری سنائی۔ کہ سلطان اور کمپنی میں صلح ہو گئی ہے۔

اور ہم کو رہا کر دیئے جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر ہم نے جو کچھ پیسہ ہمارے پاس تھا جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اس خوشی میں ہم کو نیند نہیں آئی صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا ہم ایک پر ایک گر پڑتے تھے۔ کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں، یہاں تک کہ ہم جو بالکل دوست بنے ہوئے تھے بیڑیاں جلد کٹانے کیلئے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ آخرکار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں۔ جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لیجایا گیا میدان سے گذرتے وقت ہم نے بہت سے یوروپین لڑکوں کو دیکھا۔ جن کو ختنہ کر کے مسلمان کیا گیا تھا ہم نے ان سے کہا کہ مدراس پہونچکر ان کی رہائی کی تجویز کرینگے محل میں ہمارے نام لکھکر ہم کو کرنل پرپیٹ وائٹھ کے قیدخانہ میں بھیجدیا گیا۔ شام تک تمام یوروپین یہاں جمع ہو گئے۔ اور ہم قلعہ سے نکل کر سومنات پیٹ پہنچے۔ جو دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم کو یہاں اجازت دی گئی۔ کہ بازار دیکھیں۔ اور دریائے کاویری میں غسل کریں۔ اگرچہ ہماری بیڑیاں کٹ چکی تھیں مگر ہمارے ہاتھ پیر جواب دے رہے تھے۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آزادی کے ساتھ ہاتھ پیر استعمال کرنے کے لئے ہم کو ایک عرصہ لگا۔ ہماری رفتار دیکھکر ہمیں خود ہنسی آرہی تھی"۔

جیمس اسکری کی کتاب کا اقتباس:۔

"ہمارا جہاز "ہنی بال" فرانسیسیوں کے ہاتھ آگیا۔ امیرالبحر سفرن نے جون ۱۷۸۲ء میں ہم کو کڈلور میں حیدرعلی کے افسروں کے حوالے کر دیا قیدیوں میں بعض لڑکے بھی تھے۔ یہاں ان لڑکوں کے ختنہ کر کے انکے کانوں میں بالیاں ڈالی گئیں۔ ان کو قواعد

سکھانے پر سرجن ڈمپسٹر مقرر ہوا۔ جو کمپنی کا ایک مفرور سپاہی تھا۔ قیدیوں کی جملہ تعداد ایک سو تھی۔ ہم اس اسیری میں دس سال تک رہے۔ ہماری طویل اسیری درحقیقت ان انگریزی کمشنروں کی غلطی ہے جنہوں نے صلح کے وقت ہماری رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔

یہیں سرنگاپٹم لاکر فوجوں میں بھرتی کر لیا گیا میرے چار ساتھیوں کو چیلہ گرے کی فوج میں کام کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہاں سے ہم فرار ہو کر سرحد پر پہونچے۔ اس وقت ہمارے جسم پر سلطانی فوج کی وردی، ٹوپی، ببری کپڑے کی قمیص اور کمبل تھی۔ سرحد پار ہو کر ہم ڈاکٹر فیل کے گھر پہنچے۔ یہاں ہم نے اس کو اپنا حال سنایا۔"

جیمس اسکری کے حالات کا مصنف لکھتا ہے:۔

"جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں شہر پلپلی موتھ میں اس نے ایک دوکان کھولی تھی مصنف کتاب لکھتا ہے۔ کہ جیمس دوکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھرا کرتا تھا۔ کہ کاش پھر اس کو سرنگاپٹم کی قید نصیب ہو۔ اس کتاب میں سرنگاپٹم میں شام کے وقت جو کھیل تماشے ہوتے تھے۔ ان کا حال بھی مفصل حال درج ہے۔

اسی کتاب میں اسکری کی زبانی مصنف لکھتا ہے کہ کس طرح سرنگاپٹم میں انگریز لڑکوں کی شادی ہوتی۔ سلطان کا مقصد شاید یہ تھا۔ کہ اگر ان لوگوں کی شادی ہو جائے تو وہ ملک میں مقیم ہو جائیں گے۔ کرناٹک کے حملوں میں بیشمار لڑکیاں حیدر علی کے ہاتھ لگی تھیں۔ جن میں سے چند لڑکیوں کو ہمارے لئے بھیجا گیا تھا انتخاب کا

طریقہ یہ تھا کہ لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ اور ان کی پشت پہ
ہمیں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ وارڈ نے حکم دیا کہ دونوں صفیں ایک ساتھ بیٹھیں۔
اور جو مقابل ہو لے لیں۔ اس طرح ہر ایک کے حصہ میں چار و ناچار ایک لڑکی آئی۔
ہم کو اس کے بعد صندوق پلنگ وغیرہ دیا۔ اور ہم کو حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں کو لیکر
اپنی اپنی رہائش گاہ پر چلے جائیں۔ ہمیں آسائش گاہ کو جانے کیلئے بازار میں سے
گذرنا ہوتا تھا۔ یہاں لوگوں کا ہجوم اس کثرت سے تھا کہ لڑکیوں میں خلط ملط
ہو گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ مقام پر پہنچنے پر ایک کی عورت دوسرے کے قبضہ
میں تھی۔ اس طرح سے حضرت آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی ایکدوسرے
سے لڑیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دشمن ہمارے اس طریق سے خوش ہیں۔
دو ماہ کے بعد ایک قاضی نے آکر ہمارا نکاح کیا۔ جمیں عسکری اپنی عورت کے
متعلق کہتا ہے کہ وہ کارکاٹ کی ایک خوبرو لڑکی تھی۔ جو میری عزت اور تمام مصائب
میں وفاداری کے ساتھ رہی۔ ہماری رجمنٹ کو جس وقت چنڈ رنگ سے دوسری
جگہ جانے کا حکم ملا تو میں اور میرے چار ساتھیوں نے فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔ حکم
شام کے وقت آیا تھا۔ میدان میں سپاہی جمع ہو رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے میرا
نام (شمسو خاں) لیکر پکارا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میں اپنی عورت اور بچے کی صورت
کو آخری دفعہ دیکھ رہا تھا۔ میری صورت اور میری حالت سے اس کو کچھ شبہ
پیدا ہو گیا۔ اور وہ ایک قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ مجھ کو دیکھ رہی
تھی مجھ سے مختلف سوالات پوچھ رہی تھی۔ جن کا مجھ سے جواب نہیں آتا تھا میں
نہیں چاہتا تھا کہ جدائی کا لفظ منہ سے نکالوں۔ بغیر بات کئے ہوئے میں باہر آگیا۔

اور ہم قسمت سے رہا ہوکر انگریزی علاقہ میں آ گئے۔"

(نوٹ:۔ مذکورۂ بالا دونوں مضامین کتاب "سیج آف سرنگاپٹم" محاصرۂ سرنگاپٹم سے لئے گئے ہیں)

یہ ہیں وہ مظالم جن کی بنا پر حیدر علی اور سلطان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کے مقابلات یہی قیدی جب تک فرانسیسیوں کی قید میں تھے۔ اور ان کی جو حالت تھی۔ وہ اسی جیمس اسکری کی زبانی سنئے:۔

کپتان اسکری اپنی کتاب "اسکریس کیپٹیویٹی" میں لکھتا ہے:۔

"ہم لوگوں نے ایک مدت تک فرانسیسیوں کی قید میں جس طرح کی اذیتیں پائیں۔ آخر ان سنگدلوں نے ہماری قوم کے اسیروں کو جو تعداد میں پانچ سو تھے کئی جہازوں پر سوار کر دیا۔ چھ ماہ کے بعد یہ سب ہم قلعہ کڈلور میں پہنچے۔ جب یہاں کچھ دن گذر گئے تو ہم کو جنیرم جو نواب کے قلعہ جات میں خاص استحکام رکھتا ہے۔ لے گئے۔ وہاں اس قلعہ کے درمیان ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جا بجا سینکڑوں آدمی بحال تباہ پڑے ہوئے مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر مارے بھوک کے ایسی حالت میں تھے۔ کہ اگر کسی مقام پر ایک سوکھی ہڈی کہیں پڑی دیکھتے تو اس کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے تھے۔ کیونکہ ہم لوگوں کی یہاں یہ تھی کہ تھوڑا کھانے کا گوشت، اور موٹے چاول کھانے کو ملتے۔ اسی غذا و شوربہ تپین کا باعث تھا۔ جو بیماری کے ساتھ کے اکثر آدمی مر و کر ہو گئے۔ اور اکثر تپ دق والوں کو ہم نے دیکھا کہ گنٹھیا مجبور کے تشنج میں ان کے اعضا اکڑ گئے۔ خدایا فرانسیسیوں کو انگریزوں سے ایسی کیا عداوت تھی۔ کہ ہم سب کو اپنے ظالموں کے حوالے کر دیا۔ کپتان اسکری کہتا ہے کہ جب ہم تریپ

دو ماہ کے اس مقام پر رہے۔ تو ہم میں سے ۱۹ آدمیوں نے لفٹنٹ ولسن کے ہمراہ بھاگنے کا قصد کیا۔ اور ایک رات ہم کئی کمبلوں کی رسّی بنا کر اس کے سہارے سے حصار کے باہر نکل گئے۔ ہم کو کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ہم رات بھر بھاگ کر کہاں پہنچے لیکن صبح ہوتے ہی ہم سب گرفتار کر کے واپس لائے گئے۔ ایک شخص ندی میں ڈوب کر مر گیا۔ باقی ۱۹ پھر وہیں آ گئے۔ لفٹنٹ ولسن کو ننگا کر کے املی کی ایک چھڑی سے سخت سزا دی گئی۔ باقی لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ بعد وہاں کے ہم کو ایک مستحکم زندان میں لے گئے۔ جہاں ہماری پنڈلیاں چھید کر آہنی بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور ہمارے پاسبانوں کی تعداد دو چند کر دی گئی۔ دو مہینے کے بعد حیدر علی نے حکم بھیجا کہ ہمیں بنگلور لے جایا جائے۔"

حیدر علی پر ایک نظر باز گشت

یوں تو ہندوستان کی خاک سے بہت سے نامور شہنشاہ اور جلیل القدر فاتح پیدا ہوئے لیکن حیدر علی کی زندگی کے حالات ان سے بہت مختلف ہیں بیشک وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جب ایک جری انسان اپنی تلوار سے کام لیکر اپنے لئے دولت ثروت بلکہ تاج و تخت بھی پیدا کرسکتا تھا مگر حیدر علی نے جن مصائب و آفات میں گھر کر ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کی مثال کم از کم ہندوستان میں تو نہیں مل سکتی۔ اسکی پشت پر کوئی ایسی خاندانی روایات نہیں تھیں جو لوگوں کو اس کا گرویدہ کرتیں۔ یا دولت و امارت نہیں تھی کہ لوگ خود بخود اسکی طرف کھنچ کر آتے۔ اس کا آغاز ایک معمولی آغاز تھا۔ ملازمت کے سلسلے میں اگرچہ وہ سپہ سالار کے عہدہ تک پہونچ گیا تھا لیکن کبھی اس کو یہ خیال تک پیدا نہ ہوا کہ اپنے آقائے نعمت سے غداری کرے۔ اگر اس زمانہ میں جبکہ دیسی راجہ ہوا تھا یا جب بیٹوں پر فتح پاکر انہیں ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اپنے استقلال کی کوشش کرے تو اس کے لئے بہت سی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں۔ اور اس کا شمار بھی ان غداروں میں ہوتا جن کے حالات سے تاریخ ہند لبریز نظر آتی ہے یہ ایک حیرتناک امر ہے کہ وہ اسی وقت اپنے استقلال کی کوشش کرتا ہے کہ جب مصائب و آفات کی گھنگھور گھٹائیں اسکی زندگی پر ہر طرح چھا جاتی ہیں۔ اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ وہ جن سے نیک سلوک اور اپنی وفاداری کے صلہ کی توقع رکھتا ہے۔ وہی لوگ اس کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں یہی وہ وقت ہے کہ اس کا اصلی جوہر ظاہر ہوتا ہے

اس کے بے مثل تدبر کو حرکت ہوتی ہے۔ آزاد ہو کر وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے لیکن یہ انتقام وہ ذلیل انتقام نہیں ہوتا جس کی مثالیں ادنیٰ دل و دماغ والوں میں بآسانی سے مل سکتی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک بہادر تھا۔ اور ایک بہادر انسان اپنے دشمن سے جو سلوک کرتا ہے۔ وہی سلوک اس نے اپنے دشمن سے کیا۔

ان ابتدائی مشکلات سے نپٹ لینے کے بعد حیدر علی جیسی دل و دماغ والی شخصیت کے لیئے راجہ میسور کی چھوٹی سی راجدھانی پر قانع رہنا ایک ناممکن امر تھا۔ اس نے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر نظر رکھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت ختم ہو چکی تھی۔ اور ملک پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ ایک طرف تو مرہٹی طوفان برق و باد بنکر مسلمانوں کے خرمن ہستی پر چھا رہا تھا تو دوسری طرف مغربی قومیں اپنی عیاری و مکاری کا جال بچھا کر تمام ملک کو اپنے تسلط میں لانا چاہتی تھیں۔

ایسے وقت میں حیدر علی ایک آہنی عزم لیکر اٹھا۔ اس کی نظر میں مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ابنائے ملک کی فلاح و بہبودی بھی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے اس نے اپنی ذات کو وقف کر دیا لیکن ملک کی بدبختی اور مسلمانوں کے طالع کی خرابی سے نہ صرف ابنائے وطن بلکہ اس کے خاص ہم مذہبوں کو بھی اس کا دشمن بنا دیا۔ مرہٹوں کو گوارا نہیں تھا کہ حیدر علی کو عروج حاصل ہو۔ ارکاٹ اور حیدرآباد کو منظور نہیں تھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ ان کی سیاست بالکل سطحی تھی۔ انکے دل و دماغ خود غرضی سے ماؤف ہو چکے تھے۔ نہیں ملک کے مستقبل کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ الیسٹ انڈیا کمپنی تھی جس کو حیدر علی کے عروج میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس لیئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اسکا اکیس سالہ عہد حکومت ہمیشہ میدان جنگ میں گذرا۔

اس کو اپنی وفات تک ہمیشہ دشمنوں سے برسرپیکار رہنا پڑا۔ بلکہ اس کی موت تک میدانِ جنگ
ہی میں ہوئی۔ وہ اگر دولت و امارت چاہتا یا عیش و عشرت اس کا مقصود ہوتا تو اس کیلئے
میسور کی راجدھانی جس پر وہ قبضہ کر چکا تھا۔ کافی تھی۔ لیکن ہندوستان کی
آزادی کی تڑپ، اور مسلمانوں کی سربلندی کی آرزو نے اسکو آمادہ کیا۔ کہ حصولِ مقصد کیلئے
ہمیشہ سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے۔ اور یہ بہادر سپاہی اس سے ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں جھجکا۔
۱۷۶۱ء سے ۱۷۸۲ء تک اگر حیدر علی کی زندگی پر نظر دوڑائی جائے۔ تو اس کو کسی
ایک سال میں بھی آرام اور چین کی زندگی میسر نہیں ہوئی۔ ۲۱ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی
تھی جس میں اسکو کامیابی و ناکامی اور فتح و شکست سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا۔ ارکاٹ و
حیدرآباد کے مسلمان، پونا کے مرہٹے، مدراس کے انگریز اور خاص میسور اور اس کے
اطراف کے پالیگار، کرنپہ، کرنول اور سانور کے نواب۔ ان میں سے کوئی نہیں تھا
جو حیدر علی کا دوست ہوتا۔ مگر اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی یا سخت جانی اور اسکے
بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود بھی ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی
جو ملک و ملت کی آزادی کی ضامن تھی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت
مسلمانوں اور ہندوستانی ملک کے لئے چھوڑی جس کا رقبہ اسّی ہزار (میل) اور اس کی حدود
دھارواڑ سے لیکر تراونکور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے نزدیک تلوار کے دبدبہ و قلم ایک بے
معنی شے تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ "اگر مجھے اپنے جیسا ایک اور شخص مل جائے تو میں دنیا کو
فتوحاتِ فاروقی (رضی) کا نقشہ دکھا دوں" وہ اُمّی محض تھا۔ لیکن اس کے تدبر سیاست دانی
و بیدار مغزی کا لوہا دوست و دشمن دونوں مان چکے تھے۔ موت کا بے رحم ہاتھ یا ملک
کی بدقسمتی ۱۷۸۲ء میں اس کا اگر خاتمہ نہ کر دیتی تو یقیناً ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

وہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں۔ اس کو اس بات سے
آگاہی تھی کہ مغرب کا تفوق مشرق پر صرف بحری طاقت کی وجہ سے ہے۔ مغرب سے مشرق کو
آنے کے لئے راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) کا راستہ اسلامی ممالک کے تمدن، تجارت اور
خوشحالی پر ایک کاری ضرب لگا چکا ہے۔ اس لئے کہ جو تجارت مغرب کی مشرق سے یا مشرق
کی مغرب سے ہوتی تھی۔ وہ بری راستے کے ذریعہ تھی۔ اور اس کا گذر ایران و عراق اور
عرب و مصر کے درمیان سے تھا۔ راس امید کا بحری راستہ کھل جانے سے تجارت مسلمانوں کے
ہاتھوں سے نکل کر یورپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ جو ایسی مہلک ضرب تھی کہ جس سے
اسلامی ممالک کی عام خوشحالی فنا ہو گئی۔ اور ادھر ہندوستان کے ساحل کی حفاظت بحری مدافعت
کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے بحری قزاقی ڈاکو کے لئے کھلا تھا۔ پرتگیزوں نے
جو مظالم ہندوستان کے مغربی ساحل پر کئے فرانسیسی اور انگریزوں نے مغربی و مشرقی
ساحلوں پر اپنا جو اقتدار جمایا وہ صرف بحری طاقت کی وجہ سے تھا۔ حیدر علی نے اس
راز کو سمجھ لیا تھا کہ جب تک ہندوستان کے پاس اس کی اپنی بحری طاقت نہ ہوگی اس وقت تک
ملک کو مغربی قوموں سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس نے اس نے ایک بحری بیڑے کے قیام
کی طرف توجہ کی۔ اس کے دوسرے کارنامے اگر نظر انداز بھی کر دیئے جائیں تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے
جو اس کو تمام سلاطین ہندوستان میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے
ہندو یا مسلمان فرمانرواؤں نے کبھی بحری طاقت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہندوستان کے
ساحل ... ... [illegible] ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو معلوم تھا کہ محمد بن قاسم
کا ساحل سندھ پر پہنچنا [illegible] عربوں کی بحری طاقت کا نتیجہ تھا لیکن ہندوستانیوں نے پھر
بھی اس طرف توجہ نہیں کی [illegible] بعد یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ساحلوں پر

کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔ اور جو حملے بھی ہوئے وہ بری راستوں سے ہوئے۔ شہنشاہ
اکبر کا زمانہ تھا کہ بحری راستوں سے مغربی قومیں ہندوستان میں آئیں۔ اسکے بعد سلاطین
مغلیہ میں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نہایت شان و شوکت کے شہنشاہ
ہوئے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ باوجود اس
فراست و دانائی کے اور باوجود تمام ذرائع مہیا رہنے کے بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے
کہ سلاطین مغلیہ نے کبھی اس آنے والے خطرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو نہ صرف انکی سلطنت بلکہ
آخر کار تمام عالم اسلام کیلئے زوال کا باعث ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ تجارت غیروں کے ہاتھ
میں جا رہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ حاجیوں کے جہاز لوٹے جا رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا
کہ ہندوستان کے ساحل بالکل غیر محفوظ اور خصوصاً جنوب مغربی ساحل پرتگالیوں کی
جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کی اس وقت کی سیاست کچھ اور ہو۔ انہیں اپنی بری
طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اور وہ مستقبل سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح جنوب کی وہ زبردست اور عظیم الشان سلطنت جس کا نام بیجانگر ہے اس نے
بھی اپنے ساحلوں کی حفاظت اور بحری بیڑے کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ بلکہ اس کے برخلاف
وہ پرتگالیوں کو مدد دے کر ان کے ذریعہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ دکن
کی اسلامی سلطنتوں کو بھی کبھی اس طرف خیال نہیں آیا۔

یہ سعادت صرف ٹیپو کے اس جانباز سپاہی کے حصہ میں آئی جو جان چکا تھا کہ ہندوستان
کا مستقبل کس قدر خطرے میں ہے۔ اسی لئے اس نے بحری جنگی بیڑے کی بنیاد رکھدی۔ ہندوستان
کی تاریخ اس کے اس زریں کارنامے پر جس قدر بھی فخر کرے بجا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر ناز ہے کہ اس کا جنگی نظام ہمیشہ ہندوستانیوں سے

متاثر رہا ہے۔ اور اسی لئے انہیں ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے لیکن اسی قوم کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کا جنگی نظام ان کے اپنے اس وقت کے نظام جنگ سے بھی بہتر تھا۔ کرنل اسمتھ کی ناکامیابی، کرنل بریٹ وائیٹ کی شکست، سر ہکٹر منرو اور سر آئر کوٹ کی پسپائی اور مدراس کا محاصرہ اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اس کی جنگی چالیں اس کے حریفوں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اسی لئے تمام مغربی مورخین کو بھی اپنی تاریخوں میں اعتراف کرنا پڑا کہ

"ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھکر اور کوئی زبردست حریف نہیں ملا۔ تمام بڑے بڑے معرکوں میں اس نے انگریزوں کو شکست فاش دی۔ جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی اسکے رحم و کرم پر منحصر ہو گئی تھی۔"

ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں موجودہ زمانہ میں **مصطفےٰ کمال** کی ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس کی زندگی کے حالات بالکل **حیدر علی** سے ملتے جلتے ہیں مصطفےٰ کمال بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ وہ دنیا کی گیلی پولی میں ملک و ملت کے دشمنوں کو وہ زبردست شکست دیتا ہے کہ پھر انکو اس طرف رخ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی لیکن اس کا صلہ اس کو یہ ملتا ہے کہ اس کو اناطولیہ میں جلا وطن کر کے اس کے سر کے لئے انعام مشتہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی بھی ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوتا ہے سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ ملک کو مرہٹوں کے آہنی پنجے سے رستگاری دلاتا ہے۔ اس کا صلہ بھی اسکو وہی ملتا ہے جو مصطفےٰ کمال کو ملا جس طرح مصطفےٰ کمال پر یونانیوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے اسی طرح حیدر علی پر مرہٹوں کو مسلط کیا جاتا ہے جس طرح مصطفےٰ کمال سقاریہ کی جنگ میں ٹڈی دل یونانیوں کے پیچھے اڑا کر ایک آزاد سلطنت قائم کرتا ہے۔ اسی طرح مرہٹوں کو

میسور کے راجہ کی ٹدی دل فوج کو شکست فاش دیکر حیدر علی نے بھی ایک آزاد سلطنت قائم کی تھی۔ مصطفےٰ کمال بھی ہر وقت اپنے سر کی بازی اسی طرح لگاتا ہے جس طرح حیدر علی نے لگائی تھی۔ حیدر علی پر جس طرح آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔ اور جس طرح اس نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مصطفےٰ کمال بھی کبھی ہراساں نہیں ہوا۔ استقلال حاصل کرنے کے بعد مصطفےٰ کمال کو مہلت ملی کہ اپنی قوم کو بام ترقی پر پہونچانے کے وسائل اختیار کرے۔ اس کی پوری قوم اس کی شریک حال رہی۔ لیکن حیدر علی کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ اس کے اہل وطن (جیسے مرہٹے) اور اس کے ہم مذہب مسلمان (ارکاٹ و حیدرآباد) اور بیرونی دشمن (ایسٹ انڈیا کمپنی) اس کی پوری زندگی میں اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی وفات کے وقت ایک ایسی طاقتور اور زبردست سلطنت چھوڑ جاتا ہے۔ جو ترکوں کی موجودہ سلطنت سے زبردست اور رقبہ میں اس سے کئی گنا بڑھکر تھی۔ اور جو دشمنوں کے دلوں میں خار بنکر کھٹکتی رہی۔ اور جب تک اس کو بالکل ختم نہ کر دیا ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹے تو خیر خود مسلمانوں کو بھی چین نہ آیا۔

خدا رحمت کرے ہندوستان اور عالم اسلام کے اس زبردست ہیرو پر۔ جو ہندوستان کا نجات دہندہ بن کر آیا تھا۔

ابوالفتح
فتح علی ٹیپو سلطانؒ
درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

ابوالفتح ــ فتح علی ٹیپو سلطانؒ

پیدائش

خاک دیون ہلی کی تقدیر چمکی ۔ ۱۱۶۳ھ (مطابق ۱۷۵۲ء) ۲۰ ماہ ذوالحجہ روز شنبہ کی پہلی ساعت میں بطنِ حیدر و فاطمہ (سلطان کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا) سے وہ لعلِ شب تاب پیدا ہوا جس کی نظیر ہندستان ہی کی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بمشکل پیدا کر سکے گی جس طرح اس کی پیدائش عجیب و غریب حالات کے تحت میں ہوئی۔ اسی طرح اس کی زندگی اور موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔

نوٹ:۔ دیون ہلی بنگلور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً بائیس میل پر ایک قصبہ ہے۔ یہاں قلعہ سے باہر جس مکان میں سلطان کی پیدائش ہوئی ۔ وہاں پر ایک چبوترہ اور چہار دیواری باندھکر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے جس میں سلطان کی تاریخ پیدائش کندہ ہے۔ یہ مکان اب نہیں ہے صرف چہار دیواری کے اندر چبوترہ اور کتبہ موجود ہے۔ اس کتبہ پر ۱۹۵۱ء کندہ ہے۔

نواب حیدر علی کا کاشانۂ اقبال اس دُرِ مقصود سے خالی تھا جس کو اولاد کہتے ہیں۔ اس لئے بواسطہ روحِ پُر فتوح حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی مزار شہر ارکاٹ میں ہے) بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی گئی کہ بخشش اولاد سے یہ خاندان بہرہ ور ہو۔ دعا مقبول ہوئی ۔ اور حسبِ منت جب شہزادہ بلند اقبال پیدا ہوا۔ تو حضرت ٹیپو مستان کے نام نامی پر اس کا نام **ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان** رکھا گیا۔

اس شہزادہ بلند اقبال کے تولد کے ساتھ ہی آسمانی برکات کا نزول اس طرح ہونے

لگتا ہے کہ فوجی ملازمت سے ترقی کرتے ہوئے ایک سال کے اندر ہی اندر حیدر علی ڈنڈیگل کے گورنر بھی ہوجاتے ہیں۔ اور دن بدن ترقی کرتے ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ میں رئیسوں کی ریاست اور بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی قوتِ بازو کے مرہونِ احسان بنجاتے ہیں انکے اسپ صبا رفتار کی جولانی سرزمین جنوبی ہند میں زلزلہ ڈالدیتی ہے۔ ایک جانب تو ارکاٹ اور حیدرآباد کی اسلامی ریاستیں کبھی ان کا دم بھرنے لگتی ہیں۔ اور کبھی ان کو مٹانے کے لیے غیر اقوام کے ساتھ ملکر سازش کرتی ہیں۔ دوسری جانب مرہٹے، انگریز اور فرانسیسی بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ دریائے کرشنا سے جنوب میں جس قدر ملک ہے۔ وہ نشانِ حیدری کے سایۂ عاطفت میں آجاتا ہے۔ ریاست میسور جو صرف ۳۳ دیہات پر مشتمل تھی۔ ایک وسیع اور عریض سلطنت بنجاتی ہے۔

بچپن

سلطان کی پیدائش جن حالات کے تحت میں ہوئی۔ ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پرورش اور تربیت کے متعلق والدین نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا جس وقت سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوا۔ تو عربی اور فارسی کی تعلیم کے علاوہ امورِ جہانبانی کی تعلیم کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا فنونِ سپہگری اور شہسواری سکھلانے کیلئے بڑے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں اپنے آپ کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ثابت کیا۔ اور باپ کے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہونے لگا۔ اس کے بعد باپ کے حکم سے بطور خود میدان کارزار میں جاکر طریقہ جنگ سے کامل واقفیت حاصل کی۔

بچپن کے حالات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرت ناک امر یہ ہے کہ جب ٹیپو سلطان کی عمر چھ یا سات سال کی تھی۔ تو وہ سرنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے کھیل

رہا تھا۔ کہ ایک فقیر روشن ضمیر کا گذر اس طرف سے ہؤا (حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں نایک کے عہدے پر تھے اور اس وقت زیرِ عتاب تھے) اُس نے بچے کو دیکھ کر کہا کہ :-

"تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمران بنائے گی۔ اور جب وہ وقت آئیگا۔ تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کرنا جو زمانہ میں تیری یادگار رہے۔"

بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"جب وہ بادشاہ ہوگا تو ضرور ایسا کرے گا۔"

خدا کی شان کہ باپ شہر سے دور، راجہ میسور کا معتوب ہو کر اپنی آخری بازی میدانِ جنگ میں ٹھنڈے راؤ سے کھیل رہا ہے۔ ماں اور دوسرے عزیز و اقارب قلعہ میں اسیر ہیں مگر بچہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ فقیر کی ہدایت کی تعمیل لفظ بلفظ کریگا۔ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ فقیر کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی۔ اور سلطان نے اپنا وعدہ کس خوبی سے پورا کیا۔

جوانی اور ایامِ ولیعہدی

شہزادہ ٹیپو نے جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اپنے نامور و شجیع باپ حیدر علی خان بہادر کیساتھ رہ کر فنونِ جنگ کی عملی تعلیم حاصل کی۔ یہاں تک کہ دو سال کے عرصہ قلیل میں وہ اپنی خداداد قابلیت سے ایک بہت بڑا سپاہی، لائق جنرل اور فاضل اہلِ قلم بن گیا۔ یہاں تک کہ فوجوں کی علیحدہ کمان اسے تفویض کر دی گئی۔ تخت نشینی تک سلطان کے کارنامے حالاتِ نواب حیدر علی میں لکھے جاچکے ہیں۔ مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قائم رکھنے کیلئے اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جس وقت ۱۷۶۷ء میں سلطان کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ تو نواب حیدر علی خان نے

اس کو آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس[۲۲] ضرب توپ دیکر مرہٹہ سپہ سالار ترنبک راؤ کے مقابلے میں بھیجا سلطان نے پائیں گھاٹ میں اتر کر میدان کاویری میں ڈیرے نصب کئے اس وقت معلوم ہوا کہ مرہٹہ فوج دھرمپوری کو لوٹ رہی ہے اور کسی گاؤں کی لوٹ کا سامان بھی ان کے ساتھ ہاتھی گھوڑوں پر لدا ہوا موجود ہے۔ سلطان یہ حالت دیکھ کر خود بھی بھیس بدلکر لوٹنے والوں کے ساتھ شامل ہوگیا۔ گویا وہ بھی مرہٹی فوج کا کوئی سردار ہے جب لوٹ ہو چکی تو مرہٹے سامان لاد کر چلنے لگے۔ اسی وقت یکایک بحکم سلطانی مرہٹی سپاہ پر گولیاں برسنی شروع ہوگئیں۔ آخر دشمن سب اسباب وہیں چھوڑ کر فرار ہوا۔ سلطان چار ہزار گھوڑے سینکڑوں بیل اور اونٹ، مع بیس ہاتھی جن پر تمام اسباب و سامان لدا ہوا تھا۔ اپنے قبضہ میں لیکر صحرائے ماگڑی کی طرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صحرائے ماگڑی درگ میں سلطان چھ ہزار سوار اور تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے اور توپ خانہ کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ سائے پچکی ندی کے قریب مرہٹی فوج کے رسد کا قافلہ آکر اترا۔ اس قافلہ میں اٹھتیس[۳۸] ہاتھی سینکڑوں اونٹ اور بیل۔ بہت بڑا خزانہ اور حفاظت کے لئے دس ہزار سوار موجود تھے سلطان نے رات کے وقت شبخون مارا۔ اور قتل عام شروع کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن کی ساری فوج کٹ گئی۔ اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے۔ آخر کار صبح ہوگئی ٹیپو سلطان نے اس تمام باربرداری اور اسلحہ کو سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔

جب یہ خبر ترنبک راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کو پہنچی تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہے اور اس کے ساتھ ہی پونہ میں کچھ ایسے واقعات ہوئے کہ وہ نواب حیدر علی سے صلح کر کے پونہ کو روانہ ہوگیا۔

انگریزوں سے پہلی جنگ

اس جنگ کا آغاز ١٧٦٧ء میں ہوا اسوقت سلطان کی عمر ١٧ سال کی تھی۔ اس جنگ میں نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنے لائق فرزند ٹیپو سلطان کو سات ہزار کی جرار فوج دیکر نگر کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بندرگاہ کوڑیال میں پہونچکر انگریزی فوج کو دیکھتے ہی اندازہ کرلیا۔ کہ وہ اپنی سات ہزار کی فوج سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسلئے اس نے ایک طویل مراسلہ والد کی خدمت میں مزید کمک کے لئے بھیجا۔ حیدر علی بذات خود ایک بہت بڑی کمک لیکر آ پہنچے۔ اور ٹیپو سلطان کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے قلعہ فتح کرلیا۔ انگریزی سپہ سالار شکست کھاکر ساحل کی طرف مع اپنی فوج کے چلا گیا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوگیا۔ اس نمایاں کامیابی پر باپ نے بیٹے کی بہت تعریف کی۔

اسی جنگ میں جبکہ نظام مرہٹے اور انگریز ملکر مختلف محاذ پر حملے کر رہے تھے۔ تو نواب حیدر علی نے فوج دیکر ٹیپو سلطان کو مدراس پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ سلطان کا دھاوا ایسی عجلت اور سختی سے ہوا کہ مدراس کے انگریز سراسیمہ اور پریشان ہوکر نواب حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پہ صلح کرنے کیلئے مجبور ہوگئے۔

اسی سال کڈپہ، کرنول، بلاری، اناگنڈی اور دھاڑواڑ پر لشکر کشی ہوئی اور بہ حیثیت سپہ سالار نوجوان شہزادہ نے ان سب میں حصہ لیا۔ جہاں جاتا تھا۔ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب رہتی تھی۔

شادی

جب ان لڑائیوں سے فرصت ہوئی اور نواب حیدر علی خان مظفر و منصور سرنگاپٹم واپس آئے تو مناسب جانا کہ شہزادہ والا تبار اور خاندان کی دوسری شادیوں سے فرصت پائے چنانچہ ١٧٧٤ء میں ٹیپو سلطان کی شادی

حسب مرضی نواب حیدر علی خاں امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور حسب تجویز خواتین محل رقیہ بانو صبیہ لالہ میاں شہید چرکولی وخاہر برہان الدین سے ہوگئی۔ دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے۔

نظام اور مرہٹوں سے جنگ

ابھی ان شادیوں سے فرصت نہ ہوئی تھی۔ کہ نواب حیدر علی خان بہادر کو نظام مرہٹے اور انگریزوں سے جنگ پیش آئی سنہ ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں قلعہ گتی فتح ہوا۔ اور سنہ ۱۱۸۰ھ سے لیکر سنہ ۱۱۹۰ھ تک مطابق ۱۷۶۶ء سے ۱۷۷۶ء قلعہ چتلدرگ ملاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ فتح کر لئے گئے۔ اور سنہ ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پھر میسور کی دوسری جنگ شروع ہو گئی۔ ان مذکورۂ بالا جنگوں میں سے سلطان ہر جنگ میں شریک رہا۔

میسور کی دوسری جنگ

تاریخ شاہد ہے کہ نواب حیدر علی خاں کو جن انگریز جنرلوں سے مقابلہ پڑا ہے ان میں سب سے زیادہ ہشیار کرنل بیلی اور سر آئر کوٹ تھے بیلی کو جو شکست فاش ہوئی۔ اس میں ٹیپو سلطان کی کارگذاری کو بہت بڑا دخل ہے جنرل سر آئر کوٹ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار اور بڑا آزمودہ جنرل تھا جس نے نواب حیدر علی کی فوجوں کو بھی شکست دی تھی جس وقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی۔ تو نواب حیدر علی خاں بہادر نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادہ والا تبار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کہاں تک فنون جنگ میں ترقی کی تھی۔

حیدر علی کی رحلت

ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ملیبار کے نائروں نے بغاوت کر دی چنانچہ سلطان اپنے باپ

کے حسب الحکم نائروں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور حیدر علی خاں ارکاٹ سے سولہ[۱۷] میل شمال کی جانب خیمہ زن تھے کہ پیام اجل آ پہنچا اور ۱۱۹۵ھ کی آخر شام یعنی ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء، دسمبر) کی چاند رات کو انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

سلطان کو منگلور کے قریب نواب حیدر علی کا خط ملا۔ جو کہ وفات سے ایک روز پیشتر لکھا گیا تھا جس میں یہ تحریر تھی:۔

"قرۃ چشم راحت جانِ پدر!

درصورتے کہ تم کو اس نواح کے متمردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر اور اطمینان کلی حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار راحت آثار سے جلد روشن اور منور کرو۔ اور اگر کچھ کمک اور فوج کی احتیاج ہو تو اس کا حال گذارش کرو۔ فقط"

خط کے ملتے ہی سلطان بسرعت تمام ارکاٹ کی جانب روانہ ہوا۔ نواب حیدر علی کی وفات کو امراء اور سرداران فوج نے ملکی مصلحت کے پیش نظر پوشیدہ رکھا تھا۔ سلطان کو جب والد کے انتقال پر ملال کی خبر ملی تو اسکے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی اس عرصہ میں شہزادہ کریم شاہ نواب حیدر علی کے عوض کاروبار سلطنت چلا رہا تھا سلطان جس وقت سرنگا پٹم پہونچا تو کریم شاہ نے جھک کر استقبال کیا۔ اور تمام امور سلطنت سلطان کے سپرد کر دیئے

سلطان کی تخت نشینی

حیدر علی کی وفات کے بعد اب وہ وقت آ پہنچا کہ فقیر کی پیشین گوئی پوری ہو۔

ٹیپو سلطان نے ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء روز یکشنبہ کو تاج شاہی زیب کیا۔ ارکان دولت کو خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔ فوج کو انعام دیا گیا۔ محفل جشن آراستہ ہوئی۔ امرائے دولت و اعیان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ مبارک سلامت کی دھوم ہوئی۔ تخت نشینی کی اطلاع کیلئے خط، رقعے، فرمان، پروانے چاروں طرف روانہ کئے گئے۔ تمام ملک کے ناظموں، قلعداروں اور افسران فوج کو لکھا گیا کہ جو جہاں ہے اپنا فرض منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے۔ اسی طرح میر صادق اور پورنیا دیوان اور وزیر مالیات مقرر ہوئے۔

ملا فیروز اپنی تاریخ فتوحات برطانیہ میں سلطان کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

سران سپہ محفل آراستند	ہمہ دست بیعت بہ برخاستند
بگفتند کای شاہ گردوں سریر	ہمہ چاکرانیم فرماں پذیر
سزا ہست بر خط فرماں بری	ز تو حکم کردن ز ما چاکری
تنیم از آتش و آب و خاک	فدائی ہوا خواہیت جان پاک
چوں سلطان لقب یافتی از نخست	کنوں تخت و تاج شہی زاں تست
پسر و جہاں آں پدر نیک نام	کہ بر تخت بنہاد از پی جمشید گام
ز رخسار چوں ماہ برکش نقاب	نہاں چند داری بابر آفتاب
چوں ایزد ترا داد فر شہی	بتقدیم فرماں مکن کوتہی
سکندر صفت ملک تسخیر کن	سر دشمناں زیر شمشیر کن
بزن سکۂ خویش بر سیم و زر	کہ از سکہ نام شہاں شد سمر

بسر جائی وہ تاج شاہنشہی — بنا پائے بر تخت فرماں دہی
بفتح و ظفر پائے نہ در رکاب — جہانگیر شو چوں بلند آفتاب
ببستہ نامداراں دگر چوں کشاں — پئے خدمت تنگ بستہ میاں
اگر حکم سازی بہ وقتِ وغا — چو جوہر در آہن ببازیم جا
بفرمانت ای شاہ مالک رقاب — بدریا بتازیم ہمچوں حباب
بفرمانت ای شہ در آذر رویم — نداریم غم چوں سمندر رویم
باقبالت اے سرور دیں پناہ — ربائیم از فرق کیواں کلاہ
خدا یاور و بخت یار تو باد — جہاں از کرم زیر بار تو باد
سر مہر تو بادا سپہر بریں — ہم مرکبت باد تاج زمیں
سر حاسداں زیر پائے تو باد — ہمہ عیش عالم برائے تو باد

جس وقت حیدر علی کی وفات ہوئی تھی۔ اس وقت انگریزوں سے جنگ کا خاتمہ نہ ہوا تھا۔ اور مختلف محاذ پر لڑائیاں برابر جاری تھیں۔ رسوم تخت نشینی سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر جنگ کی طرف توجہ کی۔ دو ہزار فرانسیسی سپاہی کمک کے لئے روانہ کئے۔ اس وقت انگریزی فوج جنرل اسٹیورٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑی ہوئی تھی سلطان نے ممرد اور ٹھلور کے راستے سے وانڈی واش پر بڑھ کر پانچ میل پر قیام کیا۔ اور جنگ کے لئے فوجوں کو ترتیب دی مگر دوسرے ہی دن انگریزی فوج بغیر کسی جنگ کے گورنر مدراس کے حکم پر اپنا بوریہ بستر سنبھال کر مدراس چلی گئی۔ سلطان اپنی فوجوں کو لیکر قردنور کی طرف بڑھا۔ اور ڈیرے ڈال دیئے۔

بغاوتیں

اسی اثنا میں خبر آئی کہ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خاں نے ملیبار

میں باغی ہوکر کوڑیال بندر اور نگر کو مبئی کی انگریزی فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف اپنچے شامیا دارالسلطنت سرنگاپٹم میں قلعہ دار سے سازش کر رہا ہے کہ حرم سرائے سلطانی کو مقید کر کے دارالسلطنت پر قبضہ کرے۔ تیسری طرف کڈپہ کے نواب عبدالحلیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے مچھلی بندر میں خفیہ طور پر معاہدہ کر کے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اور اسی طرح کناٹور میں بالیا ہونے سرکشی کی ہے

ان خبروں کے موصول ہوتے ہی سلطان نے بدالزماں خاں ناظم صلابت خاں بخشی میر غلام علی اور میر معین الدین کو تسخیر پائیں گھاٹ کیلئے یعنے انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے چھوڑ کر حیدرنگر کا رخ کیا۔ جنگی گھاٹ پہ پہونچکر محمد علی کمیدان کو دارالسلطنت کی طرف بھیجا۔ قمرالدین خاں کو کڈپہ کی جانب روانہ کیا سلطان دیونہلی۔ مدگری اور سرا کی راہ سے ہوتے ہوئے نواح چتلدرگ میں مقیم ہوا۔

محمد علی سرنگاپٹم میں

محمد علی کمیدان نے سرنگاپٹم کے قریب آکر مشہور کیا کہ وہ براہ کورگ تسخیر حیدرنگر کے لئے جا رہا ہے اس نے قلعہ دار سرنگاپٹم کو ایک نہایت دوستانہ خط لکھا۔ اور درخواست کی کہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کو ایک شب قلعہ سرنگاپٹم میں اہل و عیال کے ساتھ گذارنے کا موقع دیا جائے قلعہ دار نے محمد علی کی عاجزی اور درخواست پر اجازت دیدی۔ ان میں اسکا مقصد یہ بھی تھا کہ ابھی تک چونکہ اس کی اور شامیا کی سازشیں پایہ تکمیل کو نہ پہنچی تھیں۔ اسلئے ابھی سے محمد علی کو روکنا مناسب نہ تھا۔ اندرونی طور پر محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہوکر بگل بجائے تو تمام کے تمام دیوار پر چڑھکر قلعہ پر قبضہ کر لیں اس کے تمام سپاہی قلعہ کے اطراف میں چھپ گئے۔ محمد علی منتخب پچاس ساتھیوں کے ساتھ

قلعہ کو روانہ ہوا۔ اور آنے کی اطلاع دی۔ جونہی قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ان پچاس ساتھیوں نے محافظوں کو قابو میں کرکے بگل بجا دیا۔ باہر جو فوج کمینگاہوں میں تھی۔ فوراً نکل آئی۔ اور آناً فاناً میں تمام قلعہ پر قابض ہو گئی۔ محمد علی نے قلعہ دار اور راجہ شامیا کے مکانات کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس وقت تک انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہوا تھا کہ قلعہ پر کیا گذری۔ قلعہ دار اور راجہ شامیا گرفتار کر لئے گئے۔ دوسرے دن صبح کو حسب الحکم والدہ سلطان بعض مجرموں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اور راجہ شامیا کو بھاری بھاری طوق آہنی پہنا کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ قلعہ کی کمان اسد خاں سالار کو دی گئی۔ اور سید محمد خاں مہدوی گورنر نگر کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونیکے بعد محمد علی اپنی فوج کے ساتھ نگر کی طرف بڑھکر حضور سلطانی میں باریاب ہوا۔ جہاں سلطان نے نمک حلالی اور مستعدی پر اس کو خلعت فاخرہ بخشی۔

تسخیر حیدر نگر

محمد علی کمیدان کی فوج کے آنے پر سلطان حیدر نگر کیطرف بڑھا۔ اور اٹھارہ دن کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج زیر پا ہوکر قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مورخ سلطانی نے اس وقت

"حیدر نگر گرفتہ"

۱۱ ھ ۹۷

تاریخ نکالی۔

تسخیر حیدر نگر سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اس انگریزی فوج سے جو کرنل کیمبل کے ماتحت حیدر نگر کی طرف جا رہی تھی۔ لڑائی ہو گئی۔ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوتی جس میں افواج سلطانی مظفر و منصور ہوئیں انگریزی فوج تمام کی تمام یا تو ماری گئی یا قید ہو گئی۔ اور کل سامان جنگ ہتھیار وغیرہ

سلطانی قبضہ میں آ گئے۔ کوڑیال بندر پر جس وقت سلطانی فوج پہنچی۔ تو موسلادھار بارش ہو رہی تھی مگر باوجود اس کے فوج نے نہایت جوش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا اور چند ہی گھنٹوں کے اندر قلعہ پر علم سلطانی لہرانے لگا۔ انگریزی سپہ سالار جنرل متھیوز افواج سلطانی کے ہاتھ اسیر ہوا۔

کڈلور کی شکست، جنرل متھیوز کی اسیری اور تمام ملک کناٹک کے ہاتھ سے نکل جانے سے مدراس کی گورنمنٹ اس درجہ سراسیمہ ہوئی کہ انگریزوں نے فوراً صلح کی درخواست کی جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا۔ اس صلحنامہ کی رو سے تمام ممالک حیدری پر جو اس جنگ سے پیشتر قلمرو سے سلطنت خداداد میں شامل تھے سلطان کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔

تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت

تسخیر نگر کے بعد ہی محمد علی کمیدان نے خودکشی کر لی۔

انگریز مورخین اپنی فطرت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں۔ کہ محمد علی کی خودکشی کا باعث سلطان ہے لیکن یہ نہیں لکھا جاتا کہ محمد علی کی خودکشی کے اسباب کیا تھے۔ اسلئے اس واقعہ پر روشنی ڈالنے کے لئے مورخ سلطانی کی تحریر کے علاوہ یہاں ان تمام علل و اسباب کو بتایا جاتا ہے جو محمد علی کی خودکشی کا باعث بنے۔ ورنہ سلطان نے جو کچھ اس معاملہ میں کیا۔ اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے:۔

"تسخیر حیدرنگر کے موقع پر جب انگریزوں نے عاجز آ کر صلح کی درخواست کی اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا۔ تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قلعہ دار قاسم علی خاں کی جان

بخشی کی جائے۔ اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔"

فتح کوڑیال بندر سے فارغ ہو کر سلطان نے قاسم خاں کو حضوری میں طلب کیا کیونکہ اس نے نمک حرامی کرتے ہوئے نگر ایسے مضبوط قلعہ کو بغیر جنگ کئے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس پر سلطان نے اُسے سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے انگریزوں کے ماتحت نگر کی لفٹنٹ گورنری قبول کر لی تھی۔ جب سلطانی فوج نے نگر کا قلعہ دوبارہ فتح کر لیا۔ تو قاسم خاں محمد علی کی پناہ میں آگیا۔ دوسرے دن صبح کو حسکم سلطانی کے بموجب قاسم خاں کو ملازمانِ شاہی مقتل کو لیکر چلے۔ تو محمد علی نے مزاحمت کی اور فوج کو قاسم خاں کے قتل سے روک دیا۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی خبر ملی۔ تو اس نے محمد علی کو بلا کر فہمائش کی اور کہا کہ قانونِ سیاست کی رو سے اور نیز سلطنت کا نظم و نسق بحال رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قاسم خاں ایسے غدار کو سزائے موت دیجائے مگر محمد علی نے سلطان کی بات کو نہایت بے توجہی اور لاپرواہی سے سنا اور بغیر سلام کئے چلدیا۔ اگرچہ سلطان کو محمد علی کی اس نازیبا اور نالائق حرکت پر بہت ہی غصہ آیا۔ مگر اس کی سابقہ نمک حلالی اور جاں نثاری کا پاس کر کے خاموش رہ گیا۔

دوسرے دن پھر قاسم خاں کو سزائے موت دینے کیلئے سپاہی اس کو مقتل لیگئے۔ مگر اسی وقت محمد علی ہاتھی پر سوار ہو کر مقتل میں داخل ہوا اور قاسم خاں کو سپاہیوں سے چھڑا کر اپنے ہاتھی پر سوار کر کے لیگیا۔ اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینے کیلئے تیار ہے وہ ہمارے ساتھ چلے۔ فوج کے دو تین سو آدمی محمد علی کے ساتھ ہو گئے اور ان سب نے مل کر سرنگاپٹم کی طرف رُخ کیا جب سلطان کو اس کی خبر پہنچی تو سید حمید اور غازیخاں کو بھیجا کہ محمد علی کو لیکر آئیں۔ یہ ابھی چار کوس ہی گئے تھے کہ افواجِ سلطانی نے انہیں گھیر

لیا۔ اور حضورِ سلطانی میں لے آئے۔

جونہی سلطان کی نظر قاسم خاں پر پڑی۔ اس نے اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ اور فوراً اسکا کام تمام کر دیا گیا۔ ان باغیوں کو جنہوں نے محمد علی کا ساتھ دیا تھا حسبِ ارداقعی سزا دیگئی۔ محمد علی کمیدان کو نظر بند کر دیا گیا۔ رات کے وقت خود اس نے اپنی زبان کھینچکر خود کشی کر لی بعض کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی نگل کر خودکشی کر لی تھی۔ بہر طور مورخین نے اس شجیع و نامور جنرل کی موت کی تاریخ اس طرح نکالی۔

"رکنِ دولت با فنا د"

اس میں شک نہیں کہ محمد علی کمیدان نے خود کشی کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا لیکن اس کے لئے سلطان کو کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ سلطان کا منشا صرف قاسم خاں کو سزا دینا تھا لیکن محمد علی ناحق میدان میں کود پڑا اور وہ قاسم خاں کی (جس نے کہ غداری اور نمک حرامی کر کے اپنے آقا کے ایک مضبوط قلعہ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا تھا) ناجائز حمایت کر کے اقتدار سلطانی کو صدمہ پہنچانے کا باعث ہوا۔ محمد علی کا یہ فعل کہاں تک حق بجانب تھا۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ محمد علی نے خودکشی اس لئے کر لی کہ سلطان نے اسکی بات کی پروا نہیں کی۔ اگر آئین جہانبانی کی رو سے دیکھا جائے تو سلطان قاسم خاں کو سزائے موت دینے میں یقیناً حق بجانب تھا۔

دورِ حاضرہ کی مہذب حکومتوں نے اکثر بڑی بڑی شخصیتوں اور اعیانِ سلطنت کو محض اختلافِ رائے یا شبہ کی بنا پر بلا تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاسم خاں کے علاوہ محمد علی کمیدان کا جرم بھی کچھ سنگین نہیں تھا۔ کہ وہ ایک نمک حرام اور غدارِ سلطنت کی بیجا حرکت کر کے سلطان کی صریح حکم عدولی کر رہا تھا لیکن رحمدل سلطان نے اسکے

خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے صرف اسے نظربند کر دینے کا حکم دیا۔

یہ اور بات ہے کہ محمد علی کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور اس نے خود کشی کر لی سلطان کو بھی اس کا افسوس تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ محمد علی کی موت کے بعد سلطان نے محمد علی کی بیوہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر محل سلطانی میں اس کی پرورش کی۔ اور سلطان نے کبھی بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

خصائل محمد علی کے صفات محمد علی ایک نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار تھا اس نے متعدد مواقع پر اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیکر میدان جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ نواب حیدر علی کی زندگی میں اسکا قوت بازو بنا رہا۔ اور نواب کی وفات کے بعد بھی سلطان کا ساتھ اسی طرح دیا مگر اس کی طبیعت میں شروع ہی سے خودسری رہی جس کی وجہ سے نواب حیدر علی نے بھی اس کو ایک دفعہ منصب سے معزول کر دیا تھا اور یہی خودسری سلطان کے وقت میں اسکی موت کا باعث ہوئی۔

محمد علی نہایت فقیر دوست تھا۔ اس کی موت کے بعد اسکے پاس جو چیزیں نکلیں ان میں سوائے چند بوسیدہ کپڑے اور ایک ٹوپی کے کچھ نہ تھا جس قدر مال ملتا تھا۔ وہ سب فقیروں میں اسی وقت تقسیم کر دیتا تھا حتے کہ بعض وقت جنگوں میں شاہی خزانہ بھی ہاتھ آجاتا تو وہ فقیروں کی نذر ہو جاتا۔

میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ پائیں گھاٹ میں انگریزوں سے جنگ جاری رکھنے کیلئے سلطان اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑ آیا تھا جب سلطان نگر کی لڑائی میں مشغول تھا تو ادھر پائیں گھاٹ میں اسکے سپہ سالار انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے۔ کرنل لانگ نے چپالی سے

نکل کر کرور اور ڈنڈیگل پر قبضہ کرنے کیلئے بڑھا میر معین الدینؒ بدر الزمان خاں نائطہ کو
مقابلہ کیلئے بھیجا جس وقت بدر الزمان خاں نواح کرور میں پہنچا تو قلعدار کرور انگریزوں
سے مل چکا تھا۔ اور قلعہ پر انگریزی علم نصب تھا۔ کرنل لانگ یہاں سے فارغ ہو کر اراوا کرچی
کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدر الزمان نے اس قلعہ کی دوسری طرف دریائے امراوتی کے کنارے
کیمپ ڈالا۔ دوسرے دن باوجود بدر الزمان کی سخت کوششوں کے انگریزی فوج قلعہ
پر قابض ہو گئی۔ اور بدر الزمان اپنی فوج کو لیکر دھارا پورا آ گیا۔

دوسری قابل ذکر جنگ جو پائیں گھاٹ میں ہوئی۔ وہ کڈلور کی جنگ تھی جس
میں تمام افواج سلطانی کے علاوہ فرانسیسیوں نے بھی حصہ لیا۔ اور انگریزی جنگی جہازوں
نے بھی اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کڈلور پر گولہ باری کی۔ ایک نہایت خونریز جنگ کے
بعد جس میں کئی مرتبہ دست بدست لڑائی ہوئی۔ افواج سلطانی اور فرانسیسی غالب آ گئے
جب یہ خبر مدراس پہنچی تو والا جاہ محمد علی کے مشورے سے مدراس کی گورنمنٹ نے صلح کی
درخواست بھیجی محمد علی والا جاہ نے اس صلح کیلئے بہت کوشش کی۔ بالآخر ۱۷۸۴ء میں صلح ہو گئی
شرائط صلح میں طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر جو قبل از جنگ ان کے
قبضہ میں تھے قابض رہیں۔

مگر مورخ سنکلیر اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۰۷ میں لکھتا ہے:-

"انگریزوں نے جب صلح کی درخواست کی تو سلطان کا پیمانہ غرور لبریز ہو گیا۔ اس کی منہ
مانگی مراد بر آئی۔ کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکائے ہوئے طالب صلح تھا۔
سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کر لی۔"

سلطان باوجود فاتح ہونے کے جب اس کے دشمنوں نے اس کے آگے سر جھکا دیا تھا تو اپنی

دریا دلی سے بغیر تاوانِ جنگ یا کوئی حصۂ ملک لینے کے لئے رضامند ہوگیا۔

کیا اس سے بڑھکر دریا دلی اور فراخ حوصلگی کا اور کوئی ثبوت تاریخ دیتی ہے؟

تعزیری مہمات سنہ ۱۷۸۵ء

انگریزوں سے جنگ ختم ہونے پر سلطان نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ فرمائی۔ اور اس سلسلہ میں تعزیری مہمیں بھیجی گئیں۔ سید غفار اور امام خان کابلی اور سید عمر سپہ دار چکنور اور مدن پلی پر بڑھے یہاں پہنچکر راجہ چکنور کے پاس پیغام صلح و اطاعت بھیجا لیکن وہ بارہ ہزار کی فوج لیکر مقابلہ کیلئے نکلا۔ جنگ میں راجہ مارا گیا۔ فوج منتشر ہوگئی۔ سلطانی فوج نے تعاقب کرتے ہوئے پونی کنڈہ کے جنگل کا محاصرہ کر لیا۔ جس میں یہ سب پناہ گزین تھے۔ یہاں کا راجہ چیک رائل ادل پلی کو فرار ہوگیا۔ ڈھائی ماہ تک ادل پلی کا محاصرہ رہا۔ راجہ محاصرہ کی تاب نہ لاکر چتور بھاگا۔ ادل پلی پر سلطانی افواج کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں سے بڑھکر شیخ عمر سپہ دار نے چکنور پر قبضہ کر لیا۔ چکنور کے قریب کوہستان گیوا میں ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر ایک تالاب تھا۔ پہاڑ کی بلندی اور اس پر تالاب کا ہونا شیخ عمر کو نہایت پسند آیا۔ شیخ عمر نے سلطان سے سفارش کی۔ کہ اس جگہ ایک قلعہ بنوایا جائے۔

جس وقت سلطان وہاں آیا۔ تو آپ خود جاکر پہاڑ دیکھا۔ اور قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور اس قلعہ کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

تعزیری مہمات کے سلسلہ میں دوسری فوج سپہ سالار برہان الدین کے زیر کمان نرگنڈہ پہنچی گئی۔ مرہٹوں کی اور خصوصاً پرسرام ناظم میرج کے اشتعال پر یہاں کا راجہ خود مختار بن بیٹھا تھا۔ یہاں پہنچکر برہان الدین نے اسکے پاس صلح و آشتی کا پیغام بھیجا

جس کا نہایت تلخ جواب آیا۔ دوسرے دن برہان الدین نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اسی
رات کو راجہ کی فوج نے قلعہ سے اتر کر سلطانی سپاہ پر شبخون مارا جس میں بخشی صلابت جنگ
اور دو سو سپاہی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر برہان الدین نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ تمام گرمی
کا موسم محاصرہ قائم رہا۔ باوجود سخت تدابیر کے بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ادھر راجہ کی حالت
دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ اس نے پرسرام نائط مرہٹے سے کمک طلب کی۔ پرسرام کی جانب
سے پانچ ہزار سوار پونا سے نکلے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے میر قمر الدین کو
برہان الدین کی کمک پر بھیجا۔

راستہ میں میر قمر الدین کی فوج کا پیرزادہ سید محمد اور عبدالحلیم خاں حاکم کڈپہ کی
فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جو کہ سلطانی علاقوں میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ چلی ماٹرا میں دونوں
فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کڈپہ کی فوج قریب قریب سب ماری گئی۔ سید محمد فرار ہو گیا۔ یہاں سے
میر قمر الدین دریائے کرشنا کی جانب بڑھا۔ جہاں سے مرہٹی فوج ترکونڈہ کی مدد کے لئے آ رہی تھی۔
جس وقت میر قمر الدین کی فوج پہنچی۔ تو اس وقت مرہٹی فوج دریائے کرشنا عبور کر رہی تھی۔
اسی حالت میں اس پر حملہ کیا گیا۔ مرہٹی فوج منتشر ہو کر فرار ہوئی۔ یہاں سے میر قمر الدین
ترکونڈہ پہنچ کر محاصرہ میں شامل ہو گیا۔

جب کمک کی امید منقطع ہو گئی تو راجہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ راجہ کو طلب کر کے
اس کو مع اہل و عیال قید کر کے سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔

اس جنگ میں سپہ سالار برہان الدین کو میر قمر الدین کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس کو معلوم
ہوا کہ میر قمر الدین خفیہ طور پر میر نظام علی خاں حیدر آباد سے خط و کتابت کر رہا ہے۔ تو
برہان الدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ قمر الدین حیدر آباد جانے کے خیال میں ہے۔ اور چاہ

گھاٹ میں مکان تعمیر کرا رہا ہے سلطان نے قمر الدین اور اس کے منشی کو حاضری کا حکم بھیجا۔ قمر الدین منشی کو حیدر آباد روانہ کر کے آپ حاضر ہوا سلطان نے منشی کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا کہ وہ رخصت لیکر اپنے خاص کام کیلئے حیدر آباد گیا ہے سلطان کا شک اور بڑھ گیا۔ اور اس کو نظر بند کر دیا۔

بغاوت کورگ

۱۷۸۵ء

اہل کورگ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ نواب حیدر علی کے زمانہ میں کئی بار یہاں بغاوتیں ہوئیں سلطان بارہ ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار اور بائیس ضرب توپ لیکر نکلا سرحد کورگ پر پہنچکر سواروں کو پیرا پٹن، سدا پور، منظر آباد پر حملہ کا حکم دیا اور آپ پیادہ فوج لیکر اندرون ملک بڑھا۔ راہ منزل میں باغیوں سے مقابلہ ہو گیا سلطانی سپاہ موسیلالی کے زیر کمان قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔ ایک سخت اور گھمسان کی جنگ کے بعد باغی فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوئی۔ اس وقت سلطان نے اس پر اپنی باڈی گارڈ سے حملہ کر دیا۔ باغیوں کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ اور وہ فرار ہوئے سلطانی فوج نے منتل کا دیری ملن ہلی اور خوشحال پور پر قبضہ کر لیا۔

اب باغیوں نے باقاعدہ جنگ چھوڑ کر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ چھپ کر چھاپے مارنے شروع کئے مگر سلطان کی عمر اپنے نامور و شجیع باپ کے ساتھ ایسی ہی جنگوں میں گذری تھی۔ لہذا سلطان نے تمام جنگلوں کو کاٹنے کا حکم دیدیا۔ اور باغیوں کے مقابلہ کیلئے حسین علی خاں بخشی، میر محمود، امام خاں اور موسیٰ لالی کو روانہ کیا۔

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں تمام کورگ کامل طور پر از سرِ نو تسخیر کر لیا گیا۔ ان جنگوں میں میر حسین علی خاں بخشی نے نہایت ناموری پیدا کی۔ تمام کورگ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے آٹھ ہزار مرد و عورت کو گرفتار کر لیا۔ ہزارہا باغی مارے گئے جنگلات اور مواضع تباہ کر دیئے گئے اور کئی ایک جگہ آگ لگا دی گئی۔ تمام کورگ میں حسین علی خاں کا نام "بنگی نواب" مشہور ہو گیا۔

نوٹ:۔ کنٹری زبان میں "بنگی" آگ کو کہتے ہیں۔ بنگی نواب کے نام سے بنگلور اور میسور میں ابھی تک دو رستے منسوب ہیں۔ بنگی نواب کا مزار سرنگا پٹم میں گنبد کے احاطہ میں ہے۔

دوسرے سفر میں بھی ہزارہا باغیوں کو گرفتار کر کے لائے۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ وہ۔

"اس جنگ میں اسی ہزار مرد اور عورت گرفتار کر لئے گئے"

جس وقت بغاوت کورگ کامل طور پر فرو ہو گئی تو ملیالم بنور (کنانور) کی رانی جو خود مختاری کا اعلان کر بیٹھی تھی پیش کش لیکر حضور سلطانی میں آئی۔ اور از سرِ نو تجدید فرمانِ اطاعت کر کے واپس لوٹی۔

کورگ کا نئے طور پر انتظام کر کے سلطان مراجعت فرمائے سرنگا پٹم ہوا۔ باغیوں کے سرگروہ مہدی نائر اور رنگا نائر بھی گرفتار ہوئے۔ ان میں اول الذکر چند دن بعد مر گیا اور دوسرا مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا اور اس کو عہدہ رسالداری دیا گیا۔

جب تمام قیدی سرنگا پٹم پہنچے تو ان کو دعوتِ اسلام دی گئی۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ وہ۔

"ان کے آگے مذہب اسلام پیش کیا گیا۔ اور اس کے فوائد و برکات سمجھائے گئے۔

..... وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔"

ان کو فوج میں داخل کر لیا گیا۔ اور اس فوج کو "جماعت احمدی" کا نام دیا گیا۔ اس فوج کو آٹھ رسالوں پر تقسیم کر کے ان کو ہری کپڑے کی وردی سے آراستہ کیا گیا۔

نوٹ:۔ آسٹریا کی جنگ میں جب ہزارہا اسیر ہاتھ آئے تو سلطان ترکی نے انکی ایک علیحدہ فوج بنائی۔ جو تاریخ میں "ینی چیری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فوج سلطانی باڈی گارڈ میں شامل تھی۔ شاید سلطان نے بھی ترکوں کی تقلید کرتے ہوئے اسیران کورگ کو مسلمان بنا کر ان کی ایک خاص فوج جماعت احمدی کے نام سے مرتب کی ہو۔

مورخ سلطانی کورگ کے حالات اپنی کتاب "نشان حیدری" میں اس طرح لکھتے ہیں:۔

"اس ملک کی خوبیوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ کورگ کے بہاں کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگل میں انواع و اقسام کے درخت مثلاً ساگوان، صندل، لال چندن، عود و خام وغیرہ کے۔ قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ کالی مرچ (فلفل سیاہ) کے درختوں کا مسلسل جال نہایت دلفریب معلوم ہوتا تھا۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے الائچیاں، جوار مکا کے کھیتوں کی طرح پھیل رہی تھی۔ دارچینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں خاصہ شہتوت، بیری، جامن، سنترہ، کیلا، کٹھل، بڑھل، جامون وغیرہ کے درختوں سے اس زمین پر باغ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ اور پھولوں میں گل مہندی، گیندا، مسری، سوسن، چنبا، گلنار، بنفشہ بہار کی کیفیت ظاہر کرتے تھے۔ ہاتھی اور ہتھنیوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے جنگل میں پھرتے اور پہاڑیوں کے نیچے سونڈوں سے درختوں کی شاخیں

توڑتے نظر آتے تھے۔ اور یہ جنگل ان کا جولانگاہ تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ان ہاتھیوں کی تاخت سے محفوظ رہنے کے لئے ایک بہت بڑا حصار مع برج و فصیل کے بنا کر اس کے آس پاس بہت گہرا خندق کھود دیا تھا۔ اور حصار کے اندر رہنے کے مکان بنائے گئے تھے۔ کہ ہاتھیوں کی تاخت سے ان کو پناہ ملے۔ لوگ ان گھروں میں رہتے۔ اور اس لالہ زار کا لطف اٹھاتے تھے۔ گلے سے گھٹنوں تک کا ایک لباس پہنتے چھوٹے کی ٹوپی سر پر رکھتے۔ ایک رومال کمر میں باندھتے تیر لگاتے اور بندوق چلانے میں ہر شخص مشتاق پایا جاتا۔ انکی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتیں۔ انکے حسن و جمال سے اس زمین پر پرستان کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اور انکے حسن کو ڈھانپنے کا لباس پوشیدہ نہ کرتا۔ بلکہ وہ دو ہاتھ کا رومال سینے پر باندھ کر ناف سے زانو تک دھوتی باندھتیں۔ باقی سب جسم کھلا رہتا۔ وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم ہوتی۔ اس لئے چار چار تین تین بھائی ایک عورت کو بی بی بناتے یا چار دوست ملکر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک روز کی باری سے اس کے پاس پہنچتے۔ یا سب ایک ہی رات کو پیچھے بعد دیگرے ہمبستر ہوتے۔ اور جو اولاد ہوتی وہ سب کے ورثہ کی مستحق قرار پاتی۔

اس جنگل میں مذکورہ بالا خوبیوں کے ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی کثرت سے پائی گئیں مثلاً وہاں کے سبز و شاداب درختوں پر پانی کی نمی سے جونکیں چھوٹی بڑی رہتی ہیں وہ آدمی پر گرکر لگتی اور کہیں نہ کہیں اس کے جسم سے چمٹ جاتی ہیں۔ اور جب پیٹ بھر کر خون پی لیتی ہیں اسوقت علیحدہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح بڑے بڑے اژدہے زہریلے سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانور کثرت سے اس جنگل میں رہتے پائے گئے۔

برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت

جب بغاوتیں کمال بار پر فرو ہو گئیں۔ اور ملک میں امن و امان ہو گیا۔ تو سلطان نے
تنظیم ملک و فوج پر توجہ کی۔ اور اپنے بھتیجے برادر برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی بھی کر دینا
مناسب سمجھا۔ اس کے لئے نواب بدرالشان نائطہ گورنر تلنگ کی دختر منتخب ہوئی اور نواب
کو حیدر تلنگ سے حضوری میں طلب کیا گیا۔ جس وقت بدرالزمان حضوری میں آئے تو سلطان
نے خود ان کا استقبال کر کے بیش قیمت تحائف نذر کئے۔ اور درخواست کی کہ برہان الدین
کو اپنی دامادی میں قبول کر لیں۔ حمید علی کے حالات میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کس طرح
اہل نوائط سلطان کے خاندان کو نسب کے اعتبار سے اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ
اس موقع پر بھی یہ بات پیش آئی مگر بدرالزمان خاں نے خاص حضور سلطانی میں انکار کرنا
خلاف مصلحت سمجھا۔ شادی کی خبر جب معلوم ہوئی تو اہل نوائط حد درجہ برہم ہوئے
بدرالزمان کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہو گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے
کہ شادی کی شب کو اس لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خود کشی کر لی۔ اہل نوائط اور سادات
کے دلوں میں ایک کدورت آ گئی۔ اور یہی وہ کدورت ہے جس کی وجہ سے سادات اور
نوائط سلطان کے خلاف ہو کر سلطنت خداداد کے زوال کا باعث ہوئے۔

نائطہ

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ جب مسلمان ہندوستان میں ملک گیری میں
مصروف تھے۔ اور ان کی سلطنت دہلی میں قائم ہو گئی تھی تو عراق ایران عرب کے
لوگ ہند کو آ رہے تھے۔ کہ مسلمان بادشاہوں کی علم دوستی و غریب پروری سے

فائدہ اٹھایا ہیں مسلمان بادشاہوں نے ان نو واردوں کا جو اس نئے ملک میں نائطہ کہلائے گئے۔ بوجہ اسکے کہ وہ عرب سے متعلق تھے۔ عرب کی محبت میں ان سے حد درجہ سلوک کرنا شروع کیا۔ اور ملک میں تمام مذہبی عہدے قاضی محتسب وغیرہ انہی لوگوں کو دئے جانے لگے۔ اور اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر ایک مذہبی سیادت قائم ہوگئی جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے برتر سمجھنے لگے۔ اور شادی و بیاہ کے معاملہ میں انہوں نے یہاں تک احتیاط کی کہ کسی طبقہ سے بھی اختلاط جائز نہ سمجھا۔ ان لوگوں میں مذہبی علم و فضل کا نہایت چرچا تھا۔ اور مذہبی عہدے انہیں میں محدود تھے۔"

اس تفوق و برتری کی وجہ سے جو نواب بدر الزماں کو بحیثیت نائطہ ہونے کے حاصل تھی۔ خاندان سلطان سے نسب کرنے میں عار تھا۔

حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ

سنہ ۱۷۸۵، ۱۷۸۷ء

مرہٹوں اور نظام الملک نظام علیخاں کو امید تھی کہ سلطنت خداداد اپنی اندرونی بغاوتوں اور انگریزوں سے برسر جنگ رہنے کے باعث سر نہیں اٹھا سکیگی۔ اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر ان کی امیدوں کے خلاف سلطنت خداداد ابھری اور اس شان سے ابھری کہ تمام جنوبی ہندستان میں سلطانی شان و شکوہ اور جلالت و جبروت کا پرچم اڑنے لگا۔ دریائے کرشنا سے لیکر ٹراونکور تک سلطان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"جنوبی ہندوستان نے کسی سلطان کو نہیں دیکھا۔ بلکہ صرف ٹیپو سلطان ہی ایک ایسا سلطان ہوا جس کی شاہانہ عظمت و جبروت ہر ایک کو متحیر کر دیتی تھی۔"

حیدرآباد اور پونا کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حریف جس کو وہ ہمیشہ زک دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرح سر اٹھائے۔ لہٰذا دونوں سلطنتوں میں بمقام ایت گیرہ اپریل ۱۷۸۶ء میں ایک معاہدہ ہوا۔

نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کرنے کی تحریک مرہٹوں کی طرف سے ہوئی۔ جو ٹیپو سلطان کی ترقی سے خائف ہو گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر لکھا گیا ہے۔

"جب پیشوا کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت و وصول پیشکش اپنے ایلچی روانہ کئے جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا۔ کہ ان کے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوائے اور کوئی چیز متروکہ نہیں چھوڑی ہے جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و بد دل ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علیخاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔"

اس معاہدہ کے بعد انکی متفقہ فوجیں ممالک محروسہ سلطنت خداداد پر بڑھیں اسوقت قلعہ دھاڑواڑ پر حیدر بخشی کا نڈر تھا جس نے رشوت لیکر قلعہ دھاڑواڑ کے علاوہ کنجن گڈھ، نولگنڈہ، ترکنڈہ اور بعد رانڈی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں

کے حوالے کر دیا۔

جس وقت سلطان کو یہ خبر پہونچی، تو ماہ شعبان کی چھ تاریخ کو ایک جرار فوج لیکر دار السلطنت سے نکلا بنگلور کے راستے سے ادہونی کی طرف بڑھا۔ اس وقت ادہونی میں میر نظام علی خاں کا داماد نواب مہابت جنگ تھا جس نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضور سلطانی میں صلح کے لیے بھیجا۔ اس موقع پر سلطان نے سفیر سے کہا۔

"مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے لیکن چونکہ نواب نظام علیخاں نے بے وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کر کے اس سلطنت خداداد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ اس لئے میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کیلئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں۔ اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مساجد اور اہل اسلام کے گھروں کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ نظام الملک ہم سے اتفاق کر لے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر پونا پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضا مندی اور خلق اللہ کی رفاہ کیلئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے۔"

اتمام حجت اور مسلمانوں میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے سلطان نے محمد غیاث کو ایلچی بنا کر حیدر آباد روانہ کیا۔ اور نظام الملک کے نام ایک خط بھی لکھا۔ جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"میں ٹیپو سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان اور مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو

میرے ساتھ ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں۔ اور ان کے ساتھ ہو کر اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج کرنا ذریعہ حصول جاہ خیال کریں جیسا کہ نواب نظام علیخان بہادر نظام حیدر آباد بار بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے اور دونوں فوجیں مل کر میرے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی ہیں۔ اور افسوس کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خاں بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی للکار کو اپنے ملک سے دور رکھنے کیلئے ان کی دوستی کو مقتضائے مصلحت جانتے ہیں۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہنچایا۔ اور ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا۔ اس کا انتقام یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے۔ اور جب میری اور انکی دو طاقتیں ایک ایک جگہ مل جاتیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کا حوصلہ کرتے لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے۔ جو نظام حیدر آباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ اور وہ نظام کو مرہٹوں سے متفق کر کے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یکجہتی کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں، بھتیجوں اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں۔ تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہو جائیں۔ اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہو جانے کا علم و یقین ہو جائے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلیٰ درجہ کے قیمتی تحائف و جواہرات اور امراء و وزراء کیلئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں۔ غیاث الدین نے حیدر آباد پہنچکر وہ خط

اور تحائف وغیرہ پیش کر کے نظام الملک کو اتفاق و یک جہتی پر توجہ دلائی نظام الملک کے دل پر بھی اس تقریر کا اثر ہوا مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے۔ تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا رنگ بدل دیا اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا۔ وہ یہی تھا کہ اعلیحضرت نظام کا درجہ ایک نایک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا۔ نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے نشانِ حیدری کا مصنف مورخ کرمانی جو سلطان کا مصاحب بھی تھا۔ طنزاً لکھتا ہے :۔

"یہ ایک دعویٰ باطل ہے کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولتمندوں کو شریف نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ سلطانِ ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔ اور حسب میں اس کا اقتدار اسباب دنیا داری اور امارت و جلالت یکتائے روزگار ہے۔ اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا بعض نادان لوگوں نے جو لقب نایک کا اسکے نام پر زیادہ کیا ہے اس وہ صریح مغالطہ میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں۔

خدائے قادر و برحق کی قدرت نامتناہی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے۔ اس کو دین و دنیا میں سعادتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے مال و دولت اور مرتبہ سے سرفراز کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہند اور دکن کے ان سلاطین سے جو بارگاہِ خداوندی میں مقبول اور حق کی بارگاہ مرجع انام تھی۔ واقف نہیں ہیں۔ کہ وہ نسب حسب کے اعتبار سے کیا تھے ۔ اور کیا ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور ہوا)

کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے۔ کہ باوجود اس سیادت کے اس کی وفات کے بعد اس کی قبر پر بجلی گری۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ بھی دعوائے صحیح النسبی کر رہے ہیں۔ اور کم ظرف و کم فطرت لوگ اپنے غرور بے جا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے برابر کسی کو اشراف نہیں سمجھتے ؎

زشتیٔ ظرف و اصالت ہست زر و دولت نہاں
عیب پوشش تحسینہ تشکل نزدیں چادر است"

سلطان کا ایلچی بے نیل و مرام واپس آگیا۔ اور نظام الملک بدستور مرہٹوں سے ملک تاخت و تاراج میں مصروف رہا۔ اب سلطان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور وہ اپنی فوجوں کو لیکر برق و باد کی طرح حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں پر گرا۔ اور ایک ایسا سبق دیا کہ مرہٹے اور نظام ذلیل سے ذلیل شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہو گئے اور دوسری طرف باوجود اس سطوت و نصرت کے سلطان کا سلوک خاندان حیدرآباد اور دوسرے اسیران جنگ سے ایسا ہے کہ اس کی نظیر تاریخ بمشکل دے سکے گی۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قلعہ ادہونی پر مہابت جنگ داماد نظام الملک کا تسلط ہو گیا تھا افواج سلطانی نے اس کا محاصرہ کرتے ہی ایسا سخت حملہ کیا کہ دوسرے دن صبح کیونت قلعہ کا دروازہ کھل گیا مگر سلطان کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ نظام الملک کی بیٹی مہابت جنگ کی ناموس قلعہ میں موجود ہے۔ اسکے پاس خاطر سے سلطان نے فوجوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے روکدیا۔ اگرچہ اسوقت رسم جنگ اور موسیو لالی فرانسیسی سپہ سالار

نے جو ملازم سلطانی تھے۔ بہت کچھ سلطان سے کہا کہ یہ وقت ہاتھ نہ آئیگا مگر سلطان نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ اور اس طرح ادہونی کا قلعہ حیدرآبادی فوج کے ہاتھ میں اور چند دن رہا سلطان اپنی تھوڑی فوج کو اس نواح میں چھوڑکر خود پیچھے ہٹ گیا جس کی وجہ سے مہابت جنگ کا زنانہ اور دیگر حیدرآبادی خواتین ادہونی چھوڑکر رائچور چلے گئے جب سلطان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے فوجوں کو تسخیر ادہونی کا حکم دیدیا۔

اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعۂ ادہونی جو کہ نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ سلطانی فوجوں نے فتح کرلیا۔ اور مالِ غنیمت میں نواب بسالت جنگ مرحوم کا سلاح خانہ اور کتب خانہ بھی ہاتھ آیا۔ جو سرنگاپٹم روانہ کردیا گیا سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعدار اور دولت رائے کو ادہونی کا صوبہ دار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے پائیں حصار تمام توڑ ڈالے گئے (قلعہ ادہونی ضلع بلاری میں ہے۔ یہ قلعہ راجگان وجیانگر کا بنایا ہوا نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا) ادہر سے فارغ ہوکر سلطان مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا سب سے پہلے کنچن گڈھ پر قابض ہوا۔ رانی فرار ہوگئی۔ اور اس کا بیٹا گرفتار ہوگیا۔ جو بعد میں مسلمان ہوگیا۔ اور علی مردان خاں نام رکھا گیا (جامع اوراق)

کنچن گڈھ سے افواج سلطانی سانڈور میں مقیم ہوئیں۔ حاکم سانڈور نے اطاعت قبول کرلی۔ اب سلطانی افواج کمپلی کی طرف بڑھیں۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد کمپلی پر قبضہ کرلیا۔ اس جنگ کے دوران میں سلطان کے بعض سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث چند عورتیں دریا میں ڈوب کر مرگئیں۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اس نے ان سپاہیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

اس کے بعد جب سلطان قلعۂ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے بڑھا تو بارش کی وجہ سے دریائے تنگبھدرا میں طغیانی آ گئی۔ اور سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ جب اقبال عروج پر ہوتا ہے تو اس وقت ناممکن کام بھی ممکنات میں سے ہو جاتے ہیں۔ اور ہر بگڑی سنور جاتی ہے۔ سلطان نے کئی دن تک انتظار کیا۔ کہ دریا اتر جائے۔ مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ دریا میں کسی گوسے مارے جائیں اور کہا کہ "یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے۔ جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے" قدرتِ الٰہی دیکھیے کہ گولے چھٹتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا۔ اور دریا پایاب بن گیا۔ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ تمام دیکھنے والے اور اہلِ فوج نے اس کو سلطان کی کرامت قرار دیا۔ اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے سلطان دریا پار ہو کر دھاڑواڑ کی طرف بڑھا۔

حسین علی خاں اور مہا مرزا خاں کے ماتحت غازی خاں، ولی محمد خاں کابلی ابراہیم خاں اور فاضل خاں سپہدار اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور دوسری طرف قادر خاں میر محمد اور امام خاں بڑھے۔ یہ فوجیں کچھ اس طرح بڑھیں کہ مرہٹی فوج نرغے میں گھِر گئی۔ اور سرداران مرہٹہ اپنی جانیں بچانے کیلئے اپنے اہل و عیال کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر فرار ہو گئے! اور جس وقت افواجِ سلطانی انہیں اسیر کر کے لائیں تو سلطان نے ازراہِ کرم و مراحمِ خسروانہ ان سے نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا۔ اور بہت سے زر و جواہر دیکر انہیں پونا روانہ کر دیا۔ کہ وہاں جاکر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔

شاہنور کا میدانِ جنگ

شاہنور کے گرد و نواح میں نظام اور مرہٹوں کی فوجیں جمع ہو رہی تھیں۔ اور ایک فیصلہ کن

جنگ کا انتظار تھا۔ تمام مرہٹی سپہ سالار اور خود نظام الملک میدانِ جنگ میں حاضر تھے۔

سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی سپاہ تھی۔ اور میسرہ پر برہان الدین اور قلب میں خود مقیم رہا۔ اس فوج نے رات کے وقت پیش قدمی کی۔ اور علی الصباح برہان الدین کی فوج نے مرہٹی فوج پر جو ہری پنڈت اور راستیا کے ماتحت تھی حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے میر معین الدین کا حملہ ہوا۔ اسی وقت سلطان نے بھی قلب پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے مرہٹوں کی فوج کو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا مشکل ہو گیا اور حیدر آبادی فوجیں فرار ہونے لگیں۔ مرہٹے پیچھے ہٹے۔ اور قریباً تین میل پر جا کر پھر جمع ہوئے۔ اور توپخانہ نے سلطانی افواج کو سخت نقصان پہونچانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے سید حمید شیخ انصر، احمد بیگ اور موسیو لالی کو توپخانہ چھین لینے کیلئے بھیجا۔ یہ فوج ایک خشک تالاب میں سے گذر کر اچانک غنیم کے سر پر پہونچی۔ اور اس قدر گولیاں برسائی گئیں۔ کہ مرہٹی فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مرہٹوں کے دو سردار مارے گئے مرہٹوں اور نظام کا کل سامان جنگ اور اسباب وغیرہ سلطانی فوج کے ہاتھ آیا۔ مرہٹے اور نظام بہت دور تک پیچھے ہٹ گئے۔ اور اس کے بعد انہیں میدانِ جنگ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمید اور سید غفار کو شاہنور بھیجا کیونکہ نواب حکیم خاں باغی ہو کر مرہٹوں اور نظام سے مل گیا تھا جس وقت اس فوج کی آمد کی خبر ملی تو نواب اپنے بیٹے عبد الحکیم خاں کو شہر میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطانی افواج بغیر کسی سخت لڑائی کے شاہنور پر قابض ہو گئیں اور جو کچھ مال و دولت شاہنور میں ملا سب حضور سلطانی میں بھیج دیا گیا۔ عبد الحکیم خاں بھی گرفتار ہو کر حضور سلطانی میں پیش ہوا اور سلطان نے اسے نظر بند کر دیا

عزم سلطانی

میدانِ شاہنور میں جو فتح کامل سلطانی فوج کو حاصل ہوئی تھی۔ اس سے سلطان کا دل بہت بڑھ گیا۔ اور کُل فوج آگے بڑھنے کیلئے بیتاب تھی

سلطان نے ازسرِنو فوجوں کو ترتیب دیکر ایک حصّہ کو تسخیر حیدرآباد کیلئے اور دوسرے کو تسخیر پونا کیلئے نامزد کیا۔ اور خود اسی جگہ ضروریاتِ جنگ مہیّا کرنے اور کمک دینے کی غرض سے مقیم رہا جب یہ خبر نظام الملک اور مرہٹوں کو ملی تو ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ برہان الدین نے بڑھ کر بنکاپور اور مصری کوٹ پر قبضہ کر لیا۔ اور سید حمید و سید غفار نے مندرگی ورگ پر دھاوا بول دیا۔ وہ فوج جو خاص سلطان کے زیر کمان تھی۔ ہری پنڈت پھڑکیا کی فوج کی طرف بڑھی۔ جو کہ شاہنور کی جنگ میں پسپا ہوکر بہت فاصلہ پر مقیم تھی سلطانی فوج شبخون مارتی ہوئی رات کے وقت مرہٹی کیمپ میں داخل ہوگئی۔

راجہ ہولکر جو مرہٹی فوج کی پوری کمان پر تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی حرم سرا چھوڑ کر فرار ہوگیا اس کے فرار ہونے ہی فوج میں بھی بددلی پھیل گئی اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ افواجِ سلطانی کے ہاتھ تمام خیمے اور مال و اسباب آیا۔ ہولکر کی اہل حرم اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہوکر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں تو سلطان نے دوسری دفعہ ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کر کے نہایت عزم و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کر دیا۔ اس کا اثر دربارِ پونا پر نہایت ہی اچھا پڑا۔ تمام مرہٹی سردار جنگ سے عاجز آچکے تھے اور ہولکر نے صلح کر لینے کیلئے سب سے زیادہ زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہوگئی۔

ہری پنڈت کی سفارش سے سلطان نے عبدالحکیم خاں کو دوبارہ شاہنور کی ریاست واپس دیدی۔

(شاہنور، — آج کل شانور کہلایا جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل چھوٹی ریاست ہے۔ جو ہوبلی اور گدگ کے قریب ہے)

جنگ کے خاتمہ پر ہری پنڈت کو اس کی جوانمردی کے صلہ میں کیچن گڈھ کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا۔

ہری پنڈت مرہٹی سپہ سالار تھا۔ اور اس جنگ میں سلطان کا مقابل رہا تھا۔ باوجود اس کے سلطان اپنے اس دشمن کی شجاعت اور جوانمردی کے کارناموں کو دیکھکر اس سے یہ سلوک کرتا ہے کہ صلح ہوتے ہی اس کو ایک بہت بڑی جاگیر بطور انعام دیدیتا ہے سلطان چونکہ خود نہایت بہادر تھا۔ اس لئے وہ بہادر دشمن کی بھی قدر کرتا تھا تاریخ میں اس قسم کی رواداری کی مثالیں ہمیں مشکل ہی سے ملیں گی۔

مرہٹوں سے صلح کرنا گویا نظام علی خاں سے بھی صلح کرنا تھی۔ لہذا حیدرآباد سے بھی جنگ کا خاتمہ ہوگیا۔ سلطان مظفر ومنصور نہایت شان وتزک سے ۱۷۸۷ء میں سرنگا پٹم واپس ہوا۔ راستے میں رائے درگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو جو دوران جنگ میں دشمنوں سے مل گئے تھے۔ قید کرکے بنگلور بھیجدیا گیا۔

انتظام سلطنت

ان مہمات سے فارغ ہوکر سلطان مراجعت فرمائے سرنگا پٹم ہوا۔ جہاں اس نے سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں دیوان میر صادق نے خزانے میں دستبرد کی ہے اور رعایا اس کی سختی سے نالاں ہے۔ سلطان نے بعد تحقیق میر صادق کو معزول کرکے مہدی علی خاں نائطہ کو دیوان مقرر کیا اور تمام سلطنت میں

جدید نظم ونسق کی ایک روح پھونکی گئی۔ اس سال یعنی ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء میں جامع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی گئی اور مسجد اعلیٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان

اس چار سال کے عرصہ میں یعنی ۱۷۸۶ء سے ۱۷۹۰ء تک سلطان جب تک حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ میں مصروف رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی رہی۔ اس کو امید ہونے لگی کہ ان متواتر جنگوں سے سلطانی طاقت بالکل کمزور ہوجائیگی لیکن جب سلطان اس جنگ میں بھی مظفر ومنصور نکلا تو انگریزوں نے اس کو مہلت ہی نہ دینا چاہی اور جنگ پر آمادہ ہوگئے۔ اس کے لئے انکو بہانہ کی تلاش تھی۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے کہ اسکے ہاتھ سے امریکہ کے مقبوضات نکل چکے تھے اس لئے انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی۔ جنوبی ہندان کیلئے ایک وسیع میدان تھا لیکن متواتر دو جنگوں میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے شکست کھانے کے بعد انہیں اپنی امیدیں منقطع ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے اپنی ساری توجہ اسطرف مرکوز کردی۔ اس نے مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز اور گورنر جنرل کے عہدہ کے لئے لارڈ کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ جنرل میڈوز ایک نہایت کار آزمودہ جنرل تھا۔ اور اسی طرح لارڈ کارنوالس بھی۔ ان دونوں کا انتخاب اس لئے ہوا تھا کہ ٹیپو سلطان سے ۱۷۸۴ء کی شکستوں کا بدلہ لیا جائے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کو ہندوستان میں وسیع کیا جائے۔ جنرل میڈوز مدراس پہونچکر میسور کی رانی کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط وکتابت شروع کر دیتا ہے اور موقع کا منتظر رہتا ہے کہ سلطان سے جنگ چھیڑ دیجائے اور خوش قسمتی سے یہ موقع جلد حاصل ہوجاتا ہے۔ یعنی ملیبار میں سلطان کے

خلاف بغاوت ہو جاتی ہے۔

سرکشان ملیبار کی بغاوت

سنہ ۱۷۸۹ء میں سلطان باوجود ملکی انتظام میں مشغول ہونیکے کالیکٹ کے باغی نائروں کی سرکوبی کیلئے نکلا بغاوت کو فرو کر دیا گیا معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پس پردہ راجہ کوچن اور راجہ ٹراونکور کے ہاتھ کام کر رہے ہیں سلطان ان دونوں ممالک پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا خیرخواہوں نے عرض کیا کہ راستہ ناہموار ہے اور دریا درمیان میں حائل ہے مگر سلطان نے اسی رات کی تاریکی میں صرف دو پلٹنیں اور دو ہزار سوار لیکر کوچن پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا مگر مکار دشمنوں نے از رہ فریب رات خاموشی سے بہ کر کے صبح ہونے سے پہلے دریا کے پلیوں کا منہ کھول دیا جس سے کھاری اور چشمے لبریز ہو گئے کمک کے آنے یا فوج کے واپس چلے جانے کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں جس کے بعد انہوں نے چاروں طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اس معرکہ میں سلطان کے چار ہزار جری سپاہی کام آگئے سلطان بصد مشکل دریا عبور کرتا ہوا واپس ہوا مگر سلطانی جلوداروں میں سے کوئی نہ بچ سکا سلطان کی پالکی اور کٹار جو پالکی ہی میں تھی۔ دشمنوں کے ہاتھ آ گئی۔ سلطان نے دریا پار ہو کر اپنی فوج کو جمع کر کے سپہداروں کو عام حملہ کا حکم دیا سلطانی سپاہ کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ صبح کو جو واقعات ہوئے تھے ان کا دل کھول کر بدلہ لیا گیا سلطان نے بصد شان و شوکت قلعہ میں داخل ہو کر سب مال و متاع اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

جب ان واقعات کی خبر مدراس پہنچی تو جنرل میڈوز جو پہلے ہی سلطان کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھا اور میسور کی رانیوں کے ایجنٹ تِرمل راؤ سے خط و کتابت

کر چکا تھا بغیر اعلان جنگ کے سرحد سلطنت خداداد پر فوجیں بھیجدیتا ہے سلطان کو جب اس کی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ انگریز بغیر کسی وجہ کے اس سے کس لئے جنگ پر آمادہ ہیں حالات دریافت کرنے کیلئے وہ جنرل میڈوز کو خط لکھتا ہے۔ اس خط کا مضمون اور اس کا جواب بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۴ پر اس طرح لکھتا ہے:۔

"دونوں حکومتوں کے درمیان اگر کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہو گئی ہے تو باہمی مفاہمت سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔"

جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور حکومت مدراس کی حلیف ہے اور اسکی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ اس جواب سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز جنگ پر آمادہ ہیں۔"

سلطان کو جب یہ جواب پہنچا تو وہ بھی اپنی مدافعت کیلئے پائیں گھاٹ کی طرف بڑھا کہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبتور اور ستی منگل کی نواح میں جنرل میڈوز کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں سلطان فتحیاب ہوا۔ دوران جنگ میں جب انگریزی فوج کے خیمے لوٹے گئے تو اکثر مرد و عورت اسیر ہوئے۔ اور ان میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں اور گوروں سے زنا کرتی تھی۔ سلطان نے ان کو قتل کرادیا۔

بنگالے سے کرنل میکسویل کے ماتحت مزید انگریزی فوج براہ مسرکارس آکر ترپاتور اور وانمباڑی پر قابض ہو چکی تھی جب سلطان کو اس کی خبر پہونچی تو میر برہان الدین سپہ سالار کو مدافعت کیلئے روانہ کیا۔ اور خود تنگر کی جانب بڑھا۔ برہان الدین اور اس کے ماتحت سپہ دار سید غفار نے کنڈلی پہنچکر انگریزی فوج پر حملے کئے اور ڈیڑھ سو

سوار اور دو سو سپاہی قید کر لیے۔ یہ خبر پاکر جنرل میڈوز شکست کھاکر ستی منگل کی نواح میں چلا گیا تھا۔ کرنل میکسول کی امداد کیلئے بڑھا۔ اور دونوں فوجیں تپورگھاٹ پر مل گئیں جن کے باعث افواجِ سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ انگریزی فوج کشتی کی خبر جب پہنچی تو سلطان رسالے اور توپ خانے لیکر بہ نفسِ نفیس انگریزی افواج کے سر پر پہنچا۔ اور جاتے ہی حملے کا حکم دیدیا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کو سخت شکست ہوئی اور ان کا ناطقہ یہاں تک بند ہوگیا کہ وہ ترچناپلی کی طرف فرار ہوگئی۔ لیکن سلطانی سپاہ نے آگے بڑھ کر ان کی راہ روک لی اور ان پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی۔ اور اس دلیری و بہادری اور باقاعدہ معرکہ آرائی سے اپنا فنِ جنگ ظاہر کیا۔ کہ انگریز بھی لوہا مان گئے۔ قریب تھا کہ سلطانی فوج کو کامل فتح حاصل ہوتی۔ کہ رات ہونیکی وجہ سے جنگ موقوف ہوگئی رات ہی رات انگریزی سپہ سالار بہت سا سامان اور اسباب وہیں چھوڑکر آگے روانہ ہوا مگر سلطانی سواروں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ناگاہ ان حملوں میں میر برہان الدین کو گولی لگی۔ اور وہ وہیں شہید ہوگئے۔ سپاہیوں نے ان کی لاش کو فوراً پالکی میں رکھکر سلطان تک پہنچا دیا۔ سلطان اپنے ایک ایسے تجربہ کار اور جاں نثار سپہ سالار کے مارے جانے سے بے اختیار رو پڑا۔ اور اس غم میں اپنی فوج کو انگریزوں کے تعاقب سے منع کردیا۔ اگرچہ دوسرے سپہ سالار اور سپاہیوں نے بہت کچھ زور دیا۔ کہ جب کامل فتح اور دشمن کی پوری بربادی آنکھوں کے سامنے ہے تو ضرور تعاقب کرنا چاہئیے۔ مگر سلطان نہ مانا۔ اس سے جنرل میڈوز کو غیر متوقع فرصت مل گئی۔ وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اور دوسری آنے والی مصیبتوں کا خیال کرکے اپنی سپاہ لیکر بخیر و عافیت مدراس پہونچ گیا۔ مگر راستے بھر سلطانی سپاہ اس کو پریشان کرتی رہی۔ ان واقعات سننے وان میں سلطانی

سپاہ نے ستی منگل، جنجی اور کوہ پہ تو کل کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے انگریزی عورت اور مرد جو اسیر ہوئے سرنگا پٹم پہنچا دیئے گئے۔

اس جنگ کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھتا ہے :-

"سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کیلئے ضروری تھا کہ ضلع بارہ محل اور درہ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس خیال سے جنرل میڈوز نے کرنل میکسول کو کرشنا گری پر بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا لیکن ابھی میکسول کرشنا گری بھی نہیں پہنچا تھا کہ سلطان نے بجلی کی سرعت سے بڑھ کر میکسول سے جنگ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ دوسری جانب سے خود جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریزی فوج آ رہی ہے۔ ٹیپو جو ایک ماہر فن اور بہترین جنگی جنرل تھا سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے نرغے میں پھنس جانے والا ہے۔ اسلئے اپنی فوج لے کر پیچھے ہٹا اور درۂ تباسے نکل کر اس آنے والی انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ انگریزی فوج نقصان اٹھا کر واپس ہوئی۔ یہاں سے سلطان سیاہ گھاٹ کو عبور کر کے ترتاملے اور پرماکوئل پر بڑھا۔ اور یہ مقامات اس کے قبضہ میں آگئے۔ یہاں سے پانڈیچری پہنچ کر اس نے فرینچ گورنر سے درخواست کی اس کو چھ ہزار فرانسیسی سپاہیوں سے مدد دے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ ٹیپو نے اس وقت یہ بھی وعدہ کیا کہ انگریزی مقبوضات فرانس والوں کے سپرد کر دئے جائیں گے۔ گورنر نے اس درخواست کو فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ لیکن لوئی شانزدہم نے انقلاب فرانس کے ڈر سے اس درخواست پر اس وقت توجہ نہیں دی۔"

ایک فرانسیسی مورخ لبعد حیرت لکھتا ہے :- کہ

"فرانس والوں نے اس تریں موقع کو ہاتھ سے کھو دیا۔ اس وقت جب سلطان
کل جنوبی ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور انگریز اس کے رحم پر تھے اگر
فرانس والے سلطان کی تائید کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی"

جب یہ خبریں گورنر جنرل لارڈ کارنوالس تک پہونچیں تو وہ انہی واقعات کو بہانے
جنگ خود بھی تیاری میں مصروف ہوا۔ سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی
بغاوتوں کے دبانے کیلئے کیا لیکن انگریزوں نے بلاوجہ باغیوں کی حمایت کی۔ اور
جب انہیں اور باغیوں دونوں کو شکست ہوئی۔ تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ
کی بنیاد ڈالدی۔ کہ کسی طرح سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

سلطان سے جنگ کرنے کیلئے انگریزوں کے پاس کوئی معقول وجہ نہیں تھی۔
لیکن ایک عرصہ سے نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی فتوحات انگریزوں کے دلوں میں کانٹا کی طرح
کھٹک رہی تھیں۔ اور گذشتہ شکستوں کا زخم ان کے سینوں میں اتنا گہرا تھا۔ کہ وہ
دن رات انتقام لینے کے درپے تھے جب تنہا انگریز سلطان سے نبرد آزما نہ ہو سکے تو
آخرکار نظام الملک اور مرہٹوں کو ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف "اتحاد ثلاثہ" قائم
کر لیا گیا۔

ان حالات کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلا اس وقت کی تاریخ الگ کر
علیحدہ علیحدہ حاوی انگریز، فرانسیسی، نظام الملک اور مرہٹوں کے حالات بیان کئے
جائیں۔ والاجاہ نواب کرناٹک کے حالات کو اس لئے نظر انداز کیا گیا ہے کہ اس وقت
وہ انگریزوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔

حیدرآباد

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ اور ہر جگہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے۔ ان صوبہ داروں میں جو دو ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں۔ ان میں سے ایک تو صوبہ دار اودھ کی ہے اور دوسری نظام الملک آصفجاہ اول حیدرآباد دکن کی ہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے جانشین اس قدر دماغ کے نہیں تھے جو سلطنت کو قابو میں رکھ سکتے نتیجہ یہ ہوا کہ زمام سلطنت وزرا کے ہاتھ میں آگئی۔ اور شہنشاہ برائے نام رہ گئے۔ ان وزرا میں عبداللہ خاں اور حسین علی خاں دو بھائی تاریخ میں خاص طور پر مشہور رہے ہیں۔ دراصل یہ دونوں بھائی تاریخ میں (کنگ میکرس) بادشاہ ساز مشہور ہیں۔ جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے۔ اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے تھے (باوجود اس کے تاریخ اس کا ثبوت نہیں دیتی کہ وہ سلطنت کے دشمن تھے یا بدخواہ) یہ لازمی بات تھی کہ جب وزرا میں سے دو طاقت پکڑ لیں۔ تو دوسرے امرا و وزرا انہیں رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی دہلی میں بھی ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے دہلی میں سازشوں کا بازار گرم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھائی تو قید ہو گیا اور دوسرا شہید کر دیا گیا۔ اور اسی دن سلطنت مغلیہ کے زوال پر تصدیق ثبت ہو گئی۔

رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا میں ڈاکٹر باسو مورخ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتا ہے:-

"اگر زوال سلطنت مغلیہ کی گتھی کو سلجھایا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان دونوں"

بھائیوں کے زوال میں اگر کسی کا ہاتھ تھا تو وہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ وزراء و امراء میں جو نااتفاقی تھی۔ وہ نظام الملک کی پھیلائی ہوئی تھی۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور اس کمزوری سے دور دراز کے صوبہ داروں نے فائدہ اٹھا کر خود مختار بننا شروع کیا۔ باوجود اس افراتفری کے سلطنت میں ابھی دم باقی تھا۔ اور صرف شاہنشاہِ مغلیہ کا نام اس امر کیلئے کافی تھا کہ سرکش سے سرکش کو فوراً نیچا دکھا دے۔ چنانچہ جس وقت گجرات میں بغاوت ہوئی جو در اصل نظام الملک کی خفیہ سازشوں کا باعث تھی۔ تو شاہی فوجوں نے نہایت آسانی سے اس کو فرو کر دیا۔ مگر زمانہ مغلیہ شہنشاہِ ہند کی اس ہیبت و صولت کو بھی مٹانے پر آمادہ تھا۔ اور وہ وقت ۱۷۳۹ء میں آ گیا جبکہ نادر شاہ نے ایک طوفانِ بلا کی طرح ہندوستان میں آ کر دہلی کو لوٹا۔ اور شہنشاہانِ ہند کی عظمت و صولت کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اب صرف یہ معمہ رہ گیا ہے کہ آیا نادر شاہ خود بخود ہندوستان میں آیا تھا یا اس کو کسی نے آنے کے لئے ابھارا تھا۔

اگر نادر شاہ طمعِ سلطنت لئے ہوئے آتا تو اس کیلئے یہ مشکل نہ تھا کہ ہندوستان میں سر پر آرا ہو کر تاجِ ہندوستان سر پر رکھے۔ بجائے اس کے تاریخ پتہ دیتی ہے۔ وہ لوٹ اور قتل و غارتگری کر کے ہندوستان سے واپس لوٹ گیا۔

مصنف سیر المتاخرین اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"نادر شاہ کو افغانوں سے شکایت تھی۔ اور اس کو رفع کرنے کیلئے اس نے اپنا ایک ایلچی دربارِ دہلی میں روانہ کیا جس وقت ایلچی دربارِ دہلی میں پہنچا تو امرائے سلطنت نے بھانپ لیا کہ اس کی تہ میں نظام الملک کا ہاتھ ہے اور خصوصاً ذکریا خان کا جو کابل میں واتسرائے تھا اور نظام الملک کا رشتہ دار تھا۔"

قطع نظر اس سے اگر اس کو دیکھا جائے کہ جس وقت نادرشاہ ہندستان پہونچگیا
تو دوبارہ دہلی سے نظام الملک اور خان دوران کو حکم ملا کہ اپنی فوجیں لیکر بادشاہ کو روکیں
صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک اور خان دوران نے شہر میں جانے کی خبر مشہور کرکے وقت گنوانا
شروع کر دیا۔ اور بیہودہ نے جیتے تماشا شروع کر دیئے"

اور پھر جس وقت دہلی پر حملہ ہوا تو سعادت خاں صوبہ دار اودھ نے جو اپنی فوج لیکر
معیت شہنشاہ ہند کی حمایت کر رہا تھا۔ نظام الملک سے امداد مانگی نظام الملک نے
اس وقت جو جواب دیا۔
صاحب سیر المتاخرین سے سنئے:۔

"اب شام کا وقت قریب ہے۔ اب وقت ہے کہ شہنشاہ، سعادت خاں کی فوج کو
آرام لینے کا حکم دے۔ کل صبح تمام فوج کو اکٹھا کرکے دشمن سے مقابلہ کیا جائے"۔
اس لئے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں کہ نظام الملک سعادت خاں کی امداد کو گیا یا نہیں
دہلی پر جو گذرنا تھا۔ گذر گیا۔ اور اس میں نظام الملک کا کہاں تک ہاتھ تھا۔ اسکے متعلق
مورخ باسو لکھتا ہے۔

"دہلی کی تباہی میں نظام الملک کا ہاتھ تھا"

ادھر نادرشاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ ادھر نظام الملک اپنے بھائی غیاث الدین
کو وزارت پر چھوڑ کر دکن واپس آیا اور پایہ تخت کو اورنگ آباد سے حیدرآباد میں بدلدیا گیا
جہاں وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور درست بنانے میں منہمک ہوگیا۔ مگر جو طاقت
کہ اس کے سد راہ تھی۔ وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔

مرہٹے

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے اسباب میں جہاں نظام الملک کا ہاتھ ہے وہاں مرہٹوں نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے ہی میں مرہٹے دکن میں طاقت پکڑ چکے تھے۔ اور اب جبکہ سلطنتِ دہلی پر انقلاب آ رہے تھے۔ تو انہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر صوبہ دار دکن مغلیہ سلطنت کا وفادار ہوتا۔ تو مرہٹوں کو کبھی وہ عروج حاصل نہ ہوتا جو انہیں حاصل ہو کر رہا۔ لیکن صوبہ دار دکن نے اپنے اغراض و مقاصد کی حصول کیلئے یہی مناسب جانا کہ مرہٹوں کا حوصلہ دلائے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے اپنے چچا حمید خان کو شہنشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا۔ اور مشورہ دیا کہ سیواجی اور کنتاجی مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے"

پھر باجی راؤ پیشوا کے زمانہ میں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب جس شخص نے مرہٹوں کو دی۔ وہ نظام الملک ہی تھا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے باجی راؤ کے آگے تجویز پیش کی کہ مالوہ اور گجرات فتح کر لے۔ یا کم از کم انہیں ایسا اجاڑ دے کہ وہ صوبے دشمن (سلطنت مغلیہ) کے کسی کام کے نہ رہیں۔ باجی راؤ اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے فوراً ایک زبردست فوج تیار کی۔ اور گجرات و مالوہ پر چڑھائی کر دی"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نظام الملک نے جو خود ایک زبردست سلطنت کی بنیاد

دیکھنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں سے ساز باز کیوں کی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے۔ کہ، نظام الملک موقع کا منتظر تھا۔ اس کو نہ سلطنت مغلیہ سے ہمدردی تھی۔ اور نہ مرہٹوں سے۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں حریف لڑ کر کمزور ہو جائیں تو خود طاقت حاصل کرلے۔ مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مرہٹے گجرات و مالوہ پر قبضہ کر کے کل ہندوستان پر چھا گئے۔ دوران کی طاقت یہاں تک زبردست ہو گئی تھی کہ نظام الملک کی سلطنت ان کے رحم پر منحصر ہو گئی۔ اگر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی میدان پانی پت میں انہیں شکست نہ دیتا۔ تو ہندوستان پر انہیں کی حکومت ہوتی اور حیدرآباد کا نام ونشان بھی مٹ گیا ہوتا۔ مگر باوجود اس شکست فاش کے یہ قوم پھر اپنی گم شدہ عظمت حاصل کرنے کے لئے بیتاب تھی۔ اور کل ہندوستان ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۱۷۶۱ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ انقلاب انگیز سنہ ہے جب ہندوستان پر بہت سے انقلابات آئے۔ مرہٹی طاقت جو ہندوستان میں کوس لمن الملک بجا رہی تھی میدان پانی پت میں دفن ہو گئی۔ اور نئی نئی طاقتیں ہوس ملک گیری لئے منصۂ شہود پر آئیں۔ مرہٹہ کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی۔ مگر ان میں اب بھی ہوس ملک گیری برابر قائم تھی۔ حیدرآباد میں آصف جاہ نظام الملک کا انتقال ۱۷۴۸ء میں ہو چکا تھا۔ اسکے بعد حیدرآباد خود بھائیوں کی ہوس کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جنوب میں حیدر علی کی نئی طاقت ابھر رہی تھی۔ دوسری طرف انگریز اور فرانسیسی ملک پر قبضہ جمانے کیلئے دست بگریباں تھے۔ اس لئے اس موقع پر ان دونوں قوموں کی مختصر تاریخی حالات کا لکھنا تسلسل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

انگریز اور فرانسیسی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں قومیں کس غرض سے ہندوستان میں آئیں اور کس طرح انگریزوں نے فرانسیسیوں کو شکست دیکر اور پھر رفتہ رفتہ ملکی معاملات میں دخل دیکر بنگالہ اودھ اور سرکار س پر قبضہ کر لیا۔ اگر میر قاسم و میر جعفر کا وجود بنگالہ میں نہ ہوتا۔ تو شاید انگریزوں کے قدم بھی بطور حکمران ہندوستان میں نہ جمتے۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ ہی تھے جنہوں نے ہندوستان کو غلامی کا طوق پہنایا۔ اور آپ بھی غلام بن کر رہ گئے۔ اگر تاریخ ہند کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شمالی ہند میں میر جعفر و میر قاسم حیدر آباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق و میر غلام علی لنگڑا ایک ہی وقت میں ایسی ہستیاں تھیں جنہوں نے ہندوستان کی سلطنتوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔

انگریز تو ہندستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے تھے مگر مواقع ایسے پیش آئے کہ وہ بنائے حکومت رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ وارن ہیسٹنگس اور لارڈ کلایو نے بنگالہ میں جو کچھ کیا اور جس طرح بنگالہ اور اودھ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے محتاج تشریح نہیں۔ فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح ہندوستان میں تجارت کیلئے آئے تھے مگر قسمت نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب ہو گئے۔

ہندوستان کی مکمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب صرف یہ بتانا باقی ہے کہ سلطنت خداداد میسور کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال سے جو طاقت فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ وہ حیدر آباد دکن کی ریاست تھی مگر اس کی ادبی جنگ جیائل ہو گئی۔ وہ خود نظام الملک آصف جاہ کی پالیسی اور مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

تھی جس کے سیلاب کو روکنا اس کیلئے اب مشکل ہو گیا تھا۔ نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد خانہ جنگیوں میں گھر گیا۔ سنہ ۱۷۶۱ء میں مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور نظام الملک نظام علی خاں مسند آرائے دکن ہوا۔ اور یہی وہی شہنشاہیت ہند کا سودا سر میں لیکر آیا۔ جو نظام الملک اول لیکر آئے تھے۔ انگریز اور فرانسیسی تاجر تھے اور سات سمندر پار سے آتے تھے۔ نظام علیخاں کے خیال میں وہ مستقل بود و باش اور حکمرانی کے لئے نہیں آئے تھے۔ ان کی فوجیں زیادہ تر ہندوستانی تھیں جو شہنشاہِ ہند کے جھنڈے تلے بوقتِ ضرورت آسانی سے لائی جا سکتی تھیں۔ اس لئے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ ان نئی ابھرنے والی طاقتوں پر مرکوز کر دی جو اس کے خیال میں شہنشاہیت ہند کے راستے میں سدِ راہ ہونے والی تھیں اور اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے اس کی نظرِ انتخاب انگریزوں اور مرہٹوں پر پڑی۔ اول الذکر یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔ اور مؤخر الذکر کی طاقت آسانی سے مٹائی جا سکتی تھی۔ کیونکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں سے امداد مل سکتی تھی۔ اور ایران و افغانستان سے بھی تائید کی توقع تھی۔ اس لئے نظام الملک مرہٹوں اور انگریزوں سے مل گیا کہ نئی طاقت کو ابھرنے نہ دے۔

اگر بساطِ ہند پر حیدر و ٹیپو ایسے مہرے نہ آتے اور اس اسلامی سلطنت خداداد کی بنیاد نہ پڑتی تو یقینی تھا کہ سرزمینِ دکن کی تاریخ حیدرآباد اور مرہٹوں کی جنگ سے پر ہوتی کیونکہ جہاں نظام الملک ہندوستان کی شہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا وہاں مرہٹے بھی سیادت ہند کیلئے بیتاب تھے جس طرح سلطنت خداداد کی بنیاد نظام الملک کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ اسی طرح مرہٹے بھی اس نوزائیدہ سلطنت کو مٹانے کے لئے آمادہ تھے۔ اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لازمی طور پر دونوں میں ایک

نظام الملک اور مرہٹوں میں اتفاق ہو گیا۔ اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے آخیر تک سلطنت خداداد کے خلاف ان ہر دو طاقتوں کو متحد و متفق دیکھتے ہیں۔

مرہٹوں کو خراج کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اپنی سیادت منوانا چاہتے تھے مگر نظام الملک کے خیال میں سلطنت خداداد سنگ راہ تھی۔ اس لئے ہر سازش و ہر جنگ کی ابتدا نظام الملک کی طرف سے ہوئی۔ نواب حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کے عہد سلطنت میں بھی نظام الملک ہی کا نام آرہا ہے۔ نظام الملک کی ایک آرزو تو پوری ہو گئی کہ سلطنت خداداد مٹ گئی مگر دوسری آرزو کی حسرت رہ گئی۔ بلکہ خود حیدرآباد کی سلطنت اسی نظام کے عین حیات میں انگریزوں کی باجگزار بنکر رہی۔ گذشتہ اوراق میں ہم بتا چکے ہیں کہ تخت نشینی کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو نظام الملک اور مرہٹوں سے جنگ پیش آئی جن میں سلطان مظفر و منصور ہو کر نکلا۔

ہم بتا چکے ہیں کہ کس طرح انگریز ہر دفعہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ناکامیاب رہے مگر ان کی سلطنت بنگال، اودھ میں مستقل ہو چکی تھی جنوبی ہند میں نظام الملک اور محمد علی والا جاہ نواب کرناٹک ان کے بندۂ بے دام بن گئے تھے۔ ابتداءً قدرتی طور پر انگریزوں کو بھی ہندوستان کی اس افراتفری اور نفاق سے فائدہ اٹھا کر سلطنت کی بنیاد رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگریزوں کی دوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ مرہٹے اور نظام الملک میں کس قدر بل اور طاقت ہے۔ اس لئے ان کے راستے میں جو شے سد راہ تھی۔ وہ یہی سلطنت خداداد تھی جس کے مٹانے پر وہ بھی تل گئے اور میسور کی ان جنگوں کی بنیاد پڑی جس کو تاریخ میں میسور کی پہلی، دوسری، تیسری۔ اور چوتھی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان میں دو تو حیدر علی کے زمانہ میں اور دو ٹیپو سلطان

کے عہد سلطنت میں لڑی گئیں۔ اب جس جنگ کا ذکر ہو رہا ہے وہ میسور کی تیسری جنگ ہے۔

لارڈ کارنوالس

وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کی کارستانیوں نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جما دئیے۔ اور ان کی سلطنت کی بنیاد بنگالہ و کرناٹک میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے قدرتاً انگلستان میں ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اسی زمانہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ انگلستان سے باغی ہو کر آزاد ہو گئے تھے۔ اور سلطنت انگلستان کو ان کا نعم البدل پیدا کرنے کی فکر تھی جس شخص نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو کھویا تھا۔ وہ خیر سے لارڈ کارنوالس ہی تھا اور اسی لئے اہل برطانیہ کی نظروں میں اس کا وقار اب بالکل زائل ہو گیا تھا۔ انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے ہیسٹنگز کے بعد اسی شخص یعنے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے منتخب کیا۔ کہ وہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت قائم کر کے امریکہ کا داغ بدنامی دھولے۔ نیز مسٹر پٹ انگریزی مقبوضات کے وسیع کرنے کیلئے حد درجہ بیتاب تھا۔

لارڈ کارنوالس کو بھی اب اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی اور آئندہ شہرت کی فکر تھی اس لئے جس وقت وہ گورنر جنرلی کی مسند حاصل کر چکا تو سب سے پہلے اسکی نظر ٹیپو سلطان پر اٹھی کہ اگر کسی طرح ٹیپو سلطان کو نیچا دکھا دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان انگریزوں کا ہو کر رہیگا۔ یہی وہ ارادہ تھا جس کو لارڈ کارنوالس نے اپنے دل میں لیکر ساحل ہندوستان میں قدم رکھا۔ اور اسی زمانہ میں جنرل میڈوز بھی مدراس کا گورنر ہو کر آیا جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ٹیپو سلطان کے

نام کی ہیبت ہندوستان سے نکل کر انگلستان میں پہونچ چکی تھی۔ انگریزی مائیں اپنے بچوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں۔ ہندوستان میں جو انگریز مقیم تھے۔ وہ ان شکستوں کی ندامت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جو گذشتہ جنگوں میں ٹیپو سلطان کے ہاتھوں انہیں ملی تھی۔ کارنوالس ہندوستان میں آیا۔ اور انگریزی طاقت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہوگیا۔ سب سے پہلے سلطنت اودھ پر اس کی نظر پڑی۔ اودھ کو کامل طور پر مطیع کر لینے کے بعد نظام الملک کی طرف متوجہ ہوا۔ اور سرکارس پر قبضہ کر لیا۔ جس طریقہ پر کارنوالس نے سرکارس پر قبضہ کیا۔ مورخ مل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"کارنوالس کو نظام الملک کی طاقت آزمانا تھی۔ اس لئے اس نے بجائے صاف اور سیدھے طریقے پر سرکارس کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کیپٹن کینا وے (جو بطور سفیر حیدرآباد جا رہا تھا) کے حیدرآباد پہونچنے تک سرکارس کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ اور جب کینا وے حیدرآباد پہونچ جائے تو مدراس کی ایک فوج نواح سرکارس میں اس طرح بھیجی کہ نظام کو شبہ نہ ہو۔ اور جب موقع آئے تو فوراً ان قلعوں پر اس طرح قابض ہو جائے کہ کسی دوسرے کو مزاحمت کرنے کا موقع حاصل نہ ہو"

اس طریقہ پر عمل کیا گیا۔ نظام الملک چوں تک نہ کر سکا۔ اسکو تو انگریزوں کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اس وسیع قطعہ کو یوں ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بھی اسکے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ اور اس طرح ضلع گنجام اسحاق پٹن، گوداوری، کرشنا اور گنٹور کے اضلاع انگریزوں کے ہاتھ آگئے۔ جب کارنوالس کا مقصد پورا ہوگیا۔ اور اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ نظام الملک

میں کتنی طاقت ہے تو اس نے مناسب خیال کیا کہ ٹیپو سلطان سے زور آزمائی کرے جنگ کی ابتدا کیلئے کوئی ایک بہانہ چاہیئے تھا اور کارنوالس کو بہانے کا ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ آخر کار ٹیپو سلطان کے خلاف اس بہانے سے لڑائی چھیڑ دی گئی کہ سلطان راجہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ جو انگریزوں کا حلیف تھا۔

گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ جنرل میڈوز گورنر مدراس، نے اسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی تھی۔ اور شکستیں اٹھا رہا تھا۔ کارنوالس نے دیکھا کہ میڈوز جیسا تجربہ کار جنرل جب ٹیپو سلطان سے عہدہ برآنہ ہو سکا۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اگر اپنی پوری طاقت بھی خرچ کر دے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس نے نظام الملک اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور سلطان کیخلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جن کا بیان اگلے صفحات میں ہوگا۔ "زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب" میں ان سازشوں پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ (محمود)

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری جنگ کے اسباب

انگریزوں نے اس جنگ کی ابتدا کی اور وہ اس میں کہاں تک حق بجانب تھے۔ تاریخ اس کا جواب دیتی ہے۔

سر جان مالکم جو کارنوالس کا مداح ہے لکھتا ہے:۔

"کارنوالس نے اس عہدنامہ کو نظرانداز کر دیا جو ۱۷۸۴ء میں منگلور میں ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوا تھا۔ اس کے عوض اس نے اس عہدنامہ کو مستند قرار دیا جو ۱۷۶۸ء میں ہوا تھا جس کی رو سے نظام الملک مرہٹے، سردار و نوابان اودھ، ارکاٹ اور راجگان تانجور و ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے تھے۔

ٹیپو سلطان کا نام عمداً نظر انداز کرنے میں کارنوالس حق بجانب نہیں تھا کیونکہ عہد نامہ منگلور کی رو سے ٹیپو سلطان بھی انگریزوں کا ایک دوست مانا گیا تھا۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:-

"کارنوالس جیسے سیاست دان اور انصاف پسند شخص سے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس طرح بدعہدی کرے گا۔ کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ مدراس میں اس وقت مسٹر ہالینڈ گورنر تھا جس نے جواب میں لکھا کہ ٹیپو سلطان کا ہماری حکومت سے جنگ کرنے یا عہد نامے توڑنے کا کوئی خیال نہیں۔ مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا اور ٹراونکور کا بہانہ جنگ کرنے کے لئے اختیار کیا گیا۔"

آگے چل کر یہی کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"ٹیپو سلطان جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اور اس نے اس امر کا یقین بھی دلایا کہ اس کا ارادہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔"

کارنوالس بنگال میں تھا۔ لہٰذا مدراس کی گورنمنٹ اس سے بہتر جان سکتی تھی کہ حقیقت میں ٹیپو سلطان ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے یا نہیں۔ مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو اسی بنا پر مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔ اور اس کی جگہ جنرل میڈوز مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا۔ کیونکہ وہ کارنوالس کا ہم خیال تھا۔

اس جنگ کی ابتدا کرنے میں لارڈ کارنوالس کس قدر حق پر تھا۔ اس کا فیصلہ خود اس کا وہ خط کر رہا ہے۔ جو اس نے مدراس کے گورنر کو لکھا:-

"اس ملک میں ہماری شہرت و عظمت کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان

سے نبرد آزما ہوں۔ اور نہ صرف نبرد آزما ہوں بلکہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ٹیپو سلطان کی طاقت کو مٹا دیں۔ موجودہ وقت سے بڑھکر اچھا وقت ہمیں نہیں مل سکتا۔ جب کہ ملک کی دوسری تمام طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں۔ اگر ٹیپو سلطان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے۔ اور فرانس والے اس قابل ہو جائیں کہ اسکی مدد کر سکیں تو ہمیں ہندوستان کو خیر باد کہنا پڑیگا (جیمس مل)

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:-

"۱۷۹۰ء میں جس وقت سلطانی فوج نے تمام پائیں گھاٹ کو مسخر کرلیا۔ اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی۔ تو تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھ کر حیدر آباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابو قاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا۔ کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے۔"

کارنوالس نے سازش شروع کی۔ نظام الملک اس کے ساتھ مل گیا۔ کارنوالس کو خوف تھا کہ کہیں ناگپور کا راجہ بھونسلے اسکے سد راہ نہ ہو جائے۔ اس لیے اس نے خفیہ طور پر مسٹر جارج فاسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ دریافت کرنے کیلیے ناگپور بھیجا۔ اسوقت مرہٹے ٹیپو سلطان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنے اس افسر کو لکھتا ہے:-

"اگر مرہٹے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تو کوئی ایسی راہ اختیار کی جائے جس کی بنا پر وہ ہم سے مل جائیں۔"

جارج فاسٹر نے کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہی لارڈ جو صلح جوئی کیلئے مشہور ہے مسٹر مالٹ ریذیڈنٹ پونا کو لکھتا ہے:-

"ہمارے مفاد کے لئے ٹیپو سلطان سے جنگ اٹل ہے اس لئے اس موقع پر مرہٹوں کی امداد اور تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے"

مسٹر مالٹ نے دربار پونا کو انگریزوں سے موافقت کرنے میں جو کچھ کیا۔ وہ مرہٹی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی اور نا پسٹر کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے انگریزوں سے متفق ہو گئے۔ اور ان میں باہم ایک عہد نامہ ہوا۔

سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۰۷ پر لکھتا ہے:-

"دول ثلاثہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک عہد نامہ ہوا کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز، نظام اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے"

عہد نامہ کے ہوتے ہی لارڈ کارنوالس جنوری ۱۷۹۱ء میں مدراس آتا ہے۔ اور ایک ہی مہینے کے اندر اس کی فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر خفیہ طور پر ممالک میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملہ کرتی ہیں۔ اور اس فتح کے بعد سرنگاپٹم پر پہنچتی ہیں۔

سازشوں کا جال

حملہ کرنے سے پیشتر انگریزوں کیلئے ضروری تھا کہ جہاں انہوں نے ملک کی مختلف طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اسی طرح سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشوں کا بازار گرم کر دیں۔ تاکہ سلطان کو انگریزوں کی نقل و حرکت کا پتہ نہ لگے۔ اور بخلاف اسکے سلطان کی ہر حرکت سے وہ مطلع ہو جائیں۔ اس کام کیلئے کرنل ریڈ کو مامور کیا جس نے آمبور کو اپنا مستقر قرار دیکر ریشہ دوانی شروع کر دی سب سے پہلے کرنل ریڈ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطنت خداداد

سے ناراض ہو کر کرناٹک میں مقیم تھے۔ ان میں گنگنڈی کیمپ ہیرکڑ، درچک بالاپور، دینکٹ گری، کھٹکو ہیر، بگمن پلی، پنگنور، مدن پلی، آنیکل، انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ پنکنڈہ کا راجہ اور جبیل نایک بھی تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر ملک پر قبضہ ہو جائے تو ان کی ریاستیں انہیں واپس دیدی جائینگی۔ لہٰذا وہ ملک میں جا کر اپنے اپنے مقامات سے خفیہ طور پر حالات معلوم کرائیں۔ اور وقت ضرورت انگریزی فوج کے لئے رسد مہیا کریں۔

سلطانی سرداروں کو اپنی طرف ملانے کے لئے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ چونکہ سرحد پار کوئی شخص بغیر سلطانی اجازت کے گذر نہیں سکتا تھا۔ یہ پالیگار تاجروں کا بھیس بدل کر اپنے اپنے مقامات پر گئے۔ تمام ملک میں سازش کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا اور سیم و زر کی ہوس میں سلطان کے امراء و وزراء نے بھی کرنل ریڈ کو اطلاعات بہم پہنچانی شروع کر دیں۔ سید امام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا خاص طور پر دارالسلطنت اور سلطان کی نقل و حرکت سے انگریزوں کو مطلع کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اور جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو علاوہ اور دوسروں کے ولی خان بخشی بنگلور، میر بدر علی موکب دار اور اس کا بھائی اسمٰعیل خاں رسالدار پکڑ لیے گئے۔ سلطان نے ان تمام کو سزائے موت دی اور امام الدین باشندہ کولار فرار ہو کر بچ نکلا۔ جب ان لوگوں کو سزائے موت ملی تو کرنل ریڈ کی ترکش میں چند تیر اور باقی تھے اس کی قابلیت نے نئے جاسوس اور پیدا کر لئے۔

جنگ کا آغاز

نظام علی خاں چالیس[۴۰] ہزار سوار اور بیس[۲۰] ہزار پیدل لیکر اپنے امراء اور دو لڑکوں فرزند عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدرآباد سے کوچ کرکے آنیکل میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنے امیروں کو فوج دیکر ممالک محروسہ سلطانی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور لارڈ کارنوالس اپنی انگریزی فوج لیکر مگلی گھاٹ اور وینکٹ گری کو عبور کرکے ملباگل، کولار، ہوسکوٹہ میں چھ کیمپ قائم کرتا ہوا سیدھا کرشنا راج پور پہنچا۔ جو بنگلور سے صرف تین کوس ہے۔

سازش کا آہنی جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا (نامی درباری اور امراء اس میں شریک تھے) اس لئے سلطان کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جبکہ انگریزی افواج بنگلور میں آ گئیں۔ سلطان سرنگاپٹم سے نکل کر نواح بنگلور میں مقیم ہوا۔ اس وقت انگریزی افواج بنگلور سے تین میل پر تھیں سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعہ بنگلور کی حفاظت کیلئے روانہ کیا اور شیخ انصر محمد خان بخشی اور بہادر خان قلعدار کو قلعداری کی خدمت پر چھوڑا۔ یہاں ہنوز سب خیمے نصب نہ ہوئے تھے اور چار پلٹن اسد الٰہی اور خاص اصطبل کے تین ہزار سوار چاروں طرف سے سواری کو گھیرے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج کے ایک دستے نے کرنل فلائڈ کے ماتحت سلطان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطانی توپخانہ نے انگریزی فوج پر گولے برسانا شروع کر دیئے جس سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہنچا۔ اور خود کرنل فلائڈ بھی زخمی ہو گیا۔ انگریزی فوج میدان سے فرار ہو گئی سلطانی سپاہ نے چار سو انگریزی سپاہیوں کو مع گھوڑوں کے اسیر کر لیا۔

بنگلور پر انگریزی قبضہ

دوسرے دن کرنل موریس اور جنرل میڈوز نے بنگلور پر حملہ کیا۔ طرفین کے کئی ہزار آدمی کام آئے۔ اور کرنل موریس بھی مارا گیا۔ انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصار قلعہ توڑنے میں مصروف رہی۔ آخر کار دیوار ٹوٹ گئی۔ اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ کشن راؤ بنگلور میں معتمد سلطانی کے عہدہ پر مامور تھا قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں وہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا جس کی وجہ سے انگریزی فوج پہلے سے ہی سلطانی فوج کی کارروائیوں کا مناسب تدارک کر لیتی تھی۔ سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازہ کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہو گیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار ہو گئے۔ شہر لوٹا گیا۔ بے حساب زر و جواہر انگریزی سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ خبر جب سلطان کے کیمپ میں پہنچی۔ تو میر قمر الدین اور سید صاحب نے انگریزی فوج پر حملہ کرنے کیلئے سلطان سے اجازت طلب کی سلطان نے فرمایا کہ جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو اب سپاہ کی طاقت منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سلطان کو ابھی یہ حال معلوم نہیں تھا کہ اس شکست کی بڑی وجہ ایک گہری سازش ہے ورنہ ممکن تھا کہ اسی وقت سلطان بنگلور پر حملہ کر دیتا۔ سلطان تنگی سے نکل کر نواح ماگڑی میں مقیم ہوا۔ اسکے چوتھے دن لارڈ کارنوالس نے تین ہزار ہندوستانی سپاہ اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کیلئے چھوڑ کر دیون ہلی کے قریب کیمپ قائم کیا۔

دیون ہلی انگریزی قبضہ میں

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اس لئے بغیر کسی لڑائی کے یہ قلعہ بھی کارنوالس کے ہاتھ آ گیا۔ یہاں سے انگریزی فوج نے چک بالاپور کی طرف بڑھکر

قبضہ کر لیا۔ چک بالاپور کا علاقہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ پیش کش کے عوض اس کے وارث اولیں رام سوامی گوڈھ کو دیا گیا۔ اس سے کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے قدیم خاندانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جائے۔ چک بالاپور سے کارنوالس انباجی درگ کی طرف بڑھا۔ راجہ رام سوامی گوڈھ نے جب اپنی قدیم دولت کو آتے دیکھا تو ملک میں سلطان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا شروع کر دی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پیچھے ہیں وینکٹ نائیڈو اور رنگوجی پنڈت نائب صوبیدار ارکاٹ، اور ہرپن ہلی اور رائے درگ کے پالیگاروں کا ہاتھ ہے۔ تو اس نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

بالاپور

اس سے فارغ ہو کر سلطان نے کشن راؤ کو دار السلطنت کے انتظام پر مامور کیا۔ اور خود بالاپور کی طرف انگریزی افواج کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ مگر بالاپور کے لوگ، انگریزوں کی شہ پر بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے سلطان کے ہراولی دستے کو قلعہ کے قریب دیکھ کر کتوں کی طرح بھونکنا اور جنگی باجے بجانا شروع کر دیئے جس سے سلطانی بہادروں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

(نوٹ:۔ یہ باغی دراصل وہ لوگ تھے جو زمینداروں کے بہکائے ہوئے تھے جنکی زمینداریاں سلطان نے ختم کر دی تھیں مفصل حالات سلطان کے ملکی اصلاحات کے تحت میں دیکھے جائیں)

سلطان کی والدہ کا خط

بالاپور سے سلکنہ ہوتے ہوئے چنپامتی اور ملباگل کے راستے سے سلطانی افواج وینکٹ گری کوٹ کی طرف بڑھیں۔ صبح جب انگریزی فوج پر حملہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو عین اس وقت سلطان کی والدہ کی جانب سے ایک خط سلطان کو پہونچا۔ اس خط میں درج تھا کہ کشن راؤ نے

بھی کھنڈے راؤ کی طرح فتنہ و بغاوت کا جال بچھا رکھا ہے۔ اور خبر ہے کہ بمبئی سے ایک انگریزی فوج عنقریب سرنگاپٹم پہونچنے والی ہے۔ سلطان نے یہ خط پڑھکر اسی روز سید صاحب کو ایک کثیر فوج دیکر سرنگاپٹم کو روانہ کیا جس کی وجہ سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتے ہوتے رک گیا۔

سید صاحب سرنگاپٹم میں

سید صاحب صحرائے ماگڑی، واتری درگ کے راستے سے آدھی رات کے وقت دارالسلطنت کے قریب پہنچ گئے اور دریا کے اس طرف فوج کو چھوڑکر خود مع چند خواص اور پانچ سو جرار سوار کے صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ اسدخاں رسالدار نے جو دروازے پر متعین تھا۔ دروازہ کھلوا دیا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے سواروں کو مختلف کاموں پر متعین کر کے سید صاحب سلطان کی والدۂ ماجدہ کی حضوری میں آئے۔ قلعہ دار کی دلیلی ہوئی۔ تو اس نے کشن راؤ کی نمک حرامی ظاہر کی۔ کشن راؤ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اور اس کی لاش بازار میں ڈالدی گئی۔ کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور اس کے مکان کا سب اسباب ضبط کر کے توشک خانۂ سلطانی میں داخل کیا گیا۔ کشن راؤ نے اپنے آخری وقت میں کہا۔

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھانے نہ بجھ سکیگی"

اس کے ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی وہ ابعد کے واقعات سے ظاہر ہے۔

کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ

میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف رسیوون راؤ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۲ پر لکھتا ہے کہ:

"کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفادار، اور باعصمت تھی۔ اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں بھیجی

(بحوالہ کرمانی) داخل کر لی گئی۔"

کرمانی پر یہ کس قدر اتہام ہے۔ کہ اس کی تحریر میں لفظ "بجبر" ہوتا بتلایا گیا ہے
کرمانی کی اصل تحریر اس طرح ہے:۔

"اس کی بیوی نے جو حسین بھی، حیادار بھی اور باوفا بھی تھی۔ ملکہ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اور انہیں کے ذریعہ حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی۔"

اب یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ وہ خود فیصلہ کر لیں۔ کہ مسٹر گزیٹیر کی عبارت میں "اور" "بجبر" کے الفاظ نے اُن کے مطلب میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔ اس ہندو مصنف نے بیک وقت حضرت کرمانی پر تہمت لگائی ہے۔ بلکہ سلطان پر بھی ایک نازیبا الزام لگایا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس گزیٹیر کی دونوں جلدوں میں یعنی جلد دوم کے دوسرے اور تیسرے حصے میں جو تاریخ میسور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مصنف کو جہاں کہیں موقع ملا ہے۔ تمام اسلامی سلاطین کو نازیبا الفاظ میں یاد کیا ہے لیکن پھر بھی بعض مقامات پر "حق" اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ یہی مصنف سلطان کے ذاتی حالات میں گزیٹیر کے صفحہ ۲۵۲۲ پر لکھتا ہے:۔

"اس کو (سلطان کو) عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ اپنے ایک تالیفی شہزادے برہان الدین کو عورتوں سے دور رہنے کے لئے لکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے (سلطان کے) بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ لیکن بقول لوئس اس کو عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی۔ اس کی جفاکش و اعتدال پسند زندگی پاکیزگی کی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ جو ایک مذہب کے دلدادہ شخص کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی جس سے اللہ کی یاد

تازہ ہوجاتی تھی :

اب اگر یہی مصنف اپنی دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ چند صفحات پہلے کیا کچھ لکھ آیا ہے۔ اور اب کیا لکھ رہا ہے کسی نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ :- ع

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

اور یہاں یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے کہ اس مصنف نے اپنی پہلی عبارت میں یہ الفاظ لکھے ہیں :-

"ایک روایت کے مطابق"

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسری روایت بھی لکھ دی جاتی۔ وہ دوسری روایت جس سے وہ بھی واقف ہے اور عمداً نظر انداز کر دی گئی ہے۔ اس طرح ہے :-

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر و غدار کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اسکو سخت نفرت ہوئی اور اپنی دائی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی"

معلوم ہوتا ہے کہ میسور گزیٹیر کے مصنف نے اس روایت کو اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغربی مصنفوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو نہ لکھتے؟ وہ تو اسکو اس قدر شہرت دیتے اور پروپیگنڈا کرتے کہ ہر تاریخی کتاب میں یہ واقعہ جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ پھر کرمانی نے یہ کیوں لکھا۔ کہ اس کو حرم میں داخل کر لیا گیا۔ (بدقسمتی سے آجکل "حرم" سے شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہیں مراد لی جاتی ہے۔ ورنہ حرم تو ایک ایسا لفظ ہے جس کی معنی ایسی جگہ کی ہیں۔ جو مقدس ہو۔ اور جہاں گناہ

کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے مکۂ معظمہ، مدینۂ منورہ اور فلسطین کو حرمین کہتے ہیں۔ بعد میں یہ لفظ مسلمانوں کے گھروں کے زنانہ حصوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ یہاں گھر کی عفت مآب عورتیں رہتی ہیں جنہیں شریعت نے نامحرم نہیں رکھا۔ گھر کے زنانہ حصہ کو حرم کا نام دینے سے مسلمانوں کے زیر نظر یہ مقصد تھا کہ عورتوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ رفتہ رفتہ جب عیاش سلاطین اور امراء جائز و ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی عورتوں کو بھی شامل کر لینے لگے۔ تو حرم کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گیا۔ اور اسی معنے میں آج کل کے مغربی اور ہندو مصنفین اس لفظ کو لے رہے ہیں۔ (محمود)

اگر اس پہلی روایت کے بعد دوسری روایت پر بھی غور کیا جائے تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر بھی جو بات مشہور ہے وہ یہی ہے کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ کو مطلع کر دیا تھا جس کی وجہ سے کشن راؤ کے عزیز و اقارب اسکی جان کے دشمن ہو گئے اور یہ ہونا لازمی تھا۔ سلطان کی والدہ نے اس کو پناہ دینے کے خیال سے اسکو محل کے اندر رہنے کی اجازت دیدی اور چونکہ سلطان کی والدہ محل کے زنانہ حصہ میں (جو حرم کہلاتا تھا) رہتی تھیں۔ اسلئے کرمانی نے صحیح طور پر حرم کا لفظ استعمال کیا تھا لیکن آج تعصب نے میسور گزیٹیر کے مصنف کو اس قدر دیوانہ بنا دیا ہے کہ وہ حرم کی معنی کچھ اور سمجھے اور الفاظ "خاص" اور "بجبر" اپنی جانب سے شامل کر دے۔ ؏

انتی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت

سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجکر سلطان نے میر قمر الدین کو سپہ سالار مقرر کیا اور

اس کو حکم دیا کہ انگریزی فوج پر حملہ کرے۔ اور آپ دارالسلطنت کو روانہ ہو گیا قمرالدین نے اپنی فوج کو حیدرآبادی فوج کا لباس پہنایا۔ اور بیت منگل اور مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں انگریزی فوج کا سامان رسد لوٹ لیا گیا۔ سلطانی سپاہ کے ہاتھ غلہ سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل آگئے۔ اور دو سو آدمی اسیر ہوئے اس لوٹ مار کا سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ انگریزی کیمپ میں رسد کی آمد مسدود ہو گئی اور دن رات میں کسی کو لشکر گاہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں کے فتوحات

اس عرصہ میں نظام علی خاں اور مرہٹوں نے ملک کے اطراف میں مختلف قلعوں پر حملے کئے چنانچہ حیدرآباد کے سپہ سالار میراں یار جنگ نے قلعہ کمپنی کوٹہ، تاڈپتری، تاڑمری وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حافظ فریدالدین خاں المخاطب بہ مویدالملک نے قلعۂ گتی کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قطب الدین خاں دولتمند زئی سلطانی فوجدار نے اس کا مقابلہ کیا۔ حیدرآبادی فوج نے جب یہ دیکھا کہ گتی کا فتح ہونا دشوار ہے۔ تو نواح گتی کو تباہ کر کے شہر کڈپہ اور سدہوٹ پر قبضہ کر لیا نیز گرم کنڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف مرہٹوں نے پرسرام تاٹیم مرچ کے ماتحت سرحد پار ہو کر دھاڑوار پر قبضہ کر لیا۔ ہری پنڈت، پھڑکیا نے ہرپن ہلی پر قابض ہوتے ہی ستارا پر چڑھائی کی۔ پرسرام تاٹیم مرچ نے دھاڑوار، انگولہ، مرجان، شاہنور وغیرہ کا انتظام کر کے چیتل درگ پہونچکر قلعہ دار دولت خاں کے پاس خط بھیجا کہ اگر قلعہ مرہٹوں کے حوالے کر دیا جائے تو چار لاکھ روپیوں کی جاگیر دی جائے گی مگر دولت خاں بجائے جواب دینے کے رات کے وقت مرہٹی

لشکر پر شبخون مار کر حیدر نگر چلا گیا۔ مرہٹی فوج سرا سے نکل کر انگریزی فوج سے آکر مل گئی۔
یہاں سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کی تیاری ہوئی۔ لیکن قمر الدین کی سلطانی سپاہ تاک میں لگی ہوئی
تھی۔ اور جب کبھی موقع ملتا شبخون مارتی۔ یا سامان رسد لوٹ لیتی تھی۔ یہاں تک
کہ اس فوج میں جو کوئی سپاہی انگریزی ناک اور کان کاٹ کر لاتا۔ اس کو ایک طلائی
ہن انعام ملتا۔ اور اناج سے لدے ہوئے بیل کا انعام پانچ ہن اور گھوڑے کے دس
ہن تھے۔ اس سے انگریزی سپاہیوں میں سخت پریشانی پھیل گئی اور جسوقت یہ کری گڑھ
کے قریب پہنچے تو انکا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کری گڑھ پہنچکر انگریزوں نے سرنگاپٹم
کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ لیکن سلطانی سپاہ نے سختی سے مدافعت کی۔ محاصرہ
نے جب طول کھینچا تو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کی قیمت
بڑھ گئی۔ چھ روپیہ سیر چاول اور تین روپیہ سیر دال اور چار روپیہ کو سیر آٹا۔ اور گھی
تو سولہ روپیہ سیر بھی ملنا دشوار تھا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامان رسد کی تنگی

انگریزی فوج رسد و تنگی سے تنگ آگئی۔ توپ کشتی کے
بیل تک بھی کھا گئے تھے۔ ملیبار کے راستے سے رسد
پہنچنے کی امید تھی۔ معلوم ہوا کہ سلطانی سپاہ نے
اس کو بھی لوٹ لیا۔ اس وقت کارنوالس بھاری بھاری توپیں زمین میں دفن کرا کر اور آلات
چوبینہ اور وزن دار سامان کو آگ لگا کر سرنگاپٹم سے واپس ہوا۔ سلطان کو جب کارنوالس
کی سراسیمگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے کارنوالس کو میوے کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط
لکھا۔ کارنوالس نے میوہ واپس کر دیا۔ اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔
اس پر حمیں ملّا لکھتا ہے :-

"انگریزوں کو اس وقت سلطان سے اس درجہ بغض اور حسد تھا کہ جس طرح وحشی اقوام کو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اور وہ سلطان سے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔"

"انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر انتری درگ پہونچی۔ لارڈ کارنوالس بالکل پریشان ہوگیا۔ انگریزی فوج جن مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر انکا بیان اس طرح پر کیا ہے:۔

"کم از کم یہ ہوا کہ لارڈ کارنوالس کو یقین ہوگیا کہ وہ کسی طرح محاصرہ کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ سامان رسد کی تنگی اور باربرداری کیلئے جانوروں کی کمی نے اس کو مجبور کر دیا کہ محاصرہ اٹھالے۔ اس لئے اس نے بتاریخ ۲۱ مئی جنرل ابرکرامبی کو جو ملیبار کی طرف سے بڑھ رہا تھا لکھ بھیجا کہ ملیبار کو واپس ہو جائے۔ کارنوالس کے خاص کیمپ میں فوجی سپاہی سد درجہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ سپاہیوں کی خوراک نصف کر دی گئی تھی باربرداری پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں بہت سے بھوک کے مر چکے تھے۔ اور جو بچے ہوئے تھے وہ مرنے کے قریب تھے۔ ان ناقابل بیان مشکلات نے لارڈ کارنوالس کو مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائے۔"

لارڈ کارنوالس واپس ہوا۔ اگرچہ خوش قسمتی سے مرہٹی فوج اسکو لٹنے میں ملکر سامان رسد بہم نہ کرتی تو انگریزی فوج کی مکمل تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر لکھتا ہے:۔

"چنکہ ولی پہنچکر لارڈ کارنوالس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ یہاں اس کو مرہٹی فوج مل گئی۔ جو پرسرام بھاؤ اور ہری پنتھ کے ماتحت اسکو مدد دینے

کے لئے آرہی تھی مرہٹی فوج میں سامانِ رسد کی فراوانی تھی۔ اس سامانِ رسد سے انگریزی فوج کی جان میں جان آئی۔ اور انھوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی کاشتکار رعایا نے انگریزی فوج کو کوئی رسد بہم نہیں پہونچائی تھی۔

جبکہ ولی سے نکل کر اتحادیوں کی فوج پر لئے دوبارہ سرنگا پٹم کا محاصرہ کرنے کے جانب شمال بڑھی۔ اور راگڑی اور نندی ورگ کے قلعوں پر حملہ کر کے ان پر اپنا قبضہ کر لیا لطف علی قلعہ دار اور بخشی سلطان خاں اسیر ہو گئے۔

واقعات ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء

جب انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئی تو سلطان نے شہزادہ فتح حیدر کو گرم کنڈہ کیطرف روانہ کیا حافظ فریدالدین کے ماتحت حیدر آبادی فوج نے گرم کنڈہ کا محاصرہ کر لیا تھا شہزادہ فتح حیدر اور علی رضا خاں نے حیدر آبادی فوجوں پر حملہ کر دیا حافظ فریدالدین کا سر کاٹ لیا گیا حیدر آبادی فوج کڈپہ کی طرف فرار ہو گئی۔

سلطانی سپاہ گرم کنڈہ سے نکل کر مورسن ہلی اور وانمباڑی کی طرف بڑھی۔ یہاں سکندر جاہ اور مشیر الملک کی حیدر آبادی فوجیں مقیم تھیں۔ شہزادہ فتح حیدر کی آمد کی خبر سن کر وہ سنگل پالیہ چلے گئے۔ شہزادہ فتح حیدر یہاں سے مدگری ہوتا ہوا سرنگا پٹم پہونچا۔

اس کے ایک ہفتہ بعد نظام کی فوج خان علی کے نزدیک انگریزی فوج سے آکر ملی۔ موسم برسات کے ختم ہوتے پر کارنوالس نے دوبارہ سرنگا پٹم پر چڑھائی کی حیدر آبادی اور مرہٹی فوج ساتھ تھی۔

فریقین جنگ کی تعداد | تاریخ میسور ٹیپو سلطان میں فریقین جنگ

کی تعداد حسب ذیل دی گئی ہے:۔

انگریزی فوج (بہ ماتحتی کارنوالس)	۲۲	ہزار
حیدر آبادی فوج	۱۸	ہزار
مرہٹی فوج (بہ ماتحتی ہری پنتھ)	۱۲	ہزار
" " (" " پرسرام بھاؤ)	۲۰	ہزار
انگریزی فوج (" جنرل ابر کرامبی)	۹	ہزار
جملہ	۸۱	ہزار (اکیاسی ہزار)

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب "کیپٹن لٹل کی یادداشتوں" میں لکھتا ہے:۔

"اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ باربرداری وغیرہ کیلئے جسقدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار تھی اور پرسرام بھاؤ کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن جو لوگ ان سپاہیوں کے ساتھ باربرداری وغیرہ کے لیے تھے۔ ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی۔ اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ بیل اور گدھے تھے۔ فوجی سپاہیوں سے پندرہ گنا زیادہ تھے۔ اندازہ کیا گیا کہ تین لاکھ بیس ہزار باربردار اور چار لاکھ اسی ہزار جانور کیمپ میں موجود تھے۔ انگریزوں اور نظام کی فوج اسکے علاوہ تھی۔ اتحادیوں کی یہ فوج جب کوچ کرتی تھی تو معلوم ہوتا تھا کہ تمام کائنات حد نظر تک انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۶)

اتحادی فوج کی اوپر لکھی ہوئی تعداد کے مقابل اندازہ ہے کہ سلطانی سپاہ کی

تعداد قلعہ میں ۴۰ ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہونگے (مطرسی بیاگرافی)

جب یہ فوج سرنگا پٹم کے مقابل آئی تو سلطان پر حال کھلا کہ قلعداروں نے رشوت لیکر انگریزی فوج کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی۔ افواج متحدہ نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر لیا جہدی علی خاں نائطہ کی سازش سے لارڈ کارنوالس شہر گنجام اور لال باغ پر بغیر کسی جنگ کے قابض ہوگیا۔ اور دوسری فوج نے جو جنرل میڈوز کے ماتحت تھی عیدگاہ والے مورچہ پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ سید غفار سپہ دار نے اپنی پوری طاقت اسکے بچانے پر صرف کردی تھی۔

خاتمہ جنگ اور شرائط صلح

رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن قلعہ سے سلطانی فوج نے باہر نکل کر کچھ ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی قلعہ کی دیوار پر خود سلطان گولہ باری کا نگران تھا۔ انگریزی فوجیں کچھ اس طرح پسپا ہوئیں کہ دریا پار آکر کری گٹہ میں رکیں شام ہوجانے سے سلطانی سپاہ واپس آگئی۔ یہ ایک ایسی غلطی ہوئی کہ جس کا خمیازہ سلطانی سپاہ کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔

خود لارڈ کارنوالس کا میر منشی حمید خاں اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"اگر سلطانی فوج اسی طرح تعاقب کرتی تو افواج متحدہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا اسی شب خاتمہ ہو جاتا"

مگر ہندوستان کی قسمت کچھ اور ہی گل کھلا رہی تھی محاصرہ نے طول پکڑا افواج متحدہ رسد کی تنگی اور رات دن کی لڑائیوں سے بدل ہو گئی تھیں۔ اس لئے کارنوالس نے اسوقت سلطان کے اگلے خط کا جواب دیا۔ اور فریقین میں ۱۳ فروری میں صلح ہو گئی۔

شرائطِ صلح

(۱) سلطان حلیفوں کو تین کروڑ روپیوں کا ملک چھوڑ دے۔

(۲) تین کروڑ روپیہ نقد دے۔ اور

(۳) ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادوں کو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال رکھا جائے۔

جب یہ شرائط قلعہ میں پہنچیں تو سلطان نے پہلے تو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر بعد میں جب امراء و غدار نے ان کے قبول کر لینے پر زور دیا سلطان کو معلوم ہو گیا کہ تمام سازش میں ملوث ہیں۔ تو اس نے بمجبوری ان شرائط کو قبول کر لیا۔

شرائط صلح کی رو سے بارہ محل سلیم، اتور، انگری بینکل ورگ۔ ڈنڈیگل اور کالیکٹ انگریزوں کے قبضہ میں آئے۔ دریا تنگبھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا۔ اور حیدر آباد کی قسمت میں تاڑپتری، پارتری، بلاری وغیرہ آئے۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ راجہ ٹراونکور جس کی حمایت کے بہانہ سے جنگ شروع کی گئی۔ اس کا شرائط صلح کے سلسلہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آتا ہے۔

شہزادہ عبدالخالق اور معزالدین کو میر غلام علی لنگڑے کی نگرانی میں انگریزی کیمپ میں بھیج دیا گیا جہاں کارنوالس نے خود ان کا استقبال کیا اور میجر ڈوٹن شہزادوں کا نگران مقرر ہوا۔ تاوانِ جنگ کی رقم میں ایک کروڑ روپیہ فوراً بھیجے گئے۔

جب سلطان کے دو فرزند انگریزی کیمپ میں پہنچ گئے۔ تو لارڈ کارنوالس نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے مطالبہ کیا کہ کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

مسٹر بارنس اپنی کتاب "امپائر ان ایشیا" کے صفحہ ۱۷۷ پر لکھتا ہے:۔

"سلطان نے اس مطالبہ پر دریافت کیا کہ جبکہ شہزادے اور تاوان کی رقم انگریزی کیمپ میں پہنچ چکی تھی۔ اس جدید علاقہ کا مطالبہ کس لئے نہیں کیا گیا مگر بے سبب بیکار تھا شہزادے انگریزی قبضہ میں تھے۔ کارنوالس جانتا تھا کہ شہزادوں کی خاطر سلطان دوبارہ جنگ اختیار نہیں کرے گا۔ آخر یہی ہوا کہ سلطان نے کورگ دینا قبول کر لیا۔"

یہ ہے لارڈ کارنوالس کی وہ دیانتداری جس پر صلح کے بعد بھی اس نے عمل کیا۔ انگریزوں کو جب کورگ بھی حاصل ہو گیا۔ تو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے افواج متحدہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو گئیں۔ اور سلطان کے قبضہ سے آدھا ملک نکل گیا۔

مورخ باسو لکھتا ہے:۔

"یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگا پٹم اس وقت فتح نہیں ہوا۔ ورنہ کارنوالس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔"

ہندو مورخین لکھتے ہیں:۔

"سلطنت خداداد کا کارنوالس کے ہاتھوں خاتمہ ہو جاتا۔ اور جس شخص نے اسکو بچا لیا وہ نانا فرنویس تھا جو پیشوائے پونا کا وزیر اعظم تھا۔ اس محب الوطن کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔"

مگر اصلیت یہ ہے کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت خود مرہٹوں کو فنا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس لئے نانا فرنویس کی غرض انگریزوں سے اتحاد کرنے میں صرف یہ تھی کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نانا فرنویس کا مقصد صرف سلطان کی طاقت کو کم کرنا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اس نے صلح کی تحریک کی

تو کہنا پڑے گا کہ یقیناً نانا فرنویس باوجود محب وطن ہونے کے دُور اندیش نہیں تھا۔ اس نے خود انگریزوں کے خلاف متعدد بار سازباز کی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریزوں نے پونا میں نارائن راؤ اور رگھوبا کے وقت میں کیا کچھ سازشیں کی تھیں۔ بنگال اور کرناٹک کے واقعات اس کی آنکھوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ باوجود یہ جاننے کے کہ انگریزوں کا مدِمقابل سوائے ٹیپو سلطان کے ملک میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی طاقت کو کم کرنا سوائے ایک مذہبی تعصب کے اور کچھ نہیں تھا۔ سلطان کی طاقت کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں مرہٹوں کو بلکہ خود نانا فرنویس کی زندگی انگریزوں کے رحم پر منحصر ہو گئی۔

جس وقت عہد نامہ کی خبر انگلستان پہنچی تو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں کہا:-

"کارنوالس نے لٹیروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے۔"

مگر پارلیمنٹ پر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس لارڈ کارنوالس کے رتبہ کو بڑھا کر اس کو مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کے میر منشی حمید خاں جو اس جنگ میں شریک تھے اپنی تاریخ میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتے ہیں:-

"جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرا میں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرہ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہو کر اول فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدلا کر سوانگ بھرتے ہیں۔ تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قائم کرتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنتِ خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں۔
لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دیدی کہ محرم منائیں۔ لارڈ صاحب نے
حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے ان کے خیمہ کے پاس سے گزریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے
دیکھنے کا شوق ہے۔ اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں
محرم تک علم اور تعزیے اٹھے۔ اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے۔ لارڈ صاحب
خیمہ کے باہر کرسی پر رونق افروز تھے جب کوئی علم یا تعزیہ آتا تو اٹھ کر سر جھکا کر
تعظیم کرتے اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے۔ رخصتی کے وقت اپنے
سکرٹری جیری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھ کر نذر گذارتے۔
تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی تو لوگوں
میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا حسن سلوک اور
اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھی ہے۔"

لارڈ کارنوالس شاطر دل و دماغ لیکر ہندوستان آیا تھا اور پروپیگنڈے کے فن میں اسے
غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ سلطان شہید بادشاہ ملک شریعت کا پورا پابند اور عالم باعمل تھا
چنانچہ اس نے محرم کی بدعات قسم قسم کے سوانگ و دیگر لاتعداد رسومات کو جنہیں اسلام سے
کچھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا سلطنت میں بالکل ممنوع قرار دیا تھا۔

(نوٹ۔ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔
اس کی وجہ سے شیعہ اور سادات نے جن کا پیشہ ہی سپہ گری تھا سلطان کے خلاف انگریزوں
کی دل کھول کر تائید کی اس کا مفصل حال سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں
لکھا گیا ہے)

واقعات مابعد جنگ

انگریزوں سے جنگ کے خاتمہ پر سلطان نے از سر نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ میر صادق دیوان مقرر ہوا۔ اور پورنیا وزیر مالیات تھا۔ سید صاحب سپہ دار کو بیدنگر کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اور اس کو نوبت نقارہ، فیل مع عماری طلائی مرحمت ہوئے۔ افواج متحدہ کے حملہ کے بعد جب سلطان کی فوجی طاقت کمزور ہونے لگی۔ تو ملک میں کئی راجے اور پالیگار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں قابل ذکر مدگری اور ہرپن ہلی کی بغاوتیں ہیں۔ سید صاحب مدگری پر اور میر قمر الدین ہرپن ہلی پر بھیجے گئے۔ مدگری کی بغاوت بہت جلد فرو کر دی گئی۔ ہرپن ہلی میں سات مہینوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں راجہ گرفتار کر لیا گیا۔ غرض جب ملک میں کامل طور پر امن و اطمینان ہو گیا۔ تو سلطان نے کل سلطنت میں فرمان جاری کیا کہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں کار پرداز اور عاملان حکومت دار السلطنت میں حاضر ہو کر اپنی کارگذاری سنائیں۔ اور باہمی مشورہ کے ساتھ کام کریں۔ اسکے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں رعایا کو حصہ لینے کیلئے مجلس (پارلیمنٹ)، قائم کی جس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا گیا۔ اور اس کا صدر اعظم میر صادق مقرر ہوا۔

۱۷۹۶ء میں سلطان کے دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال تھے واپس ہوئے۔ ان کی آمد پر ایک شاہانہ جشن منایا گیا۔ اور اس موقع پر سلطان نے تمام امرا و اعیان سلطنت کی دعوت کی سب ایک ہی وسیع دسترخوان پر بیٹھے۔ اور ہر ایک کے سامنے شیر برنج رکھا گیا۔ سلطان نے سب کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی جس میں اتحاد، اتفاق، اور جہاد فی سبیل اللہ پر سب کو توجہ دلائی۔ اور ہر ایک سے اقرار لیا گیا۔ کہ وہ

دین اسلام کی حمایت و حفاظت کیلئے ہمیشہ مستعد رہے گا۔ اس کے بعد سب کو شہادت کے سرخ خلعت تقسیم کئے گئے۔

سلطان کے مسلمان افسر اور میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد کیا تھا۔ اس عہد کو کتاب ماٹھدن میسور کے صفحہ ۲۰۱ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

عہد نامہ میر صادق

"میں میر محمد صادق نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا۔ اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھوں گا۔ میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان کبھی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ میری آنکھ کبھی اس کی برائی نہ دیکھ سکے گی، میرے کان کبھی اس کے خلاف نہ سن سکیں گے۔ میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری و بھلائی کے لئے کوشاں رہیں گے۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اس کے خلاف جو کچھ دیکھوں گا یا سنوں گا تو اسی وقت حضوری میں بیان کر دوں گا۔ اگر خدا نخواستہ مجھ سے ان مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدا سے بر تر و توانا کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے۔ حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑے اور مجھے تباہ کر دے۔"

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"لیکن وہ دور ہی پلٹ چکا تھا۔ اور وہ سادہ دلی، قومی زندگی، آزادی یا شہادت کو کیا جانتے تھے۔ اس لئے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہوگئے اور جو سچے دیندار اور پکے جاں نثار تھے۔ ان کو سلطان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دوسرے امور سلطنت کی طرف متوجہ ہوگیا۔

ملک کے تمام قلعوں کی مرمت کی گئی۔ سرنگاپٹم کا قلعہ خاص طور پر مضبوط کیا گیا۔ خاندان کے شہزادوں کی شادیاں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں شاہزادہ ایران اپنا ملک چھوڑ کر بحالت غربت سرنگاپٹم پہونچا۔ سلطان نے اس کو نہایت اعزاز سے رکھا اور دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تحفہ تحائف دیکر ایرانی کو رخصت کیا۔

اتحاد بین المسلمین و اتحاد ملکی کے لئے زماں شاہ والی کابل، سلطان روم، فرمانروائے ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کو دوبارہ ایلچی اور خطوط روانہ کئے گئے۔ ۱۷۹۶ء میں یہ ایلچی واپس ہوئے۔ فرانس اور زماں شاہ کی طرف سے سلطان کو بوقت ضرورت تائید کا یقین دلایا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ سلطان کی خاص توجہ فوج کی تنظیم کی طرف تھی۔ بحری اور بری فوج کی تعداد بڑھا دی گئی۔ ان کی تعلیم کے لئے مدارس جاری کئے گئے۔

انگریزوں سے چوتھی جنگ

جب ملک میں از سرِ نو تازہ روح پھونکی جانے لگی تو سلطان کی طاقت دوبارہ عروج پر آنے لگی سلطان کے عزم وارادے دشمنوں کی نظروں میں خار بن کر کھٹکنے لگے۔ سب سے بڑھ کر خوف ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھا جو اب ملک کی اندرونی حالت اور آپس کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی سیادت قائم کر چکی تھی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے ارل آف مارننگٹن یعنے لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل بن کر آیا جس کے دل میں پہلے ہی سے سلطنت خداداد کے مٹانے کا ارادہ موجود تھا۔

لارڈ مارننگٹن
(مارکوئیس آف ولزلی)

ارل آف مارننگٹن کا وطن آئرلینڈ اور تاریخ پیدائش ۲۰ جون سنہ ۱۷۶۰ء ہے۔ اس کا پورا نام رچرڈ کولی ولزلی ہے سنہ ۱۷۸۴ء میں پارلیمنٹ کا ممبر بنا۔ اور اسی زمانہ سے سیاستِ ہندوستان سے دلچسپی لینے لگا۔ اس کو شروع سے پارلیمنٹری طریقۂ حکومت سے اختلاف رہا۔ وہ شخصیت پسند اور شہنشاہیت کا قائل تھا۔ فرانسیسیوں سے اُسے خاص طور پر دشمنی تھی اس لئے کہ فرانس میں اس وقت جمہوریت قائم ہو رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے ساتھ اس کو جو مخصوص دشمنی تھی ان کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے۔

"لارڈ صاحب کی بیوی ایک فرانسیسی عورت تھی۔ جس سے شادی کے قبل ہی لارڈ صاحب کے تعلقات تھے۔ گو بعد میں اس سے شادی ہو گئی۔ لارڈ صاحب ہندوستان آرہے تھے۔ تو اس عورت نے آنے سے انکار کر دیا۔ اور گو طلاق

نہیں لی بلکہ علیحدہ ہو گئی۔ یہی وہ مخصوص وجہ تھی۔ جس نے لارڈ ولزلی کو فرانس والوں کا دشمن بنا دیا۔

لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل کی لارڈ ولزلی سے گہری دوستی تھی۔ اسی دوستی کی وجہ سے ولزلی ہندوستان کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

۱۷۹۸ء میں سرجان شور کے جانے کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور جس وقت وہ انگلستان سے ہندوستان آرہا تھا تو راستہ میں راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) میں اس کی ملاقات بیرڈ کے علاوہ جنرل میڈوز سے بھی ہوئی۔ جو مدراس کا گورنر تھا۔ ان دونوں کی ملاقات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ولزلی کس قسم کے خیالات لیکر ہندوستان میں آیا تھا۔ بیرڈ ایک عرصہ تک سلطان کی قید میں رہا تھا۔ اور میڈوز متعدد دفعہ جنگوں میں شکست کھا کر سلطان سے انتقام لینے کیلئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا جذبہ انتقام یہاں تک بڑھا ہوا تھا۔ کہ لارڈ کارنوالس نے میسور کی تیسری جنگ میں سلطان سے صلح کرلینی چاہی تو اس نے اپنے آپ کو گولی مارلی تھی۔

ان دو شخصیتوں کے علاوہ ولزلی نے کیپ آف گڈ ہوپ میں میجر کرک پیاٹرک سے بھی ملاقات کی۔ جو ایک عرصہ تک حیدرآباد میں رزیڈنٹ رہا تھا۔ اس کی زبانی ولزلی کو معلوم ہوا کہ نہ صرف ٹیپو بلکہ حیدرآباد کی ملازمت میں بھی چند فرانسیسی موجود ہیں ولزلی کو یہ پورا یقین تھا۔ کہ جب تک فرانسیسی ہندوستان میں رہیں گے۔ انگریزوں کو ان سے خطرہ رہے گا۔ کرک پیاٹرک کی زبانی اس کو حیدرآباد اور پونہ کی حالت سے بھی پوری واقفیت ہوگئی۔

یہاں ولزلی نے ان تمام سرکاری خطوط کو بھی دیکھا جو سرجان شور گورنر جنرل

مارکوئیس آف ولزلی
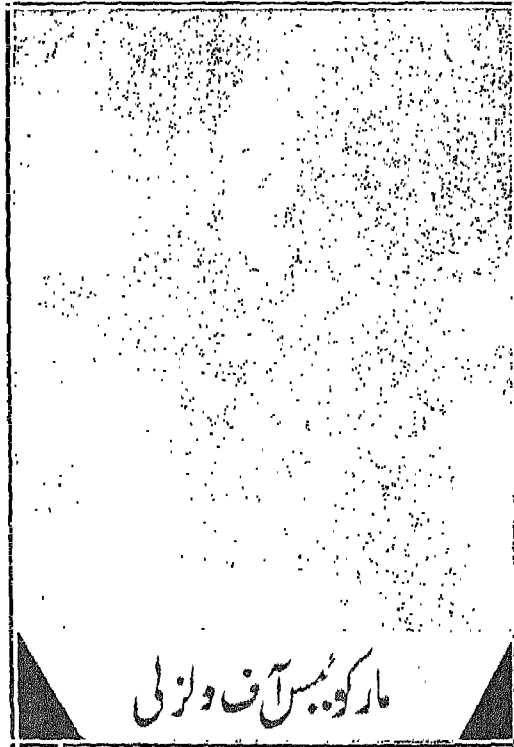
کی جانب سے کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط سے سیاسیات ہند کے تازہ حالات بھی معلوم ہو گئے۔ ان خطوط میں سر جان شور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ٹیپو کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک نہیں سکا۔

یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ سر جان شور کی خاموش پالیسی انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ کو پسند نہ تھی۔ اس کو انگلستان کی سلطنت کو وسیع کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی جس طرح اس نے کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اب ولزلی کا بھی انتخاب کیا۔ اور یہ انتخاب نہ صرف سیاست ہندوستان بلکہ اس وقت کی یورپ کی سیاست کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوا تھا۔ یورپ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ نپولین اعظم کی فتوحات کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور اٹلی۔ فرانس کے زیرنگیں آچکے تھے۔ اور نپولین مصر اور ہندوستان پر فوج کشی کرنے کیلئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ ایسے وقت میں ہندوستان میں فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان کیلئے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ کی نظریں ایک ایسی شخصیت کو تلاش کر رہی تھیں۔ جس کا مزاج فرانسیسیوں کے خلاف، اور جس کی طبیعت میں انقلاب سے بیزاری موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس میں انقلاب پسندوں نے شاہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور یہی انقلاب پسند اپنی بڑھتی ہوئی قوت سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ انہوں نے اس وقت انگلستان پر توجہ نہیں کی۔ انکی تمام توجہ آسٹریا اور اٹلی پر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر انگلستان اپنے مقبوضات کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں جب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کا دوست ہے اور انگریزوں سے گذشتہ جنگ کا انتقام لینا چاہتا ہے،

تو مسٹر پٹ نے لارڈ ولزلی کا انتخاب کیا۔ جو شاہ پسند تھا۔ اور جس کے دل میں بھی انگلستان کے مقبوضات کو وسیع کرنے کی تڑپ موجود تھی۔

لارڈ ولزلی کا ہندستان میں پہلا کام

لارڈ ولزلی جس وقت ہندوستان پہونچا۔ تو اس وقت ہندوستان میں قابل الذکر تین طاقتیں تھیں۔ ایک مرہٹے، دوسری حیدرآباد، اور تیسری سلطنت خداداد، گو مرہٹوں میں نا اتفاقی تھی۔ مگر ان کی طاقت مسلمہ تھی۔ حیدرآباد میں جو کچھ طاقت تھی۔ وہ ۱۷۹۵ء میں جنگ کرڈلا میں مرہٹوں کے ہاتھوں فنا ہو چکی تھی۔ لیکن اب بھی نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھروسہ تھا کہ وہ مدد کرکے حیدرآباد کی سابقہ حالت کو بحال کر دیگی۔ اس لئے وہ کمپنی کی دوستی کا خواہاں تھا۔ تیسری طاقت ٹیپو سلطان کی تھی۔ جو روز افزوں ترقی پر تھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی کی نظر سب سے پہلے حیدرآباد پر اٹھی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اپنے ایک خط میں لکھتا ہے ؎

"موجودہ وقت میں معلوم ہوتا ہے کہ نظام ہر قسم کی قربانی دیکر ہماری دوستی حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس لئے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نظام سے اس کی اپنی توجہیں علیحدہ کرنے کیلئے خط و کتابت کرنا چاہئے"

اس وقت حیدرآباد میں کیپٹن جیمس کرک پیاٹرک رزیڈنٹ تھا جس کو دربار حیدرآباد سے حشمت جنگ کا خطاب بھی حاصل تھا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک نے حیدرآباد میں اس قدر اثر و رسوخ اور دوستی پیدا کر لی تھی کہ اس کی مناکحت میں حیدرآباد کے ایک امیر کی دختر بھی تھی۔

کتاب میر عالم کے سوانح زندگی" مصنفہ محمد سراج الدین طالب حیدرآبادی مطبوعہ حیدرآباد دکن

صفحہ ۹۷ پر اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا گیا ہے:۔

"جیمس ایکیلیس کرک پیاٹرک اپنی حیدر آباد کی رزیڈنسی کے زمانہ میں اپنی راتیں ایک مکان میں (جو رزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب واقع تھا) گزارتے تھے جن میں ان کی ایک مدخولہ رہتی تھی۔ اس گھر میں عاقل الدولہ کی نواسی خیر النساء بیگم بھی (جو مہدی یار خاں اور شرف النساء بیگم کی لڑکی تھی) آیا اور رہا کرتی تھی۔ یہ لڑکی میر عالم کے رشتہ میں بھی ہوتی تھی۔ سوء اتفاق سے کرک پیاٹرک سے اس کا تعلق ہو گیا۔ اور اس کی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہو گئی۔ اور جب بات پھوٹ گئی تو انہوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان رزیڈنسی میں داخل کر لیا۔"

کرک پیاٹرک کی چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ علاوہ دوسرے امرا حیدرآباد کے خود میر عالم نے بھی جو انگریزوں ہی کا بنایا ہوا تھا۔ لارڈ ولزلی سے اس کی شکایت کی۔

ایک دوسرے مؤرخ کے حوالے سے مؤرخ باسو لکھتا ہے:۔

"میر عالم کا عہدۂ وزارت انگریزوں کا رہینِ منت ہے۔ عظیم الامراء کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفاد میر عالم کی ذات ہی سے وابستہ تھا۔

اگرچہ نظام الملک کی یہ خواہش نہیں تھی۔ کہ میر عالم اس عہدہ پہ مامور ہو مگر دربار حیدرآباد کی اس حالت اس وقت اس قدر خراب تھی۔ کہ صحیح معنوں میں وہاں کوئی مدبر سیاست داں نہیں تھا۔

وہی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعد عصائے سلطنت انگریزوں کے ہاتھ

آیا تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عصا ان کے ہاتھ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے
وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو سہارا دینے والا بھی مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدرآباد
تھا۔

اگرچہ نظام الملک اول سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوا تو اس کا جانشین میر
نظام علیخاں انگریزوں کی طاقت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کا سبب بنا۔ تاریخ دان اصحاب
جانتے ہیں کہ لارڈ ولزلی اپنے ساتھ ایک اسکیم لایا تھا۔ اور وہ اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں
دیسی حکمران اپنی فوج برطرف کر کے انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لئے رکھیں اس
طریقہ کو تاریخ میں

"سب سڈیری سسٹم"

کہا جاتا ہے۔ جو ہندوستانی حکمرانوں کی آزادی سلب کرنے کا ایک آلہ تھا۔

نظام حیدرآباد سے براہ راست اس طریقہ کو اختیار کرنے کی تحریک ولزلی کے نزدیک
خلاف مصلحت تھی میر نظام علیخاں کی پالیسی خواہ کچھ ہو۔ وہ خوددار تھا۔ اس لئے لارڈ
ولزلی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھا گیا کہ عظیم الامراء ارسطو جاہ کو
اپنے ساتھ ملا کر اس کو آمادہ کیا جائے کہ حیدرآباد کو تباہی سے بچانے کے لئے

"سب سڈیری سسٹم"

قبول کرلے۔ اور یہ کارروائی اس طریقے سے ہو کہ خود حیدرآباد ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس
کیلئے درخواست کرے۔ ارسطو جاہ کرک پیاٹرک کی چال میں پھنس گیا۔

"تاریخ اپنا سبق دہراتی ہے" زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس طرح نظام الملک اول نے
بحیثیت وزیر سلطنت مغلیہ اپنے آقا سے غداری کر کے اپنی سلطنت قائم کی تھی۔ اسی طرح خود اس

نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے انکے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر تیار رہنے کے احکام دیئے اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریذیڈنٹ کے روبرو ظاہر کیا تھا ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علیخاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس ترکیب سے اتحادہ مہم میں ان دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کمپنی کے زیر اثر آجائے۔ اور انکے خود مختارانہ اقتدارات کمپنی کے صوابدید پر منحصر ہو جائیں۔

(صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۴)

لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ

چند سال سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ولزلی ساحل ہندوستان پر اترا۔ اس وقت نانا فرنویس دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا۔ اور مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس وقت جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگران تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کیلئے پونا کے انگریزی سفیر کو لکھا گیا کہ نانا فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا طرفدار رہے۔ ابھی انگریزی سفیر کو یہ خط ملا بھی نہیں تھا کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا۔ اور نانا فرنویس کو رہائی مل گئی جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکامیاب رہی تو اب ضروری سمجھا گیا کہ دولت راؤ

سندھیا کو پونا سے کسی طرح ہٹا دیا جائے۔ لارڈ ولزلی، کرنل پالمر کو جو بطور سفیر پونا میں تھا۔ ۸ رجون ۱۷۹۸ء میں لکھتا ہے :-

"سندھیا کی طاقتور فوج کا پونا میں رہنا ہی ہمارے مقاصد کیلئے (جو ٹیپو سلطان کے خلاف ہیں) خطرناک ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ سندھیا اور ٹیپو سلطان میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں"

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جو میدان جنگ میں کارگر ہو سکتی تھی۔ ورنہ پونا میں پیشوا کی طاقت تو بالکل محدود تھی۔ لہٰذا دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹانے کیلئے یہ خبر پھیلائی گئی کہ احمد شاہ ابدالی کا جانشین زمان شاہ والی افغانستان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔

کیپٹن گرانٹ ڈف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے ہی خوف آتا تھا۔ خبریں پھیلائی گئیں۔ کہ زمان شاہ جو احمد شاہ کا پوتا ہے۔ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ سندھیا پونہ چھوڑ کر اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات بچانے کے لیے چلا جائے"

مؤرخ مل لکھتا ہے :-

"قندھار میں بغاوت ہوئی۔ تو زمان شاہ والی کابل بغاوت فرو کرنے کیلئے کابل سے نکلا۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ افواہ ہی افواہ تھی۔ مگر طرفہ یہ کہ ۱۰ اکتوبر ۱۷۹۸ء کی تاریخ بھی مقرر کی گئی کہ اس دن زمان شاہ ہندوستان پر حملہ کریگا۔ انگریزوں میں اضطراب پھیل گیا۔ کہ زمان شا

شمال میں اور جنوب میں ٹیپو سلطان ان کے مقاصد کے سدِ راہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا
بطور حفظِ ماتقدم دولت راؤ سندھیا کو اپنے مقبوضات شمالی کے بچانے کے لئے
شمالی ہند جانے کا مشورہ دیا گیا۔"

مگر دولت راؤ سندھیا نے زمان شاہ کے مفروضہ حملہ کو کچھ بھی وقعت نہیں دی اور
برابر پونا میں مقیم رہا۔

اسوقت دوسری تدابیر اختیار کی گئیں۔ دولت راؤ سندھیا پونہ میں مقیم تھا۔ کہ لارڈ
ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بنا کر دولت راؤ کے پایۂ تخت گوالیار کو روانہ کیا۔ یہاں
کرنل کالنس نے جو کچھ کیا۔ اس پہ تاریخ روشنی نہیں ڈالتی۔ مگر اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سندھیا کے
وزراء وامرا میں نفاق پھیل گیا۔ دوسری طرف حیدر آباد کے عظیم الامرا ارسطو جاہ کو
یقین دلایا گیا۔ کہ سندھیا تاوان جنگ کیلئے حیدر آباد پہ حملہ کرنے والا ہے۔ اسی پر اکتفا
نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسٹر کولبروک کو سفیر بنا کر برار کے راجہ کے پاس بھیجا گیا۔ لارڈ ولزلی
اپنے خط میں حیدر آباد کے ریزیڈنٹ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھتا ہے:-

"آپ کو معلوم ہوگا کہ راجہ برار کے پاس ہماری ایک سفارت جا رہی ہے۔ ناگپور
کو اپنی جانب ملا لینا ہمارے مقاصد کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اس کیلئے مناسب
طریق یہ ہے کہ حیدر آباد کے ذریعہ اس دوستی کو مستحکم کیا جائے۔ اور ہمارے
درمیان ایک ایسا عہد نامہ ہو جس کے ذریعہ سندھیا یا ٹیپو کے خلاف ہم کام لے سکیں
اس لئے تم اپنی کوشش سے ناگپور کے راجہ کے عادات واطوار اور اس کے
خیالات دریافت کرو۔ ناگپور کو بہ حیثیت دولت راؤ سندھیا کے سرحد پر ہونے
کے نہایت ہی اہمیت حاصل ہے۔"

ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ

دوسری طرف سلطنت اودھ وارن ہیسٹنگز کے زمانہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔ لہذا اودھ کے اندر سندھیا کے سرحد پہ ایک بہت بڑی انگریزی فوج مقیم ہو گئی۔ اور یہ خبر پھیلائی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی بنارس سے مفرور ہے۔ اور گمان ہے کہ وہ زماں شاہ کے پاس گیا ہو گا۔ لہذا یہ فوج صرف کمپنی کے مقبوضات کے تحفظ کیلئے رکھی گئی ہے۔ کہ زماں شاہ حملہ نہ کر دے۔ دولت راؤ سندھیا کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ پونا سے نکل کر گوالیار چلا گیا۔ اس طرح وہ سب سے بڑا خطرہ جو لارڈ ولزلی کو تھا۔ دور ہو گیا۔ اس کے بعد دربار پونا میں نانا فرنویس اور پیشوا کے آگے سب سیڈیری سسٹم پیش کیا گیا۔

گرانٹ ڈف اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۲ پہ لکھتا ہے:۔

"اس سسٹم کو قبول کرنے کے عوض انہوں نے یقین دلایا کہ باہمی دوستی کے جو پہلے معاہدے ہیں۔ ان پر وہ قائم رہیں گے۔ اور اگر ٹیپو سلطان و ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو تائید دی جائے گی۔ اور اس مقصد کیلئے انہوں نے ایک فوج بھی تیار کر لی۔"

سب سیڈیری سسٹم قبول کرنے کیلئے مصلحت وقت کے لحاظ سے پونا پر زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کا مقصد تو یہ تھا کہ مرہٹے غیر جانبدار رہیں اور یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس لیئے اس نے آخری وقت میں پونا کی اس امداد کو مسترد کر دیا اور اس کا سبب یہ بتلایا گیا کہ ٹیپو سلطان کے سفیر جو دربار پونا میں آئے ہوئے تھے

ان سے نانا فرنویس کو معلوم ہوئے بغیر پیشوا نے ۱۳ لاکھ روپیہ حاصل کیا ہے۔ یہ ایک چال تھی جو وہاں کے انگریزی سفیر نے چلی مقصد یہ تھا کہ اخیر وقت میں نانا فرنویس اور پیشوا میں اَن بن ہو جائے۔ اور اس طرح اس معاملہ کے سلجھنے تک بغیر مرہٹوں کی امداد کے ٹیپو پر قبضہ کر لیا جائے حقیقت میں یہ ایک ایسی چال تھی جو کامیاب ہو گئی۔

یہ تمام تدابیر اس لئے اختیار کی گئیں کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ ابھی نہیں ہوا تھا خود ولزلی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ واقعات کیا پلٹا کھائیں گے۔ اس لئے اس نے پیش بینی سے یہ کارروائی کی۔ کہ مرہٹے جنگ سے علیحدہ بھی رہیں۔ اور بوقت ضرورت ان سے امداد بھی حاصل کی جا سکے۔

زمان شاہ

نظام الملک اور مرہٹوں سے معاہدہ کر لینے کے بعد ولزلی نے افغانستان پر توجہ کی۔ اس کو معلوم تھا کہ سلطان کے ایلچی افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ اگر سچ مچ زمان شاہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے اس نے زمان شاہ کے حملے کو روکنے کے لئے ایک ایسی گہری سازش کی۔ جو کارگر ہو کر رہی۔ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ مسلمان کو ایران بھیجا۔ اس شخص نے وہاں جا کر عباس شاہ صفوی کے گوش گذار کیا کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ انکے جان اور مال محفوظ نہیں۔ ان کے عقاید پر پابندیاں [illegible] ہیں۔ اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔

یہ سن کر عباس صفوی نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے اس حملہ کی خبر سن کر زمان شاہ جو اس وقت سرحد ہندوستان پر تھا۔ کابل کو واپس ہو گیا۔

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب

حیدرآباد کی آزادی سلب کر لی گئی تھی۔ پونا انگریزی چال میں پھنس گیا تھا۔ دولت راؤ سندھیا کا خطرہ دور ہو چکا تھا اور زماں شاہ کے خلاف ایران کو مشتعل کر دینے کے بعد ولزلی کو یقین ہو گیا کہ اب ٹیپو سلطان کو کہیں سے تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب سلطان پر حملہ کرنے کیلئے بہانے ڈھونڈھے جانے لگے۔ لارڈ ولزلی کو کارنوالس اور جنرل میڈوز نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سلطان کے امراء و وزراء کس قماش کے ہیں۔ اور کون کون لوگ انگریزوں کے ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔ اور سرنگاپٹم پر قبضہ کرنے کے آسان طریقے اور راہیں کیا ہیں۔

کیپٹن لٹل کی یادداشتوں میں اسے مور لکھتا ہے:۔

"میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان سرنگاپٹم میں محصور تھا۔ اور تمام ملک انگریز کے قبضہ میں تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رعایا کو سلطان سے بدظن کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ سلطان شکست خوردہ تھا۔ اس لئے اس کی رعایا کو اس سے انحراف کرانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا کہ آئندہ وقت پڑنے پر لوگ انگریزوں کے طرفدار بن جائیں۔ ہم نے اس وقت جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ کرنے والے ہیں۔ اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت پنپنے والی نہیں ہے"

لارڈ کارنوالس نے جو بیج بوئے تھے۔ ان سے ولزلی نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ان نمک حراموں کی کمی نہیں تھی جو ملک میں سازشیں کر رہے تھے۔ اور اغیار کے اشاروں پر رقصاں تھے۔

۱۷۹۸ء میں سلطان کا سفیر فرانسیسیوں کے پاس جزائر مراشس میں جاکر واپس آیا۔ وہاں طرفین میں معاہدہ ہوا تھا۔ کہ ایک دوسرے کو بوقتِ ضرورت مدد دیں گے۔ سلطنتِ خداداد ایک آزاد سلطنت تھی۔ اس کو اختیار تھا کہ جس کسی سے چاہتی جس قسم کے معاہدے کرتی۔ آج بھی تمام سلطنتیں اپنے تحفظ کیلئے ایسا کرتی ہیں۔ لیکن اس سے جنگ کے شعلے نہیں لپک اُٹھتے۔ مگر ولزلی کے نزدیک سلطان کا یہ ایک جرم تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کرسکتا تھا کہ سلطان فرانس سے تعلقات پیدا کرے یا ہندوستان میں ایک فرانسیسی بھی رہے۔ گو اس وقت جب ولزلی سلطان سے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ تو اسوقت فرانسیسی بیڑے کو ابوقیر میں شکست ہو چکی تھی۔ اور نپولین مصر سے فرانس کو واپس ہو گیا تھا۔ اسلئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کریگا۔ لیکن ولزلی شروع ہی سے یہ خیال لے کے آیا تھا کہ جب تک ٹیپو سلطان ہندوستان میں ہے۔ یہ ملک انگریزوں کا ہو نہیں سکتا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات اس وقت کیسے تھے عین اس وقت جبکہ لارڈ ولزلی کلکتہ آ رہا تھا تو سلطان کا خط سرجان شور کے نام ۲۹ اپریل ۱۷۹۸ء میں پہنچا۔

"آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ انگلستان جا رہے ہیں، اور لارڈ مارنگٹن گورنر جنرل ہو کر آ رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لارڈ مارنگٹن پر ہماری اس باہمی دوستی اور خلوص کا اظہار ضرور کریں گے۔ جو سلطنتِ خداداد اور کمپنی کے درمیان ہے۔ اور انہیں ہمیشہ اپنی خیریت کے خطوط لکھنے کیلئے کہیں گے۔

میری خلوص نیت اور دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ وطن جاکر بھی ہمیشہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔"

پھر ۱۰ر جولائی ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط لارڈ ولزلی کے نام آیا۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا:۔

"آپ کا خط جس میں آپ کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے باعث مسرت ہوا۔ آپ کی خیریت کی خبر سن کر دل کو جو خوشی ہوئی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دونوں سلطنتوں میں جو رشتۂ اتحاد قائم ہے۔ وہ آپ کی موجودگی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔ معاہدہ کی پابندی اور دوستی کا نباہنا میرا مقصد وحید ہے۔ آپ بھی جو دوستی و مروت کے دل سے خواہاں ہیں یقینی ہے کہ اسی طرح اتحاد اور یگانگت کو قائم رکھیں گے۔"

پچھلی جنگ میں جو لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ہوئی تھی، ملک وائناڈ کے کچھ حصہ پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حد بندی کی رو سے یہ علاقہ سلطنت خداداد کی ملکیت میں تھا اور سلطان بار بار سر جان شور کو دوستانہ طور پر اس کی واپسی کے لئے لکھ رہا تھا۔ لارڈ ولزلی نے ان مراسلات کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوراً اس نے ایک کمیشن مقرر کر دیا کہ حد بندی کا تصفیہ کر کے وائناڈ کا علاقہ سلطان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ولزلی نے ۱۴ر جون ۱۷۹۸ء کو سلطان کو ایک خط لکھا کہ "صلح اور دوستی کا خواہاں ہے۔ اس خط میں وائناڈ کے معاملہ میں کمیشن کے تقرر کی اطلاع دی گئی مگر یہ ایک سخت دھوکا تھا جو دیا گیا کہ سلطان کو دوستی کا یقین آ جائے۔ اور اس پر لارڈ ولزلی کے عزم و ارادے ظاہر نہ ہوں۔ اس خط کے صرف تین دن بعد لارڈ ولزلی سلطان کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:۔

"ماریشس میں فرانسیسیوں نے ہمارے خلاف جو اعلان کیا۔ اس سے آپ واقف

ہوں گے۔ تاہم میں اس کی ایک نقل روانہ کرتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہ اعلان ہمارے اور سلطان کے درمیان شدید بحث کا دروازہ کھول دیگا۔ نہیں معلوم کہ اس بحث کا نتیجہ کیا نکلے۔ اور شاید جنگ بھی ہو۔ اس لئے آپ فوجوں کی تیاری کی طرف خیال رکھیں۔ اور سرحد سلطنتِ خداداد کے مناسب مقامات پر ابھی سے فوج بھیجدی جائے۔"

مدراس کی گورنمنٹ واقف تھی۔ کہ سلطان کی نیت انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ چنانچہ ۲ رجولائی ۱۷۹۸ء کو مدراس گورنمنٹ کا سکرٹری مسٹر جوسیلو وب لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیر کا ماریشس کو جانا خواہ کوئی مقصد رکھتا ہو۔ یا یورپ میں حالات کچھ بھی ہوں۔ یہ مصدقہ اطلاع مل چکی ہے۔ کہ ماریشس سے فرانسیسی سپاہی یورپ چلے گئے ہیں۔ بحری فوج توڑ دی گئی ہے اسلئے قریب میں سلطان الدولہ فرانسیسیوں کا اتحاد ناممکن ہے۔ لہذا ہمیں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہیئے جس سے ہم پر یہ الزام آئے کہ پیش قدمی ہماری جانب سے ہوئی ہے۔"

جوسیلو وب کی تحریر کے علاوہ کرنل ولزلی جو لارڈ ولزلی کا بھائی تھا۔ اس نے بھی ایک خط اپنے بھائی کو لکھا۔ اس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"یہ ایک غلط خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کے پاس ایک ایسی فوج ہے جو جنگ کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے"

(ماڈرن میسور)

مگر ولزلی پر ان تحریروں کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ وقت کی تلاش میں تھا۔ اس

کی سازشیں جن کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔

ادھر تو لارڈ ولزلی سلطنت خداداد کو فنا کرنے کے لئے دن رات جوڑ توڑ کر رہا تھا اور ادھر سادہ دل سلطان کو ولزلی پر اعتماد و اعتبار تھا۔ چنانچہ ۸ ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط ولزلی کو پہنچا۔ اس میں تحریر تھا۔

"مفسد لوگ ہمیشہ اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح دونوں سلطنتوں میں نفاق و عداوت کا بیج بو دیا جائے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے مجھے امید ہے کہ دوستی و محبت کا یہ چشمۂ صافی ہرگز آلودہ نہ ہوگا۔"

سلطان کا یہ خط گو لارڈ ولزلی کو ستمبر میں ملا تھا۔ لیکن اس نے نومبر تک جواب نہیں دیا۔ اس کی ذہنیت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے سلطان کا خط ملنے کے بعد بھی کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ سلطان بغیر فرانس والوں کی معقول امداد کے کچھ کر نہیں سکتا تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت جلد ہم کو جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔" (۴ نومبر ۱۷۹۸ء)

لیکن دوسری طرف اسی تاریخ یعنے ۴ نومبر کو سلطان کے خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ:۔

"آپ کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوگی کہ جنگ طولوں میں فرانس والوں کو سخت شکست ہوئی ہے۔"

اس خط کے بعد ۱۰ نومبر کو ایک اور خط لکھا جاتا ہے۔ ولزلی کی تجاویز پوری ہو چکی تھیں۔ اس لئے اب اس کو اور زیادہ اپنے ارادوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس ۱۰ نومبر کے خط میں لکھتا ہے:۔

"یہ نا ممکن ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ مجھے اس خبر کی اطلاع نہیں ہے کہ آپ

گے اور فرانس والوں (جو کمپنی کے دشمن ہیں) کے درمیان کس قسم کی خط و کتابت ہوتی ہے تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جا رہا ہے اس کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کیلئے سلطان سے جو علاقہ چاہے اس کا مطالبہ کرے۔"

اس خط میں یہ بھی اشارۃً لکھا گیا تھا کہ سلطنتِ خداداد کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

ابھی اس خط کا جواب نہیں دیا گیا تھا کہ لارڈ ولزلی کمپنی کی تمام بحری اور بری فوجوں کو تیاری کا حکم بھیج دیتا ہے۔ اور خود ۱۳ر دسمبر ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچ جاتا ہے۔

لارڈ ولزلی کو سلطان کا جواب مدراس میں ملتا ہے جس میں سلطان نے لکھا تھا:۔

"سلطنتِ خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے اس ملک سے چاول لیکر ان کا ایک جہاز مرشس پہنچا اور واپسی میں مرشس کے چالیس باشندے ملازمت کے خیال سے اس سلطنت میں آ گئے۔ ان میں سے ۱۲ بارہ کو ملازمت دیدی گئی۔ اور باقی لوگ ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو گئے۔

یہ میرا دلی مقصد ہے کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کو پورا اور دوستی و اتفاق کو اور زیادہ مستحکم کر دوں۔ میں اس وقت یا تو محل میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ یا سیر و شکار میرا مشغلہ رہ گیا ہے۔ ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں۔ اور بصورت دیگر جنگ کا اشارہ کرنا مجھے متحیر کر رہا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات آنے نہ دیں گے جس سے طرفین کے دل خراب ہوں۔"

یہ خط پہنچنے کے ۹ دن بعد تک ولزلی اس پر غور کرتا رہا جس کے بعد وہ ایک اور خط لکھتا ہے جس میں شرائط پیش کی جاتی ہیں۔ اور سلطان کو جواب کے لئے چوبیس ۲۴ گھنٹوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد لارڈ ولزلی اور ایک خط تحریر کرتا ہے۔ سلطان کو سلطان ترکی کا وہ فرمان بھی بھیجتا ہے جس میں فرانسیسیوں کے خلاف (ترکوں کی طرف سے) اعلان جہاد تھا۔

مگر سلطان کی حمیت نے ان شرائط کا قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ اور نہ ان خطوط کا کوئی جواب دیا۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں :۔

"مگر افسوس میر صادق ان خطوط کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا"

پھر طویلہ لارڈ ولزلی نے ۳ تاریخ کو فوج کو میسور پر بڑھنے کا حکم دیدیا۔ سلطان کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوئی تو ۱۳ فروری کو میجر ڈوٹن کو بھیجنے کے لئے خط لکھا۔ مگر ولزلی نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

۲۲ فروری کو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ مگر اس سے ایک مہینہ پیشتر ہی لارڈ ولزلی نے سلطنت خداداد کی تباہی کیلئے سازشوں کا پورا سامان تیار کر چکا تھا۔ ولزلی اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو لکھتا ہے :۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور باجگذار سلطان کے خلاف اور ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں۔ اس موقع پر ہم کو جبکہ خود سلطان کی وجہ سے جنگ اختیار کرنا پڑا ہے۔ ہمارے لئے بڑا زریں موقع ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھائیں"

آگے چل کر لکھا جاتا ہے :-

"آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام دینے کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لیفٹیننٹ کرنل کلوز، لیفٹیننٹ کرنل اگینو، کیپٹن مالکم اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں"

ان تحریروں سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پروپاگنڈا اور سازشیں کرنے کے ایجنٹس قدر اہتمام کیا گیا تھا جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیار اور فوجوں کی رہین منت نہیں بلکہ سلطان کے امراء و وزراء کی غداری تھی۔

مورخ پاسو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"گذشتہ جنگ میں کارنوالس کی کامیابی بھی اسی سازش اور غداری کی رہین منت تھی۔ اور اس دوسری جنگ میں بھی اس کا کھلا ثبوت اس خط سے ملتا ہے۔ جو گورنر مدراس نے ۲۹ دسمبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو لکھا تھا :-

"میں آپ کی توجہ کیلئے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں جس کی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے۔ یہ تحریر اس شخص کی ہے جو میسور کے سابق حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا۔ اور جس کی اطلاعات گذشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھیں۔ ترمل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی سے (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) نہایت دوستانہ ہیں۔ اور جس کی تمام امیدیں جنگ سے وابستہ ہیں۔ اس بدقسمت عورت کے خیالات اور ارادوں سے میں عنقریب آپ کو اطلاع دونگا۔ اور وہ تحریر آپ کے غور و فکر کے قابل ہوگی۔ ترمل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں۔ جو سلطان کے مقرب بارگاہ ہیں"

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کی جس تحریک کا حوالہ اپنے مذکورہ بالا خط میں دیا ہے ممکن ہے یہ وہی خط ہو۔ جو رانی نے اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس "تار "پروہانس آف میسور" کے صفحہ ۳۵ و ۳۶ سے ذیل میں دیا جاتا ہے:-

"ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کے حاصل کرنیکے لئے سب سے پہلے ۱۷۶۱ء میں نواب محمد علی والا جاہ کے توسط سے ایک ایلچی کو روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لارڈ میکارٹنی (مدراس کا گورنر) نے پورے طور پر یقین دلایا کہ ہماری ریاست ہم کو بحال کر دی جائیگی۔ اس کے لئے یہاں سازش کی گئی۔ لیکن عین وقت پر ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ اور ہم ناکام یاب رہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں کیا گذری۔ اب سنا جاتا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں تشریف لائے ہیں۔ کہ ہماری حکومت ہمیں واپس دلادی جائے۔ اس کیلئے اگر آپ کوشش کریں تو اخراجات جنگ کے طور پر ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا۔ ساڑھے تین روپے) آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ ترمل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہونگی"

اس خط میں رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا:-

"گورنر اور انگریزوں سے کہو کہ وہ اگر ہماری پرواہ کرتے ہوں تو نہ کریں لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کیلئے فرانس والوں کے اس ملک میں پہنچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے نپٹ لیا جائے۔"

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل بھی ملفوف کی تھی۔ جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔ (کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۵)

نوٹ :- اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کی نقل رانی کو کہاں اور کس ذریعہ سے دستیاب ہوئی؟ سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا۔ جنے اس معاہدہ کی نقل رانی کو دی ہو۔ (محمود)

کتاب ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۲۷ پر ایک اور خط دیتا ہے۔ جو میسور کی رانی کی طرف سے لارڈ ولزلی کو فروری میں ملا۔

"ابھی حال ہی میں معلوم ہوا کہ خدا نے آپ کو اعلےٰ مرتبہ بخش کر اس ملک کو بھیجا ہے یہ بھی سنا گیا کہ آپ ارادوں کے نیک اور بہادر ہیں۔ اس لئے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہدناموں کے مطابق ہمارا ملک ہم کو لے کر دے دیجئے۔"

اس خط کا جواب ۱۶ اپریل کو سکرٹری جوشیو ویب نے اس طرح دیا :-

"آپ کا پردھان ترمل راؤ ایک عرصہ سے یہیں۔ آپکے متعلق اطلاعات پہنچاتا رہا ہے۔ لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرتے ہوئے آپکی ریاست آپ کو واپس لیکر دی جائے گی۔"

بہر طور انگریزی فوجیں جو دو ماہ پیشتر ہی سے سرحد پر موجود تھیں۔ نہایت سرعت کے ساتھ ۲۲ر فروری کو سلطنت خداداد کی طرف بڑھیں۔ انکے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدر آباد کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ فوجیں خفیہ طور پر بڑھکر (خاص حدود سلطنت کے اندر) رائی کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ اور انگریزی فوج کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات میں بھیس بدلکر ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے مقیم ہوئے۔ اور یہ قریب قریب تمام مسلمان ہی تھے۔ یہ تو ابھی تک زبان زد خاص و عام

ہے کہ شہر چاپور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے۔ جو انگریزوں کو اپنے مکانوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر میر صادق اور پورنیا وغیرہ سلطان کو دھوکہ دے رہے تھے۔ کہ انگریزوں کی کیا مجال ہے۔ جو ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ اگر ایک طرف مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ملیبار اور کورگ کے راستے سے اور ایک انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت پایۂ تخت پر آرہی تھی۔ سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس کو حیرت ہوئی کہ اس کے ۱۳ فروری کے خط کا جواب دینے کے عوض فوج کشی کی گئی ہے۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سنڈکلیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"سداسیر کے مقام پر انگریزی و سلطانی فوجوں کا مقابلہ ہوگیا"

ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۴ پر لکھتا ہے:-

"۵ مارچ کی صبح تھی سلطان تین دن کے اندر پریاپٹن پہنچ گیا۔ پریاپٹن کا میدان خیموں اور جھنڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں سبز خیمہ نہایت نمایاں طور پر نظر آرہا تھا۔ سداسیر کی پہاڑی سے یہ منظر دیکھ کر کورگ کے راجہ نے نہایت سرعت کے ساتھ یہ خبر انگریزی لشکر میں پہنچا دی"

انگریزی فوج کو گمان تک نہیں تھا کہ سلطان اس قدر جلد نقل و حرکت کرے گا اور جھٹ پٹ کورگ کے جنگلوں میں آ پہنچا۔ ولکس لکھتا ہے:-

"دوسری صبح اس گھنے جنگل میں جب تمام مطلع سخت کہر میں گھرا ہوا تھا۔

سلطان آگے بڑھا۔ اور انگریزی فوج کے ایک حصہ سے اس کا مقابلہ ہو گیا انگریزی فوج کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔"

راجہ کی اطلاع دہی سے انگریزی فوج کا دوسرا حصہ جو پیچھے آرہا تھا خبردار ہو گیا سلطان اب اس پر متوجہ ہوا۔ چونکہ انگریزی فوج کے بڑے حصہ کو شکست ہو چکی تھی سلطان نے میر قمر الدین کو دوسرے حصہ کی سرکوبی پر مامور کر کے آپ مشرقی محاذ میں آکر چن پٹن کے قریب کیمپ کیا۔

اس عرصہ میں حیدر آبادی اور انگریزی فوجیں رائے کوٹہ سے نکل کر آنیکل پر قبضہ کرتی ہوئی چن پٹن کی جانب بڑھ رہی تھیں مگر جب انہیں سلطان کی موجودگی کی اطلاع ملی تو جنرل ہارس اس راستہ کو کاٹ کر خان خانہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے جلدی سے گلشن آباد کی سرحد پر جنگ کا سامان کیا۔ یہاں سلطانی فوج نے دل کھول کر داد مردانگی دی۔ قریب تھا کہ انگریزی صدر پر فتح ہو جاتے لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد میں لگا دیا جس کی وجہ سے انگریزی توپوں نے سب کا ڈھیر کر دیا تب سلطان نے ساری فوج جمع کر کے حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی سید غفار نواب حسین علی خاں اور نواب محمد رضا خاں سپہ سالاران افواج سلطانی ایک ایک طرف سے ٹوٹ پڑے عین اس وقت جب پے در پے حملے ہو رہے تھے تو نواب محمد رضا خاں کو گولی لگی۔ اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

سلطان نے نواب کی لاش پالکی میں ڈال کر سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔ اور خود دشمن کے مقابلہ پر آگیا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور حملہ

سلطان کا نیرّ اقبال ڈوب چکا تھا۔ اور اتحادیوں کی چال کامیاب ہو گئی تھی۔ کیا میدانِ جنگ اور کیا دارالسلطنت ہر جگہ نمک حرام افسران کی انگلیوں پر ناچ رہے تھے۔ میدانِ جنگ میں سلطان کو خبر پہنچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے میر قمرالدین نے غداری کر کے انگریزی فوج کا کور کہیں مقابلہ نہیں کیا جس کی وجہ جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایۂ تخت تک پہنچ گیا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"میر قمرالدین انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے۔"

اس غیر متوقع خبر کے ساتھ ہی سلطان دارالسلطنت کو مراجعت فرما ہوا سلطان کے پلٹتے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر بڑھی۔ اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی۔ اور ان مورچوں پر قبضہ ہو گیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کئے تھے۔ یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا۔ سوہلی کے پاس دریا عبور کر کے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان[1] باغ

---

[1] مصنف کتاب نے اس مقام کو دیکھا ہے۔ یہاں سے باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں۔ یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔ اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔ دریا کی چوڑائی اس جگہ بالکل کم رہ گئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے۔ جو بالکل خشک رہتی ہے۔ اس لئے بجز اس موسم کے جبکہ دریا میں طغیانی آئی ہو۔ اس مقام کو آسانی کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے۔ اور فصیل قلعہ بھی یہاں کچھ ایسی اونچی نہیں ہے۔ (محمود)

کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔
جنرل میڈوز اپنی کتاب ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے :۔

"انگریزی فوجوں کو سہل کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل میں ٹھہرانے ہوئے قلعہ کے اس سب سے کمزور پہلو کو بتانیوالا میر قاسم علی بن ٹپیل سید نورالدین تھا۔"

غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت ٹیپو سلطان نے اپنے افسروں اور معتمدوں کے طرزِ عمل سے معلوم کر لیا کہ

"یہ نمک حرام گندم نما جو فروش"

میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان نے موسیو پیرو اور دوسرے افسرانِ فرانسیس کو یاد فرما کر ان پر ظاہر کیا کہ :۔

"حالتِ موجودہ کو تم دیکھ رہے ہو جس پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا جن لوگوں کو میں اپنا معتمد اور یار غار جانتا تھا۔ ان کی مکاری اور دغابازی کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں اور غنیم کا زور روز بروز ساعت بساعت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔"

فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا :۔

"ہم نے حضرت کا نمک کھایا ہے۔ اور حضرت نے ہمیشہ ہم پر بھروسہ کیا ہے۔ ہم حضرت کے پسینے پر اپنا خون گرانے کیلئے تیار ہیں۔ اب صلاح وقت یہ ہے کہ حضرت جواہرات کی پیٹیاں اور اشرفیاں اور توشکخانہ کا قیمتی سامان لے کر مع خواتین حرم سرا کے آدھی

رات کے بعد خاموشی کے ساتھ قلعہ معلیٰ سے باہر تشریف لے جائیں۔ باہر نکل کر دس ہزار سوار جرار اور پانچ ہزار فوج باقاعدہ پیادہ کا ز بر دست بدرقہ معہ بیس ضرب توپ کے ساتھ لیں۔ اور بہ سبیل یلغار صوبہ سرا قلعہ چتلدرگ پر جا پہنچیں اور نہایت معتمد افسروں اور جاں نثاروں کو مختلف کاموں پر مامور فرما دیں۔ اور یہ قلعہ فدوی اور موسیو لالی سپہ سالار کے تفویض کر جائیں۔ جب تک ہم میں سے ایک بھی باقی رہے گا۔ حضرت کے ادائے نمک میں قصور نہ ہوگا۔ اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسیسیوں کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کر دیں۔ وہ ہمارے نکل جانے سے حضرت کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگیں گے۔ کیونکہ انکو زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کینہ و پرخاش ہے"

ٹیپو سلطان نے موسیو پیپو سردار فرانسیس کا یہ جواب سن کر قوم فرانسیس کی نمک حلالی وفاداری اور بہادری کی تعریف کی اور جواب دیا :۔

"دوستو! تم غریب الوطن میری طلب پر آئے ہو۔ اور تم نے کبھی میری رفاقت اور وفاداری میں قصور نہیں کیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر، نمک حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دوں؟ اگر میری تمام سلطنت تلف اور تاراج ہو جائے تو بھی مجھے پروا نہیں۔ لیکن تم کو ہرگز دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا"

پھر سلطان نے اپنے نمک حرام دیوان میر صادق اور پورنیا سے اس مشورہ کا ذکر کر کے انکی رائے دریافت کی۔ دغا بازوں نے سخن سازی کی تمہید بیان کر کے نہایت ہمدردانہ اور خیر خواہانہ لہجہ میں عرض کیا کہ :۔

"جہاں پناہ! اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے۔ جو آپ کے ساتھ کریگی۔
فرانسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

"سگ زرد برادر شغال"

حضرت! یقین فرمالیں کہ جیسے ہی حضرت نے قلعہ ان کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں
کے تفویض کر دیں گے" (نشانِ حیدری)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کر لے۔ مگر وہاں سے ایسی ذلیل شرائط آئیں کہ بجز جنگ کے چارہ ہی نہ رہا۔ اور ان میں فرانسیسیوں کی برطرفی۔ ساحل بحر کے تمام علاقہ کی حوالگی اور خراجگذاری کا مسئلہ بھی تھا۔ مگر غیور دل سلطان نے اپنے وفادار فرانسیسیوں کو حوالے کرنا۔ اور خود دوسروں کا مطیع ہو کر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لہذا سلطان نے ان شرائط کو قبول نہیں کیا۔ اور خود انگریز معترف ہیں کہ سلطان کو شرائط ماننے کیلئے صرف چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ ونیز جنرل ہارس کو خفیہ ہدایات بھی تھیں کہ سرنگاپٹم فتح ہونے تک صلح سے متعلق کسی طرح کوئی گفت وشنید نہ کی جائے۔ لہذا انگریزی توپ خانہ سے قلعہ پر برابر گولہ باری ہوتی رہی۔ اور اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے۔

"ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی" (نشانِ حیدری)

پھر سلطان نے چاہا کہ تمام جواہرات وخزانہ اور توشکخانہ کا اعلےٰ سامان مع زنانہ قلعہ چیتل درگ کو روانہ کر دیا جائے۔ اور وہ سامان حسب الحکم صندوقوں میں رکھا گیا تاکہ ہاتھیوں اور اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اور زنانہ سواریوں کے لئے تیز رفتار بیلوں اور کہاروں کا انتظام ہو گیا۔ اور اس کے متعلق دوسرے انتظامات بھی کئے گئے

اور ہمراہی کیلئے نہایت معتمد و جاں نثار افسر تجویز کئے گئے۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر سلطان نے اپنے امرائے خاص کو یاد کر کے اس تجویز کو ظاہر کیا۔ یہ سنکر دوسرے امراء نے خاموشی اختیار کی۔ لیکن بدرالزمان ناظر نے عرض کیا کہ :۔

"قبلۂ عالم! جیسے ہی حضرت کا مع خواتین و خزانہ و شہزادگان کے قلعہ چھوڑ کر باہر تشریف لیجانا معلوم ہوگا۔ سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ اور شیرازۂ جمعیت قائم نہ رہیگا۔ پس اس وقت یہ عمل ہرگز شایانِ ہمتِ شاہانہ نہیں ہوسکتا" (نشانِ حیدری)

(نوٹ :۔ ان غدار امراء و وزراء کو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر انکی سازش کامیاب نہ ہوسکے گی)

"ٹیپو سلطان نے بدرالزمان خان کا یہ جواب سن کر ایک حیرت زدہ نگاہ ان امراء کی شرم آگین صورتوں پر ڈالی۔ اور بدرالزماں خاں کے چہرے کو متعجبانہ طور سے دیکھ کر ایک نہایت گہری اور ٹھنڈی سانس بھری! اور آسمان کیطرف دیکھ کر یہ الفاظ زبان سے نکلے:۔

"رضائے مولیٰ برہمہ اولیٰ"

اور خدائے قادر کی رضا پر راضی ہو کر عزم فسخ کر دیا۔ لیکن وہ تمام صندوق اور گٹھریاں ویسی ہی بندھی بندھائی توشک خانہ میں رکھوا دی گئیں۔ (نشانِ حیدری)

سلطان حیران تھا۔ کہ میرے سردار جا بجا متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ نہیں ہوسکتا یہ بغیر سازش کے ممکن نہیں۔ ان حالات کا یقین کر کے اس نے حرم سرا کی چاروں طرف ایک خندق کھدوا کر بارود بچھوا دی۔ کہ انگریز اندر آ جائیں تو حفظِ ناموس کیلئے حرم سرا

کو اڑا دیا جائے۔ سرداروں کو مع فوج سوار و پیادہ اور توپ خانہ کے ضروری مقاموں پر مامور کیا۔ اور ایک دستہ فوج انگریزوں کا سامان رسد روکنے کیلئے روانہ کیا۔ لیکن یہاں تو سب ملی بھگت کئے بیٹھے تھے سلطان کے کسی حکم کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی۔ بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ کرنل ٹبسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"۳۰ اپریل اور ۲ مئی کی شب میں لفٹنٹ پل اور لفٹنٹ لارنس خندق پار ہو کر قلعہ میں ہو آتے تھے۔"

تسخیر سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت

۴ مئی تاریخ کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن حضور کے لئے نہایت منحوس ہے۔ کچھ صدقہ دینا ضرور ہے۔ چنانچہ سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھول سمیت جس کی جھالر میں کئی سیر موتی اور جواہر ٹکے ہوئے تھے۔ فقراء اور درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ اور اس جگہ آیا جہاں قلعہ کی شمالی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اسی جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں بیٹھ کر خاصہ طلب فرمایا۔ ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا۔ اور دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو نثار کیا۔ سلطان نے اس لقمہ کو ویسا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ اٹھایا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اسوقت سلطان نے ان امراء و زرار پر جو وہاں حاضر تھے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ:۔

"اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک ایک گٹھی

کو ترسیبا گئی۔"

یہ کہکر سلطان نے تلوار پرتلے میں ڈالی۔ اور اپنی دونالی بندوق ہاتھ میں لی۔ اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اسوقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سید غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا۔ مگر سپاہ برابر مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوئی تھی۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں۔ اور درپردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی سپاہ کو چڑھ آنے کیلئے اشارہ کیا جائے۔ حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کیلئے مسجد اعلے کے پاس چلے گئے۔ اور ادھر انگریزی فوج کو سفید نشان اٹھا کر (جس کا پہلے ہی سے سمجھوتہ تھا) خبر دیدی گئی کہ میدان خالی ہے آجائیں۔ چنانچہ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ (ماہ مئی اور گرمی کے دن ہونے سے دریا پایاب تھا) فصیل پر چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئی۔

جنرل میدوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ انگریزی فوجوں کو خندقوں سے لیکر نکلا۔ اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا۔ وہ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی راہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے آگے تھا۔ اور وہ "میر قاسم علی" تھا۔ جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

سلطان ڈوڈی دروازے سے باہر نکل کر اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ علم تیری کی طرف بڑھا۔ یہ خبر اسکے محرم اسم دار نے فوراً انگریزی فوج میں پہنچا دی۔ اس واقعہ کی طرف دریا دولت کی ایک تصویر میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ سلطان کے سامنے میر صادق.

کھڑا ہوا آداب بجا لا رہا ہے۔ اور پیچھے مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے)
سلطان علم ہیری کی طرف بڑھا۔ دہلی دروازے کے قریب اس کا اس انگریزی فوج کے
ساتھ مقابلہ ہو گیا۔ جو قلعہ کی اس فصیل پر آ رہی تھی سلطان اور اسکے باڈی گارڈ نے انگریزی
فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ یہاں نہ صرف بندوقوں سے لڑائی ہو رہی تھی بلکہ
تلواریں بھی استعمال ہو رہی تھیں (اگر جنوبی فصیل پر سے پورنیا فوج کو نہ ہٹا لیتا تو
جنوبی فصیل پر بھی انگریزی فوج کو روک دیا جاتا) قریباً تین گھنٹے تک سلطان انگریزی
فوج کو بڑھنے سے باز رکھا لیکن اب وہ انگریزی فوج جو پورنیا و میر معین الدین کی غداری سے
جنوبی فصیل اور مشرقی دروازے پر قابض ہو چکی تھی۔ شہر کی اندرونی فصیل پر قابض ہو
کر جنوب طرف سے گولیاں چلانے لگی جس سے مجبور ہو کر سلطان نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔
جب ڈوبی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا (کیونکہ سلطان کے نکلتے ہی نمک حرام
میر صادق نے اس کو بند کر دیا تھا) سلطان اور آگے بڑھا۔ انگریزی فوج اندرونی
فصیل پر سے برابر گولیاں برساتی رہی لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتے ہوئے
ہٹ رہا تھا۔ اور عین اس وقت جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہنچا تو
اس وقت لشت یعنے جنوب مشرق سے بھی آنے والی انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔
جس کی وجہ سے سلطان مع اپنے جاں نثاروں کے تینوں طرف سے محصور ہو گیا۔
اس موقع پر سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر
کر دیں سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا۔

"گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے"

اس مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی لڑائی ہونے لگی۔ جوانمردوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی جس سے وہ وہیں گر گیا۔ لہٰذا سلطان پیادہ ہو کر لڑنے لگا۔ اس موقع پر اس بلا کی خوں ریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سلطانی جاں نثار اخیر دم تک نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شیر دل آقا پر نثار ہونے لگے۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذات خود اس لڑائی میں شریک ہے۔ تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت اس جگہ مصروف کارزار تھی۔ اس دست بدست لڑائی میں جس میں سلطان داد شجاعت دے رہا تھا سلطان کے دل کے قریب ایک گولی لگی جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا۔ گویا دوپہر کے ڈیڑھ بجے سے شام کے سات بجے تک دست بدست جنگ کے بعد سلطان اور اس کے جاں نثار شہید ہوئے۔ زخمیوں اور مارے جانیوالوں کی تعداد اس قدر تھی کہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہے۔ اور اس پر کیا گذری بارہ ہزار جاں نثار اپنی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے۔ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس شہید ملت سلطان کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلےٰ علیین میں پہنچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا سلطان کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے حساب سے پچاس سال اور عیسوی سنہ کے حساب سے ۴۸ سال کے قریب تھی۔

(نوٹ:۔ انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچ ہزار آدمی مارے گئے لیکن کتاب الاعراس میں ۱۲ ہزار کی تعداد بتائی گئی ہے۔ کتاب الاعراس کے مضمون کی نقل کسی اور جگہ دیکھی ہے۔ یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ ان جاں نثاران وطن میں جو سلطان کے ساتھ شہید ہوئے۔

آں دگر مرگ انتہائے راہِ شوق   آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق !

ٹیپو سلطان کا آخری مقابلہ

تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔

کانسٹنس پارسنس اپنی کتاب سرنگاپٹم کے صفحہ ۸۶ میں لکھتی ہے :۔

ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جن کے لباس، وضع اور قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ غالباً حرم سلطانی ہیں۔"

ایلسن جان کنگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا۔ لکھتا ہے :۔

"عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی۔"

کرنل کرک پیٹرک لکھتا ہے :۔

"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا۔"

ایک اور انگریز افسر لکھتا ہے :۔

"لاشوں میں کئی ایک عورتوں کی بھی لاشیں تھیں جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں۔" (سرنگاپٹم از پارسنس صفحہ ۸۶)

مقامی روایت ہے کہ :۔

"حرم سلطانی کے پردہ نشینان عفاف اس آخری وقت میں آبروئے وطن وملت کی خاطر اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہو کر میدان جنگ میں آگئی تھیں۔"

جنرل ہارس کے حکم سے سلطان کی لاش پالکی میں ڈال کر محل میں بھیجدی گئی اور محل پر انگریزی فوج کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔

قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش

یوں تو قلعہ کی مدافعت کیلئے ہر جگہ سپاہ متعین تھی اور اسکی کمان مختلف سپہ سالاروں کے

ہاتھ میں تھی۔ مگر قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں سے انگریزی فوج کا حملہ ممکن تھا۔ ایک پہلو تو وہ ہے جو شمالی فصیل قلعہ پر محل کے بالکل قریب تھا۔ اور یہاں سلطان بذاتِ خود نگرانی کرتا تھا۔ لہٰذا انگریزی فوج کی زیادہ تر گولہ باری اسی پہلو پر ہوئی (جس کے نشان دیوارِ قلعہ پر اب بھی نظر آتے ہیں) کہ سلطان کی توجہ دوسری طرف منتقل نہ ہو۔ قلعہ کا دوسرا اہم پہلو علم بیٹری ہے جو قلعہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے اور اس کے عین مقابل میں انگریزی فوج باغ میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزی فوج اس پہلو سے چڑھ کر آئی تھی اور یہیں شگاف پڑا ہوا تھا۔ شگاف کی جو حقیقت ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہیں۔ اور اب واضح طور پر دکھایا جاتا ہے کہ قلعہ پر انگریزی فوج کا حملہ کیوں اسی پہلو سے ہوا۔ یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ کرنل میڈوز لکھتا ہے کہ:۔

"یہ پہلو کمزور تھا۔ میر قاسم علی اسی لئے انگریزی فوج کو اس کے مقابل لاکر ٹھہرایا۔"

حقیقت میں یہ پہلو کمزور تھا یا نہیں۔ اس کی صحت و عدمِ صحت اس وقت ناممکن ہے۔ مگر واقعات بتا رہے ہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے مخصوص طور پر اس جگہ کا انتخاب اپنی جانب سے نہیں کیا تھا۔ بلکہ سلطان کے غدار امرا و وزرا نے کیا تھا۔ اس کا ثبوت کرنل ولکس کی مندرجہ ذیل تحریر سے ملتا ہے:۔

"قلعہ کی مدافعت کے لئے جن مختلف ناکوں پر سلطانی سپاہ متعین تھی۔ اس میں قلعہ کے اس جنوب مغربی پہلو پر میر معین الدین متعین تھا۔ اور سپہ دار سید غفار میر معین الدین کے ماتحت تھا۔"

میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں۔ انگریزی فوج جس وقت قلعہ پر چڑھ کر آئی تو خندق جس حالت میں تھی۔ اس کے متعلق میجر بیٹسن لکھتا ہے:-

"خاص اس جگہ جہاں فصیل قلعہ میں شگاف پڑا ہوا تھا خندق میں پانی صرف گھٹنوں برابر تھا مگر دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی"

اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معین الدین نے عمداً خندق کو خالی رکھا۔ یا کوئی ایسی ترکیب کی کہ اس جگہ زیادہ پانی بھرنے نہ پائے۔

سید غفار کے ہوتے ہوئے انگریزی فوج کا قلعہ پر چڑھ آنا ممکن نہیں تھا۔ سید غفار کو پیچھے یہاں سے ہٹا دیا گیا۔ کہ جاکر سلطان کو اطلاع دے آئے کہ شاید حملہ آج ہی ہو۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کو اطلاع دے دی گئی کہ تیار ہو جائیے۔ سید غفار جب فصیل قلعہ پر واپس آئے۔ تو انہیں نشانہ بنایا گیا۔ اور وہ توپ کے ایک گولے سے شہید ہو گئے۔ اور دراصل یہی اطلاع تھی جو انکی غیر حاضری میں انگریزی فوج کو دی گئی۔ کہ انہیں نشانہ بنا لیا جائے۔

(نوٹ:- عام طور پر مقامی روایت جو سرنگا پٹم اور بنگلور میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ جب سید غفار سلطان کو انگریزی حملہ کی خبر دے کر واپس آئے تو انگریزی فوج کو بتلانے کے لئے ان پر سبز چھتری پھیلا دی گئی۔ کہ یہی سید غفار ہیں۔)

سید غفار کے شہید ہوتے ہی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا گیا۔ کہ انگریزی فوج کے آنے کیلئے راستہ صاف ہے۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آکر اپنی تنخواہ لیجائے۔ دراصل پورنیا اور میر معین الدین دونوں غداروں نے اس کا بندوبست کر رکھا تھا۔ فوج کے سپاہی تنخواہ

لینے کیلئے چلے گئے۔ میدان خالی تھا۔ جھنڈیوں کے ذریعہ میر معین الدین نے انگریزی فوج کو اطلاع دے دی۔ کہ آ جائیں۔

اگر اس طرح غداری نہ ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ عین دن کے وقت انگریزی فوج اس قدر کم تعداد میں قلعہ پر حملہ کرے۔ جب کہ یہ معلوم تھا کہ قلعہ میں سلطان کی بے شمار فوج موجود ہے۔

انگریزی فوج کے حملے کے متعلق میجر ڈبسن لکھتا ہے:-

"ڈیڑھ بجے جنرل بیرڈ حملہ کرنے کیلئے نکلا حملہ آور پارٹی دو کالموں میں منقسم تھی ہر ایک کالم میں ایک افسر اور بارہ سپاہی تھے۔ اور انکے پیچھے ایک اور کالم تھا۔ فوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے تیار رکھا گیا۔ کہ فصیل پر قبضہ ہو جانے کے بعد بڑھے"

سلطانی سپاہ یہاں سے ہٹ چکی تھی۔ انگریز اسی لئے اس قدر کم فوج سے اتنی جرأت کے ساتھ بڑھ آئے۔ اگر میر معین الدین نمک حرام نہ ہوتا تو سب سے پہلے حملہ آور انگریزی فوج کا نشانہ وہی بنتا۔ مگر اس کے خلاف وہ اس جگہ کی فوج کو ہٹا کر آپ خود بھی وہاں سے چلا گیا۔

میجر ڈبسن لکھتا ہے:-

"قلعہ کی جنوبی فصیل شگاف سے تین سو گز دور ہم کو تین آدمی نظر آتے جو نیچا ہو کر مر گئے تھے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ان میں ایک سید صاحب (میر معین الدین) ہے۔ دوسرے دو آدمی اس پر گرے ہوئے تھے۔ جب اس کو اٹھایا گیا تو اس کو تھوڑے وقت کے بعد ہوش آیا۔ اور اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے"

(نوٹ:- معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اتفاقاً کوئی چوٹ لگ گئی تھی۔

سلطان کو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کی اطلاع عین اسی وقت نہیں دی گئی جب سید غفار شہید ہوئے بلکہ انگریزی فوج کے داخل ہو چکنے کے کافی عرصہ بعد اطلاع دی گئی۔ جس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔ کہ میجر بٹسن نے میر معین الدین کو دیکھ کر جب اس سے دریافت کیا کہ سلطان کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ :۔

"محل میں ہے"

میجر بٹسن اور آلن کے بیان سے معلوم ہو گا کہ تمام انگریزی فوج کے قلعہ میں آجانے کے بعد سب سے اخیر میں یہ دو افسر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اطلاع اسوقت دی گئی جب غداروں کی تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی۔

غرض یہ وہ سازش تھی جس کے سبب انگریزی فوج کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ سلطان کی شہادت چونکہ مغرب کے وقت ہوئی۔ اسلئے یہ قرین قیاس ہے کہ سلطان کو ڈیڑھ بجے کے وقت اطلاع دی گئی تھی۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ میر قمر الدین سپہ سالار افواج سلطانی تھا۔ اسکو سلطان نے کورگ میں فوج دیکر اس لئے روانہ کیا تھا کہ انگریزی فوج کو پیش قدمی سے روکے۔ مگر انگریزی فوج بغیر مزاحمت بڑھتی آئی یہاں تک کہ اس نے آکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ میر قمر الدین نے جو قلعہ سے باہر فوج لئے ہوئے تھا کیا کارروائی کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہیں ادھر ادھر جا کر بیٹھ رہا ہو گا۔ جب فوج اس کے پاس تھی تو اسے چاہیئے تھا کہ وہ مدافعت کرتا کہ انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کرنے پائے یا اگر محاصرہ ہو چکا تھا تو اس کیلئے نہایت آسان تھا کہ پشت پر سے انگریزوں پر حملہ آور ہوتا۔ اسکی غداری کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وہ انگریزی فوج کے قریب ہی کہیں پڑا تھا کیونکہ

سلطان کی شہادت کے جلد ہی بعد وہ قلعہ میں آ گیا۔

رتبیس لکھتا ہے:۔

"قلعہ میں دوسرے دن جن افسروں نے ہتھیار رکھ دیا۔ ان میں میر قمر الدین بھی تھا۔"

میر صادق کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس غدار نے کیا کارروائی کی۔

قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات

کرنل ٹیلر جو اس جنگ میں شریک تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"محاصرہ کے آخری چند دنوں میں سلطان نے کالی ڈوڈی کے پاس بسر کئے۔ یہ ڈوڈی قلعہ کی اندرونی فصیل میں محل کی شمال مغرب میں ہے۔ اور یہ پانی لانے کے لئے استعمال کی جاتی تھی۔ اس ڈوڈی کے قریب سلطان ایک چھوٹی پتھر کی بنی ہوئی چھولتری میں رہتا تھا۔ جو دروازہ میں تھی۔ اس چھولتری کے قریب چار چھوٹے خیمے ملازمین کے لئے تھے۔

مئی کی ۴ تاریخ کی صبح کو مسلمان اور برہمن نجومیوں نے سلطان سے آکر کہا کہ آج کا دن ذات سلطانی کیلئے نامبارک ہے۔ دس بجے کے قریب سلطان نے چین پٹن کے سنیاسی کو ایک ہاتھی۔ ایک تھیلا تل اور دو سو روپے دیئے۔ اور دوسرے برہمنوں کو ایک ایک سیاہ بیل ایک ایک گائے بھینس، ایک ایک بکری۔ کپڑے تیل اور نوے نوے روپے دیئے۔ اس کے بعد وہ محل میں گیا۔ مگر نہانے میں مشغول نہیں ہوا۔ یہاں سلطان کو معلوم ہوا کہ آج کی شب قلعہ پر چڑھائی ہوگی لیکن

سید غفار سپہ دار نے آکر اطلاع دی کہ حملہ دن کے وقت ہوگا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ دن کے وقت حملہ نہ ہوگا۔

قریب ایک بجے کے سلطان کلالی ڈیڑھی پر پہنچا۔ اور یہاں کھانے پر بیٹھا۔ ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا کہ یک دم شور ہونے لگا۔ سلطان فوراً ہاتھ دھو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ہتھیار باندھے۔ عین اسی وقت معلوم ہوا کہ سید غفار سپہ دار شہید ہوگئے۔ سلطان نے کہا:۔

"مجاہد موت سے نہیں ڈرتے۔ سید غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا"

سید قاسم کو حکم بھیجا کہ سید غفار شہید کی جگہ متعین رہے۔

یہاں سے سلطان قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اس جگہ گیا۔ جہاں حملہ ہوا تھا۔ (مؤرخ حملات حیدری اور نشان حیدری لکھتے ہیں۔ سلطان نے طاؤس نامی گھوڑے کو طلب کیا۔ اور اس پر سوار ہو کر نکلا۔ محمود) جب سلطان قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج قلعہ پر آچکی ہے۔ اور سامنے راستہ نہیں۔ یہاں سلطان نے اپنی بندوق سے انگریزی سپاہ پر فائر کرنا شروع کیا جس سے چار پانچ انگریز نشانۂ اجل ہوئے جب ہجوم زیادہ ہونے لگا۔ تو سلطان واپس لوٹا پانی کے دروازہ پر پہنچ کر سلطان نے چاہا کہ اندر چلا جائے مگر ہجوم اس قدر تھا کہ راستہ نہ ملا۔ یہاں سلطان کو ایک گولی سیدھے بازو میں لگی۔ سلطان تین چار قدم اور آگے بڑھا۔ کہ ایک اور گولی وہیں سیدھے بازو میں لگی۔ گھوڑی زخمی ہو کر بیٹھ گئی۔ یہاں سلطان نے راجہ خاں سے کہا کہ وہ زخمی ہوگیا ہے۔ راجہ خاں نے کہا۔ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں۔ سلطان نے کہا۔

"کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ خاموش رہو"

راجہ خان نے سلطان کو گھوڑے پر سے اتارا۔ اور اتارتے وقت وزن سہہ نہ سکا سلطان اور وہ دونوں ملکر گرے۔ سلطان کو فوراً ملازمین نے اٹھا کر پالکی میں لٹا دیا۔ اور پالکی دروازے میں رکھدی گئی۔ سلطان پالکی ہی میں تھا کہ ایک انگریز سپاہی کا گذر ادھر سے ہوا جس نے سلطان کی پیٹی اور شمشیر لینی چاہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اسکے پاؤں پر ضرب لگائی جس پر اس نے اپنی بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی جس سے سلطان شہید ہو گیا۔

راجہ خان کہتا ہے کہ وہ تمام دوپہر سلطان کے ساتھ رہا۔ سلطان کو تمام وقت حرم سرا کی فکر رہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ناموس حرم بچانے کے لئے محل میں پہنچکر اس کو اڑا دینے کا خیال تھا"

اس کے برخلاف دوسرے انگریزی مؤرخین لکھتے ہیں:-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ اور اس کو گولیاں لگیں"

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا۔ آخر وقت تک داد شجاعت دی۔ ایسے وقت میں اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی۔ اور وہ پانی مانگ رہا تھا۔ سلطان کہہ رہا تھا۔ "خدا کیلئے پانی کا ایک قطرہ دو" سلطان کو تین گولیاں لگیں۔ اور وہ تشنہ لب ہی شہید ہو گیا"

قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلسن کا بیان (ٹبسن کی تاریخ سے) :-

"قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر جنرل بیرڈ تھا۔ اور یہ وہی افسر تھا۔ جو سنہ ۱۷۸۴ء میں تین برس تک مقید تھا۔ وہ میسور کی دوسری جنگ میں کرنل بیلی کی شکست کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا۔ اور جوشِ انتقام سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے خندق سے نکلکر تلوار میان سے کھینچی اور بآوازِ بلند کہا کہ :-

"اے مردانِ دلاور میرے پیچھے چلے آؤ۔ اور آج انگریزی سپاہیوں کی آبرو رکھ لو۔"

جنرل بیرڈ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ترتیب یہ تھی کہ شگاف پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہو کر بنگلوری دروازے تک قبضہ کرے اور دوسرا حصہ شمالی فصیل پر قابض ہو کر اسی دروازے پر آکر مل جائے۔ دریا پایاب تھا اور خندق میں خاص اس جگہ گھٹنوں برابر پانی تھا۔ فوج کے یہ دو حصے لفٹننٹ ڈالس کے زیرِ کمان دیئے گئے (ہم یہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ دونوں افسر نمک حرام وزراء کی سازش سے ۳۰ر اپریل اور ۲ر مئی کو قلعہ میں سے ہو آئے تھے)

خندقوں سے نکلکر شگاف قلعہ تک پہنچنے تک چھ منٹ اُمید و بیم میں گذرے اب انگریزی فوج نے شگاف پر چڑھ کر اپنا جھنڈا بلند کر دیا۔ اور چند منٹ کے بعد ہی تمام فوج فصیل قلعہ پر تھی۔ فوج دو حصوں میں ہو کر آگے بڑھی۔ جنوبی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ وہ بغیر کسی مقابلہ کے بنگلوری دروازے تک

پہنچ گئی۔ بلکہ شمالی فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ اس کا سلطان سے مقابلہ ہو گیا۔ جو حملہ کی خبر سن کر آ گیا تھا۔ جنوبی فوج نے آسانی سے ہر مقام پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ کی اندرونی دیوار پر مخالفت کیلئے کوئی نہیں تھا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی۔ کہ انگریزی فوج کا قبضہ اندرونی فصیل پر بھی ہو گیا۔ اور اس طرح اس فوج پر جو سلطان کے ساتھ تھی۔ ہر طرف سے گولیاں پڑنا شروع ہوئیں۔ شمالی فصیل پہ جو فوج تھی۔ وہ سامنے سے حملہ کرتی تھی۔ اندرونی فصیل پہ جو فوج قابض تھی۔ وہ بائیں جانب سے گولیاں برساتی رہی۔ اور شمال کی طرف سے گولے برس رہے تھے۔ اور جنوب میں پانی کے دروازے تک جنوبی فصیل پر قابض ہو کر گولیاں چلا رہی تھی۔"

میجر ڈالس اور میجر آلن کہتے ہیں کہ ہم شگاف پہ کھڑے ہوئے شہر اور لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ قریب سو فیٹ دور سامنے تین آدمی پڑے ہوئے پائے گئے۔ بظاہر وہ مر چکے تھے۔ ہم نے ان کو جب دیکھنے کیلئے اٹھایا۔ تو ان میں ایک جاں بلب تھا۔ اور دو مر چکے تھے۔ جب تھوڑا وقت گذرا تو یہ شخص اٹھا اور ہمارے چہرے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میجر ڈالس نے اس کو پہچانتے ہوئے پکارا۔ سید صاحب (میر معین الدین) ؟

"ہاں میں وہی ہوں"

اس نے جواب دیتے ہوئے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لیے۔ جب میں نے (میجر آلن) سے دریافت کیا تو میجر ڈالس نے کہا کہ یہ کسی وقت کمپنی کی فوج میں ملازم تھا سید صاحب کیلئے پالکی منگوائی گئی۔ اس عرصہ میں ہم نے سلطان کے متعلق دریافت

کیا تو اس نے یقین دلایا کہ سلطان محل میں ہے۔ ہم دو سپاہیوں کو سید صاحب کی حفاظت پر متعین کر کے جنرل بیرڈ کو سلطان کی محل میں موجودگی کی خبر دینے کیلئے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ سید صاحب اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اس کے پیر لڑکھڑا گئے اور وہ گر کر مر گیا۔"

سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن لکھتا ہے:-

"جب ہم بنگلوری دروازے پر پہنچے تو جنرل بیرڈ نے مجھے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ لیکر سلطانی محل میں جا کر یہ اطلاع دوں کہ اگر وہ بغیر کسی مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالے کر دیں تو ان کی جان کی حفاظت کی جائیگی۔ ورنہ محل کے ہر شخص کیلئے نتیجہ برا ہوگا۔ میں ایک سفید جھنڈا لیے ہوئے محل کے دروازہ پر پہنچا۔ یہاں قلعہ دار سے کہا کہ فوراً اس اعلان کی اطلاع دی جائے۔ اور اس کیلئے میں خود آیا ہوا ہوں قلعہ دار پہلے تو راضی نہ ہوا لیکن دھمکانے پر مجھے اور افسروں کو اندر لے گیا۔ محل کے صحن میں چند آدمی ہتھیار باندھے کھڑے تھے میں نے انکو سفید جھنڈا دکھایا اور کہا کہ یہ امن کا جھنڈا ہے اور اطمینان دلانے کیلئے میں نے اپنی تلوار نکالکر ان کے ہاتھ میں دیدی۔ قلعہ دار اندر چلا گیا۔ جب واپسی میں دیر ہوئی تو پھر میں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ دیر کرنا انکے لئے خطرناک ہے اس پر قلعہ دار آکر مجھے اندر لے گیا۔ یہاں فرش پر سلطان کے دو شہزادے بیٹھے ہوئے تھے ان میں ایک شہزادہ معز الدین تھا۔ جو میسور کی تیسری جنگ میں بطور یرغمال انگریزوں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔ شاہزادے سہمے ہوئے تھے۔ میں نے ان کو تسکین دیتے ہوئے عرض کیا

سے کہا کہ سلطان کہاں ہے ہمیں اطلاع دیدو کیونکہ ان کا بچکر جانا محال ہے۔ جعفر الدین نے تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بادشاہ محل میں نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا۔ کہ محل کے دروازے کھول دئے جائیں۔ کہ اندر تلاش کر کے اطمینان کر لیا جائے۔ شاہزادے اس پر راضی نہ ہوئے۔ کہ بغیر حکم سلطانی وہ اس طرح نہیں کر سکتے۔ میں نے ان کو ہر طرح اطمینان دلایا کہ کوئی بھی میری اجازت کے بغیر اندر نہ آئیگا۔ آخر دروازہ کھول دیا گیا۔ یہاں جنرل بیرڈ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت جنرل بیرڈ سخت غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اس کو یہ غلط خبر ملی تھی۔ کہ انگریزی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے۔ مگر جب شاہزادے اسکے روبرو آئے تو وہ ان سے خندہ پیشانی سے ملا۔ یہاں شہزادوں کو لفٹنٹ کرنل اگنیو اور کپتان میارٹ کی حراست میں دیدیا گیا۔ کہ ان کو انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جائے۔ فوج کو ہدایت کی گئی کہ ان کی تعظیم بجا لائے۔

جنرل بیرڈ سلطان کے لئے تمام محل کی تلاشی لینے پر تلا ہوا تھا۔ صحن میں سپاہیوں کا پہرہ کھڑا کر کے ہم اندر بڑھے۔ قلعہ دار نے نہایت ہی متانت و سنجیدگی سے سمجھایا کہ سلطان محل میں نہیں ہے۔ بلکہ خبر ہے کہ قلعہ کی اندرونی فصیل کے دروازے کے پاس زخمی پڑا ہے۔ قلعہ دار کو ساتھ لے لیا گیا۔ اور اس سے کہا گیا کہ اگر اسکی اطلاع غلط نکلی تو اس کا نتیجہ اسکے حق میں بُرا ہوگا۔

ہم دروازے پر پہنچے تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ تمیز کرنا مشکل تھا۔ لاشوں کو کھینچ کر نکالا گیا۔ مگر یہ ختم نہ ہوتے تھے۔ تاریکی زیادہ بڑھ گئی تو مشعلیں منگوائی گئیں۔ اسی تلاش میں ہم کو یہاں راجہ خاں ملا۔ جو

مجروح پڑا تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے وہ جگہ بتائی۔ جہاں سلطان گھوڑے پر
سے گرا تھا۔ یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی۔ قلعدار نے سلطان کو شناخت
کر لیا۔ پالکی منگوا کر لاش محل میں لائی گئی۔

جس وقت سلطان کی لاش ملی۔ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں جسم اس قدر گرم
تھا کہ میجر اور کرنل ولزلی کو دھوکہ ہوگیا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ نبض دیکھی گئی
تو ساکت تھی۔ سلطان کو گولی کے چار زخم آئے تھے۔ تین جسم پر اور ایک سیدھے کان
میں۔ سلطان سفید کپڑے کی قمیص اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے
تھا۔ اور ایک سرخ ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا۔ ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی
عمامہ اس ہنگامہ میں کہیں گر گیا تھا۔ سیدھے بازو پر ایک تعویذ تھی جس کو کھولا
گیا۔ ریشم کے کپڑے کے اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں
کچھ لکھا ہوا تھا۔

سلطان کا قد ۵ فٹ ۸ انچ تھا، شانے ابھرے ہوئے، گردن کوتاہ
اور موٹی تھی، ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے، رنگ گندمی
آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں ابرو کماندار اور ناک خمیدہ تھی، چہرہ پر رعب
تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے اس کی ذات بالا و برتر ہے"

سلطان کی تدفین

جنرل ہارس کے حکم سے صبح کے وقت سلطان کا دیدار سب شہزادوں، بیویوں
وغیرہ کو کرا کے تجہیز و تکفین کا حکم دیا گیا۔ جنازہ نہایت ہی احترام و اہتمام کے ساتھ
۲۸ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ تمام شہزادے، سردار اور
عہدہ دار شریک تھے۔ گورہ فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں۔ راستہ میں جس گلی کوچہ
سے سلطان کا جنازہ نکلا۔ وہاں بلا تفریق مذہب و ملت مرد و زن کی صدائے نوحہ و
ماتم سے ایک قیامت برپا ہو جاتی۔ آگے بڑھ کر نواب حیدر علی خان کے مقبرہ پہنچے جس کو
گنبد کہتے ہیں۔ جنازہ ٹھہرایا گیا۔ قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی۔ پانچ ہزار روپے
فقراء کو دیئے گئے۔ اور اس پیکر جلال کو اس کے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا
اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر تھا کہ جب جنرل ہارس کو سلطان کی
شہادت کی خبر پہنچی اور وہ لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

سلطان شہید کی موت درحقیقت اسلامی جاہ و جلال اور اسلامی شان و شوکت کی
موت تھی۔ ہندوستان کی آزادی کی موت تھی۔ ہندوستان کی غیرت و خودداری کی موت
تھی کہ اس حالت زار پر آسمان سے بھی بغیر آنسو بہائے نہ رہا گیا۔

دفعتاً ایک طوفان اٹھا، بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو
ہلا دیا۔ تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ اور محل سرا
اور مسجد اعلیٰ پر۔ دریائے کاویری جو پایاب تھا۔ یکایک پوری طغیانی پر آگیا۔ ایک ایسا ہیبتناک

دعبرت انگیز سماں چھا گیا۔ کہ گویا اہل زمین پر ایک بہت ہی بڑی مصیبت آگئی تھی جس پر آسمان بھی غم کر رہا تھا۔ اور برق و باد اس کے شریک ماتم تھے۔

گو اس زمانہ میں اس قسم کے واقعات پر یا تو یقین نہیں کیا جاتا : یا ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں اور اس کا بیّن ثبوت دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو مافوق الفطرت واقعات کے منکر ہیں خود معترف ہو گئے ہیں۔ ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف اسلامی تاریخوں ہی میں نہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس ثبوت دے رہی ہیں۔

ولیم بیس اپنی تاریخ اور بورنگ حیات ٹیپو میں لکھتا ہے :۔

"اس وقت ایک طرف تو قلعے سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی نہایت خوفناک گرج سے اس عبرتناک واقعہ کی سنجیدگی اور بھی دوبالا ہو گئی تھی"

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات تھی کہ انکی مدت العمر میں اس قسم کا خوفناک طوفان کبھی نہیں آیا تھا جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا۔ اتنی بجلیاں گریں کہ جن کا حساب نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ شہر پر کوئی خوفناک مصیبت آگئی ہے۔ در و دیوار لرزہ براندام تھے اور دریا کی طغیانی اس جوش و خروش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور انہیں حسرت تھی کہ دریا یوں ایک دن پہلے نہیں آیا۔ کہ حملہ ہو نہیں سکتا تھا۔

جنرل میڈونیلڈ اپنی کتاب ٹیپو سلطان کے صفحہ ۳۴۲ پر لکھتا ہے :۔

رات ختم ہو گئی۔ صبح ہوئی۔ رات بھر شہر میں خوف و ہراس چھایا رہا۔ ہر جگہ

بندوقوں کی آواز اور مجروحوں کی چیخوں اور ستم رسیدہ دلوں کی آہ و فغاں کی آوازیں آتی رہیں۔ رات بھر شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارتگری ہوتی رہی۔ سلطان کی لاش زخمیوں اور مردوں کے ڈھیر میں شب ہی کو مل گئی تھی۔ غسل دیکر اس کو خاص کر کے پہنے ہوئے کپڑوں کا کفن پہنایا گیا۔ قریب چار بجے کے جنازہ اٹھایا گیا۔ انگریزی فوج جو کل تک سلطان کے خلاف صف آرا تھی آج شہر کے راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا، دو رویہ صف بستہ تعظیم کیلئے کھڑی تھی۔ جنازہ کے آگے چار انگریزی کمپنیاں تھیں۔ جنازہ کے ہمراہ سلطنت کے اعیان و امرا اور جنازہ کے پیچھے شہزادہ عبدالخالق، سلطان کا دوسرا شہزادہ برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔

جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہا کے غم سے نالاں و گریاں تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے۔ اور ہندو بھی۔ سینکڑوں آدمی جنازہ کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے۔ بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان عورتیں سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتی تھیں۔ اس طرح جنازہ قلعہ سے نکل کر شہر میں سے ہوتا ہوا مقبرہ تک پہنچا۔ اور ہر ہر قدم پر آدمیوں کا ہجوم بڑھتا گیا۔

آج کا دن خصوصاً حد درجہ گرم تھا۔ ہوا تمام دن بند رہی۔ ایک پتہ تک کہیں نہ ہلتا تھا۔ آسمان پر سیاہ اور ڈراونے بادل چھائے ہوتے تھے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ لوگ اس گرمی کو سختی سے محسوس کر رہے تھے۔ فضا کے بھیانک پن سے دلوں پر ایک رعب چھایا

ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آدمی سر اٹھاتا تو جلدی ہی خوف سے سر نیچا کر لیتا۔

اسی حالت میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔ ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ لوگوں کی گریہ وزاری کی آواز تمام فضا میں گونج رہی تھی۔ قلعے سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر ان کی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی اس ہنگامہ غم والم میں اگر کبھی ایک لمحہ کیلئے وقفہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشے سے نکل کر دوسرے گوشے کی طرف تیز تیز جا رہی تھیں۔

جنازہ جب مقبرہ کے روبرو پہنچا۔ بینڈ کا بجنا ختم کیا۔ جنازہ کے آگے چار کمپنیاں جو جلو میں تھیں۔ دو رویہ صف باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ کہ جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے جنازہ آہستہ آہستہ لا کر اتار دیا گیا۔ اور خطیب اور دوسرے لوگ قطار میں باندھ کر نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی اور جیسے ہی اسکی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ "اللہ" نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی۔ اور ایک تیز روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ نکلا بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔ نماز ختم ہوئی۔ دانش کو اس

کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ اور جونہی لاش رکھ کر السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا گیا۔ پھر ایک بجلی چمکی۔ ایک کڑک ہوئی۔ لوگوں پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا ہو رہا ہے اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک عجیب سلسلہ شروع ہوگیا۔ ابھی تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا۔ کالی گھٹا سے معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر اترنے والی ہے۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر اُدھر اٹھتی تھیں۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ درحقیقت آفرینندۂ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں اور اُدھر آسمان سے ہزار ہا توپیں چھوٹنا شروع ہوگئیں۔ جن کی آوازمیں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ فیر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا۔ گویا بینڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی۔"

میجر ٹیسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"سرنگاپٹم کے سر قاضی کو سلطان کی تجہیز و تکفین کا انتظام سپرد کیا گیا۔ شاہی پالکی کو جنازے کے لئے تیار کیا گیا۔ محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ شریک تھے چار انگریزی کمپنیاں آگے آگے تھیں۔ اور شہزادہ عبدالخالق پیچھے گھوڑے پر سوار تھا۔ قاضی آیات قرآنی پڑھتا تھا۔ اور لوگ دہراتے تھے۔ جنازہ شہر کی گلیوں میں

سے گزرا۔ ہزارہا لوگ راستے میں کھڑے زور زور سے آہ و زاری کرتے تھے اور بعض جنازہ کے آگے آ کر لیٹ جاتے تھے۔

میر عالم مع چند حیدر آبادی افسروں کے مقبرے کے پاس آ کر ملا۔ جب نماز جنازہ ختم ہو گئی تو لاش کو مقبرہ میں نواب حیدر علی کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ پانچ ہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کیے گئے۔ اس سانحہ کو دوبالا کرنے کیلئے ایک سخت اور مہیب طوفان آیا۔ بارش، گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی کیمپ پر بجلی گری۔ جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔"

شہادت کے بعد

سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو اسی وقت سرنگاپٹم پر ٹوٹ پڑا۔ قریباً بارہ ہزار شہیدانِ وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کر چکے تھے۔ ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی۔ اور ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ و پکار، بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد اور بھیانک بنائے ہوئے تھے شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس سے انسانیت کی روح تک کانپ جاتی تھی۔ گھروں کی تباہی، مال و زر کی لوٹ، عورتوں کی بے حرمتی مردوں اور بچوں کا قتل ایسے نظارے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑی ہیں

میجر ایلن جو اس جنگ میں شریک اور اس شب سرنگاپٹم میں موجود تھا۔ اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:-

"جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ آرام لینے کیلئے محل کے برآمدے میں لیٹ گیا ابھی اس کی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کو لوگوں نے جگا دیا۔ اور کہا کہ شہر میں مختلف مقامات پر آگ لگ گئی ہے۔ اور ہر جگہ عام طور پر لوٹ مار ہو رہی ہے۔ ایک دو جگہ اس نے اس کو روکنا چاہا۔ مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ قلعہ کی فتح کے بعد سپاہی اپنی پلٹنوں کو واپس نہیں گئے۔ اور باربرداری کیلئے جو لوگ باہر کیمپ میں تھے۔ وہ بھی شہر کے اندر آ گئے تھے۔ اور سب کے سب لوٹ میں مشغول تھے۔ کئی لوگوں کو پیٹا جا رہا تھا۔ کہ اپنی چھپی ہوئی دولت کا پتہ بتائیں۔ عورتیں مکانات چھوڑ کر گلیوں اور کوچوں میں کھڑی تھیں کہ اپنی عصمت کو بچا سکیں۔ چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر سونے اور جواہرات کے ڈھیر لٹیروں کے ہاتھ میں تھے۔ بڑے بڑے سرداروں اور شرفاؤں کے گھر لوٹ کر بالکل خالی اور تباہ کر دیئے گئے۔ اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت رکھی ہوئی تھی۔ پہرہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازے توڑ کر خزانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر بات یہ تھی کہ لوگ مال لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں تو بھر رہے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے۔"

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۱۶)

اس انگریزی چشم دید واقعات کے بعد اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان واقعات کو لکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی اس

کا نتیجہ سلطان کی شہادت کے چند گھنٹے بعد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک خدائی انتقام تھا۔ جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ ان کا مال و زر، ان کی عزت و وقار بلکہ ان کی عورتوں کی ناموس تک غداری کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اس لئے

"صبح ہوتے ہی جب ان واقعات کی خبر جنرل ہارس کو پہنچی تو اس نے جنرل بیرڈ کے عوض کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کرتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ بٹھا دیا۔"

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

لیکن شہر میں قتل و غارتگری کا بازار پھر بھی کم نہ ہوا۔ چار دن تک لوٹ ہوتی رہی۔ کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ آخر تنگ آکر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا۔

مِلس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سرنگاپٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم و ستم کیا گیا کہ اس کے آگے ٹیپو سلطان کے مفروضہ مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ ظلم و ستم کرنے والے سپاہی انگریز تھے۔ یہاں تک کہ کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو تحریر کیا کہ انگریزی حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیج دیں کہ میرے حکم کے تابع رہے۔ جب تک چند لوٹنے والوں کو پھانسی نہ دی جائے گی۔ اس وقت تک لوٹ کو روکنا محال ہے۔ اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور چند ل[illegible] اسٹوارٹ شہر میں ہیں۔ اس کی وجہ سے اور زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے۔ جب تک ہم مؤثر ذرائع اختیار نہ کریں گے۔ لوگ اپنے مکانات کو واپس نہ آئیں گے۔"

کرنل ولزلی نے انہیں واقعات کی خبر اپنے بھائی لارڈ ولزلی گورنر جنرل کو بھی دی، وہ لکھتا ہے:۔

"۴ مئی کی شب میں سرنگاپٹم پر جو مصیبت آئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل سے کوئی مکان ہوگا جو لوٹ سے بچا ہو۔ ہماری کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات، سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیاء بالکل سستی قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ یا انہیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے۔ ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خریدے۔ جن میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بازو بند میں ایک جو بہ نسبت دوسرے کے کم قیمت کا بتلایا جاتا ہے اس کو حیدر آباد کے ایک جوہری نے تیس ہزار پونڈ کا بتلایا ہے۔ دوسرے بازو بند کے متعلق جوہری نے کہا ہے کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ وہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس قدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود بھی ہمارے افسر اور سپاہی اس تمام املاک اور خزانے کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جو محل سے دستیاب ہوا ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ:۔

"فوج کا ہر شخص بلکہ جنرل ہارس تک اس کیلئے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جس کو اور کوئی کام نہیں ہے۔ بالکل قابو سے باہر ہو رہی ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق کرنل ولزلی اپنے بھائی کو لکھتا ہے:۔

"مال غنیمت کی تقسیم کے لئے جو ایجنٹ مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ جونکوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ انہوں نے سلطان کے محل کے دروازے اور سلطان کے لباس اور کپڑوں تک کو فروخت کر دیا ہے۔ اور ابھی انکے پاس سلطان کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے۔ اور وہ پہنا کرتا تھا۔ اگر انکے فروخت کی فوراً مخالفت نہ کی گئی تو مجھے خوف ہے کہ اس جگہ کے وہ مسلمان جو ہمارے قبضے سے بیزار ہیں" ان کپڑوں کو بطور نشانی و تبرک خرید کریں گے۔ یہ ہمارے لئے ایک شرمناک بات ہوگی۔ اس لئے میری رائے ہے۔ کہ گورنمنٹ خود ان ملبوسات کو خرید لے۔ اور انہیں شاہزادوں کے حوالے کر دے یا جس طرح مناسب ہو محل میں لائے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

پرائز کمیٹی یا ان لوگوں نے جو مال غنیمت تقسیم کرنے پر مامور تھے۔ یہاں تک چیرہ دستی سے کام لیا کہ محل کے زنانہ حصہ کی بھی تلاشی لی کہ کہیں مال وزر یہاں بھی چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔ لارڈ ونزلی کو جب معلوم ہوا تو اس نے اسکے متعلق پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ :-

"زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں۔ انہیں تلاشی سے پہلے ہی محل کے ایک دوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتا ہے :-

"مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے پر جو جماعت مامور تھی۔ وہ محل کی دولت دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونے اور چاندی کی سلاخیں زیورات اور نہایت قیمتی اور نایاب چیزیں محل کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔ زنانہ

حصہ کے سوا محل کی تمام عمارت اور دربار کا کمرہ ان چیزوں کو رکھنے کے لئے
استعمال میں لایا گیا۔

جواہرات مقفل صندوقوں میں تھے جو محل کے اندر تاریک کمروں میں رکھے
ہوئے پائے گئے۔ یہ جواہرات چھ صندوقوں میں تھے۔ ان پر حیدر علی اور سلطان
کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اسی طرح سونے کے سانچے اور زیورات جن کی خوبصورتی بیان
میں نہیں آسکتی۔ ایک دوسری جگہ سربمہر صندوقوں میں رکھے ہوئے تھے۔ تیار شدہ
ہیرے، بازوبند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں۔ اوپر
کے کمرے میں چاندی کی سلاخیں اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کے ذخیرے
تھے۔ ایک جگہ دو ہودے تھے جو پیتل کے بجائے چاندی کے بنے ہوئے تھے۔ بہت
چاندی کے بڑے بڑے طبق تھے۔ جن میں ہیرے اور دوسرے جواہر لگے ہوئے تھے
سینیاں ایک اور گھوڑے بھی تھے۔ اس میں کئی بندوقیں اور تلواریں تھیں جن میں
سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے۔ ہاتھی دانت کے دروازے اور دوسری
کئی قیمتی بڑی بڑی اشیا بھی محل کے اندر پائی گئیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ
نہایت قیمتی فرنیچر اور بے شمار بیش قیمت قالین بھی تھے۔

نہایت عمدہ ململ، ساٹن، ریشم، شال اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی گٹھریاں
بندھی بندھائی رکھی تھیں جن کا اندازہ کیا گیا کہ پانچ سو اونٹ ان کے
اٹھانے کے لئے درکار ہوں گے۔

مال غنیمت میں دوربینیں اور دوسرے شیشے پر آنکھ کیلئے موزوں
اور مختلف قد و قامت کے آئینے اور بے شمار تصاویر تھیں۔ اور اسقدر کانچ اور

چینی کے ظروف تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی سے بڑی دکان ہے۔

ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا جس میں نہایت قرینہ سے کتابیں رکھی گئی تھیں۔ بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے و جواہرات سے مرصع تھیں۔ ایک اور کمرے میں ایک نہایت عمدہ بیش قیمتی ہوا دار تخت رکھا ہوا تھا۔

محل سے ملحق تین اناج کے مخزن اور ساٹھ گودام تھے۔ جن میں دھان آگی گرم مسالے وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ ایک گودام میں گیارہ سال آگے کے دھان رکھے ہوئے تھے۔ جو نہایت عمدہ حالت میں محفوظ تھے۔ قلعہ میں ایک ہزار توپ پانچ لاکھ گولیاں بارہ ہزار گولے اور ساٹھ ہزار بندوقیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس توپوں میں ایک ادنیٰ توپ انگریزی ساخت کی تھیں۔ باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے متعلق جب تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے بالکل اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

اس تمام مال غنیمت میں سے ٹیپو سلطان کی ایک تلوار تو جنرل بیرڈ کو بطور انعام دی گئی۔ اور دوسری لارڈ ولزلی کو، اس کے علاوہ لارڈ ولزلی کو ایک ہیرے کا جوہر اور بہت سے زیورات تحفتہً بھیجے گئے۔ سلطان کی پگڑی اور ایک تلوار لارڈ کارنوالس کو بطور تحفہ بھیجے گئے۔ مال غنیمت میں جنرل ہارس کے حصہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار نو سو دو (۱۴۲۹۰۲) اشرفیاں آئیں۔ جن کی قیمت موجودہ شرح تبادلہ سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔

آج مفلوک الحال ہندوستان کا تہی دست باشندہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ اس عروس البلاد دکن یعنی سرنگاپٹم میں کس قدر دولت جمع تھی۔ صرف سلطانی املاک

جو تقسیم کی گئیں۔ ان میں سے صرف جنرل ہارس کو اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ مل سکتے ہیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کس قدر کثیر ہوگی جو دوسرے افسروں اور عام سپاہیوں میں تقسیم ہوئی۔ اور اس کے ساتھ اس کثیر دولت کا بھی تصور کیا جائے جس کو تقسیم سے پہلے ہی سلطانی محل کے علاوہ امراء و زراء اور عام باشندگان شہر کے گھروں سے سپاہیوں نے ظلم و ستم کر کے لوٹ لیا تھا۔ اوپر کرنل ولزلی کا بیان دیا گیا ہے۔ اب ذیل میں مسٹر گرے کی تاریخ ہند سے میجر پرائس کا بیان دیا جاتا ہے۔ جو اس لوٹ میں شامل تھا۔ میجر پرائس لکھتا ہے:۔

ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا؟

طلسمی دولت

سرنگا پٹم کے مشہور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد کمپنی نے فیصلہ کیا کہ جواہرات، روپیہ اور سامان کو (جس کی مجموعی قیمت پچیس لاکھ پونڈ تھی) موقع پر ہی تقسیم کر لیا جائے! جس افسر نے جس قدر خدمت کی ہے۔ اس کا لحاظ اور اندازہ لگا کر اسے مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے۔ اس تقسیم کے لئے ایجنٹ مقرر کر دیئے گئے۔ میجر پرائس لکھتا ہے کہ میں بھی اسی میں تھا۔ قلعہ کی دولت دیکھ کر آنکھیں پھر گئیں۔ دیکھا نہیں جاتا تھا کہ ناقابل یقین دولت اور لاتعداد زر و جواہر قلعہ میں کہاں سے آ گئے؟ مختلف قسم کے پارچہ جات اور طرح طرح کی قیمتی اور نادر اشیاء سونے چاندی کے ظروف، جواہرات اور موتیوں کے بے مثل اور لاجواب ذخیرے سامنے کھلے پڑے تھے۔ ہماری عقل حیران تھی۔ فرد حساب بھی تیار نہ کر سکتے تھے معلوم ہوا کہ

بیرونی دروازوں سے سپاہی اور توپ خانوں کے لوگ گھس آئے تھے اور کافی مال لیکر چمپت ہو گئے تھے۔

شہر میں بھی ہر شخص نے (خواہ وہ ہندوستانی افسر تھا یا یوروپین) خوب لوٹ مار کی بیسیوں گھروں میں جاکر روپیہ چھین لیا گیا۔ ڈاکٹر ٹمن کے پاس ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے نہایت معمولی رقم میں پردہ اور کپڑے لے بیچے جن میں اس قدر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ انکی مجموعی قیمت کا اندازہ ایک ہندوستانی جوہری نے ۴۰ ہزار پونڈ لگایا تھا۔ بعض اور زیوروں کی قیمت کا اندازہ لگانے سے جوہری بھی قاصر تھے۔ اس سپاہی نے یہ کپڑے ایک گھر میں چرائے تھے اور اپنی رجمنٹ کے ڈاکٹر کے ہاتھ نہایت معمولی رقم پر فروخت کر دئے تھے۔

تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام جواہرات اور زیورات کو میز پر پھیلا دیا گیا تھا اور ڈھیریاں بنا دی گئی تھیں۔ پھر ہر ڈھیری کی قیمت ایک جوہری کے ذریعہ سے تخمینہ کرائی گئی جس کے بعد یہ چیزیں افسروں کو تقسیم کر دی گئیں۔ سوائے لارڈ ہیرس کے جو کہ کمانڈر انچیف تھا، باقی سب افسر میزوں کے گرد بے تابی کے ساتھ جمع ہو گئے۔ لارڈ صاحب اپنی بڑی پوزیشن کی وجہ سے نہیں آ سکے انہیں ان کا حصہ خیمہ میں بھجوا دیا گیا۔

لارڈ ہیرس کے ڈھیر میں ایک وہ ہار بھی تھا جس کی قیمت (۱۰۰۰۰) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ ہار ایک سوار کی عورتی کے پیٹ میں سے نکلا تھا۔ یہ مرحوم ٹیپو سلطان نے ایک بدھ مندر سے اٹھوا کر محل میں رکھوا دی تھی۔ سر ڈیوڈ بیرڈ کو اس کے حصہ میں ایک انگشتری ملی جس کی قیمت پچاس

ہزار تھی۔ مگر اس نے اس وقت غصہ میں آکر اسے پھینک دیا کہ یہ تو رنگا ہوا شیشہ ہے۔ ایک سپاہی نے اٹھا کر پانچ ہزار میں فروخت کر دی

میجروں کو جواہرات تقسیم کرنے کے بعد باقی جواہرات اور قیمتی اشیا دوسرے افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

ٹیپو سلطان نے ایک تخت بے مثل ساخت کا بنوایا تھا۔ جو خالص سونے کی پادرند کا تھا۔ اس کے پشتہ پر ایک ہما کی تصویر تھی۔ جو سونے اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی تخت چار سونے کے شیروں کی پشت پر قائم تھا۔ اس تخت کے ٹکڑے کر کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ ١٨٠٠ پونڈ ہر شخص کے حصہ میں آئے۔ تخت کی چھت جنرل گاٹ کے ہاتھ ٢٥٠٠ پونڈ میں فروخت کر دی گئی۔ جو اس نے بعد میں ستر گنا زیادہ قیمت پر علیحدہ ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کر دی۔

اس تخت کے سامنے دو شیر جو ٹھوس اور خالص سونے کے تھے بادشاہ کو ولایت بھیج دیئے گئے۔ اس کے ساتھ کچھ اور ہیرے جواہرات اور قیمتی ہتھیار بھی روانہ کئے گئے۔

یہ تو افسروں اور حاکموں کو ملا۔ ہر سپاہی کو جسے پرائیویٹ کہا جاتا ہے تقریباً چھ چھ پونڈ ضرور مل گئے۔ لیکن انہوں نے پرائیویٹ طور پر کافی روپیہ پیدا کر لیا تھا۔ کیونکہ میجر پرائس لکھتا ہے۔ کہ بہت سے یورپین سپاہیوں نے کئی کئی ہزار کے جواہرات بیچے۔ اور پھر اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے بعض سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ایک شراب کی بوتل

کی خاطر کئی کئی سو روپیہ کی مالیت کے جواہرات کوڑیوں کے دام بیچ ڈالے۔"

ان تفصیلات سے جو سرکاری کاغذات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص مثلاً بنگال کے محلات، اودھ کے شاہی خاندانوں، دہلی کے بادشاہ اور پنجاب کے علاقوں اور سندھ کے امیروں راجپوتانہ کی ریاستوں اور دیسی راج دھانیوں سے انگریزی افسروں، فوجی عملوں گماشتوں، کارندوں اور چھوٹے کر معمولی سپاہیوں نے جائز اور ناجائز طریقہ سے کس قدر روپیہ اینٹھا ہوگا۔" (تاریخ ہند از کرے)

مالِ غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطان کا ہار

سلطانی محل اور شہر میں جس قدر دولت تھی سب کی سب تقسیم کر لی گئی لیکن انگریزوں کو حیرت تھی کہ سلطان کے گلے میں موتیوں کا جو بیش قیمت ہار ہمیشہ رہتا تھا وہ کیا ہوا؟ ۴ مئی یعنی شہادت کے دن سلطان کے گلے میں یہ ہار موجود تھا۔ اس لیے گمان ہونے لگا کہ کسی انگریز سپاہی نے اس کو سلطان کے گلے سے اتار لیا ہوگا لیکن سخت جستجو کے بعد بھی یہ ہار نہ ملا۔ آخر جب اس دن یعنی ۴ مئی کے واقعات کو سامنے رکھ کر غور کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ یہ ہار سلطان کے نمک حرام غلام راجہ خان نے اتار لیا تھا۔ لہٰذا اس ہار کے متعلق ۴ مئی کے واقعات سمجھ میں آنے کے لیے مختلف تاریخی کتب (ٹیپو سلطان از محب الحسن، سرنگا پٹم از پارسنس، محاصرۂ سرنگا پٹم از محمد حسن وغیرہ) سے حالات یک جا پیش کیے جاتے ہیں۔

۴ مئی ۱۷۹۹ء کے واقعات

اس بات پر تمام مغربی اور مشرقی مؤرخین متفق ہیں کہ سلطان کا نو مسلم مرہٹہ غلام راجہ خاں (جس کا مرہٹی نام راجہ رام تھا) آخری وقت تک سلطان کیساتھ میدان جنگ میں موجود تھا۔ اور جب سلطان کی تلاش میں جنرل بیرڈ اور دوسرے انگریزی افسر دروازے پر پہنچے تو اس وقت راجہ خاں لاشوں کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اسی نے دریافت کرنے پر جنرل بیرڈ کو سلطان کی لاش دکھائی تھی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :۔

"سلطان قریب ایک بجے کے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۷ بجے تک میدان جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت برا رہا۔ ایک طرف تو ماہ مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ۔ اسکی تشنگی لحظہ بہ لحظہ بڑھتی رہی۔ اس نے بار بار اپنے غلام سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی۔ لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا۔"

پھر آگے چل کر یہی مصنف لکھتا ہے :۔

"چند منٹ گزرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے۔ سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے۔ خدا کیلئے ایک قطرہ پانی" لیکن پانی نہیں ملتا" (ٹیپو سلطان)

"سلطان کا پاؤں گھائل ہے۔ سلطان پر نشانہ ہو جاتا ہے۔ کوئی بات نہیں سنتا۔ سلطان بیکس و تنہا رہ جاتا ہے۔ ایسے وقت میں راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ

کہ خیموں کے انبار میں پناہ لیتا ہے جس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے سینے میں گولی لگتی ہے سلطان غش کھا کر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہنگامہ کی شدت میں شاہانہ پگڑی سر سے گر جاتی ہے اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ سب اندھیرے میں گرنے والا کون تھا؟ جب مدافعت کرنے والوں میں کوئی باقی نہیں رہتا تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسے وقت میں راجہ خاں سلطان کے قریب آکر اس کے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیتا ہے" (محاصرہ سرنگاپٹم)

"عرصہ تک انگریزی حکام کو حیرت رہی کہ سلطان کے گلے میں جو قیمتی ہار تھا وہ کیا ہوگیا؟ گمان تھا کہ کسی انگریز سپاہی کے قبضہ میں ہوگا۔ ڈی مورن رجمنٹ کے ایک سپاہی کرپینو نامی پر شبہ ہوا۔ اس لئے کہ سلطان کی شہادت کا باعث اسی سپاہی کو سمجھا جاتا تھا۔ کرپینو اور اس کے خاندان پر عرصہ تک نگرانی بھی رہی۔ لیکن اس خاندان میں کبھی شان امارت ظاہر نہیں ہوئی"

(سرنگاپٹم از کانٹس پارسنس)

"ان موتیوں کا پتہ کسی صورت نہ چلا۔ کرپینو کے خاندان میں امارت کی شان کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی جو ہار کے ملنے پر یقیناً ہو سکتی تھی۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ سلطان کے گرتے ہی راجہ خان نے شہزادوں کو دینے کے لئے ہار نکال لیا تھا" (جے۔ جے۔ کاٹن۔ ای۔ سی۔ ایس کتاب سرنگاپٹم)

لیکن کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ ہار شہزادوں کے حوالے کیا گیا۔ اگر کیا جاتا تو یقیناً انگریزی افسروں کو اس کی جستجو عرصہ تک نہ رہتی۔ عام طور پر مسودہ وغیرہ میں

بھی یہی مشہور ہے کہ راجہ خاں نے اس ہار کو اتار لیا تھا۔ واللہ اعلم!

"راجہ خاں کو موضع کرنکورہ میں جاگیر دی گئی۔ اس کی قبر میسور میں کرکس گارڈن کے دروازے کے قریب ہے۔ اور اس کے نام سے میسور میں ایک سڑک کو موسوم کیا گیا ہے۔"

مقامی طور پر یہ روایت بھی عام طور پر مشہور ہے کہ جب انگریزی فوج کی قلعے پر آنے کی خبر پہنچی تو محلات میں بہت سے جواہرات یا تو کنوؤں میں ڈال دیئے گئے یا چھپا دیئے گئے۔

مال غنیمت میں حیدرآباد کا حصّہ

مال غنیمت کی تقسیم میں میر عالم نے بھی حیدرآبادی فوج کیلئے حصہ طلب کیا لیکن اس کو جنرل ہارس نے جواب دیا کہ قلعہ انگریزی فوج نے فتح کیا تھا اسلئے حیدرآبادی فوج کو حصہ نہیں دیا جاسکتا۔

نوٹ:۔ اسکے متعلق "تاریخ غلام علی خاں" میں لکھا ہے کہ "نظام علی خاں اسطوجاہ اور میر عالم نے لارڈ ولزلی سے اس سلوک کی شکایت کی لیکن ہاڈسن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳ پر لکھتا ہے:۔

"جب انگریز تمام مال غنیمت باہم تقسیم کرچکے اور کچھ باقی نہ رہا تو انجام کار محل میں سلطان کے کثیر التعداد شیروں پر نظر پڑی۔ جو زنجیروں میں بند ہے ہوئے تھے۔ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں کے سبب ان کی غذا و پرداخت ایسا

کوئی نہیں رہا تھا۔ اور وہ کئی دنوں کی بھوک سے بیتاب ہو کر نہایت وحشت ناک ہو رہے تھے۔ کرنل آرتھر ولزلی کو عجیب مشکل پیش آئی کہ اس "مالِ غنیمت" کو کیا کیا جائے۔ میر عالم (سپہ سالار افواجِ حیدر آباد) سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو شیروں کو لے سکتا ہے۔ مگر میر عالم نے ان کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی آخر کار سلطان کے ان محبوب شیروں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا"۔

شہادت کے بعد دیگر واقعات

شاہزادہ فتح حیدر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کی شہادت کے دن شاہزادہ فتح حیدر فوج لئے ہوئے کری گٹہ کی پہاڑی کے اس پار تھا۔ جب اس کو سلطان کی شہادت اور قلعہ پر انگریزی فوج کے قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو وہ پہ یا پٹم چلا گیا"۔

کرمانی یہ بھی لکھتا ہے :۔

"سلطان کے غدار امراء اور وزراء شاہزادے تک جنگ کی صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتے تھے"۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ:۔

"شاہزادہ فرنچ راکس میں مقیم تھا"۔

بہر طور شاہزادہ کو رام کرنے کیلئے قمر الدین اور پورنیا کو بھیجا گیا۔ انہوں نے شاہزادے کو سمجھانا شروع کیا کہ اگر وہ اظہارِ اطاعت کرے تو کام نے نو ریاست اسکو دیدی جائیگی۔ شاہزادہ نے یہ سن کر ہتھیار ڈالدیئے اور ۱۳ مئی کے دن سرنگاپٹم پہونچکر اپنے آپ

کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اس وقت اس کے ساتھ اکیسو بیس فرانسیسی تھے (نوٹ: کل سلطنت خداداد میں فرانسیسیوں کی تعداد بھی ایک سو بیس تھی۔ محمود) اگرچہ آخر وقت تک سپہ سالار ملک جہاں خاں اور میر میراں ناصر علی شاہزادے کو یہی کہتے رہے کہ وہ قمرالدین، پورنیا اور انگریزوں کے وعدوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صرف ایک سرنگاپٹم کا قلعہ ہاتھ سے گیا ہے۔ ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے باقی ہیں۔ اور ہم جیسے وفادار بھی ساتھ رہیں گے۔ فتح حیدر نے فوج اور دیگر عہدہ داروں کی حالت پر غور کیا۔ اس کو معلوم ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اس کی رفاقت نہیں کریں گے۔ اس لیے اس نے ارادہ کر لیا کہ سرنگاپٹم چلا جائے ملک جہاں خاں کو شاہزادے کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا۔ وہ تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادے کے کیمپ سے باہر نکل گیا۔

مورخ ملس لکھتا ہے:۔

"کتاب تذکرۃ البلاد والاحکام کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں:۔

ملک جہاں خاں بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام ڈونڈیا واغ تھا۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع و جری مرد میدان تھا۔ سلطان کی ملازمت میں آنے سے پیشتر اس کے پاس تین چار سو سوار تھے۔ اور ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر ادھر ادھر چھاپے مار کر لوٹ مار کرتا تھا۔ اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا۔ سلطانی فوج بھی اس کی گرفتاری اور سرکوبی سے عاجز آگئی تھی۔ اس وقت سلطان نے ایک اقرار نامہ بھیجا۔ کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آجائے

تو اس کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ اس کے مراتب بڑھا دئے جائیں گے
سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دار الخلافہ آیا۔ یہاں سلطان نے اس کی
نہایت آؤ بھگت کی۔ اس کے اس مرتبہ سے نمک حرام میر صادق کو شک پیدا ہوا
اور وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ ایک طرف تو رات دن اس کے خلاف سلطان سے
شکایت کرتا تھا اور دوسری طرف اس کی تباہی کی سازشیں کرتا رہا۔ آخر ایک
دن اس کو موقع مل گیا۔ سلطان کے پاس اس قدر جھوٹ بیان کیا کہ خان موصوف
کی فوراً طلبی ہوئی۔ جب وہ محل کے دروازہ پر پہنچا تو اس کو گرفتار کر کے حراست
میں رکھا گیا۔ اس کی فوج سلطانی فوج میں داخل کر لی گئی۔ مگر سلطان کے دل
میں اس کے لئے جگہ تھی۔ باوجود اس کے سلطان نے اس کے اخراجات کیلئے دس
فلم سلطانی (موجودہ تین روپے) روزانہ مقرر کئے۔ چند دن کے بعد سلطان نے
ایک پلٹن خاص ملک جہاں خاں کے نام سے تیار کی۔ اور خان موصوف کی رہائی کا
حکم دیا۔ مگر میر صادق نمک حرام نے کہا۔

"جہاں پناہ! ڈھونڈیا سا مکار اور بد طینت شخص دنیا کے پردہ میں
اور کوئی نہ ہوگا۔ اس نے آزاد رہ کر سلطنت خداداد حیدر آباد اور
مرہٹوں کے ملک پر مٹھی بھر سواروں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ذات شاہانہ
سے مخفی نہیں۔ اگر اس کو اس قدر بڑا عہدہ اور کثیر فوج دیدی جائیگی۔ تو
سلطنت کی خیر نہیں"

سلطان نے رہائی کا حکم موقوف کر دیا۔ ڈھونڈیا واغ کو بھی خبر تھی کہ سلطان کے
دل میں اس کی کس قدر عزت ہے۔ چند دن اسی طرح بسر ہوئے پھر آخر سلطان

نے اس کو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد ڈونڈیا مسلمان ہوگیا۔ اور نام شیخ احمد رکھا گیا مگر اس نے اپنے لئے ملک جہان خاں کا نام پسند کیا۔ میر صادق سے بچنے کیلئے خان موصوف شاہزادہ فتح حیدر کی ملازمت میں آگیا۔

اس وقت جب شاہزادہ فتح حیدر پر اس کی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو یہ مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور بہت جلد اس کے پاس چند سوار جمع ہوگئے۔ ادھر اُدھر تاخت وتاراج کر کے اس نے اس قدر طاقت پکڑ لی کہ اس کے پاس بیس۲۰ پچیس۲۵ ہزار فوج جمع ہوگئی۔ اور دوآبہ تنگ بھدرا و کرشنا میں اس کے نام سے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اس نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کردیا۔ مرہٹی سردار گوکھلے اور پرسرام ناظم مرچ جو کئی دفعہ سلطان کے مقابلہ میں آتے تھے۔ مارے گئے۔ ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اسکے مقابلہ میں آئے۔ اور ہر دفعہ ان کو ناکامی ہوئی۔ آخر کرنل سرآرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلہ میں آیا اور خان موصوف کی فوج میں سازشوں کا دروازہ کھل گیا۔ تاہم دو برس کی متواتر دن رات کی لڑائیوں کے بعد چونکہ اس کے قبضہ میں کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا اس لئے وہ کرشنا پر اور کرنول کے پٹھانوں کی غداری سے کوٹال بھنوار کے قریب شہید ہو گیا۔"

سلطان کے بعد یہ دوسرا محب وطن تھا جو اس طرح ناموری کیساتھ شہید ہوگیا اس کے مقابل رئیس کی تحریر دیکھیے:-

"ملک جہان خاں مرہٹہ تھا۔ جو حیدر علی کے سواروں میں ۱۷۸۰ء میں داخل ہوا

سنہ ۱۷۹۲ء میں جب لارڈ کارنوالس نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو یہ دھانڈو واگو فرار ہو کر ادھر اُدھر قزاقی کرتا پھرتا رہا۔ سنہ ۱۷۹۴ء میں ٹیپو سلطان نے اسکو طلب کیا اس کے ساتھ دو سو سوار تھے جب وہ آیا تو سلطان نے اس کو اسلام قبول کر لینے کیلئے کہا۔ انکار پر اسے قید کر دیا گیا جب سنہ ۱۷۹۹ء میں انگریزوں نے سرنگاپٹم پہ قبضہ کیا تو اس کو اس حالت میں پایا کہ ایک دیوار سے زنجیروں میں وحشی جانور کے مانند جکڑا ہوا ہے۔ اس کو رہا کیا گیا۔ وہ یہاں سے فرار ہو کر مرہٹی سرحد پہ جا کر ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملہ کرنے لگا۔ آخر کرنل ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کو اس کے مقابل بھیجا گیا۔ مہینوں کی مسلسل کوشش اور جنگوں کے بعد یکایک ایک جگہ وہ اور اس کی فوج انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی۔ اور وہ اس معرکہ میں مارا گیا"

نوٹ:۔ سلطان کے بعد دوسرا نامور مجاہد جب انگریزوں کی محکومی سے متنفر ہو کر استخلاص وطن کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ رئیس کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں جس پہ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی مضحکہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تحریر روبرو ہے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس میں کس قدر سچائی ہے عجیب ہے کہ سلطان اس کو قید و بند کی مصیبت دے۔ اور وہ پھر بھی اس سے اور اس کے خاندان سے وفاداری کرے۔ اور انگریز محسن بنیں اور وہ انہیں پر تلوار اٹھائے۔ (محمود)

سلطنتِ خداداد کے حصّے بخرے

جب شہزادہ فتح حیدر نے بھی پونیا اور قمرالدین کے دام فریب میں آکر ہتھیار ڈال دیے تو کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی۔ اس لئے سلطنتِ خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کے لئے جنرل ہارس کی صدارت میں ایک کمیشن (مجلس) مقرر ہوئی۔ اس کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی، سر باری کلوز اور لفٹننٹ کرنل کرک پاٹرک تھے۔ نظام علی خاں کی منظوری لے لی گئی۔ میر عالم اور سلطان شہیدؒ کے چند وزراء کو صرف مشاورت کیلئے منتخب کر لیا گیا۔ کمیشن کے روبرو ایک نہایت اہم کام تھا سلطنت کے دو دعویدار تھے۔ ایک طرف تو سلطان کے شاہزادے اور دوسری طرف میسور کا قدیم ہندو خاندان معاملات کی چھان بین کرنیکے بعد کمیشن کے پیشِ نظر دونوں جانب سے مندرجہ ذیل دلائل موجود تھے۔

سلطان کے شہزادوں کے متعلق :-

(۱) حیدر علی کو اگر غاصب سلطنت قرار بھی دیا جائے تو اس پر اس قدر عرصہ گذر چکا ہے کہ سلطنت پر ان کا حق مسلّم ہو چکا ہے۔

(۲) حیدر علی اگر غاصب سلطنت تھے تو انکے فرزند ٹیپو سلطان اور اسکے بعد انکے شہزادے اس الزام سے بالکل بری اور جائز وارث سلطنت ہیں۔

(۳) ٹیپو سلطان نے اپنے شاہزادوں اور خصوصاً پہلے چار فرزندوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی ہے کہ وہ سلطنت کرنے کے اہل ہیں اور ان کے دل امیدوں سے بھرے ہوتے ہیں۔

(۴) سلطنت کا رقبہ اس قدر وسیع ہو چکا ہے کہ میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اس

قدر وسعت نہیں دیکھی تھی۔

میسور کے قدیم ہندو خاندان کے متعلق:-

(۱) میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اپنے حق سے دست برداری نہیں کی اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنا چاہا۔

(۲) حیدر علی یا ٹیپو سلطان نے کبھی علانیہ طور پر ان کو اس حق سے محروم نہیں کیا۔

(۳) دسہرہ کا سالانہ تہوار اور دربار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی ممانعت حیدر علی و ٹیپو سلطان کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی۔ جس کی وجہ سے ہندو رعایا میں میسور کے قدیم خاندان کا وقار بجنسہٖ باقی ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے ملک کی موجودہ سیاسی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسب ذیل نتائج مرتب کیے۔

(۱) اگر سلطنت سلطان کے شاہزادوں کو تفویض کی جائے۔ تو ممکن ہے کہ انکے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہے۔

(۲) سلطان کے شاہزادے دربار سلطانی کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں۔ وہ ان کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسکے حصول کی کوشش کریں گے۔

(۳) سلطان کے شاہزادوں کو معلوم ہے کہ کس طرح انکے والد نے فرانسیسیوں اور دیگر سلطنتوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کیے تھے۔ اور اب بھی جبکہ فرانسیسی خطرہ پوری طرح دُور نہیں ہوا ہے۔ اور ہندوستان میں دوسری طاقتیں بھی موجود ہیں ممکن ہے کہ شاہزادے پھر سازباز شروع کر دیں۔

(۴) اگر بالفرض سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو یقیناً وہ ان لوگوں

کو معاف نہیں کریگا۔ جو سلطنت کی تباہی اور خاندان کی موجودہ محکومانہ حالت کے ذمہ دار ہیں۔ (نوٹ:- یہ غداروں کی غداری کا ثبوت ہے۔ اور انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ محمود)

(۵) نظام علی خاں والی حیدرآباد جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے، سلطان کے شہزادوں کو تخت دینے کے خلاف ہے۔ اس کے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدرآباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ کا خط تھا۔ اس خط میں ارسطو جاہ نے میر عالم کو لکھا تھا۔

"ٹیپو سلطان کے فرزندوں اور پسماندوں نے انگریزی کمپنی کے ذریعہ جو استدعا کی تھی کہ بغرض پرورش نصف حصۂ ملک اور نصف خزانہ ان کو ملے۔ کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے عملہ کر کے فتح کیا ہے اور وہ اسیرانِ جنگ میں سے ہیں۔ انکے لئے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہیئے (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

پھر اسی خط میں کمیشن کو مخاطب بناتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:-

"ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کے لڑکوں اور پسماندوں کو منشاء سرکار دولت مدار اور اظہار میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائیگا۔ اور نصف ملک ہرگز ان کو نہ دیا جائیگا"۔ (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

کمیشن کے اپنے خاص دلائل اور حیدرآباد کی رائے دریافت ہونے کے بعد کمیشن نے سلطان کے امراء و وزراء سے بھی رائے لی۔ اس وقت لنگڑے غلام علی نے کہا:-

"افعی کشتن و بچہ اش رانگہداشتن کار خردمنداں نیست"

اس کے بعد کمیشن کے آگے تخت نشینی کا مسئلہ بالکل صاف تھا۔ اس لئے سلطان کے شاہزادوں کو تخت سے محروم کرتے ہوئے کمیشن نے لارڈ ولزلی سے سفارش کی کہ:-

"اگر سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کر دی جائے تو یہ عین مصلحتِ وقت کے

مطابق ہونے کے علاوہ ان تمام خدشات سے نجات مل جائے گی۔ جو بصورت دیگر شاہزادوں کو تخت دینے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پالیسی۔ انسانیت اور فیاضی کا بھی یہی تقاضا ہے ؟

کمیشن کا یہ فیصلہ لارڈ ولزلی کے پاس بھیجا گیا۔ اس پر لارڈ ولزلی نے دریافت کیا کہ اگر ہم سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کر دیں تو سلطان کی حکومت کے دوسرے افسروں کی رائے اور ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اسکے جواب میں سر بیری کلوز نے لکھا :۔

"ملک میں ہماری مخالفت کرنے والا ہی کون ہے۔ برہان الدین، بنگی نواب معین الدین، میر صادق اور سید غفار تو مارے گئے۔ پورنیا ہماری مرضی پہ کام کرنے پر آمادہ ہے۔ اور قمر الدین ہماری فیاضی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے"

اس خط کے پہونچنے کے بعد لارڈ ولزلی نے ملک کی تقسیم اس طرح کی :۔

(۱) کل اضلاع کرناٹک و پائیں گھاٹ و ساحلی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملے۔

(۲) ضلع اننت پور، کڈپہ، کرنول اور بلاری نظام حیدرآباد کو دئے جائیں۔

(۳) تنگ بھدرا سے شمال میں جتنا ملک ہے وہ مرہٹوں کیلئے اس شرط پہ محفوظ رکھا جائے کہ وہ سب سبسیڈیری سسٹم قبول کرلیں۔

(۴) بقیہ ملک (جو اب موجودہ ریاست میسور پر مشتمل ہے) قدیم خاندان راجگان میسور کے حوالے کر دیا جائے۔

(۵) سرنگاپٹم کا جزیرہ انگریزوں کے قبضہ میں رہے۔

(۶) سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا ادا کئے جائیں۔

(۷) ریاست کے کاروبار کی نگرانی کے لئے رزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے ۲۴ رجون ۱۷۹۹ء کو تحریر ذیل لکھ کر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

"آپ نے ہمارے بچے کے لئے میسور نگر کی حکومت مع متعلقات کے بحال کر دی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں۔ ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے ہوئے چالیس برس ہو گئے تھے۔ اب آپ نے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہم کو دیا۔ اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے۔ ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں گے۔ ہم ہمیشہ اپنے آپ کو آپ کے زیر سایہ اور آپ کا تابع فرمان سمجھیں گے آپ نے ہمارا نام قائم کیا۔ یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تک یادگار رہے گی۔ ہماری اولاد آپ کی گورنمنٹ سے اس اظہار حسن عقیدت کو کبھی فراموش نہ کرے گی۔ اسی کی امداد پہ ہمارا بھروسہ ہے۔

شرح دستخط (۱) لچھمی امنی

(۲) دیواجی امنی

اس مرحلے کو طے کرنیکے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا مناسب سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیجدیا جائے۔ اسکے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۲۵۰ پر لکھتا ہے۔

"جب یہ طے ہو گیا کہ ہندو راج قائم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی کہ۔

"گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں اور اتحادیوں کے مفاد کو مدنظر

رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے
اس لیے سات لاکھ کی پنشن گذارہ کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ اسلئے اب
یہ طے شدہ ہے کہ نئی حکومت قائم ہونیسے پیشتر وہ (شہزادہ فتح حیدر)
اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کے حدود سے باہر بھیجدیا جائے۔"

اس کارروائی کے لیے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔

شہزادہ فتح حیدر نے اس عجلت اور حکم پر اظہار تعجب کیا اور کہا:۔

"اس نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو سپرد کر دیا تھا۔ اگر کمپنی تخت و تاج نہ بھی دے تو بھی وہ اپنے باپ دادا کے مزاروں کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

کرنل ولزلی نے اس کے جواب میں کہا کہ:۔

"قول جو دیا گیا تھا۔ اس کی کوئی اور معنی نہیں لئے جا سکتے۔ یہ یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت و تاج دئیے جائینگے۔ اسکے علاوہ یہ انگریزی قانون ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو اسکی جائے سکونت چھوڑ کر دوسری جگہ رہنے پر مجبور کرے۔ یہ سچ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے تخت و تاج کے معاملہ میں انصاف اور بھلائی سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب موجودہ وقت میں یہ اسکے مفاد کے خلاف ہے خصوصاً جب اس کو یہ معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو سلطان اور اس کے اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی فتح حیدر کو دھمکی بھی دی گئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے حکم کی

خلاف ورزی کرے گا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہی بات شہزادہ عبدالخالق،

معزالدین اور محی الدین سے کہی گئی۔

لہٰذا یہ بدقسمت شہزادے ۱۸ جون کو ویلور بھیج دیئے گئے۔

شہزادوں کے اخراجات کیلئے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا منظور کیئے گئے۔ جو

قریباً ۷ لاکھ بتیس ہزار روپیوں کے ہوتے ہیں۔ اس قافلہ میں سلطان کے بارہ فرزند

اور ایک دختر تھی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) شہزادہ فتح حیدر سلطان — (۲) شہزادہ عبدالخالق سلطان

(۳) شہزادہ محی الدین سلطان — (۴) شہزادہ معزالدین سلطان

(۵) شہزادہ محمد یٰسین سلطان — (۶) شہزادہ محمد سبحان سلطان

(۷) شہزادہ شکراللہ سلطان — (۸) شہزادہ سرورالدین سلطان

(۹) شہزادہ جامع الدین سلطان — (۱۰) شہزادہ منیرالدین سلطان

(۱۱) شہزادہ غلام محمد سلطان — (۱۲) شہزادہ احمد سلطان

اور نواب حیدر حسین خاں داماد سلطان اور انکے علاوہ سلطان کے چھوٹے بھائی

نواب کریم شاہ صاحب اپنے فرزندان غلام علی اور امام بخش بھی تھے۔

انکے علاوہ وہ لوگ بھی جنہیں سلطان سے ذرہ بھر بھی خون کا رشتہ تھا شہزادوں کے

ساتھ روانہ کر دئیے گئے۔ لہٰذا میسور میں حیدر علی و ٹیپو سلطان کے خاندان سے کوئی ایک

بھی باقی نہیں رہا۔

نوٹ :- اس خاندان کو ۱۸۰۶ء میں ویلور سے نکال کر کلکتہ بھیج دیا گیا۔ جہاں یہ نہایت عزت

و احترام کی زندگی اب تک بسر کر رہا ہے۔

ان تمام امور کو طے کرنے کے لئے ایک عہد نامہ لکھا گیا جس پر لارڈ ولزلی نے ۲۶ر جون ۱۷۹۹ء اور نظام الملک نے ۱۳ر جون ۱۷۹۹ء کو دستخط کئے۔

شہزادوں کو رخصت کرنے کے بعد نئے راجہ کو ۳۰ر جون ۱۷۹۹ء کو میسور میں تخت نشین کیا گیا۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۶ پر لکھتا ہے:۔

"تخت نشینی کی رسم دوپہر کے وقت منائی گئی کمیشن (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی جانب سے جنرل ہارس اور حیدر آباد کی جانب سے میر عالم راجہ کے دونوں بازو تھامے ہوئے تھے۔ تخت پر بٹھانے کے بعد جنرل ہارس نے دربار میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل نے پورنیا کو اس نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا ہے۔"

زوالِ سلطنتِ خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جب لارڈ ہارس سلطان کی لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس سلسلہ میں جو خوشیاں منائی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنتِ خداداد کا اثر سیاسیات ہندوستان پر کتنا زبردست تھا۔ اور سلطان کی ذات کس قدر بلند مرتبہ تھی۔ اسکی دوررس نظر، اسکی تنظیم و تنسیق، اسکے بلند ارادے ہندوستان میں کیا کرنا چاہتے تھے۔ آپکی ایک جھلک اس کے خط و کتابت اور فوجوں کی آراستگی سے معلوم ہوتی ہے حقیقت میں سلطان ہی کی ذات تھی۔ جو ہندوستان اور انگریزی قبضہ کے

درمیان حائل تھی۔ اس کے زوال پر جو کچھ بھی خوشیاں منائی جاتیں وہ کم تھیں۔
لارڈ ولزلی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے :۔

"میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع کروں گا کہ خود ڈائرکٹران کمپنی ہندوستان پر رحم کرنے کیلئے درخواست کریں" (تاریخ باسو)

اور ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک مراسلہ میں لکھتا ہے :۔

"ٹیپو سلطان کی موت اور اسکی سلطنت کا خاتمہ دیگر ہندوستانی حکمرانوں کیلئے ایک ایسا سبق ہے کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہ کرسکیں گے۔"

(ماڈرن میسور)

لارڈ ولزلی کو سر جان اینس تھروٹہ ۱۷ مئی ۱۷۹۹ء کو لکھتا ہے :۔

"ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے نمایاں، سب سے شاندار اور سب سے بڑا کارنامہ اس طرح آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپ کو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں"

۱۷ فروری ۱۸۰۱ء کو لارڈ ولزلی نے کلکتہ واپس پہونچکر ایک شاندار جلوس نکالا جس میں لارڈ ولزلی، چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف (سر فنرڈ کلارک) ممبران کونسل اور دیگر سرکاری سیول و فوجی افسر پیادہ پا گرجا تک گئے۔ راستوں میں فوج دو رویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستان میں یہ پہلا وقت تھا کہ اس قدر شاندار جلوس انگریزوں کا نکلا ہو۔ اس جلوس کو مذہبی رنگ دیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل نے اس کو شاندار بنانے میں اپنا پورا زور صرف کردیا تھا

جب زوال سلطنت خداداد کی خبر انگلستان میں پہونچی تو وہاں کی خوشی کی کوئی

حد نہ رہی۔ لارڈ ولزلی کو جواب تک ارل آف مارننگٹن تھا" مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا۔ جنرل ہارس کو جو ایک غریب پادری کا لڑکا تھا۔

"لارڈ ہارس آف سرنگاپٹم"

کا خطاب ملا۔ انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ انعامات کے تمغے دیئے گئے۔ اس قسم کا ایک تمغہ میری نظر سے بھی گذرا ہے۔ اس میں ایک جانب تو سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء ثبت ہے اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شیر کو پچھاڑ کر سنٹ جارج جو گھوڑے پر سوار ہے نیزہ مار رہا ہے۔ گو کہنے کو تو یہ ایک معمولی تمغہ ہے مگر اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطان واقعی شیر ہندوستان تھا۔ اور اس طرح انگریزوں نے بھی جو اسکے حریف تھے اس کی "شجاعت اور بہادری" کا اعتراف کیا ہے۔

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب پر ابھی تک کسی تاریخ میں مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عام طور پر جو مشہور ہے وہ یہی ہے کہ سلطان کے وزراء وامراء نے آخروقت میں سلطان سے غداری کی تھی اور اسی وجہ سے سلطنت پر زوال آگیا تھا گویہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور تاریخ نشانِ حیدری وحملاتِ حیدری کے مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان افسروں نے غداری کس وجہ سے کی؟ ان کی اس غداری کے متعلق جو وجوہ بتائی گئی ہیں۔ وہ بالکل سطحی ہیں۔ اس لئے ذیل میں ان تمام حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جو اس غداری کی اصل محرک تھیں۔ اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ بعض واقعات کو جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ دہرانا پڑے لیکن ان کے دہرائے بغیر مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ (محمود)

نواب حیدر علی نے جس زمانہ میں اپنی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت جنوبی ہند میں انکے مندرجہ ذیل حریف موجود تھے:۔

(۱) نواب محمد علی والاجاہ۔

تاریخ بین اصحاب واقف ہیں کہ والا جاہ محمد علی انگریزوں کی تائید سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا۔ اسکی آرزو تھی کہ وہ حیدرآباد کا بھی حکمران بن جائے۔ اوراس مقصد کیلئے وہ انگریزوں اور چند امرائے حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملاکر حیدرآباد میں سازشیں کر رہا تھا۔ لیکن عین اسی وقت میسور میں حیدر علی کے عروج نے اسکی توجہ کو حیدرآباد سے ہٹاکر

اپنی طرف کرلی۔ میسور صوبہ سرا کے ماتحت تھا۔ نظام الملک اول کے زمانہ سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں مدغم ہوچکا تھا۔ لیکن بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری جب حیدر علی کو دیدی تو محمد علی والاجاہ جو اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے تمام جنوبی ہند کا مالک سمجھتا تھا حیدر علی کا مخالف بن گیا اور حیدر علی کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا۔

(۲) نواب نظام علیخاں۔ نظام الملک دوم۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد مسند نشین ہوا تھا۔ یہ بحیثیت صوبہ دار دکن تمام جنوبی ہند (یعنے صوبہ دار ارکاٹ و صوبہ سرا اس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا) حیدر علی کا اس وجہ مخالف بن گیا تھا کہ حیدر علی کو نواب بسالت جنگ نے صوبہ دار بنادیا تھا اور ساتھ ہی اس کو حیدر علی کی روز افزوں فتوحات سے یہ خوف بھی پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں تمام ہندوستان سلطنت خداداد کے قبضہ میں نہ آجائے۔ اور اس طرح شہنشاہیت کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا پورا نہ ہو؟

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی۔

ہوس ملک گیری میں ارکاٹ اور حیدرآباد میں اپنا دام تزویر عرصہ سے پھیلا رہی تھی۔ والاجاہ محمد علی کی بدولت کورومنڈل کے بہت سے علاقوں پر حکمرانی بھی کر رہی تھی۔ اور محمد علی کے بقیہ علاقوں کی ایجنٹ بھی تھی۔ اس کو حیدر علی کا عروج اس کے مقاصد میں حارج نظر آرہا تھا۔ اس نے پہچان لیا تھا کہ اگر حیدر علی کی سلطنت قائم رہی تو ہندوستان میں اس کے قدم نہیں جم سکتے۔

(۴) مرہٹے۔

انہیں ایک نئی اسلامی سلطنت کا وجود میں آنا ناگوار گذر رہا تھا۔

(۵) میسور کا قدیم ہندو خاندان۔

بر سر حکومت ہونے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے میسور کی رانیاں کوشش کرنے لگیں۔

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ میسور کے راجہ کے سپہ سالار تھے۔ تو انکے خلاف راجہ اور کھنڈے راؤ نے مرہٹوں کی امداد سے سازش کرتے ہوئے۔ انکی جان لینی چاہی۔ لیکن حیدر علی نے میدان جنگ میں ان حریفوں کو شکست دیکر سرنگا پٹم پر قبضہ کر لیا۔ اور راجہ کو اس کا قدیم علاقہ تین لاکھ کی جاگیر دیتے ہوئے اس کو بھی سرنگا پٹم ہی میں رہنے کی اجازت دی۔ راجہ کے اقتدار کو محدود کرتے ہوئے داخلی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی اس کا شاہانہ کر و فر بھی بحال رکھا۔ جس کی وجہ سے ہر سال دسہرہ کا دربار پہلی شان و شوکت کے ساتھ ہی منایا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اور اس کا خاندان اس پر قانع نہیں تھا۔ انہوں نے حیدر علی کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

نواب حیدر علی نے یہ غلطی کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت کا پایہ تخت بھی سرنگا پٹم کو ہی بنایا۔ ممکن ہے کہ نواب نے اس وقت یہ سمجھا ہو کہ اس طرح نگرانی بھی خوب رہیگی۔ اور راجہ کا خاندان بھی قانع رہیگا۔ لیکن یہ اصول طبیعت انسانی کے خلاف تھا۔ سرنگا پٹم زمانہ دراز سے راجہ کے خاندان کا پایہ تخت تھا۔ اور یہاں بلا شرکت غیرے اسکا اقتدار رہا۔ اس لئے راجہ کے خاندان کو باوجود تمام مراعات حاصل رہنے کے بھی یہ امر حد درجہ گراں گذر رہا تھا۔ کہ اسی شہر میں جہاں کی رعایا انکو مختار مطلق تسلیم کرتی تھی۔

حیدر علی جو سابق میں اسی خاندان کے ملازم تھے، اپنا اقتدار بطور سپریم پاور (اعلیٰ طاقت) قائم کریں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان اس پالیسی میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

پہلی سازش ۱۷۶۱ء

کتاب پروہانس آف میسور کے صفحہ ۴ پر تحریر ہے کہ:-

"حیدر علی نے جب تمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی تو رانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس حیدر علی کے خلاف مدد حاصل کرنے کیلئے اپنے ایک معتمد راجی رنگ سرنیواس راؤ کو مدراس روانہ کیا۔ جس وقت لارڈ پیکاٹ گورنر تھا۔ اس نے تائید دینے کا وعدہ کر لیا۔"

دوسری سازش ۱۷۶۵ء

لیکن باوجود وعدہ کے جب انگریزوں کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو رانیوں نے اپنا ایک ایلچی ۱۷۶۵ء میں مرہٹوں کے پاس پونا روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ میسور کو حیدر علی کی سرپرستی سے نجات دلائی جائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا مادھوراؤ نے حیدر علی پر فوج کشی کی۔ لیکن پے در پے مشکلات نے اس کو مجبور کر دیا کہ حیدر علی سے صلح کر کے واپس ہو جاتے۔

تیسری سازش ۱۷۶۸ء

نواب حیدر علی کے خلاف یہ سازش والاجاہ محمد علی (ارکاٹ) نظام علی خاں (حیدرآباد) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ والاجاہ محمد علی ارکاٹ کا خود مختار حکمراں ہونا چاہتا تھا۔ اور انگریز اس کے ایجنٹ تھے۔ صوبہ جارو کن کی ارکاٹ پر سیادت کا خاتمہ کرنے کے

لئے حیدرآباد میں سازشیں ہو رہی تھیں، حیدرآباد کا وزیر اعظم رکن الدولہ اور میر عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کمپنی نے حیدرآباد سے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ حیدرآباد میں ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء میں ہوا اس معاہدہ کی رو سے :-

(۱) والاجاہ محمد علی کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کرتے ہوئے نذرانہ اور پیشکش سے بھی معافی دیدی گئی۔

(۲) نظام علیخاں دریائے کرشنا سے نیچے تمام ملک سے دست بردار ہو گیا۔

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی کو والاجاہ محمد علی کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کر لیا گیا۔

(کتاب سندس انڈطر ٹیبز جلد ۹ صفحہ ۲۸)

والاجاہ محمد علی سے یا صوبہ ارکاٹ کا معاملہ طے کرنے کے بعد کمپنی نے صوبہ سرا کا معاملہ بھی اسی معاہدہ میں طے کر لیا۔ اس معاہدہ کی شرط (۱۰) کی رو سے نظام علیخاں نے صوبہ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپیہ سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دی۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ صوبہ سرا پر نواب حیدر علی قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بحیثیت صوبہ دار دکن نظام علیخاں نے اس معاہدہ کی شرط ۹ سے انہیں غاصب قرار دیدیا۔

اس معاہدہ کے بعد اندرونی طور پر سازش کو مکمل کر کے ایسٹ انڈیا کمپنی۔ والاجاہ محمد علی اور نظام علی خان نے حیدر علی پر فوج کشی کر دی۔ جو تاریخ میں میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سازش پر حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتی ہے :-

"حیدر علی خاں کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے اور دوسری طرف سرکار نظام، تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک کے پردے میں در اصل انگریز کرناٹک پر حکمران تھے جن کی نظر میں حیدر علی خاں کی روزافزوں طاقت کھٹک رہی تھی اور انہیں کوئی خطرہ تھا تو حیدر علی خاں ہی سے تھا اور حیدر علیخاں کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ اس اجنبی قوم کو علاقۂ دکن سے نکال باہر کر دیں لیکن نواب کرناٹک کی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس قوم کے قدم علاقہ کرناٹک پر مستحکم طور پر جم گئے تھے۔ ایک خندک انہیں کے ذریعہ اس قوم نے نظام علی خاں کے پاس اچھا رسوخ پیدا کر لیا۔"

(نظام علی خاں مطبوعہ حیدر آباد صفحہ ۲۴)

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کے لئے نہایت مایوس کن نکلا۔ جنگ کا خاتمہ ۱۷۶۹ء میں انگریزوں کی شکست اور صلحنامہ مدراس پر ہوا۔

چوتھی سازش ۱۷۸۰ء

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ تیسری سازش میں میسور کے قدیم خاندان نے کس قدر حصہ لیا تھا یا بالکل ہی نہیں لیا تھا لیکن جب انگریزوں کو اس جنگ میں شکست ہوئی تو رانیوں نے ہمت نہ ہاری اور اس دفعہ یعنی ۱۷۸۰ء میں انہوں نے اپنے پردھان ترمل راؤ کو پیشوا مادھو راؤ کے پاس پونہ روانہ کیا۔ اس وقت رانیوں کی درخواست کے علاوہ مرہٹوں کے پیش نظر دو اور امور تھے۔

(۱) میسور کو اپنے قبضہ میں لانا۔

(۲) اپنی شکستوں کا حیدر علی سے انتقام لینا۔

ان امور کو مدِنظر رکھتے ہوئے مادھو راؤ اور اس کے سپہ سالار ترمل راؤ نے

سنہ ۱۷۷۶ء میں پھر میسور پر فوج کشی کی۔ اس جنگ کا سلسلہ چار سال تک جاری رہا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا مرہٹے واپس ہو گئے۔ اور اس طرح اس دفعہ بھی ہندو راج قائم کرنے والوں کی توقعات بر نہ آئیں۔

نوٹ ۱:- حیدر علی کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس سازش کا سرغنہ ترمل راؤ ہے جو رانیوں کا پردھان یعنی دیوان ہے حیدر علی نے اس کو گرفتار کر لیا لیکن بعد میں عفو و ترحم سے کام لیکر اس کو رہا کرتے ہوئے کڑپہ میں نواب عبدالحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کر دیا۔ (محمود)

پانچویں سازش ۱۷۷۹ء

اوپر کے نوٹ میں لکھا جا چکا ہے کہ حیدر علی نے ترمل راؤ کو کڑپہ میں اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ یہاں ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ اس کو معلوم ہوا کہ مدراس میں لارڈ پگاٹ کمپنی کا گورنر مقرر ہو کر آیا ہے یہ وہی گورنر تھا جس نے سنہ ۱۷۶۱ء میں رانیوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں ترمل راؤ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لارڈ پگاٹ ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخل دے رہا ہے اس لئے ترمل راؤ اور اس کا بھائی نارائن راؤ کڑپہ سے فرار ہو کر تنجاور پہنچے۔ جہاں ان کی خوش قسمتی سے تنجاور کا راجہ اور ریذیڈنٹ جان سلیوان ان کے ہمراز بن گئے۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام کے تمام اسوقت میسور کی اندرونی حالت سے ناواقف تھے اسلئے مدراس کی حکومت نے مسٹر شوارٹز کو ایلچی بنا کر حیدر علی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک پادری تھا۔ بظاہر پادری شوارٹز مدراس کے گورنر کی جانب سے حیدر علی کے نام ایک خط لایا جس میں لکھا تھا کہ حکومت حیدر علی سے تلافی مافات کرنے اور بہت زیادہ دوستی کی خواہاں ہے۔ اسی خط میں گورنر نے حیدر علی سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ شوارٹز کو پادری ہونے کی حیثیت سے مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے۔ ۲۵؍ اگست سنہ ۱۷۷۹ء کو پادری شوارٹز سرنگاپٹم پہنچا۔ نواب حیدر علی نے اس کو مذہبی راہنما سمجھ کر تبلیغ

کی اجازت دیدی۔ اس آزادی سے فائدہ اٹھاکر وہ سرنگاپٹم میں میسور کی رانیوں سے ملا۔ اور کل حالات سے واقفیت ہوکر تنجاور واپس پہونچا۔ یہاں اس نے میسور کی رانی کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی اہم شرائط کتاب سندس انڈ ٹریٹیز جلد نہم کے صفحہ ۲۰۰ اور ۲۰۱ سے یہاں دی جاتی ہیں۔

میسور میں ہندو راج قائم کرنے کے لئے معاہدہ

مورخہ ۲۸ ر اکتوبر ۱۷۸۲ء

شرائط

رانی لکشمتا کی جانب سے	ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے
ایسٹ انڈیا کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک ہم کو واپس لیکر دیدے تو:۔ (۱) انگریزی فوج جب حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کریگی تو انگریزوں کو تین لاکھ کلنٹی رایا پگوڈا (طلائی سکے) دئے جائیں گے۔ (۲) جب وقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالاگھاٹ پر بڑھے گی اور امدمیلی یا دیسی پرم کے مقامات پر قبضہ کریگی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دئے جائیں گے۔ (۳) جس وقت انگریزی فوج میسور پر قبضہ	

شرائط	جواب
کرکے اس ملک کو ہمارے قبضہ میں دیدیگی تو پھر ایک لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے ۔	
(۴) جس وقت سرنگاپٹم کو تسخیر کرلیا جائیگا تو مزید ۵ لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے ۔	ایسٹ انڈیا کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے
(۵) سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد جس تاریخ سے رانی لکشمی کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا تو اس تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو پانچ لاکھ پگوڈا بطور خراج دئے جائیں گے اور اس کے علاوہ سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دیجائیگی ۔ اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کیلئے یہاں رکھنا ضروری ہوگا ۔	کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے گی لیکن رقم کے متعلق اس وقت تعین نہیں کیا جاسکتا معلوم نہیں کہ ملک کی حفاظت کیلئے کس قدر فوج کی ضرورت ہوگی ۔
(۶) کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم ونسق میں کوئی دخل نہ ہوگا ۔	کمپنی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیگی ۔ لیکن وہ خراج جو مرہٹوں یا شہنشاہ مغلیہ کے صوبہ داروں کو میسور کی جانب سے دیا جاتا ہے اس کو کمپنی کے ذریعہ ادا کیا جائے گا براہ راست خراج ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا ۔
(۷) حیدرعلی کی تمام املاک، مال وزر، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جس قدر سامان ہو وہ میسور کے حوالے کردینا ہوگا ۔	یوروپی قاعدۂ جنگ کے مطابق تمام مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہو جاتا ہے اگر اس مال غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کی جائے تو کمپنی

(۹) حیدر علی اور دوسرے تمام افسر جو میدان جنگ میں اسیر ہوں ٹیپو کے راجہ کے حوالے کر دیئے جائیں۔

دستخط (۱) سی۔ ٹی۔ شوارٹز

(۲) ترل راؤ (برادر راجہ تنجور)

اپنے افسروں کو ہدایت کر دیگی کہ وہ رقم لیکر مال غنیمت چھوڑ دیں۔

کمپنی حیدر علی کے خلاف بطور حریف جنگ آزما ہو رہی ہے۔ اس لئے اس شرط کو منظور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ میسور کی راجدھانی کے فوائد مد نظر رکھے جائیں گے۔

دستخط جان سلیوان

ریذیڈنٹ تنجاور (منجانب ایسٹ انڈیا کمپنی)

اسی سلسلہ میں کتاب پیرو ہاؤس آف میسور کے صفحات ۲۸۲ اور ۲۹۳ پر علاوہ اس معاہدہ کے اور تین خطوط دیئے گئے ہیں۔ ان خطوط میں ایک اور خط ترل راؤ اور اسکے بھائی نارائن راؤ کا ہے۔ جس میں انہوں نے جان سلیوان اور تنجاور کے راجہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کہ ان کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا دوسرا خط لارڈ مکارٹنی مدراس کے گورنر کا ہے۔ جو میسور کی مہارانی لکشما کے نام ہے۔ اس خط میں لارڈ مکارٹنی نے رانی کو وہ ہر قسم کا اطمینان دلایا ہے تیسرا خط بھی لارڈ مکارٹنی کا ہے جس میں اول الذکر معاہدہ کی تصدیق کی گئی ہے۔ بہرطور جب مدراس اور تنجاور میں یہ سازشیں ہو رہی تھیں تو اسی زمانہ میں پایہ تخت سرنگاپٹم میں بھی سازشیں شروع کر دی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ میسور کی دوسری جنگ حیدر علی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہو رہی تھی۔ سازش حیدر علی کے خلاف کی گئی تھی۔ لیکن اتفاقاً اسی زمانہ میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ اس لیئے یہی سازش اب ٹیپو سلطان کے خلاف عمل میں لائی گئی

اس سازش کا مفصل بیان میسور گزیٹیر جلد دوم کے حصہ سوم کے صفحات ۲۵۵۲ سے ۲۵۵۷ تک دیا گیا ہے اور اسی سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے:۔

اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوشش

۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۴ء

حیدر علی کی میدان جنگ میں وفات اور ٹیپو سلطان کی پایۂ تخت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس جماعت نے جو اس سلطنت کا خاتمہ کرنیکا بیڑا اٹھائے ہوئے تھی۔ اپنا کام شروع کیا۔ اس سازش کے سرغنے انچے شامیا، رنگیا، نرسنگ راؤ، اور سنگیا تھے۔ انچے شامیا کا پورا نام شاما اینگار تھا۔ اس شخص کو حیدر علی نے ۱۷۷۹ء میں محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ بنایا تھا۔ رنگیا جس کا پورا نام رنگا اینگار تھا انچے شامیا کا حقیقی بھائی تھا۔ نرسنگ راؤ سرنگا پٹم میں بلدیۂ شہر کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا۔ سنگیا ضلع کوئمبتور کا آصف تھا۔ ان تمام سازشیوں کے درمیان طے ہوا کہ سرنگا پٹم پر قبضہ کرکے ہندو راج قائم کیا جائے۔ اس سازش کو عمل میں لانے کے لئے مندرجہ ذیل دو تجاویز سوچی گئیں:۔

(۱) موقع ملنے پر ٹیپو سلطان کو بھی میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے یا انگریزوں سے مدد حاصل کرکے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جس سے ٹیپو سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے۔

(۲) ایک مقررہ دن خاص پایۂ تخت میں علم بغاوت بلند کرکے قلعہ پر قبضہ کیا جائے اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے۔

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کیلئے کرنل راؤ اور نشوارٹز کے معاہدے نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ بمبئی سے انگریزی فوج کرنل ہمبرسٹن کے ماتحت ساحل ملیبار پر اتر چکی تھی۔ لیکن مشرقی محاذ میں سر آئرکوٹ نے اس تجویز سے نااتفاقی ظاہر کی اور کہا کہ بمبئی کی فوج بھی مشرقی محاذ کی فوج کے ساتھ ملکر پالگھاٹ دکوئمبتور کے راستے میسور پر چڑھائی کرے۔ ابھی یہ تجاویز ہو ہی رہی تھیں کہ ٹیپو سلطان نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کر لیا جو کرنل ہمبرسٹن کے ماتحت تھی۔ اس لیے تجویز کا پہلا حصہ ناکام رہا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ اس کی خبر بروقت سرنگاپٹم میں نہیں پہونچی۔ اور وہاں سازش کے دوسرے حصہ پر عمل شروع ہو گیا۔ اس کیلئے یہ تجاویز کی گئی تھیں کہ:-

(۱) تنخواہ کے دن جب فوج کے مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہرہ داروں کے ذریعہ گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔ یہ اس لئے ممکن سمجھا گیا کہ اس وقت فوجی سپاہی نہتے ہوتے ہیں۔

(۲) رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کرتے ہوئے خزانہ کے علاوہ تمام فوجی میگزین یعنی گولہ بارود اور ہتھیار پر قبضہ کر لیا جائے۔

(۳) ان تجاویز کو عمل میں لانے کے لیے فوج کے ہندو سپاہی اور پہرہ داروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔

(۴) ضلع کوئمبتور کے آصف سنگیا کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ انگریزی فوج کی نقل و حرکت میں مدد دے۔

(۵) رنگیا برادر اور شامیا کے ذمہ یہ کام تھا کہ قلعہ میں جو انگریزی قیدی اسیر ہیں انہیں آزاد کر کے ان کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لے (رنگیا نے اس مقصد

کیلئے وہی دن پیشتر تمام قیدیوں سے (جن میں جنرل میاتھوزی بھی تھا) ملاقات کی

(۶) ان تجاویز کو عمل میں لانے کیلئے ۲۴ جولائی سنہ ۱۷۸۳ء کا دن مقرر کیا گیا۔"

اس سے ایک دن پہلے ہندو سپاہیوں پہرہ داروں وغیرہ کو ہتھیار تقسیم کئے گئے لیکن اسی شب یعنی ۲۳ اور ۲۴ کی درمیانی شب جب قلعہ دار سید محمد خاں اپنے دفتر سے مکان کو جا رہا تھا۔ تو کسی نے آکر آہستہ سے کہا کہ وہ ایک اہم راز کا افشا کرنے والا ہے۔ قلعہ دار نے نہایت توجہ سے اسکی بات سنی۔ اور فوراً اسی وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ مقرر کر دیا۔ اور اس ہرکارے کو بھی گرفتار کر لیا جو انگریزی فوج کے نام خط لے کر جا رہا تھا۔ خط کے ملتے ہی سب سے پہلے نرسنگ راؤ کو گرفتار کر لیا گیا جس نے تمام حال کہہ سنایا۔ اور اس کے بعد ہی اسی شب انچہ شامیا اور رنگیا اور دوسرے سرغناؤں کو بھی گرفتار کر کے منگلور روانہ کر دیا گیا۔ شتاب رائے جو سابق قلعہ دار تھا۔ اس کو بھی گرفتار کر لیا گیا لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے تو اس کو رہا کر دیا گیا۔

منگلور پہونچنے پر یہ تمام سرغنے قتل کر دیئے گئے۔

اس طرح یہ چوتھی لیکن رانیوں کی جانب سے تیسری سازش جو سلطنت خداداد کے خلاف تھی ناکام رہ گئی۔ اور انگریزوں نے بھی سنہ ۱۷۸۴ء میں سلطان سے معاہدہ کیا یہ عہد نامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً قبول کیا۔ اس سے جنوبی ہند میں انکے اقتدار کو سخت صدمہ پہنچا جنوبی ہند کے باشندوں اور ریاستوں میں ان کی ساکھ ختم ہو گئی۔ انگلستان میں ایک کہرام مچ گیا۔ انس منرو جو اس جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے:-

"مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے وہ دائمی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کرسکتا جو اس جنگ میں اٹھانی پڑیں"۔

([illegible] صفحہ ۲۵۹)

گویا اب اس معاہدہ کے بعد انگریز اپنا ذاتی انتقام بھی لینے پر آمادہ ہو گئے۔

چھٹی سازش
۱۷۸۶ء

میسور کی دوسری جنگ سے جو چار سال تک رہی اور جس کا خاتمہ سنہ ۱۷۸۴ء میں ہوا۔ حیدرآباد میں نظام علی خاں اور پونا میں مرہٹوں کے دلوں میں یہ امید پیدا کر دی تھی۔ کہ اس جنگ میں سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید جب سلطان مظفر و منصور نکلا تو پھر ان دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کر کے اپنی قوت آزمانی چاہی۔ اور اس کیلئے انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا۔ جو تاریخ میں معاہدہ یادگیر سنہ ۱۷۸۶ء کے نام سے مشہور ہے۔

(نوٹ:۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ معاہدہ صلح نامہ منگلور کے چند ہی دن بعد ہوتا ہے)

شاید مرہٹوں اور نظام علی خاں کو یہ خیال تھا کہ مسلسل چار سالہ جنگ سے سلطنت خداداد کی فوجی طاقت گھٹ گئی ہو۔ اس معاہدہ پر مرہٹوں کی جانب سے ناناپھڑنویس اور حیدرآباد کی جانب سے خود نظام علی خاں نے دستخط کئے تھے حیدرآباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔

کتاب نظام علیخان مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۴۳ پر تحریر ہے:۔

"جب پیشوا کو یہ علم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے۔ تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت و حصول چوتھ اپنے ایلچی روانہ کئے جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ ان کے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوا نے کوئی اور چیز مسترد کر میں نہیں چھوڑی ہے جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خفا ہو کر

ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔"

اہینت گیر کے معاہدہ کو خود نظام علی خاں کا مصنف حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اس لئے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر اس طرح لکھتا ہے:-

"اس موقع پر ٹیپو سلطان کے خلاف عمل جارحانہ اختیار کرنے میں نظام علی خاں کو حق بجانب قرار دینے کیلئے صاحب توزک آصفیہ ٹیپو سلطان کی زیادتیوں کو بیان کرتا ہے اور انکے لئے تمام علیحدگیاں کی نمائش۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ۱۱۹۸ھ کے اوائل میں ٹیپو سلطان نے اپنا جدید روپیہ جو درس میں ڈھلوائے اور جن پر انکے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ شامل تھا مسکوک کر کے میسور کے علاقے میں جاری کر دیئے علاوہ ممالک محروسہ بندگان عالی میں بھی جاری کرا دیا چنانچہ بہت سا روپیہ جدید رائج ہو کر یہاں بھی کو چہ کوچہ رائج ہو گیا۔ اور یہ خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ وہ بندگان عالی کے مقابلہ میں خروج کرتے ہیں ان کے مراسلات جو اسی زمانہ میں بندگان عالی کی خدمت میں وصول ہوئے ان کی تائید کرتے تھے کہ خلاف رسم قدیم اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف انہوں نے مراسلات میں ہمسری کی مد نکال کر مساویانہ طریقہ پر خطوط بھیجے۔ اور ان تعلقات و پرگنوں کو جنہیں ان کے باپ حیدر علی خاں کو دیئے تھے۔ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا۔"

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان نے نئے سکے جاری کئے تھے اور ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انکا رواج حیدرآباد میں بھی ہوا ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ انہوں نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا تھا کیونکہ تمام ہندوستان میں اسوقت انکا ہمپلہ کوئی نہیں تھا لیکن صاحب توزک آصفیہ کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ ٹیپو سلطان نے حیدرآباد کے علاقہ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا کیونکہ معاہدہ اہینت گیر کی تاریخ ۸ اپریل ۱۷۸۲ء ہے اور صلحنامہ منگلور کی تاریخ ۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء ہے اور اس تاریخ تک سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا۔

بہر طور نظام اور مرہٹوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہ جنگ مسلسل تین سال یعنی ۱۷۸۵ء تا ۱۷۸۷ء تک جاری رہی آخر میں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام علیخاں اور مرہٹوں کو شکست ہوتی ہے سلطنت خداداد کے حدود ڈھکر اودہونی سے اس پار کپتل تک اور ادھر مرہٹی ملک میں بلگام تک کا علاقہ سلطان کے ہاتھ آجاتا ہے۔

ساتویں سازش
۱۷۸۸ء

اس تمام عرصہ میں یعنی ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک تنجاور میں ترل راؤ جو رانیوں کا ایجنٹ تھا۔ مذکورۂ بالا جنگ کے نتیجہ کا بے صبری سے انتظار کرتا رہا لیکن جب جنگ کا نتیجہ اسکے حسب مراد نہیں نکلا تو اس نے پھر انگریزوں سے سازشیں شروع کر دیں۔ گو ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھی۔ لیکن اندر ہی اندر سلطان کے خلاف ہندوستان اور انگلستان میں شدت سے پروپاگنڈہ کر رہی تھی۔ اس کو اپنی گزشتہ شکستوں کا انتقام لینا تھا۔ تمام انگریزی مورخین متفق ہیں کہ اس وقت انگریز اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور ان کا جذبۂ عناد و وحشت اور جنون کی حد تک جا پہنچا تھا چنانچہ کیپٹن لٹل اپنی یادداشتوں میں یہ لکھتا ہے:۔

"گزشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جا رہا ہے جن سے ٹیپو سلطان کو بدنام کیا جا سکے۔ لغات میں ذلیل سے ذلیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں باوجود اس کے بہت سے لوگوں کو رنج ہے کہ زبان میں اس قدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں۔ اس لئے وہ نئے اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں" (سیاحت نامہ کیپٹن لٹل۔ انا ٹیورڈ موڑ۔ مطبوعہ لندن ۱۷۹۴ء)

انگلستان میں اس زمانہ میں مسٹر پٹ وزیر اعظم تھا۔ اسکو انگریزی مقبوضات وسیع کرنیکی

دھن لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ناکامی دیکھکر اس نے گورنر جنرل کے عہدہ کیلئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا۔ یہ دونوں ماہر جنگ تھے۔ پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اس کی تلافی ہندوستان میں کر سکے گا۔ اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت و شہرت کو قائم رکھنے کیلئے ضرور تھا کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے۔ اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں۔

غرض جنرل میڈوز نے مدراس پہنچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیا جو میسور میں ہندو راج قائم کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۸۹ء میں حملہ کر دیا۔ (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کی جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوئی) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کیلئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کر دی۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل و حرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا۔

کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے:۔

"اس موقع پر پردھانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہو گئے کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے۔

اسی کتاب پردھانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے:۔

"جب پردھانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان بیس[۲۰] ہزار سوار اور چالیس[۴۰] ہزار

پیدل سپاہ کے ساتھ درہ گجل ہٹی کو عبور کر کے ستی منگل پر حملہ کرنے والا تھا۔ تو انہوں نے کرنل فلائیڈ کو اس کی اطلاع دیدی جس کی وجہ سے انگریزی فوج شکست سے محفوظ ہوگئی۔"

باوجود اس کی جنگی فراست اور تدابیر و سازشوں کے جنرل میڈوز کو متواتر شکستیں ہوتی ہیں جن سے جھنجھلا کر مئی ۱۷۹۰ء میں وہ تھرل راؤ کے ذریعہ میسور کی رانی کو خط لکھتا ہے۔

"جنرل میڈوز گورنر چینا پٹن (مدراس) کا سلام قبول ہو۔ آپ کا خط آپ کے ایجنٹ ترل راؤ کے ذریعہ پہونچا اور مضمون سے آگاہی ہوئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ٹیپو کب مریگا۔ اور ملک کو اس سے نجات کب ملیگی۔ فتح خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر وہ ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم آپ کا ملک آپ کو واپس لیکر دیدیں تو اس سے بڑھکر ہمیں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی" دستخط ولیم میڈوز

(کتاب پر دہائس آف میسور صفحہ ۳۰)

آٹھویں سازش ۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس کو امید تھی کہ جنرل میڈوز کی جنگی قابلیت سلطان کو شکست دیدیگی لیکن خلاف توقع جب جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں ہوئیں تو اُس نے اپنے مغربی دماغ سے کام لیکر یہی مناسب سمجھا کہ ملک کی تمام طاقتوں کو یعنے نظام علی خاں (حیدرآباد) اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملاکر سلطان کے خلاف جنگ کرے۔ ورنہ کوئی ایک طاقت بھی علیحدہ طور پر سلطان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے حیدرآباد اور پونا میں رزیڈنٹوں کے ذریعہ سازشوں کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اور سلطان کو ہر طرح سے بدنام کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حیدرآباد اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔

انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کی خبر جب سلطان کو پہونچی تو اس نے بھی اپنے سفیروں کو پونا اور حیدر آباد روانہ کیا۔ اور ملک کی آزادی اور سربلندئی اسلام کا واسطہ دلاکر مرہٹوں اور حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہا۔ بلکہ اس نے اس معاملہ میں یہاں تک ایثار سے کام لیا کہ مرہٹوں اور نظام کے تمام مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ اور نظام الملک سے رشتہ داری کی بھی تجویز کی (اگرچہ پہلے ایک بار حیدر علی نے یہ تجویز پیش کی تھی تو نظام علی خاں نے مسترد کردی تھی) کہ کسی طرح ملک وملت کی آزادی کیلئے مسلمان متحد ہوجائیں۔ کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۵۰ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے۔

"ٹیپو سلطان کے ایلچی محمد غیاث وقطب الدین خاں وعلی رضا خاں ٹیپو سلطان کے خط اور تحائف لیکر آئے اور باریاب حضور ہوئے۔ نظام علی خاں چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے بھی اتحاد قائم کرلیں اور ٹیپو سلطان بھی اس بات پر متفق تھے لیکن اس خیال سے کہ باہمی تعلقات میں مزید استحکام ہو۔ انہوں نے نظام علیخاں کے ساتھ سمدھاوے کے رشتۂ اتحاد کے قیام کی تحریک کی۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت برسر دربار سفیروں نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو نظام علیخاں کے چہرے سے رضامندی کے آثار پیدا ہورہے تھے۔ جن کو ٹیپو سلطان کے ان مخالفین نے جو حاضر دربار تھے۔ محسوس کرکے محل میں اس کی اطلاع کرادی اور ٹیپو سلطان کی غیر واقعی برائیوں کو بھی گوش گذار کرادیا۔ جس پر محل میں ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور قبل اس کے کہ سفراء ٹیپو سلطان کو کوئی تشفی بخش جواب دیتے۔ نظام علی خاں کو محل میں جانا پڑا۔ جہاں محلات نے ٹیپو سلطان کی سنی

سنائی برائیوں کو دھرا کر اس رشتہ سے ناراضی ظاہر کر دی جس سے بندگانِ عالی
سخت متاثر ہو گئے۔ اور باہر آ کر اس پیغام کو اس امر کے اظہار کے ساتھ کہ وہ
ایک ادنیٰ نائیک کے بچے کے ساتھ قرابت قائم نہیں کر سکتے۔ مسترد کر دیا۔ اسکے
ساتھ ہی نظام علیخاں نے اپنے ان ممالک کے قبض و تصرف کا سوال پیش کر دیا۔
جن پر ٹیپو سلطان متصرف تھے۔ اس انکار سے انگریزی کمپنی کو بڑا فائدہ ہوا
اس واسطے کہ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ دکن ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی
رئیس اپنے نواحی رئیس سے متحد رہے۔ تاکہ ہر دو کی باہمی مخالفت سے فریقِ ثانی
(انگریزی کمپنی) کو اس کا فائدہ حاصل ہو۔"

بہرطور انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی۔ اس زمانہ میں جب ٹیپو سلطان کے
سفیر حیدر آباد میں مقیم تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا وکیل جان کنا وے بھی یہاں موجود تھا۔
اس نے ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائیوں سے لارڈ کارنوالس کو اطلاع دی اور
اپنی سرگرمیاں بھی بڑھا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علی خاں ایسٹ انڈیا
کمپنی سے مل گیا۔ چنانچہ کتاب نظام علی خاں کے صفحہ ۱۶۲ پر تحریر ہے:-

"ٹیپو سلطان کے سفیروں کے حیدر آباد آنے کے بعد غالباً انگریزی کمپنی کے
ہوا خواہوں کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں۔ جن کی تائید سے انگریزی کمپنی کو کامیابی
ہو گئی۔"

اسی طرح پونہ میں مسٹر مالٹ کے ذریعہ جو سازشیں کی گئیں ان میں بھی انگریزوں
کو کامیابی ہوئی۔ اور وہاں سے بھی سلطان کے سفیر ناکامیاب واپس ہوئے۔ ورنہ [illegible]
تو ہندوستان کی آزادی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار [illegible]

سلطان کے سفیروں کو بے نیل و مرام واپس بھیج دینے کے بعد مرہٹوں اور نظام علیخاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی تاریخ سنہ ۱۷۹۰ء ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری شرط اس طرح لکھی گئی:۔

"ٹیپو نے باوجود تینوں سرکاروں سے عہد کرنے کے بھی نقض عہد کیا ہے۔ اس لئے تینوں حکومتیں متفق ہو کر اس کی تنبیہ کرنا چاہتی ہیں۔ کہ آئندہ اس میں بد عہدی کرنے کی کوئی طاقت نہ رہے۔ اور ٹیپو کا جو ملک اور مال بطور غنیمت ملیگا۔ اسکو مساوی طور پر تقسیم کر دیا جائیگا۔"

نوٹ:۔ یہ پورا عہد نامہ کتاب سندس انڈسٹریس کے صفحہ ۸۴ پر درج ہے اور کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدر آباد کے صفحہ ۱۶۳ پر زبان فارسی دیا گیا ہے (محمود)

اس اتحاد ثلاثہ کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین نہیں تھا کہ وہ جنگ میں کامیاب ہو سکے گی۔ اس لئے اس نے سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشیں پھیلانے کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ کرنل ریڈ کو محکمہ جاسوسی کا افسر اعلیٰ بنا کر یہ کام دیا گیا کہ سلطان کے تمام امراء و وزراء کے علاوہ ان تمام پالیگاروں اور زمینداروں کو بھی اپنا بنالیا جائے جو سلطنت خداد کے اندر تھے۔ ان پالیگاروں یا زمینداروں میں سب کے سب ہندو تھے۔ اور صرف دو اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کا نام شاہنور اور ننگن پلی تھا۔ ان میں اول الذکر ہمیشہ مرہٹوں کی اور دوسری نظام حیدر آباد کی طرفدار رہی۔

میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ سازشیں کس وسیع پیمانے پر کی گئیں تھیں میر صادق کی سازش اور مستقبل کے وعدوں نے سلطان کے بہت سے ہندو اور مسلمان امراء و وزراء کو انگریزوں کی جانب مائل کر دیا۔ اس سے پہلے سلطان کے تمام

مسلمان اور ہند و امراء و وزراء (سوائے چند ہند و افسروں کے جو میسور میں ہندو راج کے حامی تھے) سلطان کے نہایت وفادار تھے۔ ہند و امراء و وزراء میں پورنیا اور کرشنا راؤ قابلِ ذکر ہیں اور مسلمانوں میں میر صادق وغیرہ انہیں افسروں نے حیدر علی کی وفات کی خبر اس وقت تک پوشیدہ رکھی تھی۔ جب تک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہیں آگئے تھے لیکن کرنل ریڈ کا بے پناہ پروپگنڈا اور عیاریوں نے انہیں اپنی جانب ملا لیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلِ نوائط، سادات اور مہدی بھی انگریزوں کی جانب مائل ہو گئے۔ نوائط کا مقصد اپنی ذاتی توہین کا انتقام لینا تھا۔ جو ان کے خیال میں سلطان کے ہاتھوں انہیں اُٹھانی پڑی تھی (اس کا بیان بدرالزماں خاں کے حال میں دیا گیا ہے) سادات اور مہدویوں کی مخالفت کی وجہ سلطان کی مذہبی اصطلاحات تھیں جو کسی اور جگہ بیان کی گئی ہیں۔

بہرطور کرنل ریڈ کے پروپاگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے۔ کہ جب جنگ شروع ہوئی تو تمام سلطنت خداداد میں سلطان کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے سلطان کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو ملتی رہی۔ بلکہ شرجا پور، بالاپور، دیون ہلی وغیرہ کے باشندوں نے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا رکھا تھا جس کا معاوضہ آج تک بھی چراغی کے نام سے بعض خاندانوں کو مل رہا ہے۔ ان سازشوں میں کرشنا راؤ کی سازش سب سے خطرناک سازش تھی۔ جس نے جنگ پر نہایت برا اثر ڈالا اس سازش کا حال ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے:۔

"اتفاقاً (میدان جنگ میں) کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا۔ جس کے پاس محمد عباس کے نام ایک کنٹری خط تھا۔ اس نے اس خط کو ایک بانس میں

جس کو وہ بطور عصا استعمال کرتا تھا۔ چھپا رکھا تھا۔ اس خط میں شیشا گری راؤ کا بھی نام تھا جو کرشن راؤ کا حقیقی بھائی تھا۔ راز کے افشا ہونے پر سلطان نے شیشا گری کو گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن وہ بچکر سرنگا پٹم چلا گیا۔ جہاں اسکے بھائی کرشنا راؤ نے قلعہ پر قبضہ کر لینے کی سازش کی ہوئی تھی۔"

اس سازش کا راز سرنگا پٹم میں سلطان کی والدہ کو معلوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے سلطان کو اس کی اطلاع دیدی۔ یہ اطلاع سلطان کو اُس وقت ملی جب میدانِ جنگ میں وہ انگریزی فوج پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ سلطان نے سپہ دار سید صاحب کو سرنگا پٹم بھیجا۔ جہاں اس نے کرشنا راؤ وغیرہ کو گرفتار کرکے قتل کر دیا۔ کرشنا راؤ نے مرتے دم یہ بالکل سچ کہا کہ:۔

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکے گی"

غرض ان سازشوں کی وجہ سے سلطان کو ہر جگہ شکست ہوتی ہے اور وہ پایۂ تخت میں محصور ہو جاتا ہے لیکن انگریزی پروپاگنڈا یہیں نہیں ختم ہوتا۔ سلطان کی اس محصوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے خلاف رعایا میں اس سے بد دلی پھیلائی جاتی ہے۔

امپائر اِن ایشیا کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی"

اس کے علاوہ لارڈ کارنوالس نے اس وقت جس حربہ سے کام لیا۔ اس کا ادنےٰ نمونہ اس سے نظر آسکتا ہے کہ:۔

"ایامِ محرم میں اس نے سلطان کی تمام مملکت میں منادی کر دی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے۔ اس لئے جو مسلمان محرم مناتا اور شمشیر پرچھے وغیرہ کا سوانگ بھرنا

چاہیں خوشی سے بھریں۔ بلکہ اس نے یہاں تک کیا کہ ان سوانگ بھرنے والوں کو انعامات دیتا اور کھڑے ہو کر علموں کی تعظیم کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام یہ سمجھنے لگے کہ انگریزی قوم اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے بھی اچھی ہے۔"

(تاریخ حمید خانی)

(نوٹ: سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی اصلاحات کے سلسلہ میں محرم کی ان بدعات کو جو جنوبی ہند میں شیعی سلطنتوں یعنے احمدنگر اور بیجاپور کے زمانہ سے رائج تھیں بند کر دیا تھا۔ اس کا مفصل بیان سلطان کی مذہبی اصلاحات میں دیا گیا ہے)

غرض یہ تھا وہ پراپاگنڈا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطان کے خلاف کام لیا اور اس کی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی اور سرنگاپٹم کا معاہدہ لکھا گیا۔

نوٹ:۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج بھی یورپین اقوام اسی پروپاگنڈہ سے کام لے رہی ہیں۔ اور اس میں انگلستان کو جو یدِطولیٰ حاصل ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ انگریزوں کے پروپاگنڈہ سے نپولین اعظم ایسے شہنشاہ نے پناہ مانگی تھی ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم میں قیصر جرمنی اس کی تاب نہ لاسکا۔ ترکانِ احرار حجاز و عراق چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ غازی امان اللہ خاں کو افغانستان کے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ لہٰذا اگر اقتدار سلطانی کو بھی لارڈ کارنوالس کے بے پناہ پروپاگنڈہ سے صدمہ پہونچا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو ایک ایسی اجنبی قوم سے سابقہ پڑا تھا کہ جنگی چالوں کی گہرائیوں تک پہونچنا ان کے لئے سخت مشکل تھا۔ اس وقت ایک سلطان ہی تھا جس کی نظروں میں اس قوم کی سیاست پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی مگر افسوس! اس وقت سلطان کی شخصیت کا سمجھنے والا ہی کون تھا۔ اغیار تو اغیار ہی تھے۔ اپنے پرایوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے (محمود)

اس تیسری جنگ کے بعد سلطان کو بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی شکست اسکے غدار امراء وو زراء کی رہینِ منت ہے۔ لیکن وہ ایک بہادر سپاہی تھے۔ اس نے عفو و ترحم سے کام لے کر تمام کو معاف کرتے ہوئے ملک کی آزادی کیلئے ہر ایک سے مسجدِ اعلیٰ میں قسم لی۔ لیکن جیسں طرح کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"اُن نمک حراموں کے دل بدل چکے تھے۔ اُنہوں نے اپنی سازشوں کو نہ چھوڑا"

اور جب میسور کی چوتھی جنگ چھڑ گئی۔ تو انہوں نے نہایت فراخ دلی سے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ اگر مقامی روایات پر اعتبار کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھی تو اہلِ نواطہ کے گھروں سے انگریزی افسروں کو پلاؤ اور مٹھائی پکا کر بطور تحفہ بھیجے جاتے تھے۔

میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر تمام امراء و وزراء اور افسروں سے قسم لینے کے بعد سلطان مطمئن ہو گیا۔ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی۔ کہ ملک کا انتظام رعایا خود اپنے ہاتھ میں لیلے۔ اور آپ نئے سر سے بری اور بحری فوجی تنظیم اور ملک کی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کے وسائل سوچنے میں منہمک ہو گیا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے پھر ایک بار کوشش کی کہ سربلندئ اسلام کے لئے تمام مسلمانوں کو متحد کرے۔ اور ادھر ہندوستان کی آزادی کیلئے تمام ہندوستانی رئیسوں کو متفق کرے۔

نویں سازش ۱۷۹۲ء

سرنگاپٹم کو فتح کئے بغیر کارنوالس کی واپسی سے اس جماعت کو جو میسور میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی تھی۔ مایوسی ہو گئی اس کا اظہار رانی نے اپنے خط میں اس طرح کیا ہے:۔

"گورنر اور انگریزوں سے عرض کیجئے کہ اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو

نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لیے فرانس والوں کے پہنچنے سے پیشتر سلطان سے نمٹ لیں۔ انگریزی فوج جس راستے سے بھی بڑھے گی۔ اس کو سامان رسد اور پانی افراط سے ملیگا۔ اور ہم اپنی جانب سے ایک کروڑ روپیہ بطور اخراجات جنگ ادا کریں گے۔ (اقتباس از کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۶)

رانی نے یہ خط ترمل راؤ کو ۱۷۹۶ء میں لکھا تھا۔ اس وقت کمپنی کا گورنر جنرل سر جان شور تھا۔ اس نے اس پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو افسوس کے ساتھ لکھا:۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں ٹیپو کی روز افزوں طاقت کو توڑ نہ سکا۔" (تاریخ باسو)

سر جان شور کے مذکورۂ بالا جملہ میں الفاظ "روز افزوں طاقت" بے وجہ استعمال نہیں ہوئے تھے۔ بات یہ تھی کہ تیسری جنگ کے بعد سلطان کے دل میں بھی انگریزوں سے انتقام لینے کی آرزو پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ بحری اور بری طاقت کو ترقی دینے میں حد درجہ مصروف ہو گیا تھا۔ اور اسی سلسلہ میں اس نے نئے سرے سے پھر آزادیٔ ہند اور اتحادِ بین المسلمین کی کوششیں شروع کر دیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس سے غافل نہیں تھی۔ اور اس کی خوش قسمتی سے سر جان شور کے عوض لارڈ ولزلی گورنر جنرل بن کر آیا۔ جو انگلستان ہی سے سلطان اور فرانس والوں کے خلاف جذبات لیکر آیا تھا۔ ہندوستان پہونچتے ہی اس نے ایک طرف تو میسور کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت شروع کر دی اور دوسری طرف مرہٹوں اور نظام علی خاں کو اپنی جانب ملا لینے کی کوشش شروع کر دی۔ لارڈ ولزلی کو اس وقت بہت زیادہ خوف نپولین سے تھا جو اس وقت مصر میں آچکا تھا۔

بہرطور لارڈ ولزلی کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ نظام علیخاں ٹیپو سلطان کے خلاف

فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اس معاہدہ پر حیدر آباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے دستخط کئے۔

سلطان کو جب ولزلی کی اس جد وجہد کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی جانب سے نظام علیخاں اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لینا چاہا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ:۔

"اس سلسلہ میں ہندوستان کی کوئی چھوٹی یا بڑی ایسی ریاست باقی نہیں رہی تھی۔ جہاں ٹیپو سلطان کے ایلچی اور خطوط نہ پہونچے ہوں۔ نیپال، کشمیر، جے پور اور جودھ پور کی چھوٹی ریاستوں میں بھی سلطان کے خطوط پائے گئے"

ان خطوط میں اس نے ہندوستان کے تمام رئیسوں کو ہندوستان کی آزادی کا واسطہ دیکر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف صف آرا کرنا چاہا۔ لیکن ملک کی قسمت بدل چکی تھی۔ کسی نے اس پر توجہ نہ کی۔ بلکہ اس کے برخلاف حیدر آباد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فوجوں سے مدد کی۔ کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدر آباد کے صفحہ ۴۴ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے:۔

"یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے۔ اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ صرف اپنے مقبوضہ حصہ ملک کو ہی انگریزوں سے واپس نہ لیں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کریں۔

بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا۔ اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اکٹھا ہونے کے احکام دئیے

اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے سر ڈنڈاس کے موسومہ
خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علی خاں اور
مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی۔"
ایک طرف تو لارڈ ولزلی حیدر آباد سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اسی
وقت دوسری طرف سلطان کے خلاف سازشوں کا وسیع جال پھر ایک بار بچھایا جاتا ہے
چنانچہ اپنے ایک خط میں اس نے مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھا:۔

"چنانچہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کاروائی میں زیادہ حصہ
نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کو سرانجام دینے کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی۔
لفٹننٹ کرنل آگنیو کیمبٹر، مالکم، اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں۔"

ان افسروں نے سازشوں کا جو وسیع جال پھیلایا اور جو بے پناہ پروپاگنڈہ کیا
اس میں سلطان کے ہندو مسلمان افسر پھنس کر رہ گئے۔ ۱۷۹۲ء کی جنگ نے میدان صاف
کر رکھا تھا۔ زیادہ جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ نظام سے معاہدہ اور سازشوں
کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی اور حیدر آبادی فوجیں سرحدِ سلطنتِ خداداد پر
آگئیں۔ ان سازشوں کا اثر جو کچھ ہوا۔ اس کے متعلق خاص حیدر آباد کی تاریخ "نظام
علیخاں" کے صفحہ ۲۱۶ پر اس طرح لکھا گیا ہے:۔

"واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ
ٹیپو سلطان سے سلطنت منتزع ہو جائے۔ اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں چنانچہ
قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی ان کو صحیح خبریں نہیں پہونچائی جاتی رہیں اور مقابلہ
سے پہلو تہی کرتے رہے۔"

کیا ان حالات کے ہوتے ہوتے سلطنتِ خداداد کا زوال کوئی تعجب انگیز ہے ؟

آخر میں مؤرخ اس حقیقت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظام علیجاہ، مرہٹے، والا جاہ محمد علی اور میسور کی رانیوں کا چاہے اس وقت کچھ بھی خیال ہو لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال صرف اپنی ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا۔ اس کو کسی سے ہمدردی نہیں تھی۔ یہ لارڈ ولزلی کی ایک پالیسی تھی کہ سلطان کی شہادت کے بعد اپنے سیاسی اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے میسور میں ہندو راج قائم کیا گیا۔ ورنہ اگر لارڈ ولزلی کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان باجگذار بنجاتا تو ہندو راج کبھی قائم نہ ہو سکتا۔

اب ذیل میں سلطان کے امراء و وزراء کے ذاتی حالات دئیے جاتے ہیں جو سازشوں میں آکر کاریگر سلطنتِ خداداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

میر صادق پہلے سرا میں مقیم تھا۔ بعد میں ارکاٹ چلا گیا۔ جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنتِ حیدری میں ملازم ہو گیا۔ ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا۔ عہدِ سلطانی میں آصف کے درجہ پر ترقی پائی۔ بعد اسکے سلطان کا چیف سکرٹری و وزیر بنا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ (نوٹ:۔ لغت میں لکھا ہے کہ میر فارسی لفظ ہے معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کیلئے بجائے سید کے جو عربی لفظ ہے میر کا خطاب اختیار کر لیا۔)

دشمنی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایک دفعہ اس کو معزول کر دیا تھا۔ اور بعد میں بحال بھی کر دیا۔ لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا در پردہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا!

ولکس اور بورنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"میسور کی تیسری جنگ کے بعد اس نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا مطلب تھا کہ رعایا کو سلطان سے بددل بنا دیا جائے۔"

یہ کہیں لکھا جا چکا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے جو اصلاحات جاری کیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اس نے ملک میں مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) قائم کرتے ہوئے رعایا کو حکومت کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا تھا۔ اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لیگی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی اور رعایا حکومت کو اپنی سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی میں ساعی رہیگی۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ:۔

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بے کار بنا دیا تھا"

اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ:۔

"یہ میرزادہ جب کبھی سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ اس لئے سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف بحوالہ کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"میر صادق سلطان تک کوئی خبر پہونچنے نہیں دیتا تھا"

اسی لئے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں سلطان کو شکستیں اٹھانی پڑیں۔ سرنگاپٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنی ۴ مئی کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو میر صادق نے دروازہ کو اندر سے بند کرا دیا تھا۔ اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آکر انگریزوں سے صلح نہ کر لے۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد اسی غدار نے

فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج نے سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کر دیں اور سلطان شہید ہو گیا۔ میر صادق کی اس سازش کا ثبوت اس تصویر سے بھی ملتا ہے۔ جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ سلطان کے آگے میر صادق گھوڑے پر ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ "سلطان یہی ہے" اس تصویر میں اور غداروں کو بھی دکھایا گیا ہے۔ جو داہنے اور بائیں سے انگریزی فوج کو اشارہ کرتے ہیں کہ سلطان یہی ہے۔ یہ تصویر کرنل ولزلی کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

نوٹ:۔ میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے۔ وہ بالکل سطحی ۔۔ اس کی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالہ کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا۔ چونکہ یہ ۴ مئی (۱۷۹۹ء) کے دن ہی مارا گیا۔ اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا رہ گیا (محمود)

میر غلام علی (لنگڑا) جب نواب حیدر علی کے ہاتھوں ارکاٹ پر تباہی آئی تو میر صادق کا یہ دست بازو میر غلام علی بھی نواب کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا۔ عہد سلطانی میں قلعہ جات اور افواج کا ناظر اعلیٰ (انسپکٹر جنرل) تھا۔ بعد میں میر یم (لارڈ آف دی ایڈمیرلٹی) اور وزیر بنا۔ میر غلام علی حد درجہ طرار اور چالاک و تیز فہم تھا۔ اس کی یہی تیز فہمی تھی جس کے سبب سے اس کو سفیر بنا کر سلطان ترکی کے دربار میں اور دیگر مقامات پر بھیجا گیا تھا۔ حاضر جوابی میں شہرۂ آفاق تھا۔ چنانچہ ایک وقت جب یہ قسطنطنیہ کی سڑک پر جا رہا تھا تو بارش
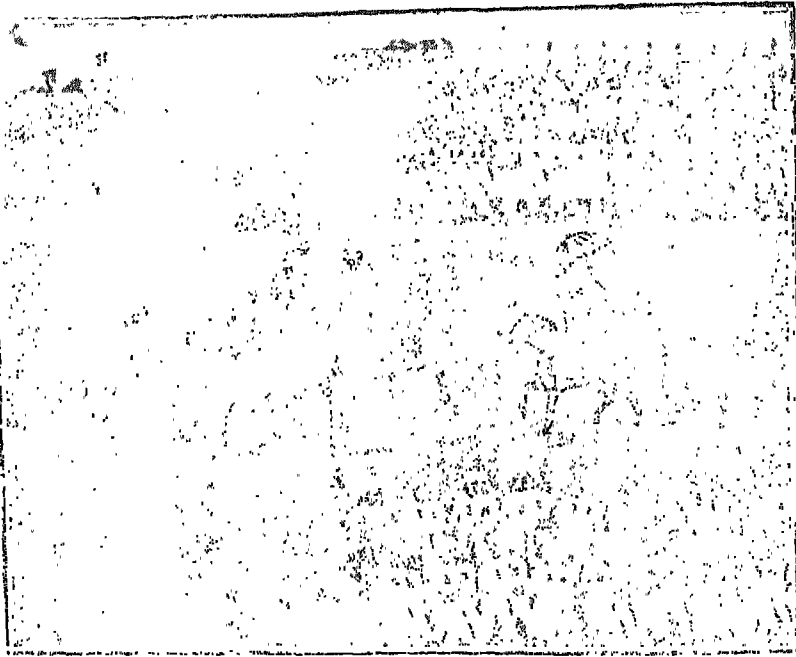
آخری سازش

دریا دولت باغ کی اس تصویر میں آخری سازش بتلائی گئی ہے۔ اسمیں میرصادق سلطان کے روبرو ہاتھ جوڑے ہوا ہے۔ لیکن منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے۔ کہ سلطان یہی ہے۔ سلطان کے بائیں جانب میر قمرالدین سبز لباس میں گھوڑے پر سوار ہے۔

آگئی۔ بارش سے پناہ لینے کے لئے یہ بھاگنے لگا۔ ساتھ والے ترکی افسر نے کہا کہ:۔

"بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ اس سے کیوں بھاگے جا رہے ہو؟"

اس کی حاضر جوابی ملاحظہ فرمایئے۔ جواب دیتا ہے:۔

"واقعی بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ مگر میرا بھاگنا اس سے یہ مقصد رکھتا ہے کہ کہیں رحمتِ الٰہی قدموں تلے نہ آجائے اور اس کی بے حرمتی نہ ہو۔"

غلام علی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ سے براہِ مصر و عرب واپس ہو رہا تھا تو شریف مکہ نے کاروانِ سلطانی کا جاہ و تجمل دیکھ کر غلام علی سے یہ تجویز کی کہ سفارت کے خزانے میں جو روپیہ ہے وہ لطور قرض دیا جائے۔ غلام علی نے سمجھ لیا کہ شریف اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے رہیگا۔ اس لئے اس نے ایک جعلی خط بنا کر چند آدمیوں کو باہر بھیجدیا۔ یہ لوگ اس جعلی خط کو جو غلام علی کے نام تھا۔ لیکر مکہ پہنچے۔ یہاں حسبِ توقع شریف مکہ نے ان نوواردوں کی تلاشی لی اور یہ خط برآمد ہو گیا۔ خط بظاہر سلطان کی جانب سے تھا اس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ خدا کے فضل و کرم سے تمام ہندوستان فتح ہو گیا ہے اور ایک زبردست فوج سے عنقریب ساحل عرب پر حملہ کیا جائیگا تاکہ اماکنِ مقدسہ پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ رہے۔ اس خط کو دیکھ کر شریف مکہ کے عزم و ارادے ٹھنڈے ہو گئے بلکہ اس نے غلام علی کی حد درجہ تواضع کرنا شروع کر دیا۔

اس کے لنگڑے ہونے کا سبب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حد درجہ متکبر اور خوددار تھا۔ کبھی کسی کے آگے جھکنا اس کو گوارا نہیں ہوا۔ اس خیال سے اس نے کوئی دوا استعمال کر کے پیر خشک کر لیا جب کبھی دربار میں آتا تو چوکی میں بیٹھ کر آتا۔ اس لئے انگریزوں میں اس کا نام "غلام آف دی سلو پر چیئر" (نقرئی چوکی کا غلام) مشہور تھا۔

نواب حیدر علی کے زمانہ کی طرز معاشرت کچھ اور تھی اور سلطانی دربار کا جاہ و جلال کچھ اور ہی تھا۔ اور یہی وجہ اسکے پیر خشک کر لینے کی تھی۔ کہ دربار میں تعظیم بجالانے سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ لارڈ کارنوالس سے شرائط طے کرنے کیلئے میر غلام علی ہی کو منتخب کیا گیا تھا جب یہ انگریزی کیمپ میں آیا تو طلائی چوکی پہ آیا خیمہ میں جہاں لارڈ کارنوالس مرہٹہ سردار اور میر نظام علی خاں تھے۔ چوکی سے اتر کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ لنگڑا ہے۔

قسطنطنیہ سے جس وقت واپس آیا۔ تو اس کے خلاف شکایت ہوئی کہ اُس نے بہت سا سامانِ تحائف جو سلطان ترکی نے سلطان کو بھیجا تھا چھپا رکھا۔ سلطانی حکم سے خانہ تلاشی ہوئی اور اسباب بھی مل گیا جس پر غلام علی کو نظر بند کر دیا گیا لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ غلام علی جب قسطنطنیہ گیا ہوا تھا۔ تو اس نے سلطان کے منصوبوں سے وہاں کے انگریزی سفیر کو اطلاع دیدی تھی۔

چند دن کی نظر بندی کے بعد سلطان نے عفو و حلم سے کام لیکر معافی دیدی اور اس کو وزیر بحر بنا لیا۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ پارسنس لکھتی ہے کہ :-

"سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا"

لیکن باوجود نوازش ہائے سلطانی کے میر غلام علی اپنی نظر بندی کیلئے سلطان سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔ اور اس کی دشمنی یہاں تک ترقی کر گئی کہ شہادت کے بعد جب سلطنت کی تقسیم ہونے لگی اور سلطان شہید رح کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے کی تجویز زیر غور ہوئی تو کمیشن کے روبرو یہی غلام علی تھا جس نے :-

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کارِ خردمنداں نیست"

کہکر سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کردیا تھا۔

نوٹ:۔ اس جملہ سے اس کے خبث باطنی کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے آقا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کے بچوں کو بھی اس نے نہیں چھوڑا۔ ان غداروں کو خوف تھا کہ اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو دی گئی تو اس غداری کا انتقام ضرور لیا جائے گا۔ (محمود)

اس کی قبر اسی کے بنائے ہوئے مقبرے میں موجود ہے۔ مقبرہ بالکل سادہ اور ویران پڑا ہوا ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ بڑی قبر غلام علی کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے یہ بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ وضع پر بنی ہوئی تھی۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ مس کانٹنس اِی پارسنس نے بھی ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ یہاں صرف زنانہ قبریں ہیں۔ اس لئے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی قبر دیلور یا حیدرآباد میں ہوگی جہاں اس کے عزیز و اقربا ابھی موجود ہیں۔ لیکن اب حال میں جب مصنف نے ۱۹۳۹ء میں یہاں جاکر دیکھا تو بڑی قبر مردانہ وضع پر بنی ہوئی ہے۔ اس سے دس سال پہلے یہ قبر زنانہ طرز کی تھی۔

غلام علی غالباً انتزاعِ سلطنت کے دس بارہ سال تک بھی زندہ رہا۔ کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۹ء میں اس کو سرنگاپٹم میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتے تھے۔

بدر الزماں خاں نائطہ

کرنل ولکس لکھتا ہے:۔

" اہل فوائط ارکاٹ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم آئے اور حیدر علی کی ملازمت قبول کرلی۔ سب سے پہلے حیدر علی کے افسروں میں انہوں نے

ہی بد دلی پھیلائی ۔ فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے ۔ اہل نوائط میں تو ابھی نشست و برخاست و آداب گفتگو وغیرہ کا صدرجہ خیال رکھا جاتا ہے ۔ انہوں نے حیدر علی کے زمانہ ہی میں درباری آداب وغیرہ میں انقلابات پیدا کر دئے ۔ اس سے پہلے حیدر علی کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی اہل نوائط کو اپنے ذاتی حسب و نسب پر بہت بڑا فخر ہے ۔"

بدرالزمان بن مراد خاں بھی اہل نوائط سے تھا ۔ جو حیدر نگر کا گورنر مقرر ہوا ۔ بعد میں سلطان کا وزیر بن گیا ۔ بدرالزمان اور دوسرے اہل نوائط سلطان سے اس لئے ناراض ہوگئے تھے کہ سلطان نے بدرالزمان کی بیٹی کا نکاح اپنے نسبتی برادر برہان الدین سے کرنا چاہا تھا ۔ اسکو اہل نوائط نے اپنی توہین سمجھا ۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد اسی شب لڑکی نے کنوئیں میں گرکر خودکشی کرلی تھی ۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہل نوائط کو سلطان کا دشمن بنا دیا ۔ وہ جزبہ انتقام میں تڑپ رہے تھے ۔ اپنی عالی نسبی کے آگے ایک اسلامی سلطنت کی ہستی بھی کچھ چیز نہ سمجھی گئی ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میر صادق نے سلطان سے اس کی شکایت کرتے ہوئے اسکو پندرہ دن تک نظر بند کرا دیا ۔ لیکن سلطان نے پھر معافی دیکر اس کو وزیر بنا لیا ۔

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبۂ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو مہدی علی نائطہ نے عیدگاہ کا مورچہ غداری کرکے انگریزوں کے حوالے کر دیا ۔ اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان نے چندرگ کو جانا چاہا تو بدرالزمان نے اس کو جانے سے روک دیا ۔ اس لئے میسور کے مسلمان اس سلطنت کی تباہی کے ذمہ دار تمام تر اہل نوائط کو گردانتے ہیں ۔

زوالِ سلطنت کے بعد بدرالزمان خاں ایک عرصہ تک زندہ رہا۔ ولکس نے اپنی تاریخ مرتب کرنے میں اس سے بہت مدد لی ہے لیکن ساتھ ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ اسکی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔

میر معین الدین

تمام انگریزی تاریخوں میں اس کا نام صرف سید صاحب لکھا گیا ہے۔ اور اسی نام سے مشہور بھی تھا۔ نواب حیدر علی کی ملازمت میں آنے سے پیشتر کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدہ پر مامور تھا بیسور کی پہلی جنگ کے بعد سلطنت خداداد میں ملازم ہوا۔

مورخ رئیس لکھتا ہے:۔

"نواب حیدر علی کے وقت (میر معین الدین) غداری کرکے مرہٹوں سے مل گیا تھا۔ اور اس کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی"

مرہٹوں کے جانے کے بعد حیدر علی نے اس کو معاف کر دیا۔

نوٹ:۔ گرم کنڈہ۔ گرم کنڈہ نواب حیدر علی کی جاگیر تھی۔ نواب صلابت جنگ نے صوبہ سرا کی صوبہ داری حیدر علی کو دی تو یہ جاگیر بھی حیدر علی کے نام لکھدی تھی لیکن ولکس لکھتا ہے کہ گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانے سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آتی تھی۔ میر علی رضا نواب حیدر علی کے نسبتی برادر تھے۔ یعنے حیدر علی نے میر علی رضا کی حقیقی بہن سے شادی کی تھی۔ جب میر علی رضا کی محمود بندر میں شہادت ہو گئی تو اس جاگیر کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا گیا۔

گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جنگی نقطۂ نظر اور اس کے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور اور بائیں گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ یعنے جو طاقت بھی اس پر قبضہ رکھتی تھی۔ اسکے لیئے آسان تھا کہ میسور و کرناٹک پر اپنا اثر ڈالے میر معین الدین اس قلعہ کی جنگی اہمیت سے واقف تھا

اور اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے مرہٹوں سے سازش کی تھی
میسور کی چوتھی جنگ میں بھی یہی ہوا۔ یعنے اس جاگیر کی ہوس میں اُس نے سلطان سے غداری کی۔
یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب حیدر علی نے اسکو معاف کرتے ہوئے پھر اس کو سابقہ عہدہ پر
بحال کر دیا تھا۔ میسور کی تیسری جنگ میں یہ نہایت وفادار رہا۔ اسکی اسی وفاداری کی وجہ سے سلطان
نے اس کو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی ۱۷۹۵ء میں سلطان نے اسکی دختر خدیجہ زمانی بیگم
سے نکاح کیا۔ اس بیگم سے ۱۷۹۵ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن چند ہی دن بعد زچہ اور بچہ کا
انتقال ہو گیا۔

میسور کی تیسری جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے وفادار کون
ہیں اور غدار کون ہیں میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں نے ان تمام وفادار دل پر ڈورے ڈالنے
شروع کئے۔ انگریزوں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ میر معین الدین اور میر قمر الدین گرم کنڈہ کی جاگیر کے
خواہاں ہیں۔ اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہ جاگیر دینے کے وعدے پر اس کو اپنا بنا لیا اور اس
نے پورنیا سے مل کر وہ غداری کی جو گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔ یعنے ۴ مئی ۱۷۹۹ء
کی دوپہر کو اس نے پورنیا کا شریک ہو کر فوج کو فصیل قلعہ پر سے ہٹا دیا تھا جس کی وجہ سے
انگریزی فوج بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ پر قابض ہو گئی۔

میر قمر الدین

میر علی رضا (گرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا
اور اس لحاظ سے گویا سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا گرم
کنڈہ کی جاگیر پر شروع ہی سے اسکی نظر تھی۔ بلکہ اس کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے
تھے کہ وہ خود سلطنت خداداد کا حکمران ہونا چاہتا تھا جس کے لئے اس نے کوششیں بھی
کیں۔ اسی ہوس میں میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں یہ بھی انگریزوں سے

مل گیا۔ اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی۔

نوٹ:۔ یہاں یہ کہا جائیگا کہ جب میر معین الدین اور میر قمرالدین دونوں گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں تھے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں سے ایک ہی جاگیر کے متعلق کس طرح معاہدہ کیا ہوگا لیکن مغربی سیاست اور تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان وعدوں کی معنی کیا ہوتے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں فلسطین کے معاملہ ہی کو لیا جائے۔ تو یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انگلستان کی حکومت نے اس ملک کا ایک ہی وقت میں یہودیوں سے بھی وعدہ کیا تھا اور عربوں سے بھی۔ اس کو اگر مدنظر رکھا جائے تو معین الدین اور قمرالدین سے ایک ہی وقت میں گرم کنڈہ کا وعدہ کرنا کوئی تعجب خیز نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معین الدین سے کوئی اور وعدہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس کی اسی وقت موت نے اس راز کو یونہی سربستہ رکھا۔ اور قمرالدین نے گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کر لی۔ (محمود)

میر قمرالدین کی غداری کی وجہ کرمانی یوں لکھتا ہے:۔

"میر قمرالدین کی غداری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سلطان کی دختر کا خواستگار تھا لیکن سلطان نے اس رشتہ کو منظور نہیں کیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اس غدار کے دل میں سلطان کے خلاف عناد پیدا ہوگیا۔ اور اس نے سلطان کے خلاف سازشیں شروع کردیں۔"

قمرالدین کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ فتح ترکنڈہ کے وقت وہ حیدرآباد سے خط و کتابت کر رہا تھا جس کی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے حضور سلطانی میں کی تھی۔ اور سلطان نے چند دن کے لئے اس کو نظربند کردیا تھا (کرمانی) لیکن کرنل ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۲ پر ایک اور واقعہ لکھتا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"جس وقت سلطان ادھونی پر حملہ کر رہا تھا۔ تو سراج الدین محمود خاں مفتی ارکاٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کا جنازہ تزک و احتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا۔ تمام ملک

میں یہ خبر پھیل گئی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر ہندوستان بھر میں اس سرعت سے شہرت پذیر ہوئی کہ مسٹر مکفرسن نے جو عارضی گورنر جنرل تھا میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارک باد دے جس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی تو اس وقت میر قمر الدین جو کسی اور جگہ تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو اپنی جانب ملا لیکر خود تخت نشین ہونے کیلئے سرنگا پٹم آیا سلطان نے بمشکل اس بغاوت کو فرو کیا۔ اس موقع پر سلطان نے قمر الدین کو دو سال تک نظر بند کر دیا۔"

میر قمر الدین کو یہ بھی حسد تھا کہ سلطان کے پاس برہان الدین کی (جو سلطان کا نسبتی برادر تھا) بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ سلطان نے برہان الدین کا درجہ بڑھا کر اس کو بھی سپہ سالار اور قمر الدین کا ہم رتبہ بنا دیا تھا۔

برہان الدین سے اس کو اس لئے بھی عداوت تھی کہ اس نے فتح ترکنڈہ کے وقت اس کی سازش سے سلطان کو آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر اس نے میسور کی چوتھی جنگ میں اس غداری سے کام لیا جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ یعنی میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بمبئی سے آنیوالی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کی بجائے اس کو قلعہ سرنگا پٹم پر آجانے دیا۔ اور اس نے سلطان کی شہادت تک بھی باوجود قلعہ سے باہر رہنے کے کچھ کارروائی نہیں کی۔

نوٹ: میر صادق کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر کرنل ولزلی نے آخری سازش کی جو تصویر اپنے حکم سے کھنچوائی تھی۔ اس میں جہاں میر صادق کو سلطان کے روبرو دکھایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی تصویر میں سلطان کے بائیں جانب میر قمر الدین کو سبز لباس میں گھوڑے پر دکھایا گیا ہے۔ اس کو توہین سے بچانے کیلئے عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلطان کے

پیر کی تصویر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ کوئی نام بتایا جاتا ہے اور نہ کوئی ثبوت دیا جاتا ہے میدان جنگ اور سازش میں سلطان کے پیر کو سلطان کے ساتھ دکھانے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ صرف قمرالدین کو نذمین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا ہے۔ یہ تصویر حقیقت میں میر قمرالدین کی ہے۔ میر قمرالدین ایک نہایت قوی اور گرانڈیل جوان تھا۔ اس کا ثبوت اس تصویر سے ملتا ہے نیز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی کتاب "سرنگا پٹم" میں بھی اس تصویر کو میر قمرالدین کی تصویر ہی کہا گیا ہے۔

میر قاسم علی بن پٹیل میر نورالدین

اس کی تمام عمر ملازمت سلطانی میں بسر ہوئی اس کا وطن ریاست حیدرآباد کی سرحد پر تھا اور یہ بھی میر صادق و میر غلام علی کی طرح عجمی النسل اور مذہباً شیعہ تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم علی سلطان سے رخصت لیکر اپنے وطن کو گیا۔ اسکے جانے کے بعد میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ وہ بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لئے جارہا ہے۔ جس پر احکام جاری ہوئے کہ اس کو پکڑ کر واپس لایا جائے۔ اس کو واپس لایا گیا۔ تلاشی پر اسکے پاس کوئی مال نہ نکلا۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دیا گیا کہ وطن جاکر آئے۔ مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف عناد بیٹھ گیا۔ اور وہ انتقام کیلئے موقع کا منتظر رہا۔ واپس آنے کے بعد اس کو سرنگاپٹم کی قلعداری پر مامور کیا گیا۔

چند سال بعد یعنی اپریل ۱۷۹۹ء میں قاسم علی نے سلطان سے اجازت چاہی کہ وطن جاکر اپنے آخری ایام وہیں بسر کرے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلطان نے ایک دن دربار عام میں میر قاسم علی کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"تم نے اپنے بادشاہ سے نمک حلالی کی ہے۔ تمہارا سلطان تمہاری وفاداری سے

خوش ہے۔ اور اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جا کر آرام کی زندگی بسر کرو۔ جو لوگ کہ نمک حلالی اور وفاداری سے ملازمت کرتے ہیں ان کی قدردانی لازمی ہے۔ اسلئے سلطان کے دل میں تمہاری قدر و منزلت ہے۔ کہ آئندہ یہ نہ کہا جائے کہ سلطان کے نزدیک تمہاری قدر نہیں تھی۔" (میڈوز ٹیلر)

اس خطاب کے بعد سلطان نے اپنے دستِ خاص سے میر قاسم علی کو دو زرّین شال ایک دو پٹہ، ایک مرصع زیور، ایک گھوڑا (خاص اصطبل کا) ایک مرصع تلوار اور ایک ڈھال عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

"تمہارا سلطان وفاداروں کی قدردانی کرتا اور انعام بھی دیتا ہے۔"

میر قاسم علی آداب بجا لا کر رخصت ہوا۔

نوٹ :- عجب نہیں کہ میر قاسم علی کا اس وقت وطن جانے کی درخواست کرنا پورنیا، میر صادق و دوسرے غداروں کے ایما سے ہو۔ (محمود)

یہ وہ وقت تھا کہ انگریزی سازشوں کا جال ہر طرف پھیل رہا تھا۔ میر قاسم کو موقع ملا کہ سالقہ توہین کا بدلہ لے۔ سلطان کے اِس الطافِ شاہانہ اور قدردانی کا بدلہ جس طرح اس نمک حلال میرزادے نے دیا۔ وہ میڈوز کی اس تحریر سے ظاہر ہے :-

"میر قاسم علی بجائے حیدرآباد جانے کے انگریزوں سے جا کر ملتا ہے اور انکی فوج کو ہوبھلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے۔ جہاں سے انگریزی فوج سہ رہی کو حملہ آور ہوئی قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو جس شخص نے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا۔ وہ یہی میر قاسم علی تھا۔"

بوجہل و بولہب کی اس ذریات کی کارروائی اسی پر ختم نہیں ہوتی۔ میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"دوپہر کا وقت تھا جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا۔ اور اس کی رہنمائی کیلئے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ شخص میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا"

غرض اس تمام سازش کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمک حراموں کی کارروائی پر اعتماد کلی تھا۔ کہ وہ سلطان کو ضرور دھوکہ دیں گے۔ اس لئے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ:۔

"جب تک سرنگا پٹم پر قبضہ نہ ہو جائے صلح کی گفتگو نہ کرے"

اپنے اس خط میں لارڈ ولزلی لکھتا ہے:۔

"اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی قسمت کا دروازہ ہمارے لئے کھل جائیگا"

جنرل ہارس نے سلطان کو جو شرائط بھیجیں وہ کامل اطاعت کی تھیں۔

اگر مندرجہ بالا سطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے پیشتر ہی لارڈ ولزلی کو اس سازش کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔

پورنیا نواب حیدر علی کے زمانہ میں ملازمت میں داخل ہوا۔ کمسریٹ ڈٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ اس کے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا۔ بحیثیت دیوان اور وزیر مالیات سلطنت کے کل محکموں پر اس کو دسترس حاصل تھی

اس لئے اکثر غدار اس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ سلطان کے محکمۂ جاسوسی کو بیکار کرنے اور اخیر حملے کے وقت تنخواہ تقسیم کرنے کی غرض سے فوج کو علم تیری سے عین وقت پر ہٹا کر جو غداری اس نے کی اس کا حال پہلے آچکا ہے۔

پورنیا کے حال میں ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"پورنیا سنہ ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچنا پلی میں موضع ترو کمبور میں پیدا ہوا تھا۔ اسکے باپ کا نام کرشنا چاری ہے اور ماں کا نام لکشمی اما۔ پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اس وقت اس کا باپ فوت ہو گیا۔ خاندان بالکل غریب تھا۔ اسلئے گذر اوقات کے لئے اسکی ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جس کا نام وینکٹا راؤ تھا۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں یہ خاندان تروکمبور چھوڑ کر سنی منگل میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنئے (رنگیا) کی ملازمت کر لی۔ اس بنئے کے تعلقات سرنگا پٹم کے ایک اور بنئے سے تھے جو محلات شاہی سے تجارتی تعلقات رکھتا تھا ان تعلقات کی وجہ سے پورنیا اکثر سرنگا پٹم آیا جایا کرتا تھا۔ اور بعد میں اسی بنئے انندا سٹی کے پاس ملازم ہو گیا۔ اب اس کی آمد و رفت محلات شاہی میں ہونے لگی۔ یہاں داروغہ محلات شاہی کرشنا راؤ سے اس کی شناسائی ہو گئی۔ جس نے نواب حیدر علی سے سفارش کر کے اس کو سرکاری ملازمت دلوا دی۔ یہاں سے اسکی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی نوازشوں سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ اس کو نوبت نقارہ، پالکی و عماری کے علاوہ طلائی چتر پکڑنے کی بھی اجازت تھی۔"

بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ جب اسکے حال پر سلطان کی اس قدر نوازش تھی۔ تو

لڑتے رہتے تھے۔ وجیانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت جو قریباً تین سو سال تک حکومت کرتی رہی اس نے بھی اسی طرزِ حکومت کو قائم رکھا تھا۔ اس کے بعد بیجاپور والوں نے بھی اس کو بحال رکھا۔ بیجاپور کے بعد مغلیہ سلطنت بھی اسی اصول پر کاربند رہی۔ لیکن طاقت در پالیگاروں کا زور توڑنے کیلئے عالمگیر نے یہ کام کیا کہ ان کی قدیم جاگیرات لے کر انہیں دوسرے غیر آباد علاقے دئے گئے۔ عالمگیر کی اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ غیر آباد علاقے بھی آباد ہو جائیں۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا اقتدار بالکل کم عرصہ تک رہا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو افراتفری اور طوائف الملوکی پھیلی اس کی وجہ سے پالیگاروں میں اور اضافہ ہو گیا۔

ملک کی یہ حالت نواب حیدر علی کے زمانے تک بھی چلی آتی تھی۔ گو حیدر علی نے چند بڑے بڑے پالیگاروں کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن چھوٹے پالیگاروں یا زمینداروں کا جال ملک میں بدستور پھیلا ہوا تھا۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی جاگیرداری کا یک لخت خاتمہ کر دیا۔ زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی۔ کسان براہِ راست سرکار کو لگان دینے لگے۔ اور یہ قانون نافذ ہو گیا کہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھے۔ اس کو زمین سے بے دخل نہ کیا جائے اور زمین ہمیشہ اسی کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس اصلاح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسان جو زمانہ ہائے دراز سے ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا تھے آزاد اور فارغ البال ہو گئے۔ زمین کی تقسیم از سرِ نو ہونے سے مزدور بھی کاشتکار اور خوش حال بن گئے۔ سلطان کا یہ بھی فرمان تھا۔ کہ جو شخص بھی زمین آباد کرنے کے لئے درخواست دے۔ اس کو زمین مفت دی جائے۔ اور اس وقت تک اس سے لگان وصول نہ ہو۔ جبتک زمین میں پیداوار نہ ہو۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"یہ ایک تسلیم شدہ امر تھا کہ جب تک کاشتکار اور اس کے ورثا زمین کو آباد رکھیں اور مقررشدہ لگان ادا کریں۔ زمین ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی اور جب یہ زمین کو آباد کرنا ترک کر دیں اور مقررہ لگان ادا نہ کریں تو اس وقت حکومت زمین کو دوسرے کاشتکار کے حوالے کر دیتی تھی۔ زمین گورنمنٹ کی ملکیت تھی۔ لیکن جب تک کاشتکار لگان ادا کرتا تھا زمین اسی کی سمجھی جاتی تھی۔" (صفحہ ۲۹۸)

"لگان کے تعین کے لئے زمین کی وسعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ پیداوار کس قدر ہوتی ہے۔ لگان ہر جگہ زرِ نقد کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ رقم اس وقت اناج کی قیمت کے لحاظ سے مقرر کی جاتی تھی۔ اور جب کبھی کاشتکار اور عاملانِ حکومت میں رقم کے تعین کے لئے میں اختلاف ہوتا تھا۔ تو عاملانِ حکومت کو حکم تھا کہ اناج لے لیا جائے۔" صفحہ ۲۹۸۔

"وہ علاقے جن کے لئے انہار یا نالیوں سے آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھیں کہ ان میں اگر پیداوار ہو تو لگان ادا کیا جائے اور یہ لگان پیداوار کا آٹھ فیصدی حصہ ہوتا تھا۔" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ علاقے جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑے تھے۔ اور جنہیں کوئی آباد کرنے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ کاشتکاروں کو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ اس طریقہ کو شرط کہا جاتا تھا۔ کرایہ پہلے سال بالکل معاف تھا۔ دوسرے سال سے پانچویں سال تک پیداوار کا چوتھائی حصہ اور پانچویں سال کے بعد پورا کرایہ لیا جاتا تھا۔ (صفحہ ۳۰۰)

"نئی زمین کے کاشتکاروں کو خشک علاقے بغیر لگان دی جاتی تھیں۔"

(صفحہ ۲۹۹)

سلطان کی ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا چپہ چپہ آباد ہوگیا اور ہر جگہ زراعت ہونے لگی اور جاگیرداری زمینداریوں کا خاتمہ ہوگیا۔ اسی لئے آج بھی میسور کے کل علاقے میں کہیں زمینداری یا جاگیرداری نہیں ہے۔

کپٹن لٹل جنہے میسور کی تیسری جنگ میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر ظالم حکمران ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی تمام رعایا اس سے بیزار ہے۔ لیکن جب ہم اس کے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جس قدر بھی مل سکتی ہے۔ ان پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار نہیں۔ رعایا اور فوج کے دل میں بادشاہ کا احترام اور محبت انتہ درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اس کے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے"۔

نوٹ:- کپتان لٹل بمبئی کی اس انگریزی فوج کے ساتھ آیا تھا جس کو حکم تھا کہ بمبئی سے نکل کر دھاڑواڑ کے راستے سے ہوتے ہوتے سرنگاپٹم تک پہونچے۔ اس کی یادداشتیں ایک کتاب کی صورت میں ۱۷۹۴ء میں لندن میں طبع ہوئی تھیں۔ اور اس کا مرتب لے۔مور ہے

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے:۔

"جس وقت انگریزی فوجیں ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئیں تو دیکھا گیا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوشحال ہے۔ تمام ملک سرسبز ہے۔ زراعت اچھی ہو رہی ہے۔

کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے۔ جس وقت انگریزی فوج سرنگا پٹم میں داخل ہوئی۔ تو ان لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لاکر رکھدی کہ وہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہر دلعزیز تھا۔"

مسٹر ڈبلیو مارفس۔ ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب ایمپائر ان ایشیا میں لکھتا ہے :۔

"ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور۔ تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔ اس کے خلاف انگریزی اور انکے باجگذار مقبوضات کرناٹک اور اودھ وغیرہ بلکہ بنگال بھی صفحہ دنیا پر بدنما دھبے تھے اور رعایا قانونی شکنجے میں کسی ہوئی بالکل پریشان حال تھی۔"

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایہ دار یعنی وہ لوگ جو پالیگار اور جاگیردار تھے سلطان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان میں بہت سے ملک چھوڑ کر کرناٹک میں جا کر آباد ہوئے اور موقع کے منتظر رہے میسور کی تیسری جنگ کے آغاز میں کرنل ریڈ نے انہیں پالیگاروں سے فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں سبز باغ دکھا کر ملک میں جاسوسی کرنے اور انگریزی فوج کو رسد اور چارہ فراہم کرنے پر متعین کیا میسور کی تیسری جنگ کے بیان میں بہت سے ان پالیگاروں کے نام دئیے گئے ہیں۔ جو انگریزوں سے مل گئے تھے۔

نواب حیدر علی سے پیشتر ملک میں یہ رواج جاری تھا۔ کہ ضلعوں کے بڑے افسروں کو تمام محکموں پر اختیارات حاصل تھے۔ اور ان تمام افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیرات دی جاتی تھیں۔ سلطان نے اس رواج کو موقوف کرتے ہوئے فوجی اور سیول محکمے علیحدہ کر دیئے۔ اور ہر افسر کی تنخواہ مقرر کر دی گئی جس کی وجہ سے وہ تمام افسر

جو اس رواج کی وجہ سے جاگیردار بنے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں سلطان کے خلاف ہوگئے میر معین الدین، قمرالدین، میر آصف شیر خاں وغیرہ کی غداری کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے اس کے ثبوت میں کرنل بیاری کلوز کے خط کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔ سرنگاپٹم کے زوال کے بعد لارڈ ولزلی نے سلطنت کی تقسیم سے پہلے سلطان کے افسروں کے رجحان کو دریافت کرنا چاہا۔ اس خط کے جواب میں کرنل بیاری کلوز نے لکھا تھا۔

"ٹیپو کا طرز حکمرانی اس طرح کا تھا کہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی موروثی یا مستقل عہدے نہیں تھے کہ وہ حکومت مسلمہ کے خلاف کچھ کر سکیں۔ اس لئے سلطان کے آصفول اور دیگر عہدہ داروں سے خوف کرنے کیلئے وجوہات نہیں ہیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

(۲) مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کی اس وقت کی حالت

عالمگیر اورنگ زیب نے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ہی مغلیہ فوجیں جنوب کی طرف بڑھیں اور انکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر آبادی دکن کی اسلامی سلطنتوں سے نکل نکل کر جنوب میں آباد ہونے لگی۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کا آغاز ہوا مسلمانوں کو یہاں آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ یہ مسلمان اپنے ساتھ دکن کے تمام رسم و رواج اور روایات کو لیکر آئے تھے۔ دکن میں چار سو سالہ رہائش اور مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول نے ان مسلمانوں کی معاشرت پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا جسکی وجہ سے بہت سی مرہٹی اور ہندی رسوم انکی شادی بیاہ وغیرہ میں رائج ہو چکی تھیں۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:۔

"جب عادل شاہ کے لڑکوں کے ختنے ہوئے تو دکنی رسم و رواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے۔ ان کے گلے میں پھولوں کے ہار اور سر پر سہرا تھا۔ باجے کے ساتھ شب گشت نکالا گیا تھا۔ تمام راستے میں آتش بازی ہو رہی تھی۔ اور طوائفیں ناچ رہی تھیں"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں کی معاشرت کس قدر بدل چکی تھی۔ لوگ عیش و آرام کے خوگر اور ہر قسم کے عیش و عشرت کے دلدادہ بن چکے تھے۔ اور اس پہ طرہ یہ کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے بچانے کے لیے مرہٹوں سے مل چکے تھے۔ اور اپنے آپ کو ملکی کہتے ہوئے مغلوں کو غیر ملکی کے نام سے منسوب کرنے لگے۔ گو یہ ایک سیاسی چال تھی۔ اور اس سے انکا مطلب ہندوؤں اور مرہٹوں کی تائید حاصل کرنا تھی۔ لیکن اس کا اثر یہ پڑا کہ معاشرت کے لحاظ سے جو فرق ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقی تھا۔ وہ بھی مٹنا شروع ہو گیا۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں جیسے احمد آباد، گولکنڈہ اور بیجاپور بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں۔ انہوں نے محرم کو بہت زیادہ رواج دیا۔ علموں اور تعزیوں کے لئے عاشور خانے بنائے گئے۔ اور انہیں جاگیریں دی گئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی اننت پور، بلاری، کڈپہ، میسور، گدگ اور ہوبلی وغیرہ ضلعوں میں ہر جگہ گاؤں اور دیہات میں مسجد تو نہ ہو گی۔ لیکن عاشور خانے ضرور ملیں گے۔ جن کے لئے جاگیریں وقف ہیں حکومتِ وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسومات میں شامل ہونے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسوم محرم میں

شامل ہو گئیں۔

غرض یہ تھی وہ معاشرت اور رسم و رواج جو دکنی مسلمان جنوب میں اپنے ساتھ لائے۔ اگر عالمگیر کے بعد سلطنتِ مغلیہ کو استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت کچھ اصلاح ہو جاتی۔ لیکن دہلی میں بادشاہوں کے عزل و نصب اور صوبہ داروں کی غداریوں نے مسلمانوں میں حد درجہ افراتفری پیدا کر دی اور ایک مضبوط مرکز کی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان دن بدن مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی افراتفری کے زمانہ میں نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ اور اس جانباز سپاہی نے سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی لیکن اس کی ۲۲ سالہ مدت حکومت ہمیشہ جنگ و جدال میں گذری مگر نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت خداداد کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی اس کمزور حالت کا احساس کرتے ہوئے،

(۱) منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا (یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کے لئے تھا)

(۲) ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے جن کے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو مذہب آشنا بنانے کیلئے کتاب فتح المجاہدین کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں تقسیم کیں۔

نوٹ:۔ اس کتاب کا پہلا باب مسائل عقاید و نماز و جہاد و ترکہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ اسکے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کیلئے نئے خطبات تدوین کئے گئے۔ جن میں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔ ان میں ایک خطبہ اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

(۴) ان لوگوں پر جو صرف پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ پابندیاں عاید کر دیں۔

(۵) محرم کی ان رسومات کو جو دکن کی اسلامی شیعہ سلطنتوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں۔
ممنوع قرار دیا گیا۔ (یعنے شیر، ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ اور گروہ بنانا)

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طبقہ جو پیری مریدی اور مروّجہ محرّم کی رسومات سے روٹی پیدا کر رہا تھا سلطان کے خلاف ہو گیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے خاص طور پر محرم منانے کی اجازت دی اور خود بھی تعزیوں اور علموں کی تعظیم کی جس پر جاہل ملاؤں نے یہ مشہور کر دیا کہ اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان بادشاہوں سے فرنگی بہت اچھے ہیں۔ پیری مریدی پر پابندیاں اہل سادات کو نہایت گراں گذریں۔ ان حضرات نے دکن کی اسلامی سلطنتوں میں اور بعد میں ارکاٹ اور سرا میں اپنی تعظیم و توقیر دیکھی ہوئی تھی۔ کہ کس طرح ان کے صرف سیّد ہونے کے لحاظ سے انہیں جاگیریں اور وظائف ملتے تھے۔ سلطان نے ان جاگیروں اور وظائف کو بند کرتے ہوئے انہیں تجارت اور ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس میں اس نے نہایت فراخدلی دکھائی۔ اس کی سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو اس میں کثرت سے سادات کے نام ملیں گے اور شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سلطان سیّد پرست تو نہیں تھا؟

مسلمانوں میں حسب و نسب کا غرور اور خون کا امتیاز حد درجہ ترقی کر گیا تھا۔ سلطان مساوات کا دلدادہ تھا۔ اس نے اس برائی کی اصلاح کرنی چاہی۔ اس کیلئے اس نے ذاتی قربانیوں سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدرالزمان نائطہ کی لڑکی سے کی۔ اسی لئے اہل نوائط جنہیں اپنے حسب و نسب پر بہت زیادہ فخر تھا سلطان کے خلاف ہو گئے۔

ان ملکی و مذہبی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے پروفیسر جارج سرکی یہ بات بالکل سچ ہو کہ:-

"ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہوا تھا"

میسور گزیٹیر کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۰۴ پر تحریر ہے:-

ابھی تک ملک میں اس (ٹیپو سلطان) کی اصلاحات پر وہ نظر نہیں ڈالی گئی۔
جس کی وہ مستحق ہے یقیناً اس کی یہ اصلاحات صد درجہ قابلِ تعریف و توصیف ہیں
یہ ایک بدقسمتی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو مدنظر رکھا جاتا ہے اور
اس کے روشن پہلوؤں کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے ٹیپو
کی اصلی شخصیت ابھی تک دنیا پر ظاہر نہیں ہوئی"

زوالِ سلطنت کا ایک اور سبب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب میں اندرونی و بیرونی سازشوں کے ساتھ ساتھ
سلطان کے امراء و وزراء کی غداریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اب یہاں فرانس اور سلطان کے
تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے۔ یہی وہ تعلقات تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو مضطرب بنا کر لارڈ
ولزلی کو فوری کارروائی کرنے پر آمادہ کر رہے تھے جس کا نتیجہ میسور کی چوتھی جنگ اور زوال
سلطنت میں نکلا۔

آزادیٔ وطن کے لئے سلطان کی جدوجہد

فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات گذشتہ اوراق میں بتایا جا چکا ہے کہ جب

سنہ ۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے عہد نامے پر دستخط ہوئے۔ تو مرہٹوں اور نظام نے سلطان کے خلاف معاہدۂ ابت گیر کرتے ہوئے سلطنتِ خداداد پر چڑھائی کی۔ سلطان کو اس وقت یقین ہو گیا کہ اہلِ وطن میں نہ مرہٹوں کو اپنے وطن کے تحفظ کی فکر ہے اور نہ نظام الملک نظام علی خاں کو سنہ ۱۷۶۱ء سے وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح نظام اور مرہٹے بار بار سلطنتِ خداداد پر چڑھائی کرتے رہے ہیں اور حیدر علی کے ان ارادوں میں مزاحم ہوتے رہے ہیں۔ جو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے کئے تھے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی حلیف نہیں تھا سب کے سب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس سے بے خبر تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزم و ارادے کیا ہیں۔ تنہا ایک سلطان ہی تھا جس نے اس راز کو سمجھ لیا تھا۔ اور بار بار مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کی کوشش کی۔ لیکن ہر دفعہ ناکامی ہوئی اگر حالات یہیں تک محدود رہتے تو اور بات تھی۔ لیکن یہ طاقتیں انگریزوں سے مل کر اسکی سلطنت کو مٹانا چاہتی تھیں اس لئے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے حلیفوں کی تلاش کرے۔ اس کی نظریں بیرونِ ہندوستان ترکی، ایران، افغانستان اور فرانس پر اٹھیں ان میں فرانسیسی پہلے ہی سے ہندوستان میں موجود تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سوائے تجارت کے ہندوستان میں انکا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ گو انہوں نے جنوبی ہند میں ارکاٹ کے معاملہ میں دخل دیا تھا۔ لیکن تاریخ دان جانتے ہیں کہ انہوں نے بمجبوری ایسا کیا تھا۔ فرانسیسیوں اور انگریزوں میں تجارتی رقابت تھی اور اسی لئے دونوں قوموں میں جنگیں برپا ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں والاجاہ محمد علی نے انگلستان کو مدد دینی شروع کی۔ فرانسیسی گورنر مسٹر ڈوپلے نے

محمد علی کو تنبیہ بھی کی کہ ان معاملات میں دخل نہ دے لیکن اس نے ایک نہ سنی جس کی وجہ سے فرانسیسی مجبور ہو گئے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں (اس کا مفصل بیان کتاب کے شروع میں آچکا ہے۔ (محمود)

اس کے بعد فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے گورنر ڈوپلے کو واپس بلا کر ہندوستانی معاملات سے ایک حد تک کنارہ کشی کرتے ہوئے صرف تجارت پر قناعت کی لیکن اہلِ فرانس کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف جذبات باقی رہے۔

سلطان، فرانسیسیوں کے ان جذبات سے واقف تھا اس نے جہاں ایران، افغانستان اور ترکی میں سفارتیں روانہ کیں وہاں فرانس میں بھی ایک سفارت روانہ کی۔ اس سفارت کو سلطان نے اختیارات دئیے تھے کہ شاہ لوئی سے مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ کرے۔

قلم اوّل ۔ اس معاہدہ کی مدت دس سال ہو گی ۔ یہ معاہدہ انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ قلعہ چینا پٹن (مدراس) مع ملک کرناٹک اور دیگر بندرگاہیں یعنی بمبئی اور بنگالہ پر قبضہ ہونے تک انگریزوں سے صلح نہ کی جائے۔

قلم دوم ۔ اس معاہدہ کے تحت فرانس کو چاہیئے کہ دس ہزار سواران کلاہ پوش کو ہندوستان روانہ کرے۔ یہ فوج جب پلچیری (پانڈیچری) یا کلیکٹ یا سلطنت خداداد کی جس بندرگاہ پر بھی اترے گی۔ اس وقت سے ان کی رہائش، خوراک، تنخواہ وغیرہ کا انتظام سلطنت خداداد کے ذمہ ہو گا۔ اور تمام جنگی سامان بارود اور گولہ سرکار خداداد فراہم کرے گی۔

قلم سوم ۔ تمام فرانسیسی سردار و سپاہی جنگی معاملات میں سرکارِ خداداد کے حکم کی اطاعت کریں گے۔ اور اگر کسی سے تقصیر ہو جائے تو انصاف کے مطابق انہیں سزا

دی جائیگی۔ اور اس میں فرانسیسی سرداروں سے مشورہ لیا جائیگا۔

قلم چہارم ۔ تمام ملک کرناٹک اور قلعہ چیناپٹن پر قبضہ کرنے کے بعد قدیم الایّام سے جن بندرگاہوں میں تجارت ہوتی ہے۔ ان کی متعلقہ زمین اور ملک کنارا کی بندرگاہیں سرداران فرانس کے حوالے کی جائیں گی اور قلعہ ترچناپلی، تنجاور اور ملک کرناٹک جو قدیم الایام سے اہل اسلام کی ملکیت ہے۔ سرکار خداداد کے مقبوضات متصور ہونگے۔

قلم پنجم ۔ بندرگاہ بمبئی اور کلکتہ کی تسخیر کے بعد تمام بندرگاہیں اور ان کی متعلقہ زمین فرانس والوں کے حوالے کی جائے گی۔ اور دوسرے علاقے جن پر انگریز قابض ہیں۔ سرکار خداداد کی ملکیت متصور ہونگے۔

(ان ہدایات کو سلطان کی ایک قلمی بیاض سے لیا گیا ہے۔ اور اس کی تصدیق اس اعلان سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرانسیسی گورنر ملارٹی نے مراشس میں کیا تھا)

فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم نے اس سفارت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس خوشی میں خاص تمغے دئیے گئے جن کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"ایلچیان ٹیپو سلطان غازی محمد درویش خاں و اکبر علی خاں و محمد عثمان خاں بادلیس بادشاہ فرانسیس ملاقات کردند ششم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ سہ ایلچیاں بدار الضرب اشرفی در ملک پریس تشریف کردند بتاریخ ہفتم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۸ء

(از صفحہ ۴۷۴ سیاحت نامہ کیپٹن پٹن مطبوعہ لندن)

فرانس کے لوئی کے وزرا ٹیپو سلطان کی ان شرائط کو دیکھ کر اس کی دریا دلی اور جود و کرم سے بہت خوش ہوئے۔ انہیں ٹیپو کی آزادانہ ذہنیت نے متحیر کر دیا۔ اور وہ فرانسیسی سپاہیوں کو بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن لوئی نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اس نے

صرف دوستانہ تعلقات رکھنا کافی سمجھا۔ اس لئے کہ اس کو اپنے ملک میں انقلاب کا ڈر لگا ہوا تھا۔

فرانسیسی مورّخ بجا طور پر لوئی کو الزام دیتے ہیں "کہ اس نے اس زرین موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا"

بہرطور سفارت بے نیل و مرام واپس ہوئی۔ اس ناکامیابی سے سلطان مایوس نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ سلطان نے پھر ایک اور سفارت بھیجی۔ اس دفعہ سمندر کی موجیں اس کی کامیابی کی راہ میں حائل ہوگئیں۔ اور جہاز خراب ہوکر منگلور واپس آگیا۔

اس عرصہ میں میسور کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے مل کر سلطنت خداداد پر چڑھائی کی۔ سلطان کو شکست ہوئی۔ اور معاہدۂ سرنگاپٹم کی رو سے اتحادیوں نے سلطان کا نصف ملک لے لیا۔ اس جنگ کے حالات میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح سلطان نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی کوشش کی کس طرح وہ ان کا ملک جس پر سلطنت خداداد کا قبضہ ہوچکا تھا۔ انہیں واپس کرنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ اور کس طرح اس نے اس اتحاد کو دیرپا بنانے کیلئے نظام سے رشتہ داری کی تجویز کی۔ لیکن اس کو مایوس ہونا پڑا۔ جنگ میں شکست کے بعد اس کی زندگی صرف انتقام لینے کیلئے رہ گئی تھی لیکن وہ مرہٹوں اور نظام سے انتقام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس کو تڑپ تھی تو یہی کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اس لئے اس نے پھر نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کرنا چاہا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور سفارت فرانس کو روانہ کی۔ اس سفارت میں حسین علی اور شیخ ابراہیم تھے۔ ۱۹ جولائی سنہ ۱۷۹۷ء کو جہاز پورٹ لوئی ماریشس میں لنگر انداز ہوا۔

جب جنرل ملارٹی کو معلوم ہوا کہ یہ ٹیپو سلطان کے سفیر ہیں تو انکے اعزاز میں ۱۵۰ توپوں

کی سلامی دی گئی۔ رعایا نے ان کے ساتھ اظہارِ عقیدت کیا اور ان پر چو طرف سے پھول برسائے گئے۔ سلطان کے خطوط کا پاس رکھتے ہوئے جنرل ملارٹی نے معاہدہ کیا۔ لیکن ماریشس کی گورنمنٹ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔

جنرل ملارٹی اپنے معزز مہمانوں کو مایوس ہوتے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ "وہ ہندوستان کو فرانسیسی فوج روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور اہلِ برطانیہ کو نکال دینے میں سلطان کا ساتھ دیگا۔ اور ایک جنگی جہاز معہ سلطان کے خطوط کے پیرس روانہ کر کے فوری امداد کا مطالبہ کریگا" سفراء کی روز افزوں مایوسی سے اسے تکلیف ہونے لگی۔ اس نے شہر میں اعلان کر دیا کہ جو کوئی سلطان میسور کی امداد کے لئے ہندوستان جانا چاہے اُسے بخوشی روانہ کیا جاتا ہے۔ اعلان کی عبارت ذیل میں درج ہے:۔

"آزادی اور مساوات! جمہوریۂ فرانس یہی چاہتی ہے!

اعلان:۔ منجانب اینی جوزف ہولٹ ملارٹی امیرِ اعظم و گورنر جنرل جمہوریہ فرانس حکومت متحدہ و نو آبادیات و راس امید۔

شہریو! ہم نے ہمیشہ سے تم میں جوش اور ملک و قوم کی خدمات کا جذبہ پایا ہے اسی جذبہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہم تمہارا ٹیپو سلطان سے تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہماری ایک معمولی سی امداد کے لئے اس نے کیا کیا شرائط قبول کی ہیں۔ اس نے کئی خطوط نظارت مالک کو لکھے ہیں۔ اور یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ فرانسیسی اسکے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور اسکے منشا کے موافق کام کریں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم جب تک ہندوستان میں ٹھہرے رہیں گے۔ وہ ہمارے اخراجات کیا مالی کیا معاشی اور کیا جانی برداشت کریگا

پہنچنے بھی اسلحہ ہم یورپینوں اور خصوصاً فرانسیسیوں کیلئے ضروری ہیں۔ اس نے
مہیا کرنے کا اٹل وعدہ کیا ہے لیکن شراب وکباب یقیناً یہ چیزیں وہ ہمارے لئے
مہیا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا بالکل رواج نہیں اور نہ اسے یہ
مشروبات کہیں مل سکتی ہیں۔ اس نے ہمیں خطوط میں لکھا ہے کہ ہمارے استقبال کا
اس نے بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا ہے۔ اور یہ کہ وہاں پہونچنے کے بعد فرانسیسی
عہدہ دار اپنی ضروریات کی وہ تمام چیزیں تیار پائیں گے جو ایک یورپی کو بوقت
جنگ رکھنی ضروری ہیں۔ بہرحال وہ صرف اس گھڑی کا منتظر ہے جبکہ فرانسیسی
اس کی امداد کے لئے پہونچیں۔ اور برطانیہ کی جڑ اکھیڑنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ اس
کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ رہے بلکہ خود ہندوستانی اپنے ملک
سے مستفید ہوں۔ رجمنٹ نمبر ۱۵ بندرگاہ فرانس ناٹ پر متعین ہے۔ اس لئے
اس کا بھیجا جانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے شہریو ہماری تم سے التجا ہے کہ ٹیپو
کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں سلطان ٹیپو نہ صرف افواج شاہی کا استقبال
کرے گا۔ بلکہ ہمارا ہر وہ شہری جو میسور جائے گا۔ مہر وعنایت کے دروازے اس
کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص چاہے وہ فوجی ہو یا معمولی شہری میسور جائیگا۔
ٹیپو اسے اس فوری امداد کے صلہ میں ایک بڑی رقم دیگا۔ اس کے سفرا سے یہ بھی معلوم
ہوتا ہے کہ اس کا مطالبہ برائے پیمان تمام فرانسیسیوں کو واپس کر دیا جائے گا۔
جو اپنے وطن کو واپس ہونا چاہتے ہیں "

بندرگاہ نارتھ ویسٹ ۳۰ جولائی ۱۷۹۸ء "ملارتی"

اس اعلان کے بعد جنرل ملا رٹی نے حسب وعدہ مرکزی گورنمنٹ (پیرس) کو متوقع فوائد کے زیر نظر توجہ دلائی اور سلطان کے خطوط پیرس روانہ کئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی جاسوسوں نے جو اس سفارت کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ راستے میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جو سلطان کے خطوط پیرس لیجا رہا تھا۔ فرانسیسی جہاز تباہ ہو گیا۔ اور اس طرح فرانس کی نظارت عاملہ تک ٹیپو سلطان کے یہ خطوط پہونچ نہ سکے۔

لیکن سلطان پھر بھی پست ہمت نہ ہوا۔ اس نے پھر ایک سفارت روانہ کی۔ اب فرانس میں نپولین کا دور دورہ تھا۔ اس سفارت میں دو میسوری سفیر اور ایک فرانسیسی امیر البحر ڈوبک تھا۔ فرانس کی نظارت عاملہ نے اس سفارت کا شاندار استقبال کرتے ہوئے نپولین کے آگے ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی گذارش پیش کی۔ نپولین نے اس گذارش کے جواب میں ٹیپو سلطان کے نام مصر سے ایک خط لکھا۔

"آزادی! مساوات!! بوناپارٹ!!!"

ممبر آف دی نیشنل کنونشن جنرل ان چیف

صدر مقام۔ قاہرہ

۷ر تاریخ

سال ہفتم۔ جمہوریت

بے سے زیادہ عظیم الشان سلطان سب سے عزیز دوست ٹیپو سلطان

کی خدمت میں!

آپ کو یہ اطلاع تو غالباً پہونچ گئی ہوگی۔ کہ ہماری فوج ظفر موج نے آجکل

بحر قلزم کے سواحل پر اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے۔ میری اور میری فوج کی دلی خواہش اور تمنا ہے کہ کسی طرح آپ کو برطانیہ کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا دلایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مسقط اور موخا کے راستے آپ تک پہونچوں لیکن اس سے قبل آپکے ملک کی سیاسی حالت کا بہ نظر غایت مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آپ اپنے ایک سربرآوردہ اور دیانتدار عہدہ دار کو جس پر آپ پورا اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہیں سویز یا قاہرہ کے راستے روانہ کریں جس کے ساتھ میں گفتگو کرسکوں۔" "نپولین"

ابھی یہ خط سلطان کو پہونچا بھی نہیں تھا کہ مصر میں انگریزی بیڑے نے اگست ۱۷۹۸ء میں اس فرانسیسی بیڑے پر اچانک طور پر حملہ کردیا۔ جو خلیج ابوقیر میں لنگر انداز تھا (اس جنگ کا نام جنگ نیل ہے) نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی بیڑا تباہ ہوگیا۔ نپولین یہ دیکھ کر شام کی جانب بڑھا۔ جہاں ترکوں نے اس پر حملہ کردیا اور وہ بندرگاہ عکہ میں محصور ہوگیا۔

اس طرح سلطان کی ان تمام امیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ جو اس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے کی تھیں۔

فوٹ : ۔ وِلکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اس قسم کا کوئی خط جو نپولین کی جانب منسوب کیا جاتا ہے سلطان کے کاغذات میں نہیں ملا۔ اگر اس خط کی کوئی حقیقت ہوتی تو میجر اسٹوارٹ (جو دارو غۂ کتب خانہ تھا) ضرور اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کرتا۔

نپولین کا یہ خط جعلی ہو یا اصلی لیکن حقیقت یہ تھی کہ انگلستان اسوقت ہندوستان میں ٹیپو سلطان اور یورپ میں نپولین سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ انگلستان کی فضا میں نپولین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے فرانس کی پارلیمنٹ میں کہے تھے۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا راستہ مصر (؟) ہے۔ اس پر قابض

ہوکر ہم انگلستان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اس قبضہ سے بحیرۂ روم ہمارے قبضہ میں آجائیگا اور وہ گویا فرانسیسی جھیل بن جائیگا۔ مصر پر قابض ہوجانے سے دو باتیں ہمارے اختیار میں ہوجائیں گی۔ خواہ مصر کو فرنچ نو آبادی اور میگزین بنالیں اور خواہ یہ کام لیں کہ انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو فتح کرنے کیلئے بحیرۂ قلزم میں زبردست بیڑا بنائیں۔ ہندوستان کی تجارت راس امید کے راستے زیادہ عرصہ نہیں ہوتی رہے گی۔ اور وہ ضرور مصر کی طرف رجوع کرے گی شام عرب اور کل افریقہ کی تجارت کی منڈی تو اس وقت بھی قاہرہ ہی ہے ان سب کی تجارت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی۔ مصر بہت زرخیز ملک ہے۔ اور ہر قسم کا اناج وہاں بافراط پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا قبضہ امریکہ کی فرنچ نوآبادیوں کے چھن جانے کا خاصہ معاوضہ ہوجائیگا"

(تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

یہ تھے وہ لفظ جو لارڈ ولزلی کو سلطنت خداداد کا جلد از جلد خاتمہ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ اگر ایک طرف نپولین اور دوسری طرف ٹیپو سلطان اشتراک کرلیں تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان پر الزام لگایا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی سلطنت تباہ ہوگئی۔ سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اس اختیار تھا کہ جس سے چاہتا دوستانہ تعلقات بڑھاتا۔

آجکل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں یہی کرتی ہیں۔ اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں سے معاہدے کئے جاتے ہیں۔ اگر سلطان نے بھی یہی کیا تو کونسا قصور کیا۔ کسی معاہدے

سے اسے پابند نہیں کیا گیا تھا کہ کسی سے تعلقات نہ بڑھائے۔ فرانس سے اگر اس نے تعلقات بڑھائے۔ تو وہ اسمیں بالکل حق بجانب تھا۔ نظام مرہٹے اور انگریز بار بار بغیر کسی وجہ کے اسکے ملک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نظام انگریزوں سے دوستی حاصل کرنے کیلئے اس کا ملک ۱۷۶۸ء میں ایک سند کی رو سے انگریزوں کو دے چکا تھا۔ جنرل میڈوز نے بلا وجہ اور بغیر اعلان کے جنگ فوج کشی کر دی تھی۔ لارڈ کارنوالس نے بھی یہی کیا۔ ان حالات میں سلطان کیلئے ایک حلیف کی ضرورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کا ملک اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا بلکہ خالص اپنی حفاظت کیلئے۔ اس نے فرانس کو یہ نہیں لکھا کہ حیدر آباد اور مرہٹوں کا ملک انہیں دیا جائیگا۔ اس کی شان آزادی کی جھلک اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے انگریزوں کو ملک بدر کرنے کے بعد فرانسیسیوں کو اختیار دیدیا تھا کہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں۔ وہ ہندوستان کی ایک انچ زمین بھی سوائے ان تجارتی کوٹھیوں کے جہاں انگریزوں کا قبضہ تھا۔ فرانس کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ فرانس اُس وقت آزادی و جمہوریت کا دلدادہ تھا نپولین نے سلطان کو مدد دینی چاہی تو نہ صرف انگریز بلکہ ترک بھی اس کے سدِّ راہ ہوگئے قسطنطنیہ اور مصر میں انگریزی رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سلطان کی سفارت ناکام رہ گئی اور مملوکوں اور ترکوں نے انگریزوں سے ملکر نپولین کے راستے روک دیئے۔ جس کی وجہ سے سلطان کی توقعات آزادی ہند کے متعلق بر نہ آئیں۔

نپولین کی جس تقریر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کو واضح کرنے کیلئے اس صفحہ کی پشت پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ سلطان کی ان تجاویز کو بھی سمجھنے میں مدد دیگا۔ جو اس نے ایران و ترکی کے سامنے اسلامی ممالک و ہندوستان کی حفاظت کیلئے پیش کیا تھا۔

نقشہ جس میں یورپ سے ہندوستان کا راستہ براہ راس امید دکھایا ہے۔ موجودہ راستہ براہ جبرالٹر سویز و عدن ہے

ٹیپو سلطان نے ہندوستان سے براہ عمان بصرہ و استنبول تجویز کیا تھا۔

انتظامِ سلطنتِ خداداد

انتظام سلطنتِ خداداد

سلطان نے جس اصول پر سلطنتِ خداداد کا انتظام کیا تھا۔ اس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

سلطان بحیثیت بادشاہ ہونے کے حاکم اعلیٰ تھا۔ اور ہر فرمان پر سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

انتظامِ سلطنت کیلیے سب سے بڑا محکمہ صدر الصدور تھا جس کا صدر دیوان اور اس کے بعد دوسرے وزراء تھے جنکے ماتحت مختلف محکمے تھے سلطنت خداداد میں پیشتر مندرجہ ذیل یہ محکمے اٹھارہ کچہری کہلاتے تھے اور ان اٹھارہ کچہریوں کو بلحاظ ان کی نوعیت کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے تھے حیدر علی اور سلطان نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ ان میں اور محکموں کا اضافہ کر دیا گو بڑے محکمے اٹھارہ ہی تھے۔ در اصل یہ محکمے بابِ حکومت تھے جسکو آجکل سکرٹریٹ کہا جاتا ہے۔ اور ہر محکمے کیلیئے ایک میر آصف مقرر تھا۔ جو اپنی رپورٹ وزراء کو دیتا تھا۔ تاریخ نشانِ حیدری میں ان محکموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ ننانوے اسمائے الٰہی کے صفات کے لحاظ سے جو نظامِ قدرت کے قیام کیلیئے قادرِ مطلق نے خود قائم کیا ہے سلطان نے بھی ۹۹ محکمے قائم کیئے۔ اور ان ہی محکموں سے تمام عاملانِ حکومت کے نام احکام جاری کیئے جاتے تھے جن پر صدر محکمہ کے دستخط کے بعد وزیر یا دیوان اور سب سے آخر میں سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

ان محکموں سے جو فرمان جاری ہوتے وہ تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی، کنڑی،

اور مرہٹی بعض مقامات کیلئے مرہٹی کے بجائے دکھنی زبان کا رواج تھا ہر فرمان آصف ضلع کے پاس روانہ کیا جاتا۔ اور وہ اس کی نقل اپنے دستخط سے عاملان تعلق کو بھیج دیتا تھا جہاں سے وہ طرفداروں (شیخداروں) میں تقسیم ہوتے تھے۔

زمانہ قدیم سے میسور میں قصبوں اور دیہات کا انتظام پٹیل اور شانبھوگ کرتے آئے ہیں سلطنتِ خداداد کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آج بھی یہی طریقہ جاری ہے (نوٹ:۔ ہندوستان میں شانبھوگ اور پٹیل کو پٹواری اور ذیلدار کہا جاتا ہے)

سلطنتِ خداداد میں سلطان نے علاوہ معمولی کاموں کے یہ کام بھی ان کے ذمہ کر دیا تھا۔ کہ اپنے علاقوں میں جو شاہراہیں اور دوسرے اہم راستے ہوں ان کی دیکھ بھال کریں اور سایہ کیلئے دو طرفہ درخت لگاتے رہیں، راستوں کی مرمت اور دیہاتوں کی حفاظت کیلئے جو دیواریں یا جھاڑیاں ہوں اُن کو اچھی حالت میں رکھیں۔

انتظام ضلع و تعلقہ

نواب حیدر علی کے بعد جب سلطان تخت نشین ہوا تو اس نے تمام ملک کو پانچ ہزار ہن کے تعلقوں پر تقسیم کر دیا۔ اور انتظام کیلئے مندرجہ ذیل عملہ رکھا گیا:۔

ہر تعلقہ کیلئے:۔ ایک عامل۔ ایک سررشتہ دار، تین محرّر۔ چار طرفدار (شیخدار)، چھ اٹھاؤنی[ف۱] چپراسی۔

ماہانہ تنخواہ:۔ ۱۰ ہن، ۵ ہن، ۲ ہن، ۲ ہن، ۶ فسلم

ایک گلّہ[ف۲]، ایک صراف، ایک فارسی منشی، ایک چپراسیوں کا نائیک (ڈہلایت)

۴ فلم، ۴ فلم، ۲ ہن، ۴ فسلم

ف۱ اٹھاؤنی:۔ وجیانگر کے زمانہ میں میسور میں مالگذاری کے چپراسیوں کو اٹھاؤنی اور فوجی سپاہیوں کو کنڈاچار کہا جاتا تھا۔

ف۲ گلہ۔ جسکے ذمہ روپیہ رکھنا اور مہر ڈالنے کا کام تھا۔ آج بھی میسور کے تعلقوں اور قریوں میں خازن کو گلہ یا گولری کہا جاتا ہے تعلقوں اور شہروں میں قاضی مقرر تھے انکی تنخواہ ۲ ہن سے ۶ ہن تک ماہانہ تھی ان کے علاوہ جہاں ذخائر غیرہ رہتے تھے وہاں ارغد بھی مقرر تھے۔ (محمود)

وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ہر ایک سے تین تعلقوں پر ایک آصف مقرر ہوتا تھا جس کا دفتر ضلع کے صدر مقام میں رہتا تھا۔ اور اس کے تحت میں مندرجۂ ذیل عملہ تھا۔

ہر ضلع کیلئے:۔	آصف اول، آصف دوم۔	دو سررشتہ دار	دس محرر	چالیس چپراسی	ایک صراف
ماہانہ تنخواہ:۔	۵۰ سے ۶۰ ہن تک	۲۵ سے ۳۰ ہن	۱۰ سے ۷ ہن	۱۰ سے ۸ قلم	۲ ہن

ایک منشی	ایک مشعلچی	ایک فارسی دان سررشتہ دار	ایک فارسی دان محرر	ایک گمہ (خازن)
۸ ہن	۱۰ سے ۸ قلم	۲۵ سے ۳۰ ہن تک	۸ ہن	۳۰ ہن

سول لسٹ سلطنت خداداد میں تمام سرکاری ملازمین کی ایک فہرست یا سول لسٹ رکھی جاتی تھی۔ یہ فہرستیں ضلع وار تیار ہوتی تھیں۔ ان کی ایک نقل محکمہ صدر الصدور میں اور ایک نقل ضلع کے میر آصف کے دفتر میں ہوتی تھی۔ اس قسم کی ایک سول لسٹ جو ضلع جعفر آباد سے متعلق تھی مصنف کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اور اسی سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر جامع اور وقت ضرورت مطلوبہ شخص کے حالات کا پتہ لگانے میں کس قدر ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

کچہری جعفر آباد

(۱) عامل اتی پیادہ باسم سید محمد ولد سید جلال الدین ابن سید سلطان۔ مذہب حنفیہ قوم سادات حسینی پیدائش فرجاب، وحصار و پیدائش والدایشان شاہ نور و پیدائش جدایشان بیجاپور۔

اقارب	واقف کار
(۱) میر محمد سید سلطان	(۱) منشی حبیب اللہ
برادر حقیقی	در حضور

(۲) سید غلام محی الدین	(۲) سید امام
میر میراں	برادر حقیقی
	عملدار ہوسدرگ

نسبت ایشاں درخانہ شیخ محی الدین باشندہ دورگ و نسبت والد ایشاں درخانہ شیخ ندیم باشندہ بیجاپور و نسبت جد ایشاں درخانہ علاؤ الدین باشندہ بیجاپور۔

پنجاہ پنج سالہ

(۲) عامل عالمباری باسم سید امام ولد سید حسین ابن سید بوہن قوم سادات حسینی مذہب حنفیہ پیدائش بنکنڈہ و پیدائش والدہم و پیدائش جدہم بنکنڈہ۔

واقف	اقارب
(۱) سید رسول عملدار	(۱) سید رسول عامل دوئیم
بلے ہنور۔ کچہری نگر	گلشن آباد
	برادر حقیقی
(۲) عملدار برکے	(۲) شیخ محمد عامل
باسم سید احمد	تعلقہ مصطفےٰ آباد
	برادر نسبتی

نسبت ایشاں درخانہ سید حسین باشندہ پٹن نسبت والد ایشاں درخانہ سید مصطفےٰ باشندہ پٹن و نسبت جد ایشاں درخانہ سید محجن باشندہ کولار۔ سی سالہ

(اقتباس از کتاب "دریافت حسب و نسب عمالان میر آصف کچہری

روبروی سید محمد میر آصف و میر فخر الدین میر میراں و شیخ اسمٰعیل میر خازن")

محکمہ پولیس

نواب حیدر علی خاں کے زمانہ میں محکمہ پولیس اعلیٰ درجہ پر تھا۔ اس پولس کے ساتھ خفیہ پولیس بھی تھی۔ جو مشتبہ لوگوں کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھتی تھی۔

اور یہ اکثر سرحدوں پہ متعین تھی۔ نواب حیدر علی ان سے اکثر یہ کام بھی لیتے تھے کہ اپنے امراء و وزراء کے خیالات سے آگاہ ہوں سلطان کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پولس اپنے کام میں اس قدر مستعد رہتی تھی کہ ایک مرتبہ ایک خونی مجرم سرنگا پٹم سے فرار ہوا۔ اور تین دن کے اندر اندر اس کو دوبارہ ماگڑی کے جنگلوں میں گرفتار کر لیا گیا۔ پولس کے ذمہ خصوصاً رعایا کے امن امان کا کام تھا۔ رعایا کے امن و آسائش کا سلطان کو اس قدر خیال تھا کہ اس نے پولس کو رعایا کے جان و مال کی سلامتی کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کہیں چوری ہو جائے تو افسران پولس اس کے ذمہ دار گردانے جاتے تھے اور جو نقصان کہ رعایا کو ہوتا تھا۔ اس کی تلافی ان افسرانِ پولس کی تنخواہ سے کی جاتی تھی۔ جو اس جگہ مامور ہوتے تھے۔

اور جس جگہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا خوف رہتا تھا۔ وہاں رعایا کو بھی ہتھیار رکھنے کیلئے لائسنس دئے جاتے تھے۔

پولس کو ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کی جاتی تھی۔ اور نئے ملازموں کو پیشگی رقم دیکر ان سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وصول کر لی جاتی تھی۔

تمام محکموں میں ملازموں کو ہر سہ سال پر ترقی دی جاتی تھی اور ہر تین سال کے خاتمہ پر یکمشت رقم بھی بطور انعام دی جاتی تھی۔ اور اس مبلغ سے وہ رقم جو بطور پیشگی دی جاتی تھی۔ وضع کر لی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا بیان کے ثبوت میں سلطان کے اس فرمان کی نقل دیجاتی ہے جو اسنے محکمہ پولس کے

نامہ جاری کیا تھا:۔

تصدیق باسم

عامل کولار

سواری بقیمت چہار صد روپیہ بداده و بچہ گنتی باید کرد۔ اگر ندارد
منجملہ تختہ برکہ در صدر مسطور است طلب نخواہد شد تاریخ داشتند
اسپہ در دفاتر متصدیان باید نویسانید۔

سواری یک صد و پنجاہ نفر را مبلغ یک صد و شصت و نہ راجتے دو ماہ مقرر فرمودہ شد
باید کہ بجای انقضای ایام مذکور قسم زر موافق نرخ بازار در وجہ طلب مقرریہ بموجب تفصیل
صدر تقسیم باید نمود۔ منجملہ مردمان قدیم کسانیکہ شامل حضور و کچہری شدہ منشور رقم کچہری
آوردہ باشند آنہا را من ابتدائے غرہ ماہ احمدی سال سار ۱۲۱۳ محمدی موافق تصدیق
طلب بدہند و آئندہ کسانیکہ از حضور پرنور و کچہری شامل شدہ رقم و منشور لامع النور
بیارند۔ از روز داخل شدن تعلقہ و حاضر بودن بکار سرکار خداداد موافق نوشتہ
صدر طلب باید داد و در تعلقہ مذکور مردم قدیم شامل عامل را از تاریخ مذکور بہ مذکور
الصدر طلب دادہ و تو ملازم را از تاریخ تو ملازمی وجہ دو ماہ دست بدست تقسیم
نمائید و عوض زر تقسیم شدہ را ماہ بماہ قبض الوصول می گرفتہ باشند و وجہ دو ماہ ماہ
زاید کہ بعد سہ سال یکدفعہ می آید دادہ در کار جمعیت واز پیادہ ہائے متعینہ قلعہ نوشتہ
صدر و تحصیلی اگر ہنگامہ موزوداں و پالیگاراں وغیرہ شود جمعیت آنہا از یں و چند باشد
از پیادہ ہائے مذکورہ رعایانیکہ برائے داشتن تفنگ با آنہا حکم فرمودہ شد تنبیہ دزداں باید

نمودہ بدیں موجب اگر بند و لبست ننمود تغافل کرد تا آرام خواہند نشست۔ یقینے کہ بہ ورزحال مقرر است بشما خواہد شد وطلب مردمان صدر از ایتدا اسے نو ملازمی از شما گرفتہ خواہد شد۔ ایں معنے بیقین دانستہ بند و بست باید نمود سوائے آں اگر بہنگام ورزحال ازیں افزودہ شود تحقیق کرد۔ بدستخط و مہر شما کہ فلانے بجمعیت ایں قدر آمدہ است بحضور بعرض حاشت نوشتہ بفرستید بند و بست آں از حضور نمودہ خواہد شد ومرمت قلعہ بوقت از رعایائے تعلقہ بعمل آوردہ درست دارند۔ چوکی وپہرہ قلعہ پیادہا حسبہٗ بعمل آوردہ باشند۔ منجملہ پیادہائے کنڈاچار ہر قدر کہ بعلاقہ قلعہ مقرر گشتہ ہر قدر کہ باقی باشند آنہا را معمور کار زراعت سازند۔

تحریر فی التاریخ

بست و پنجم ماہ احمدی سال ساحر سنہ ۱۲۲۱ محمدی پادیچہ سرہندی

(بی الف)

الواثق بالطاف السلطان المہیمن
السید محمد صادق آصف حضور پرنور

الواثق بالطاف السلطان المہیمن
السید ... آصف حضور پرنور

۱۲۲۱ محرم

سال ساحر ... جمادی

...

میر ... ملاحظہ

آصف ... بخشی

منظور

۱۲۲۱ محرم

سال ساحر ... جمادی

نوٹ:۔ جہاں کہیں فرمان میں الفاظ مٹ گئے تھے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا ہے (محمود)

محکمۂ ڈاک

رسل و رسائل کیلئے محکمۂ ڈاک قائم تھا۔ اس زمانہ میں ایک شہر کو دوسرے شہر سے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جاتی تھی۔ ڈاک کو جلد سے جلد پہنچانے کیلئے سلطان نے محکمۂ ڈاک کے ملازموں کو تین گروہ پر تقسیم کیا۔ جن میں سب سے تیز رو قاصدوں کو بھی اور ڈاک تقسیم کرنے والوں کو انچے کا نام دیا۔ تیسرا گروہ وہ تھا۔ جو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔

فوٹ نوٹ:۔ آج بھی ریاست میسور، ملیبار، ٹراونکور کے دیہات میں چٹھی رسانوں کو انچل ہی کہا جاتا ہے اور بہت سے خاندان انچل کے نام سے موسوم ہوگئے ہیں۔ (محمود)

مالگذاریٔ منشیات

حیدر علی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی، افیون وغیرہ پر حسب معمولی اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان تخت نشین ہوا۔ تو نشہ کی چیزیں فروخت کرنے کیلئے لائسنس (سرکار سے منظوری) حاصل کرنیکا فرمان جاری کر دیا اور بغیر لائسنس کوئی شخص انکی خرید و فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اسی طرح منشیات پر جب پابندیاں عاید ہوگئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال بالکل ممنوع قرار دیدیا۔ اس سلسلہ میں بھنگ اور خشخاش کی کاشت کو بند کردی گئی اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ چھندوے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے۔ تمام سلطنت میں کٹوا دئے گئے۔ اور احکام جاری ہوئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ لگایا جائے۔ منشیات کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطنت کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہوگئی۔ لیکن سلطان کو رعایا کی اخلاقی ترقی اور مفاد اس قدر عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پرواہ نہیں

کی۔ بورنگ لکھتا ہے :-

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دے کر ایک عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا :"

رئیس لکھتا ہے کہ :-

"منشیات کو ممنوع قرار دینے سے سلطنت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی۔ اس کو سلطان نے دوسرے طریقوں سے پورا کیا"

لگان کی وصولی

زمین کی تقسیم اور مالگزاری کے متعلق سلطان کی ملکی اصلاحات کے زیر عنوان مفصل لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف موضوع رئیس کی کتاب سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ ہر علاقہ میں سلطنت کی جانب سے دو ایسے ہرکارے مخفی اطلاعات بھیجنے کیلئے مامور تھے۔ انکے ذمہ یہ کام تھا کہ کاشتکار کو اگر حاکم ضلع یا تعلقہ سے کوئی شکایت ہو تو اس کی اطلاع صدر دفتر میں دیا جائے۔ اور ہر سال تمام غیر آباد زمینوں کی بھی اطلاع دیں۔ حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان انہیں خوف تھا کہ کہیں عمال ان حکومت کاشتکاروں سے بنجر زمین کا لگان بھی وصول نہ کرلیں۔ یہ ہرکارے حاکم ضلع یا تعلقہ کے ماتحت نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے ان کی تمام اطلاعات براہ راست صدر دفتر میں موصول ہوتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ عمال ان حکومت کو رعایا کے ستانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

تقسیم تنخواہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں ہر ملازم کو ماہانہ تنخواہ وقت مقررہ پر ملتی تھی۔ اس کی پابندی کا سلطان کو حد درجہ خیال تھا کہ ملازمین کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کا ثبوت لارڈ ولزلی کے خطوط سے بھی ملتا ہے۔ جو اس نے تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جنرل ہارس کے نام لکھا تھا :-

"آپ فوراً تمام قلعداروں اور امینوں کی تنخواہ فیصل کرنے کی طرف توجہ کریں اور

جہاں تک ہو سکے، اپریل و مئی کی تنخواہیں بے باق کر دیں۔"

نوٹ:- اپریل میں سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے ذمہ صرف اپریل کی تنخواہ تھی۔ اوائل مئی میں سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشوت کا سدباب

ایشیاٹک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے:۔

"سلطان کو رشوت سے اس قدر نفرت تھی کہ جولائی ۱۷۹۶ء میں سلطان نے اپنے تمام ۲۳ آصفوں اور ان کے عملے کو دار السلطنت میں طلب فرمایا اور جہاں اٹھارہ کچہری (سکرٹریٹ) کے عملے کے ساتھ انہیں محل میں مدعو کر کے ان سے اقرار لیا کہ وہ کسی سے رشوت نہ لیں گے۔ مسلمان نے قرآن پر، برہمن نے اپنی شاستر پر اور بعض دوسروں نے دودھ اور چاول پر قسمیں کھائیں۔"

اسی جرنل میں لکھا ہے کہ:۔

"باوجود حلف اٹھانے کے بھی بہت سے افسروں نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

لیکن جب کبھی سلطان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی افسر نے رشوت لی ہے تو وہ اسے سخت سزا دیتا تھا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"میر صادق ایسے واقعات کو سلطان تک پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اس لئے کہ وہ خود ہی لوگوں پر ظلم کرتا تھا۔"

عاملانہ حکومت کی مجلس مشاورت

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔ "ٹیپو سلطان نے اپنے افسران متعلق کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر سال پایۂ تخت میں جمع ہو کر انتظامی معاملات میں

مشورہ کریں"۔

آج انگریزی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ چند سال سے ہر صوبے کے کلکٹروں کی ایک کانفرنس صوبے کے کسی ایک مقام پر منعقد ہوتی ہے۔ جس میں تبادلۂ خیالات کے علاوہ انتظامی معاملات پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے۔

عدالت و انصاف

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچایت مقرر تھی۔ قدیم دستور کے مطابق ہر گاؤں میں پٹیل معمولی تنازعات کا پنچایت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا۔ تعلقوں اور ضلعوں میں عامل اور امصف فیصلہ کرتے تھے۔ اگر فریقین کو اس فیصلہ سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اس کے بعد سلطان تک پہونچایا جاتا تھا۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے، ایک مسلمان اور ایک ہندو۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کیلئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے، اور یہ بھی پنچایت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مندرجۂ ذیل کام بھی تھے۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"قاضیوں کا یہ کام بھی تھا کہ خصوصاً جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں اور مسلمانوں کو منشیات سے دور رکھیں۔ دینی فرائض محتسب بھی ادا کریں۔ اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر ہی فیصلے کے لئے آتے تھے کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ جن سے دوسروں کو

ارتکاب جرم کی جرات نہیں ہوتی۔"

چوری کے متعلق رئیس لکھتا ہے:۔

"چور کا پتہ لگانے سے پیشتر چوری کا مال اور اسباب تلاش کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملانِ حکومت کی تنخواہ سے پوری نہ کی جائے۔"

مقدمات کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذ و نادر ہوتے تھے۔ جب مقدمہ پیش ہوتا۔ تو مدعی و مدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہو کر اپنے بیانات دیتے اور تائیدی بیانات پیش کرتے۔ گواہوں کا بیان لیا جاتا۔ مگر ان سے قسم نہیں لی جاتی تھی۔ تمام مقدمہ سن کر پنچایت کے لوگ اس کی تحقیق کرتے اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ فریقین سے مچلکہ یا ضمانت لے لی جاتی تھی کہ پنچایت کے فیصلہ پر وہ راضی ہیں۔" (صفحہ ۱۳۳)

مذکورہ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ مقدمات پر فریقین کی ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ اور مقدمے عدالت میں جس دن داخل ہوتے تھے فیصل ہو جاتے تھے آج کل کی طرح اس زمانے میں اسٹامپ کورٹ فیس وغیرہ کے مصارف ہرگز نہیں ہوا کرتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ

مجلس وطنی

بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصہ دینے کیلئے پارلیمنٹ یا مجلس وطنی بھی قائم کی تھی اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" تھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ

کر کے ملک کی تمام حکومت رعایا کے ہاتھ میں دیدی جاتی۔ اور بادشاہ ایک کانسٹیٹیوشنل ذاتی حکمران رہے۔ اس مجلس کو "زمرۂ غم نباشد" کا نام دینے سے اس کی مراد یہ تھی کہ پھر سلطنت کو کسی طرح کا اندرونی خطرہ باقی نہ رہیگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک اس وقت اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ مگر اس مجلس کے قیام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دل میں جمہوریت اور مساوات کا کس قدر احساس تھا۔ اس سلسلہ میں کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :-

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی۔ وہ یہاں ٹیپو کے پاس کوئی نئی یا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی۔"

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں ملک اس مجلس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایسے لوگ منتخب ہوئے جو حکومت کے نااہل تھے۔ مورخ کرمانی نے یہ بالکل سچ لکھا ہے کہ :-

"یہ لوگ میر صادق کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے۔"

اور اس طرح یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نوٹ :- اسلامی مورخین نے جو زوال سلطنت کے بعد ہی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے بھی یہ سمجھا ہی نہیں۔ کہ یہ مجلس یا پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے گو اس کا ذکر تو کیا ہے لیکن قسم قسم کی تاویلات سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فوجی دستہ تھا۔ اور کسی نے اور کچھ لکھا ہے۔ کرمانی بھی اس کی تہ کو نہیں پہنچا۔ ورنہ وہ ضرور اس کی اہمیت کو نمایاں کر دکھاتا۔ اس نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ غم نباشد کے حروف تہجی سے مراد مندرجہ ذیل قومیں لی گئی تھیں :-

غ = غیر وطنی، م = مغلی اور مرہٹہ، ن = فرانکلہ، ب = برہمن اور ہندو، ا = افغان، ش = شیعہ، د = اہل فائدہ (ہندی

فوجی انتظام

(فوجی انتظام کے متعلق اردو فارسی تاریخوں میں کچھ مواد نہیں ہے۔ اس لئے تمام مضمون انگریزی تاریخوں سے لیا گیا ہے)

بری فوج جس طرح ملکی انتظام کیلئے مختلف محکمے قائم کئے گئے۔ اسی طرح فوجی انتظام کے لئے بھی علیحدہ محکمہ قائم ہوا۔ اور اس کے ماتحت دوسرے محکمے تھے یہ تمام محکمے گیارہ سپہ سالاروں کے ماتحت تھے جن کا صدر مقام سرنگاپٹم تھا۔

فوجی محکمے

(۱) پیادہ فوج (۲) تعمیر قلعہ جات (۳) سوار فوج (۴) توپ خانہ (۵) کمسریٹ۔ (۶) چراگاہیں۔ (۷) تنخواہ (۸) بحری فوج (۹) تعمیر جہازات (۱۰) صناعی سامان حرب وغیرہ (۱۱) محکمہ تجارت (انسپکٹر)

سلطنت کے کل رقبہ کو ۳۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر ضلع ایک سپہ سالار کے ماتحت تھا جس کے ماتحت ۲۰ سے ۳۰ سپاہی رہتے تھے۔

بحیثیت بادشاہ ہونے کے سلطان فوج کا سب سے بڑا افسر یا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ ولکس لکھتا ہے:-

"میر غلام علی (لنگڑا) وزیر فوج اور انسپکٹر جنرل قلعہ جات اور میر بخشی بھی تھا"

سلطنت خداداد میں کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار تھی۔

سلطان کی بری فوج کے انتظام کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے:-

"سلطان نے ایک فرمان کی رو سے بری فوج کو جس کا نام "پیادہ عسکر" تھا - پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا - اور ہر ڈویژن میں ۲۰ قشون یا رجمنٹیں تھیں - اور ہر رجمنٹ میں ۱۳۹۲ سپاہی تھے - جن میں ۱۰۵۶ سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں - ہر رجمنٹ کے ساتھ اس کے باربرداری کے جوان بھی تھے - ہر رجمنٹ میں دو توپیں گولہ انداز بھی رہتے تھے -

سوار فوج کو سلطان نے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا -

باقاعدہ کیولری - سلحدار - کاذک

ان میں اول الذکر کو سوار عسکر کہا جاتا ہے - اس عسکر کے تین ڈویژن تھے - جن میں ہر ایک میں چھ رجمنٹیں اور ہر رجمنٹ میں ۳۷۶ سوار متعین تھے - ان سواروں کو گھوڑے دئے جاتے تھے لیکن سلحدار اور کاذک جو تعداد میں چھ ہزار اور آٹھ ہزار تھے اور اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے"

اس فوج میں نو سو ہاتھی - چھ سو اونٹ ، تیس ہزار گھوڑے اور چار لاکھ باربرداری کے بیل تھے -

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۴ پہ لکھتا ہے :-

" ملک کی مدافعت کے لیے ایک لاکھ اسی ہزار کی بہترین منظم و باقاعدہ فوج تھی - اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار پانچسو کی امدادی فوج تھی - جو مختلف فوجی کاموں پہ مامور تھی -

(۱) مستقل سوار فوج -

(۲) پنڈاروں کی سوار فوج -

(۳) سلحدار جن کے اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے۔

(۴) صناع جیسے معمار وغیرہ

(۵) بار یعنی باقاعدہ پیادہ فوج۔

(۶) باڈی گارڈ یعنی محافظ فوج۔

(۷) مختلف شہروں اور قلعوں کی محافظ فوج۔

(۸) افریقی (حبشی) فوج۔

(۹) ہرکارے اور جاسوس۔

(۱۰) پائنیر یا سفر مینا۔

(۱۱) بہیر یا رخیمہ وبار بردار۔

(۱۲) لوہار اور بڑھئی جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔

اوپر مختلف مورخوں کی تحریروں سے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنت کا فوجی محکمہ کس قدر بڑا اور باقاعدہ تھا۔ یہی نہیں کہ سلطنت خداداد کی فوج اس زمانے میں نہایت ہی منظم تھی۔ بلکہ اس زمانے کے جدید سے جدید اسلحہ سے بھی مسلح تھی۔ اور یہ اسلحہ سلطنت خداداد میں اس قدر تیار ہوتے تھے کہ جنگی نقطہ نظر سے فوج میدان جنگ کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ ان اسلحہ کیلئے سلطنت خداداد یورپین یا دوسرے کسی ملک کی محتاج نہیں تھی۔ بلکہ تمام کے تمام چھوٹے بڑے اسلحہ ملک کے اندر ہی تیار ہوتے تھے (نوٹ: انکا بیان صنعت وحرفت کے باب میں آ گیا ہے)

سلطنت نے تمام فوجی انتظام یورپین طرز پر رکھا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کی تربیت کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور پایہ تخت میں ایک مکمل ڈیپارٹمنٹ بھی تھا۔ فوج کے لئے ایک خاص وضع کی وردی تھی۔ گو مختلف رجمنٹوں کیلئے مختلف رنگ تھے۔

سلطان نے اپنے فوجی محکمے کیلئے اپنی زیر نگرانی ایک کتاب لکھوائی جسکا نام تحفۃ المجاہدین تھا لیکن یہ کتاب فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہوگئی ہے (مصنف تاریخ سلطنت خداداد کی نظر سے اس کتاب کی ایک نقل گذری ہے جس پر سلطان کی مہر ہے۔ اور مضمون کے آخر میں سلطان کے دستخط بھی۔ اس کتاب پر نام تحفۃ المجاہدین لکھا ہوا ہے) اس کتاب میں تمام فوجی قواعد و ضوابط کے علاوہ قلعہ کشائی، تعمیر قلعہ جات، سامان حرب کی تیاری، فوجی تنظیم اور سپاہیوں کی ضروریات تک درج ہیں۔ یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل تھی۔

ناظرین کی آگاہی کیلئے اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ذیل میں دئے جاتے ہیں۔

باب اول۔ مسائل عقائد و نماز و حج و زکوٰۃ و نمک حرامی، ترکہ و جہاد وغیرہ۔

باب دوم۔ نام ماہ اور سال، واسطے دفتری ہدایت تقسیم حساب و لفظ وزن و تعداد مقرر کرد و حساب گز شرعی۔

باب سوم۔ در بیان تدابیر حرب جس میں اکیس ۲۱ عنوان ہیں۔ جن میں جنگ، محاصرہ کرنا اور قلعہ سازی کے تمام اصول وغیرہ آگئے ہیں۔

باب چہارم۔ در بیان احکام بنام سررشتہ متصدیان تعلق کچہری حضور وغیرہ جس میں نوّے عنوان ہیں۔ ان میں دفتری کاموں کے تمام احکام ہیں۔

باب پنجم۔ در بیان ضابطہ تفویض خدمات جس میں گیارہ عنوان ہیں۔

باب ششم۔ در بیان سائر قواعد و لوازم داران حضور یعنی سپہ سرداران جن کے عنوان ہیں تا امیر ہزار سرداران وغیرہ کے قواعد و فرائض اور طریقے آگئے ہیں۔

باب ہفتم۔ در بیان قواعد سواران متعلقہ عسکر، چودہ ۱۴ عنوان ہیں۔

باب ہشتم۔ قواعد پیادہ متعلقہ عسکر، پندرہ عنوان۔

ضمیمہ ۲۔ ایسے نسخہ جات جو وقت ضرورت فوج کے لئے کارآمد ہوں۔

اسی کتاب سے وہ فوجی ترانے جو بادشاہ انگل کیلئے وضع کئے گئے تھے نقل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ نسخے بھی جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ لکھے گئے ہیں۔

در نغمہ ابیض بیت وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد رواں گردید ظلمت منتشر　　از فروغ دین شدہ مشعل کفار جہاں

بیت۔ وقت دوم نہضت

وصف عزم لشکر شاہنشہ دارا غلام　　می نماید صفحہ را چوں آسمان راہوار

بیت۔ وقت سوم نہضت

ہر کجا گردد سپاہت جلوہ گر اے شاہ دہر　　نصرت و فتح و ظفر گردد بگردش آشکار

در نغمہ اصفر بیت وقت چاشت و تبدیل منزل

چو یک گشت فوج و لشکر شاہ جہاں آئیں　　کند بلند آنے از فلک فتح و ظفر تحسین

بیت وقت سرور و فرحت

چو گیرد در کمند چابک برق ابر میگرید　　ز ہول شاہ ز نیساں کافراں غرق اندر شتابا

بیت وقت اجتماع

ز حکم محکم شاہنشہ خورشید و مہ آسا　　عجب نبود گر گردد اجتماع روز و شب یکجا

در نغمہ احمر بیت وقت حملہ قدیم

سپاہ شاہ باشد چابک زاں سان　　کہ زو شد شرمگیں برق درخشاں

بیت۔ وقت تشہیر

ز ہول شاہ گردد فتنہ بیروں　　شد از عالم ز تدبیرش چرخ گردوں

بیت ۔ وقتِ ضربِ سنانی

کند ضربِ سناں فوجِ سلطاں ۔۔۔ عدو را در زماں نابود و بے جاں

در نغمہ زیر جد ۔ بیت وقتِ آہستہ قدم

تا کے بہ سر کار بہتر بود ۔۔۔ کہ از صبرہا آب گوہر شود

بیت روزِ عید

دلِ خلق لبریز شد از نشاط ۔۔۔ کند دامِ گلشن از و انبساط

در نغمہ ۔۔۔ ۔ بیت وقتِ شان

شانِ خورشید فلک پیشِ تو اے شاہِ جہاں ۔۔۔ نیست زاں گونہ کہ در خاطرش آید کساں

بیت وقتِ نشانی درو خشِ شام

زفشاں گشتن واز توپ نشاں خصم بسوخت ۔۔۔ زانکہ ایں راز دہد خانۂ او را بر باد

در نغمہ عباسی ۔ بیت وقتِ درخشِ پیاپی شب

از توپِ شاہ گردد دلِ خستہ کافراں را ۔۔۔ سوزاں ترا ست از برق بر جانِ مشرکاں را

بیت وقتِ اول نہضت

ہر کہ قلم نویسد عزمِ سپاہ سلطاں ۔۔۔ سر ثبت کند از دوام خورشید و ماہِ تاباں

اُردو ترانے

وقتِ طلوعِ آفتاب

وصفِ حسنِ خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار

بے گماں ہر بیت ہووے مطلعِ صبحِ بہار

کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ

نسخہ جات

علاج۔ سانپ، بچھو، دیوانہ کتا اور کھٹمل کے زہر کا

۱۔ جس شخص کو سانپ نے کاٹا ہو اس کو انکولہ کی جڑ جس میں کانٹے نہ ہوں، ایک ماشہ (وزن) پانی میں گھس کر پلائیں اور یہی جڑ پیس کر زخم پر لیپ کریں۔

۲۔ نشالی کی جڑ سوکھی ہو یا کچی دھو کر صاف کر کے کوٹ کر شیرہ نکال کر پلائیں۔ اگر جڑ خشک ہو تو ٹھنڈے پانی میں کوٹ کر شیرہ نکالیں (نوٹ) یہ جڑ ایک گرام سے زیادہ استعمال نہ کریں۔ ایک گرام سے زیادہ ہو تو زہر کی خاصیت پیدا کرتی ہے اور انسان مر جاتا ہے۔

۳۔ چھچھوندر جس کا منہ لمبا ہوتا ہے۔ پکڑ کر اس کا پوست نکال لیں۔ پوست پر سے بال نکال کر خشک کریں۔ سانپ کے کاٹے ہوئے کو ایک ماشہ (وزن) پانی میں گھس کر کھلائیں زہر دفع ہو جائے گا۔

۴۔ سمندر پھل۔ ایک ماشہ وزن ٹھنڈے پانی میں گھس کر مار گزیدہ کو کھلائیں اور جس جگہ سانپ نے کاٹا ہو وہاں گھس کر لگائیں۔ یہی علاج بچھو کے لئے بھی کریں۔ گھوڑے کو بھی اگر سانپ نے کاٹا ہو تو یہی علاج کریں۔ مگر گھوڑے کے لئے مقدار دوائی ۴ ماشہ ہے اس کا سفوف بنا کر نسوار کی طرح گھوڑے کی ناک میں پھونکیں۔

۵۔ اگر کسی کو چوہا یا کھٹمل کاٹے اور بدن کھائی دار ہو جائے تو رک جائے یا پیپ جاری ہو۔ اس کو سانپ کا پوست ایک قلم یا دو قلم وزن پیس کر گڑ (قند سیاہ) میں ملا کر چار وقت کھلائیں۔ شفا ہوگی۔

۶۔ علاج دیوانے کتّے کے زہر کا :۔ چھوٹا سیاہ ببول جس کی پھلی چار انگل کے مقدار کے برابر ہوتی ہے اور پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پھلی مع پوست و بیج گائے کے دہی میں پیس کر صبح کے وقت پانچ دن تک کھلائیں۔ غذا ۔ دہی کھانا۔ اور پیاس لگے تو دہی پئیں۔ پانی ہرگز نہ پئیں۔

اگر دیوانہ کتّا یا کر لا گھوڑے کو کاٹے تو ایک ایک پوری پھلی دہی میں پیس کر صبح کے وقت پانچ روز کھلائیں۔

۷۔ علاج ناردہ :۔ ایک قلم یا دو قلم وزن سانپ کا پوست باریک پیس کر پرانے گڑ (قند سیاہ) میں صبح کے وقت سات دن تک کھلائیں۔

۸۔ علاج بچھو کاٹے کا :۔ اگر کسی کو بچھو کاٹے تو تین پتے کسوندے کے کھلائیں اور تھوڑا سا پتہ ہاتھ سے مل کر زخم پر لگائیں۔ (از کتاب فتح المجاہدین)

کتاب فتح المجاہدین دیکھ کر کب انکار کیا جا سکتا ہے کہ سلطنت کا انتظام حد درجہ ترقی یافتہ تھا اور اس کے علاوہ تمام مملکت میں حکّام کی آگاہی کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں تقسیم ہوتی تھیں :۔

۱۔ منتخب ضوابط سلطانی (سول اور فوجی ضوابط)

۲۔ رسالہ کچہری (دفاتر کے نظم و نسق کے لئے احکام)

۳۔ ضابطہ امثال راہ رفتن سواری (سوار فوج کے لئے احکام)

۴۔ وقائع منازل

۵۔ حکم نامہ۔

اس کتاب میں خاص طور پر ایک باب میں تمباکو نوشی کے مضر اثرات سمجھا کر فوجی سپاہیوں اور رعایا کو تمباکو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے اور ایک دوسرے باب میں تاجروں اور دوکانداروں کو ناپ اور تول میں خیانت کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو مذہب کی رو سے بھی مذموم بتایا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر افسران ضلع کو ہدایت دی گئی ہے کہ شہروں اور دیہاتوں میں ایسے درخت لگائے جائیں جو غلیظ ہوا کو جذب کریں۔ دھوبیوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کو جن کی طرف سے گندگی پھیلنے کا احتمال ہو شہر سے باہر مکانات دیئے جائیں۔

بحری فوج کا انتظام

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے نواب حیدر علی نے بحری طاقت کی طرف توجہ کی اور جہاز بنانے کی ابتدا بھی کر دی۔ نواب حیدر علی کی وفات کے وقت چند جہاز موجود تھے۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اس جانب اپنی پوری توجہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑا بنایا جائے جو ساحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے جن سے ہو کر مغربی قومیں ہندوستان میں آرہی تھیں اس مقصد کیلئے اس نے بندرگاہ جزیرہ [illegible] عمان اور عدن کا انتخاب کیا۔ سلطان کی دوربین نظر اسی زمانے میں بھانپ چکی تھی کہ جب تک ان مقامات پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہو۔ ہندوستان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان بندرگاہوں کے حصول کی کوشش

کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بحری طاقت کو بھی ترقی دینے کے لئے احکام جاری کئے۔

ٹیپس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

بحری بیڑہ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے ماتحت رکھا گیا۔ اس سے یہ کام لیا جاتا تھا کہ بحری قزاقوں سے ساحل کی حفاظت کرے۔ ان میں باربرداری کے جہاز بھی تھے اور یہ جہاز تجارتی سامان لیکر ایران و عرب کی بندرگاہوں تک جاتے تھے۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں جب سلطان کو شکست ہوئی اور سلطنت کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان کو معلوم ہوا کہ بحری بیڑے کی کمزوری کی وجہ سے اس کو شکست ہوئی ہے۔ سلطان نے اس کو مستحکم کرنے کے لئے اس کی تنظیم شروع کی کہ انگلستان کی بحری فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کے بعد سنہ ۱۷۹۴ء میں سلطان نے بھٹکل میں بحری مدرسہ قائم کیا۔ طرز تعلیم انگریزی طرز جہاز رانی پر رکھی گئی۔ بحری فوجی تعلیم کے لئے ایک کتاب لکھی گئی (افسوس ہے کہ اس کتاب کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ مولف) جس میں جہاز کے ایک کیل سے لے کر پورے جہاز کی ضروریات جہازوں کی تعمیر و جنگ کے قواعد جہاز چلانا سپاہیوں کی خوراک چار پہر (جہازوں کا پناہ گاہ) بنانا وغیرہ کے متعلق مفصل اور مشرح احکام موجود تھے۔ جہازی بیڑے کو بورڈ آف ٹریڈ (محکمہ تجارت) کی ماتحتی سے نکال کر ایک خاص بحری کمیشن کے سپرد کیا گیا۔ اس میں گیارہ میر یم (لارڈ آف اڈمیرلٹی) اور تیس میر بحر (واڈمیرل) تھے جن میں دس ساحل پر اور بیس جہازوں پر رہتے تھے۔

اسی سال سلطان نے نئے جنگی جہاز تیار کرنے کا حکم دیا۔ سنہ ۱۷۹۶ء میں سلطان نے پیشتر جہازوں کو ناقص ٹھہرا کر ڈبو دینے کا حکم دیا۔ سلطان کی بحری فوج میں دس ہزار پانچ سو بیس ملاح تھے۔ جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۶۲ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۲ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

۴۶ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۶ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ:

"سلطان کے احکامات پر ۱۷۹۵ء تک عمل نہیں ہوا"

نوٹ: آج بھی ریاست میسور بھٹکل کو اپنی بندرگاہ بنانے کے لئے انگریزی گورنمنٹ سے خط و کتابت کر رہی ہے سلطان کی دور بینی نے اسی زمانے میں اس کو انتخاب کر لیا تھا۔

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی و ٹیپو سلطان کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھتا ہے:

میسور کی فوجیں ہمیشہ سپاہ ریتی تھیں۔ ان سے ایک زبردست بحری بیڑے کی ضرورت بھی پوری نہیں ہوئی۔ اس کے متعلق اس نے ایک فرمان جاری کیا جس میں جہاز بنانے کے طریقے الگ الگ کا انتخاب اور تمام بحری قواعد ضوابط درست تھے۔ اس نے اس فرمان میں جزئیات تک پر بحث کی تھی۔ اس میں یہاں تک لکھا ہوا تھا کہ جہازوں کے پیندوں پر کس قسم کی دھات کی کیلیں لگائی جائیں۔ اس فرمان کی تحت اس نے ایک امارت بحری (بورڈ آف ایڈمیرلٹی) قائم کیا تھا جس میں گیارہ ایڈمیرل اور ۳۰ میر بحر تھے۔ اس فرمان میں حکم دیا گیا تھا کہ حسب ذیل جہاز بنائے جائیں۔

۲۰ اول و دوم قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر علی الترتیب ۷۲ اور ۶۲ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

۲۰ تیسرے قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر ۴۶ توپیں چڑھ سکتی تھیں

سلطان نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب کبھی میریم معائنہ کے لئے آئے تو سرکاری خرچ پر جہازوں کے ملازم اس کی دعوت (ڈنر) کا انتظام کریں۔

اس بیڑے کی تقسیم سلطان نے اس طرح کی تھی :۔

اول و دوم قسم کے جنگی جہازوں میں

۶ بندرگاہ جمال آباد (منگلور) میں

۷ " واجد آباد میں۔

۷ " مجید آباد (سداسیو گڑھ) میں

متعین رہیں

مندرجہ بالا تجویز کے مطابق جہازوں کا بنانا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی یہ تجویز تکمیل کو نہیں پہونچی تھی کہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔"

تجارت

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ رعایا کی فارغ البالی اور ملک کی عام خوشحالی حکومت مسلطہ کی طرز حکمرانی پر منحصر ہے۔ اس لحاظ سے سلطنت خداداد یقیناً کل ہندوستان میں یگانہ تھی۔

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :۔

"سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لے کر پیدا ہوا تھا۔"

میجر آلن لکھتا ہے :۔

"ٹیپو علاوہ بادشاہ ہونے کے ایک بہت بڑا تاجر بھی تھا۔"

تخت نشین ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جو سلطان نے کیا وہ ملکی تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینا تھا۔ تجارت کو ترقی دینے کے لئے سلطان نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "احکام

تھا۔ یہ کتاب آٹھ باب پر مشتمل تھی۔ اس میں تجارت کے تمام اصول، قواعد و ضوابط مندرج تھے۔
ریئس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نے اپنی مملکت میں ایسے احکام جاری کئے تھے جن کی رو سے وہ صدر التجار تھا۔ تجارت کی ترقی اور نگرانی کیلئے ایک بورڈ آف ٹریڈ (محکمہ تجارت) قائم کیا گیا۔ اس محکمہ میں نو تجارتی میر آصف (ٹریڈ کمشنز) مقرر ہوتے۔ اور ان کی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کرنے کیلئے سترہ کوٹھیاں کھولی گئیں۔ اور اندرون سلطنت صنعت و حرفت کو ترقی دینے کیلئے تیس کارخانے (فیکٹریاں) قائم ہوئے تاجروں کو درآمد و برآمد کرنے کیلئے محکمہ تجارت یعنے بورڈ آف ٹریڈ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چند مخصوص اشیا جیسے تمباکو، صندل، کالی مرچ اور معدنیات کیلئے اجارے (مانوپلی) دیئے جاتے تھے" (صفحہ ۵۹)

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :۔

"تجارت میں سلطان کی یہ تمام جد و جہد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت اور ان کے احکام و ضوابط کی نقل تھی۔"

ریئس لکھتا ہے:۔

"سلطان کا نصب العین یہ رہا کہ ملک کا روپیہ ملک سے باہر نہ جائے سلطان یورپین تاجر اور خصوصاً انگریزوں کے ساتھ تجارت کرنے کو خطرناک سمجھتا تھا باہر کے تمام مال کی درآمد سختی سے بند کر دی گئی۔ اور برآمد پر بھی بہت سے قیود لگا دیئے گئے تھے میسور کی کالی مرچ کثرت سے باہر جاتی تھی۔ اور خصوصاً یورپین تاجر اس کو خریدنے کیلئے آتے تھے۔ سلطان نے کالی مرچ کی یہ آمد روک دی۔ مگر چونکہ یہ ساحلی علاقوں کا

بھی ہوتی تھی اس لئے پوشیدہ طور پر اس کی تجارت ہو جاتی تھی جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ساحلی اضلاع پر بھی ان کی کاشت مسدود کر دی گئی صرف اندرونی علاقوں میں محدود رقبوں میں کاشت ہونے لگی۔

اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے راز باہر افشا نہ ہوں مگر چند ایسی اشیا بھی تھیں جن کی برآمد کی اجازت سلطان نے دے رکھی تھی"۔

اگر سلطان کے مکاتیب اور وہ ہدایات جو اس نے لنگرے غلام علی کو ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے دیئے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کیپانن کی تحریر کا اقتباس جو کسی اور جگہ دیا گیا ہے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سلطان کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کی خوشحالی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے وہ ترکی، ایران، مصر، برما اور چین میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد ان کوٹھیوں سے یہ تھا کہ مسلمان پھر تجارت صنعت و حرفت کی طرف راغب ہوں اور وہ روپیہ جو تجارت کے ذریعہ یورپین اقوام لے جاتی تھیں اس کا سدِ باب ہو جائے۔

مندرجہ بالا سطور محض سلطان کی تعریف کیلئے نہیں لکھی گئیں۔ بلکہ ان کا ثبوت آئندہ اوراق میں کیپانن کی تحریر کا اقتباس، دیگر سلطان کے مکاتیب وغیرہ دے رہے ہیں سلطان کا ارادہ تو یہ تھا کہ اپنا ملک خوشحال اور رعایا فارغ البال بنے۔ اسی جدوجہد کا رئیس نے گو تذکرہ تو کیا ہے لیکن پھر بھی تعصب سے لکھتا ہے:-

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل کرتے ہوئے سلطان نے اپنی مملکت میں بہت سے احکام جاری کئے۔ اس سے اس کا مقصود ذاتی منفعت تھا"۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سلطنت میں تجارت بڑھے اور صنعت و حرفت روز افزوں

ترقی پر ہو تو خاص سلطان ہی کو کس طرح فائدہ پہونچ سکتا ہے؟ اس سے تو ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اور سلطنت کی آمدنی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ ہزاروں آدمیوں کے لیے معاش کا دروازہ کھل جاتا ہے سلطان کی جدوجہد کا نتیجہ بھی یہی نکلا کہ ملک بالکل خوشحال ہوگیا اور اس میں بیکاری کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔ اس کا ثبوت ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ کی تحریر اس طرح دے رہی ہے:۔

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز تھا اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے"

بنک

رئیس لکھتا ہے:۔

"تمام سلطنت میں رعایا، تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت اور انکے فائدہ کیلئے بنک جاری تھی۔ ان میں مخصوص بات یہ تھی کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہونچایا جاتا تھا۔ چنانچہ پانچسو روپیہ جمع کرنیوالے کو ۵۰ فی صدی سالانہ نفع اور پانچسو سے پانچہزار تک ۲۵ فیصدی سالانہ نفع اور پانچہزار سے اوپر ۱۲ فیصدی سالانہ نفع ملتا تھا۔ یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل تھی۔ اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو لوٹنا تھا۔"

افسوس ہے کہ رئیس نے لٹ کے اس دعوے کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچایا سلطان کا ہر ہنر دشمنوں کو عیب ہی نظر آیا۔ دروغ گو را حافظہ نباشد کے مصداق رئیس پھر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دوکانات ہوتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا۔ جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع

حاصل ہوتا وہ بنک کے ذریعہ لوگوں کو دیدیا جاتا تھا۔"

نوٹ :- سرکاری دوکانات سے ٹیپو کی مراد غالباً آج کل کی کواپریٹیو سوسائیٹیاں ہیں)

زراعت

سلطنت خداداد سے پہلے میسور ایک خالص زراعتی ملک تھا جہاں ضروریات زندگی پیدا کرلی جاتی تھیں۔ عام طور پر باشندوں کی غذا راگی ہے جو کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ سرنگاپٹم اور اس کے نواح میں چاول کی بھی کاشت ہوتی تھی البتہ میسور کے چند علاقوں میں ساگوان اور ریشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اور اب بھی پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطنت خداداد سے پیشتر ملک میسور کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ سلطنت خداداد کا احسان ہے کہ اس کا نام اطراف عالم میں گونج اٹھا آج بھی انگلستان و یورپ میں اگر حیدر علی و ٹیپو سلطان کا نام لیا جائے تو میسور کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میسور کی تمام پیداوار اور صنعت و حرفت سے دنیا ناآشنا تھی۔ سیاسی دنیا میں میسور کو حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی وجہ سے اہمیت حاصل ہوئی۔ اسکے علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی کے لحاظ سے میسور کو دنیا سے جس نے روشناس کرایا وہ سلطان ٹیپو تھا۔ اگلی سطور میں تجارت سے متعلق لکھا جا چکا ہے۔ اب یہاں سلطان کی اس جد و جہد کا بیان ہے۔ جو اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے کی۔

سلطان کی ملکی اصلاحات میں بتایا جا چکا ہے کہ اس نے زمینداری کو ختم کر کے کسانوں کو زمین کا مالک بنا دیا جس کی وجہ سے کاشتکار جو سالہا سال سے قسم قسم کے مظالم سے دبے ہوئے تھے۔ آزاد ہوگئے۔ اصلاحات کی تحت میں یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ زمین کا لگان کس حد تک کم کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لگان زمین کی وسعت پر نہیں بلکہ پیداوار کے لحاظ سے لیا جاتا تھا۔ اور بنجر زمین کاشت کرنے والے کاشتکاروں کو خشک زمین مفت دی جاتی تھی۔

اور یہ بھی سلطانی حکم تھا کہ جب تک زمین میں پیداوار نہ ہو لگان نہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میسور کی چپہ چپہ زمین آباد ہوگئی۔

میجر ڈائرم جو میسور کی تیسری جنگ میں انگریزی فوج کا افسر تھا۔ اپنے چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے جس اصول پر سلطنت کا نظام قائم کیا ہے۔ اس کی وجہ سے اسکا ملک ہر جگہ آباد پایا گیا۔ اور زمین جو قابل کاشت ہے۔ اپنی انتہا تک کاشت کی گئی ہے اس کا فوجی نظام اور میدان جنگ میں اس کے سپاہیوں کی وفاداری اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسی حکومت قائم کر رکھی ہے جس سے رعایا کو شخصی آزادی حاصل ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ رعایا کو تکلیف دینے والا نہیں۔ بلکہ ان کے دردو دکھ کا شریک ہے۔ اس کا بے رحمانہ سلوک اگر کسی پر ہوتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں۔ جو اس کے دشمن سمجھے جاتے ہیں"

(میجر ڈائرمس نیا ریٹیو صفحہ ۲۴۹)

سلطان سے پہلے ملک میسور ریشم اور اس کی کاشت سے بالکل بیگانہ تھا۔ ملک میں جو ریشمی چیزیں بنی ہوئی آتی تھی وہ یا تو چین سے آتی تھیں یا بنگالہ سے۔

سلطان نے دو وفد روانہ کئے ایک چین کو اور دوسرا بنگالہ کو وہاں سے ان دفود کے ارکان شہتوت کی چند شاخیں اور کچھ ریشم کے کیڑے لیکر واپس آ گئے۔ ملولی۔ تعلقہ میں وسنگور اور ٹمکور کے علاقہ میں موضع کنگل میں ریشم کی کاشت شروع کی گئی۔ وہاں سے ریشم سرنگاپٹم میں لایا جانے لگا اور اس سے کپڑا تیار ہونے لگا۔ آج بھی ریاست میسور میں ایک خاص قسم کے شہتوت کو سلطانی کڈی کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب یہ تاریخ لکھی جا رہی ہے میسور نے ریشم کی کاشت اور مصنوعات میں اس قدر ترقی کی ہے کہ قریباً دو لاکھ خاندان اس پر اپنا گذارہ کر رہے ہیں۔

ریشم کی طرح جانپھل سے بھی میسور نا آشنا تھا سلطان نے ٹراونکور سے چند جانپھل کے پودے منگوا کر نہایت احتیاط سے لگوائے۔

مورخ ولکس لکھتا ہے:۔

"سلطان نے بڑی احتیاط سے چند جانپھل کے پودے ٹراونکور سے لاکر لال باغ میں لگوائے۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج میسور سے جانپھل باہر کے ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔

(نوٹ: یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میسور میں اگلے زمانے میں کافی نہیں ہوتی تھی۔ آج سے قریباً چار صدی پہلے بابا بڈہن نامی ایک بزرگ عرب سے ہندوستان آئے۔ اور خوش نصیبی سے اس قطعہ زمین پر مقیم ہوئے۔ جو ریاست میسور میں بابا بڈہن گری کہلاتا ہے۔ آپ کافی کے چند بیج ہمراہ لائے۔ یہاں پہونچکر اس کی زراعت کی ترویج دی۔ آج ملک میں کافی کے صدہا باغات ہیں جس سے رعایا اور حکومت دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں)

تجارت کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے تنیس کوٹھیاں کھولی تھیں۔ یہاں سے غیر ممالک کو مال بھیجا جاتا تھا۔ میسور سے جو خام پیداوار بھیجی جاتی تھی۔ ان میں کالی مرچ صندل، الائچی اور کافی کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے بنگلور اور سرنگاپٹم میں دو باغ بنائے سرنگاپٹم کا لال باغ تو آج موجود نہیں ہے لیکن بنگلور کا لال باغ ابھی موجود ہے اور اسکی شہرت ہندوستان سے لیکر یورپ و امریکہ تک پہونچ چکی ہے۔

لال باغ بنانے سے سلطان کا مقصد ایک نرسری قائم کرنا تھا۔ جہاں ادھر ادھر کے درختا[illegible]

بیج منگوا کر یہ دیکھا جاتا تھا کہ ان کی کاشت اس ملک میں ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

بچانن اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے :۔

"میں نے لال باغ دیکھا۔ یہاں زمین کو مربع قطعوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور قطعہ کے باڑو راستہ ہے جس پر دونوں جانب خوبصورت سرو کے درخت لگے ہوئے ہیں یہ قطعے پھلدار درختوں اور گملوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ درختوں کی قسموں کے مطابق علیحدہ علیحدہ قطعے مخصوص کئے گئے ہیں۔ یہاں سرو، انگور، ناشپاتی اور سیب کثرت سے اور نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا گیا کہ ٹیپو نے جنوبی افریقہ سے صنوبر اور سرو کے جو درخت منگوا کر لگائے ہیں وہ نہایت اچھی حالت میں ہیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۸۰)

نوٹ :۔ بچانن سنہ ۱۸۰۰ء میں یعنی زوال سلطنت کے ایک سال بعد یہاں آیا تھا)

ایک اور سیّاح لکھتا ہے :۔

"لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے کہ کون سے مفید درخت یہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے موزوں ہو سکتے ہیں۔"

اسی سلسلے میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں جو تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انجیر، امرود اور تربوز یہاں کی آب و ہوا میں خوب پھلتے اور شیریں ہوتے ہیں۔

نوٹ :۔ آج میسور گورنمنٹ نے سرنگاپٹم میں پھر انجیر کی کاشت پر توجہ کی ہے اور کاشت کرنے والوں کو پانی اور زمین مفت دینے کے علاوہ دوسری سہولتیں بھی دی ہیں۔"

سلطان کے مکاتیب جو کسی اور جگہ دیئے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

یہاں زعفران کی کاشت کا تجربہ بھی کیا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ دریائے کاویری کا وہ پشتہ ہے جس کو آج کرشنا راج ساگرا کہا جاتا ہے اس لئے بجا طور پر آج کے مورخین سلطان کو "ٹیپو دی ڈام بلڈر" (TIPU THE DAM BUILDER) لکھتے ہیں۔ بمبئی کے مشہور اخبار السٹریٹیڈ ویکلی مورخہ اکتوبر ۳۸ء میں اسی عنوان سے دریائے کاویری کے پشتہ کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے لیکن یہاں میسور گورنمنٹ کی کتاب ٹورسٹ گائیڈ ٹو میسور (TOURIST GUIDE TO MYSOR) سے مضمون لیا جاتا ہے:۔

"کرشنا راج ساگرا"

"دریائے کاویری کے دامن میں جو قابلِ زراعت زمین علاقہ میسور میں ہے۔ اسکی وسعت ۱۵۰۰ مربع میل ہے۔ زمانہ قدیم میں دریا سے نالے کاٹ کر جو زمین کاشت کی جاتی تھی اس کا رقبہ کل ۸۰ میل ہے بقیہ خشک زمین کی آبپاشی کرنے کیلئے میسور گورنمنٹ ایک عرصہ سے تجاویز سوچ رہی تھی۔ آخر ۱۹۱۱ء میں موجودہ بند جس کو "کرشنا راج ساگرا" کا نام دیا گیا ہے۔ شروع کیا گیا جس سے تین مقاصد زیر نظر ہیں۔

۱۔ گرمی کے دنوں میں قلتِ آب کی وجہ سے سیوا اسمدرم میں برقی طاقت حاصل کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں۔ ان کا سدِباب کیا جائے۔

۲۔ سیوا اسمدرم کی برقی طاقت جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کو ایک حالت پر لایا جائے۔

۳۔ خشک زمینوں کا ایک وسیع رقبہ نہروں کے ذریعہ قابل کاشت بنایا جائے۔

یہ مشہور بند شہر سرنگاپٹم سے نو میل جانب مغرب ہے اور اس کا رقبہ تقریباً پچاس مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ بند ۱۲۴ قدم اونچا اور اس میں پانی کی مقدار اوپر کی نالیوں کی سطح سے ۴۴۸۲۶ ملین مکعب فیٹ ہے۔ اس میں ایک چوتھائی حصہ برقی روشنی کیلئے اور تین چوتھائی آبپاشی کے لئے رکھا جائے گا۔"

اس موقع پر اگر ہم ایک تاریخی سچے واقعہ کا ذکر کریں تو بیجا نہ ہوگا۔ جب اس بند کیلئے کھدائی کا کام ہو رہا تھا تو ایک قدیم کتبہ ملا جس میں ٹیپو سلطان کی یہ فارسی تحریر موجود ہے۔

کتبہ

یا فتاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ۲۰ ذی الحجہ سنہ بروز دو شنبہ علی الصباح قبل طلوع آفتاب اچھی لگن اور نیک ساعت میں اللہ کے فضل اور اس کے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں زمین و زماں کے خلیفہ سلطان جہاں حضرت ٹیپو ظل اللہ (خداوند تعالیٰ ان کی سلطنت اور خلافت کو برقرار رکھے) نے کاویری ندی پر دارالسلطنت کے قریب ”مہی“ نام کے پشتہ کی سنگ بنیاد رکھی۔ شروع کرنا ہمارا کام ہے اور تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جس مبارک ساعت میں بنیاد رکھی گئی۔ اس وقت سورج، چاند، زحل (۵ ہمرہ) اور برہسپت (مشتری) چاروں کا ایک ہی برج (۔۔۔) میں مبارک قیام تھا۔ اللہ کے فضل سے یہ پشتہ تا قیامت قائم و برقرار رہے۔

اس پشتہ کی تیاری میں جو اکھڑی ہوئی سرکاری رقم دادو نے خرچ کیے۔ وہ

صرف اللہ ہی کی راہ میں صرف کئے گئے ہیں۔ قدیم یا جدید کاشت کے علاوہ جو کوئی بھی اس تالاب سے آبپاشی کرے گا۔ وہ اس پیداوار پر رقم کا جو اور رعایا قانوناً سرکار میں جمع کرتی ہے۔ صرف ¾ حصہ سرکار خداداد کو دے۔ باقیماندہ ایک چوتھائی خدا کی راہ میں معاف ہے اور جو کوئی اس پشتہ (تالاب) سے نئی زمین میں کھیتی باڑی کرے گا تو وہ زمین اس کی اولاد اور وارثوں کے قبضہ میں نسلاً بعد نسلاً اس وقت رہے گی جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ اگر کوئی شخص اس میں رکاوٹ ڈالے یا اس کار خیر میں مداخلت کرے تو وہ کمینہ خصلت ملعون شیطان کی طرح صرف کسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام انسانی نسل کا دشمن سمجھا جائیگا۔"

کتبہ سید جعفر (ترجمۂ فارسی)

میسور گورنمنٹ نے اس کتبہ کو بند کے داخلہ کی جگہ پر ایک کمان باندھکر نمایاں طور پر لگایا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کئے اور کسانوں کو اجازت دی کہ جو شخص تالاب یا نہر کے پانی سے زمین میں نئی زراعت کریگا اس کو اوروں کی طرح زیادہ لگان دینے کے بجائے کم لگان دینا پڑیگا اور سینچی ہوئی زمین اس کی موروثی سمجھی جائے گی۔

اس بند کی تعمیر اور اس کتبے کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال گذرتا ہے کہ سلطان کس قدر عالی دماغ تھا اور اس زمانہ کے لوگ فن انجینیری میں کس قدر ماہر تھے۔ حکومت میسور نے جب دریائے کاویری پر بند باندھنا چاہا تو اس کے لئے میسور کے انجینیروں کے

علاوہ جرمنی، انگلستان اور امریکہ تک سے انجینئر طلب کیے جنہوں نے سالہا سال دریائے کاویری کا سروے (ملاحظہ) کیا اور آخر اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ بند موضع بلگولا کے قریب سرنگاپٹم سے دس میل جانب مغرب تعمیر کیا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ٹیپو کا انجینئری دماغ اور اس کی عالی دماغی ڈیڑھ سو سال پہلے اسی جگہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ یہ ایک حسنِ اتفاق تھا۔ بلکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس سلطان کا نام جس کو مغربی مورخین نے عمداً بدنام کر دیا ہے، دنیا میں پھر ایک بار روشن کرے۔ چنانچہ جب کھدائی ہوئی تو انجینئروں کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہاں ایک فارسی کتبہ زمین میں گڑھا ہوا ملا (اس کتبہ کی عبارت اوپر دی گئی ہے اور اس کا عکس بھی دیا گیا ہے) عبارت سے ظاہر ہے کہ سلطان کے دل میں رعایا پروری کا کس قدر صحیح جذبہ موجود تھا۔

کیا آج دنیا کی کوئی حکومت اس سے بڑھ کر رعایا پروری، فراخدلی اور فیاضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نوٹ: یہ بند جس کا آغاز سلطان نے کیا اور جس کی بنیاد بھی رکھ دی یا سلطنت کے سقوط کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اس کی روح ابھی بھی کام کر رہی ہے۔ بند کی تعمیر کا خیال حکومت میسور کو آیا اور وہی جگہ منتخب ہوئی جو سلطان نے کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ میسور کی موجودہ حکومت نے بھی اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا ہے اور اس کی تکمیل موجودہ مہاراجہ سری کرشنا راجہ وڈیر کے عہد حکومت میں ہوئی اور اسی لئے اس کو کرشنا راج ساگر کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو قرین انصاف تھا کہ اس محسن سلطان کے نام پر اس بند کا نام رکھا جاتا۔ اس بند کے دیوار کی اونچائی ۱۲۴ قدم اور پانی کی مقدار ۴۸۰۰۰ ملین کیوبک فٹ ہے۔ اس بند پر حکومت میسور نے ۹۵ لاکھ روپیہ خرچ کیے

کیا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو رہی ہے۔ بند کے نیچے جو باغات لگائے گئے ہیں۔ وہ یقیناً اس شعر کی یاد تازہ کرتے ہیں ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است — ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

زراعت کو تقویت دینے کے لئے سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل ہے

امرت محل

ایک زراعتی ملک کے لیے عمدہ قسم کے جفاکش مویشی کی جس قدر ضرورت ہے محتاجِ بیان نہیں میسور اور ہندوستان میں زراعت بیلوں کے ذریعہ ہوتی ہے سلطنت خداداد سے پیشتر جو مویشی ملک میں موجود تھے۔ وہ اس قدر چھوٹے اور کمزور تھے کہ زیادہ محنت کے قابل نہیں تھے اور اسی لحاظ سے گائے بھی بالکل چھوٹی ہوتی تھی جو بالکل کم دودھ دیتی تھی۔ اس لئے رعایا کو دودھ اور گھی کافی مقدار میں نہیں ملتا تھا۔ اس کے علاوہ فوجی نقطہ نظر سے بھی جو بیل میسور میں تھے۔ وہ باربرداری کے قابل نہیں تھے اور نہ گھوڑے ہی ملک میں پائے جاتے تھے۔ البتہ میسور کے جنگلات میں ہاتھی ملتے تھے۔

سلطنت خداداد کے حکمران نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا اس ملک پر ایک بڑا احسان ہے کہ انہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قائم کیا اور اس میں بیل، گائے گھوڑے، "خچر" اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا۔

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھتا ہے:۔

"امرت محل جس کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ خالص دودھ کی فراہمی کے لئے ہے۔ یہ محکمہ فوجی ضروریات کے لئے قائم ہوا۔ حیدر علی کا مقصد اس محکمہ کے قائم کرنے سے یہ تھا کہ فوجی باربرداری کے لئے عمدہ اور محنتی مویشی حاصل کئے جائیں۔ اس غرض کیلئے

ترچناپلی سے ایک خاص قسم کے نر بیل نسل کشی کے لئے لائے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بیلوں کی ایک خاص قسم جس کو میسور میں "ہلی کار" کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوتی جو اپنی جفاکشی اور اپنی محنت کے لئے نہایت ہی مشہور ہے۔"

سر مارک کبن لکھتا ہے :-

"یہی وہ محکمہ ہے جس نے حیدر علی کو کرناٹک کی جنگ میں صرف دو دن کے اندر ایک سو میل طے کر کے چدمبرم پر دھاوا کرنے میں مدد دی۔ یہی وہ بار برداری کے بیل ہیں جو ٹیپو سلطان کو جزیرہ نمائے جنوبی ہند کا ایک ماہ کے اندر چکر لگاتے تھے بدنور پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں ممد و معاون ہوئے اور یہی وہ جانور ہیں جن کی وجہ سے ٹیپو سلطان نے ۶۳ میل کا فاصلہ دو دن میں طے کر کے جنرل میڈوز کو شکست دی۔"

اسی محکمے کے بیل تھے جن سے انگریزوں نے بعد زوال سلطنت خداداد کام لے کر مرہٹوں کو شکست دی۔ ڈیوک آف ولنگٹن کو یورپ میں جبکہ وہ جنگوں میں مصروف تھا تو یہی حسرت رہی کہ :-

"سامان رسد اور توپوں کی جلد سے جلد نقل و حرکت کے لئے اس کے پاس محکمہ امرت محل کے مویشی نہیں ہیں۔"

سلطنت خداداد کا یہ وہ احسان ہے جس کے بارے میسور سر نہیں اٹھا سکتا۔ ان مویشیوں کو پالنے کیلئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں اور ان کا رکھ رکھاؤ نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا۔ زوال سلطنت کے بعد جب یہ محکمہ میسور کے راجہ کے تحت کر دیا گیا تو نسل کشی اور بیلوں کی قسم میں اس قدر انحطاط آ گیا کہ مجبوراً سرکار انگریزی کو یہ محکمہ اپنے تحت لینا پڑا۔

خچر:۔ میسور اور جنوبی ہند میں نامعلوم تھے۔ باربرداری کے لئے خچروں سے زیادہ مضبوط اور جفاکش جانور کوئی نہیں۔ خاص اس غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹیپو سلطان نے عرب سے نسل کشی کے لئے عمدہ گدھے منگواتے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"سلطان کی رعایا اس قسم کی نسل کشی کے خلاف تھی۔ اس لئے اس باب میں سلطان کچھ زیادہ کارروائی نہیں کر سکا"

نوٹ:۔ میسور کے مالدار لوگ بہ زیادہ تر سادات تھے مخالف ہو گئے کہ گھوڑے جیسی اعلیٰ اور گدھے جیسے ادنیٰ جانور کے ملاپ سے کیوں ایک اعلیٰ اور واسطہ النسل پیدا کی جاتی ہے)

گھوڑے:۔ کرنل ولش لکھتا ہے :۔

"کل ہندوستان میں جو گھوڑے استعمال ہوتے ہیں۔ وہ وہی بدنما ٹٹو ہیں۔ جن کی اونچائی بارہ ہاتھ سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ حیدر علی او ٹیپو سلطان نے گھوڑوں کی نسل عمدہ بنانے میں عمدہ کوشش کی۔ نسل کشی کے لئے عرب اور مختلف ملکوں سے عمدہ جانور منگوائے گئے۔

گھوڑوں کی پرورش کیلئے محکمہ امرت محل کے ماتحت مختلف مقامات پر چراگاہیں اور فارم قائم کئے گئے اور ان کا انتظام نہایت ہی اعلےٰ درجہ پر تھا۔ جو نسل کہ یہاں حاصل کی گئی تھی۔ وہ اس قدر جفاکش اور مضبوط تھی کہ سلطنت خداداد کی کیولری میں بھی یہی گھوڑے استعمال ہوتے تھے"

یہی کرنل لکھتا ہے :۔

"اس محکمہ کے ماتحت کولار میں جو نسل پیدا ہوتی۔ وہ اس قدر شریر اور تند و تیز

تھی کہ آج بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں جہاں کہیں شہر پر گھوڑا ہوتا ہے۔ اس کو کولاری کہا جاتا ہے۔"

ہاتھی:۔ رئیس لکھتا ہے:۔

"ہاتھیوں کی پرورش اور نسل کشی کے لیے مختلف مقامات میں چراگاہیں محفوظ تھیں۔"

(نوٹ:۔ اس وقت ریاست میسور میں جو محکمہ امرت محل ہے۔ اس میں صرف گائیوں کی پرورش اور نسل کشی ایک محدود پیمانہ پر ہوتی ہے کنگل میں گورنمنٹ کی جانب سے گھوڑوں کی نسل کشی کے لیے بھی چھوٹے پیمانہ پر ایک فارم ہے اور یہاں کے گھوڑے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔)

صنعت وحرفت

تجارت کا دار و مدار زراعت اور صنعت وحرفت پر ہے۔ جس قدر پیداوار زراعت سے ہوگی۔ کسان اسی نسبت سے فارغ البال ہوں گے بشرطیکہ حکومت مسلطہ انہیں بھاری بھاری ٹیکسوں میں نہ جکڑ دے سلطنتِ خداداد میں کاشتکاروں کو جو سہولتیں سلطان نے دی تھیں۔ ان کا بیان اصلاحاتِ سلطانی اور زراعت کے عنوانات کے تحت میں ہو گیا ہے۔ تجارت کے زیرِ عنوان یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ سلطان نے سترہ تجارتی کوٹھیاں اور بیس کارخانے کھولے تھے جن میں ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں میں جو چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ ان کا ذکر رئیس نے بھی کیا ہے اور سیّاح بچانن نے بھی۔

رئیس نے جن صنعتوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔

"۱۔ معدنیات:۔ سونا اور لوہا وغیرہ نکالا جاتا ہے۔ بہت سے مقامات پر سونا اس طرح دستیاب ہوتا تھا کہ سونے کی مٹی لے کر اس کو پانی میں چھان لیا جاتا ہے۔ سونا بوجہ بھاری ہونے کے تہ نشین ہو جاتا ہے۔ اس طرح سونا زیادہ تر علاقہ کولار اور دانتاڈ

میں ملتا تھا۔ (صفحہ ۴۲۵۔۴۲۴)

نوٹ: میری عمر کے تقریباً ۱۸ سال معدنہائے طلا میں گذرے ہیں۔ جن میں آخر کے چند سال نئے معدنوں کی دریافت میں بسر ہوتے۔ اس سلسلۂ ملازمت میں میں نے میسور، اننت پور، کڈپہ، کرنول، گدگ، اناوار وغیرہ کے جنگلوں میں قیام کیا ہے اور ذاتی تجربہ کی بنا پر رئیس اور ولکس کی تحریر پہ یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ سونا دو طرح سے نکالا جاتا تھا۔ ایک تو وہی طریقہ جو اوپر تحریر ہوا ہے اور دوسرا کان کنی کے ذریعہ۔ آج کل سونا نکالنے والی کمپنیوں کا دار و مدار بھی اسی پر ہے کہ پُرانے کان دریافت کریں اور وہاں کام جاری کریں۔ اننت پور میں جو معدنہائے طلا تھے۔ ان میں ناگ سمدرم ریلوے اسٹیشن سے دس میل مغربی جانب پر قدیم کانوں کا ایک سلسلہ آٹھ دس میل طول پر پھیلا ہوا ہے۔ کانوں کے اندر چونکہ ہوا پہنچانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ کان صرف کنوئیں کے نمونہ کے ہیں۔ گو ان کا طول و عرض پچیس تیس فیٹ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض دو ڈھائی سو فیٹ گہرے ہیں۔ نہیں معلوم کہ پانی کس طرح خارج کیا جاتا تھا۔ گنتکل سے بیس میل پر چند کانیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ہیں مگر زمین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین پر بھی سونا بکثرت تھا جو پتھر کاٹ کر نکالا جاتا تھا اور ہر ہر قدم پر کاٹنے کے نشانات ہیں۔ کرنول سے چالیس میل پر تانبے کی کانیں بھی اسی نمونہ کی ہیں۔ پتھر سے سونا نکالنے کے لئے ہر جگہ ان کانوں کے قریب پانی کے نزدیک پتھروں کے بڑے بڑے سل اور گولے موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پتھروں کو یہاں لاکر پیس لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے پتھر ضلع اننت پور میں دریائے پنار کے کنارے پانچ چھ مقامات پر ہیں۔ گدک وغیرہ میں بھی بہت سے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ گرم کنڈہ کے قریب ایک پہاڑ پر لوہے کے پگھلائے ہوئے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوہا نکال کر ڈھالا جاتا تھا۔ اننت پور کے بہت سے ایسے کانوں

کے قریب تالاب بھی ہیں جس کے پشتہ پر صرف سنہ ہجری لکھا ہوا ہے اور یہ سنہ حیدر علی و
ٹیپو سلطان کے زمانہ کا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہی کان کنی کا رواج ہوا ہے بلکہ
قدیم زمانہ سے (غالباً ہندو قوم جب اپنے عروج پر تھی) ہندوستان میں کان کنی جاری تھی اور عجب
نہیں کہ حیدر علی و سلطان کے زمانہ میں بھی ان کانوں پر کام کیا گیا ہو۔ محقق)

۲۔ مٹی کی مصنوعات:۔ علاوہ تمام گھریلو ضروریات کے جو ہر جگہ بنائی جاتی
تھیں۔ کارخانوں میں چینی کے برتن۔ کانچ کے صراحی اور چراغوں کے فانوس اور
آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔

۳۔ لکڑی کا کام:۔ میسور آج بھی اس کے لئے مشہور ہے چن پٹن وغیرہ
میں لکڑی کی بہترین اشیا اور کھلونے بنتے ہیں۔

۴۔ چرم سازی:۔ چمڑے کی دباغت کے علاوہ چمڑے سے ہر قسم کا سامان بنایا
جاتا تھا۔ ہری ہر میں مچی کا قوم سُرخ مراکو کا بہترین چمڑا تیار کرتی تھی۔

۵۔ تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات:۔ (علاوہ ان تیلوں کے جو گھریلو
زندگی کی ضروریات سے ہیں اور ہر جگہ کشید کئے جاتے تھے) صندل کا تیل بھی نکالا
جاتا تھا۔

۶۔ صندل:۔ صندل کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی تھیں۔ سرنگاپٹم کے علاوہ
ساگر (ضلع شیموگہ) اس کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ صندل کی لکڑی باہر کے ملکوں کو
بھیجی جاتی تھی اور اندرونِ ملک اگربتیاں اور دوسری خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں۔

۷۔ رسی اور قالین:۔ بنگلور اپنے قالینوں کے لئے مشہور تھا۔ رسیاں ملیبار

میں بنائی جاتی تھیں۔

۸- ہاتھی دانت کا کام :- یہ فن میسور میں مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ان سے پہلے میسور اس فن سے ناآشنا تھا۔ صندل یا شیشم کی لکڑی میں ہاتھی دانت سے منقش کام کیا جاتا ہے۔

۹- نمک بنانا :- نمک بھی ٹانک کے اندر بنایا جاتا تھا۔

۱۰- زرہ :- سونے کی تار نکالنا۔

۱۱- کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا :- یہ وہ معمولی سنہری کاغذ نہیں جو بنگلور میں فروخت ہوتا ہے۔ یہ خاص طور پر بنایا ہوتا تھا اور اکثر تبرکات وغیرہ میں تزئین و آرائش کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور برسوں تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اس قسم کا کاغذ دریا دولت باغ پر چڑھا ہوا ہے۔ یہ صنعت اب بالکل معدوم ہو گئی ہے۔ ٹیپو سلطان کی کتاب میں اس کے بنانے کا طریقہ لکھا ہے۔

۱۲- اُون :- اُون کی مصنوعات جیسے کمبل، شال وغیرہ

۱۳- فنونِ لطیفہ :- نقاشی و مصوری (سلطان خود ایک بڑا آرٹسٹ تھا)

۱۴- ریشم :- ریشم کی کاشت اور اس کی مصنوعات

۱۵- روئی کی مصنوعات :- کپڑے بنانا۔

ٹیپو نے جن مصنوعات کا ذکر کیا ہے ان کے متعلق اس نے کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ اس لئے ذیل میں مختلف کتابوں سے معلوم کر کے بعض مصنوعات کے متعلق تشریحی بیان دیا جاتا ہے۔

(۱) مٹی کی مصنوعات میں ٹیپو نے شیشہ سازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کی تحریر سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فن پورے عروج پر تھا۔ اور مختلف قسم اور قد و قامت کے شیشے بنائے جاتے تھے۔ بیجا پور کی مراد شیشوں سے آئینوں کی ہے اور اگر اس تحریر کے ساتھ ان انگریزی افسروں کی تحریر بھی ملا کر دیکھی جائے، جو سلطانی محل کی رٹ میں شامل تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں دوربینیں بھی تیار ہوتی تھیں۔

ریشم اور روئی کی مصنوعات:۔ یوں تو سلطنت کے طول و عرض میں ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے لیکن سرنگاپٹم اور بنگلور خاص طور پر اپنی بعض مصنوعات کے لحاظ سے نہایت مشہور تھے۔ سرنگاپٹم کے کارخانوں میں ریشمی کپڑا، پھولدار چھینٹ اور بہترین قسم کی ململ تیار ہوتی تھی۔

(نوٹ):۔ ململ کے بہت سے نمونے میسور کے مہاراجہ صاحب کے محل میں موجود ہیں۔ ابھی حال میں یعنی سنہ ۱۹۳۳ء میں دسہرہ کی نمائش میں انہیں رکھا گیا تھا۔

بنگلور میں ریشمی کپڑا، قالین، گوٹا، کناری اور لنگی بنائی جاتی تھی۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:۔

"پٹوانگڑ اور کھتری قوم کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا مضبوط ریشمی کپڑا تیار کرتے تھے ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے تھے۔ جو لوگ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ وہ ان جولاہوں کو نصف قیمت پہلے ہی بطور ایڈوانس دے رکھتے تھے اور جب مانگ نہ ہوتی تھی تو جولاہے ان سوداگروں سے روپیہ قرض لیا کرتے تھے۔ جو بعد میں مال کی قیمت میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح کپڑا بنانے والے جولاہے بھی ایڈوانس حاصل کرتے تھے۔ ڈنگار قوم کے لوگ ایک قسم کا سفید کپڑا بناتے تھے۔ جن کے کنارے سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کپڑے کی ساڑیاں بنتی تھیں، جو غریب طبقہ میں بہت مستعمل تھیں۔"

سیاح بچانن جو زوال سلطنت کے ایک سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :-

" بنگلور کے جولاہے اپنے فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ انہیں اگر امداد دی جائے تو یہ بہترین قسم کے کپڑے تیار کریں گے۔ زوال سلطنت کے باعث یہ لوگ سخت مشکلات میں گھر گئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ جس قدر کپڑا تیار کرتے تھے سرنگاپٹم میں کھپ جاتا تھا۔ اب امید نہیں کہ انگریزی افسر جو اس ملک میں مقیم ہیں۔ اس قسم کا اور اسی قدر کپڑا استعمال کریں گے۔ جتنا کہ مسلمان امراء کرتے تھے۔ اگر حکومت ان کے لئے کوئی منڈی پیدا نہ کرے تو ان کی تباہی یقینی ہے "

نوٹ :- بچانن نے جو کچھ لکھا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سلطنت خداداد پر انقلاب آتے ہی نہ صرف جولاہے بلکہ تمام دوسرے کارخانے بھی تباہ ہو گئے۔ اور انکی جگہ یورپ کی مصنوعات نے لے لی (محمود) لوہے کی مصنوعات :- لوہا اور فولاد یوں تو عام ضروریات جیسے گاڑیوں کے پہئے اور ہل وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن اس کی زیادہ تر کھپت سلطانی کارخانوں میں تھی۔ جہاں جنگی اسلحہ جیسے سنگینیں، تلوار، بندوق، توپ گولے اور گولیاں وغیرہ بنتی تھیں۔ اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگاپٹم میں تھا۔ بنگلور، نگر اور گرم کنڈہ میں بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے۔

کیپٹن لٹل اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

" بنگلور پر جب ہماری فوج نے قبضہ کیا تو قلعہ میں ایک عجیب و غریب مشین نظر آئی۔ جو پانی کے ذریعے چلتی تھی۔ اس مشین سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا اور یہ سوراخ بالکل صحیح اور سیدھے ہوتے تھے "

میجر ڈکسن لکھتا ہے :-

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے کم درجہ پر نہیں تھیں۔ بلکہ مار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلہ پہ کام کرنے والی تھیں۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کے لئے سرنگاپٹم میں مشینیں ہیں وہ پانی سے چلائی جاتی تھیں۔"

مال غنیمت میں انگریزوں کو سرنگاپٹم میں جس قدر اسلحہ ملے ان کی تعداد ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۴ پہ لکھی ہے۔

"قریباً ایک ہزار توپیں پیتل اور لوہے کی سرنگاپٹم کے قلعہ میں پائی گئیں۔ پانچ لاکھ سے زیادہ گولے اور دوسری وضع کی گولیاں۔ بارہ ہزار گولے۔ ساٹھ ہزار بندوقیں لاکھوں تلواریں سنگینیں اور دوسرے ہتھیار ملے۔ ان میں ۱۵ توپیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ساخت کی تھیں۔ باقی جس قدر توپیں۔ بندوقیں اور اسلحہ تھے۔ وہ سب کے سب سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور صنعت کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجہ کی تھیں۔ ٹیپو کی جدید ایجاد یہ تھی کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ ڈالنے کے لئے اس نے پانی سے چلنے والی ایک مشین ایجاد کی تھی۔ جو بالکل سیدھا سوراخ ڈالتی تھی۔"

اسی مصنف نے مدور کے قلعے میں جو مال غنیمت انگریزوں کو ملا۔ اس کی تفصیل میجر آلن کی تحریر کے حوالے سے اس طرح دی ہے (نوٹ:۔ مدور کا قلعہ بنگلور سے قریباً پچاس میل جانب میسور کے راستے میں ہے۔ اور سرنگاپٹم سے قریب تیس میل جانب شمال ہے)

"اس قلعہ میں ۳۷۳ میدانی توپ۔ ۶ کوہستانی توپ، ۱۱ برنجی توپ، بالکل مکمل حالت میں موجود تھیں۔ ۴۶۲ میدانی توپ، ۱۲ کوہستانی توپ اور ۷ برنجی توپ

نامکمل حالت میں تھیں۔ جو توپیں مکمل تھیں۔ ان میں سے ۲۸۷ توپیں فصیل قلعہ پر چڑھی ہوئی تھیں۔ ان کے علاوہ قلعہ کے اندر ۴ لاکھ چوبیس ہزار گولیاں۔ پانچ لاکھ بیس ہزار پاؤنڈ بارود۔ ۹۹ ہزار بندوقیں جن میں تیس ہزار فرنچ ساخت ۷ ہزار انگریزی ساخت اور باقی باسٹھ ہزار سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اس مقام پر پانچ اسلحہ سازی کے کارخانے اور ۱۷ عمارتیں تلوار اور دوسری جنگی ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۴۲)

مذکورہ بالا تحریر سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صرف سرنگاپٹم اور مذکورہ قلعوں میں اسقدر اسلحہ ملے جو تمام کے سلطانی کارخانوں کے بنے ہوئے تھے۔ تو سلطنتِ خداداد میں جسکی وسعت اسی ہزار میل تھی۔ اور سینکڑوں قلعے تھے ان میں کسقدر اسلحہ ہونگے۔ ان اسلحہ کا اندازہ کرتے ہوئے خیال کیا جاسکتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں کسقدر کام ہوتا ہوگا۔ اور کس قدر لوگ یہاں کام کرتے ہونگے اور ملک کس قدر خوشحال رہا ہوگا۔

سلطانی کارخانوں میں جو اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ ان پر مقام اور مہتمم کارخانہ یا اسلحہ ساز کا نام لکھا جاتا تھا سلطان اپنے خاص اسلحہ پر "اسد اللہ الغالب" کندہ کراتا تھا۔ بنگلور کے عجائب خانہ اور بہت سے مقامات پر ابھی تک بہت سے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں۔ میسور میں ایک توپ ہے۔ جس پر اس طرح کا نشان کندہ ہے۔

محمد الیاس

نوٹ:۔ اس قسم کا نشان اور بہت سے ہتھیاروں پر بھی پایا جاتا ہے۔

اقتباس از سفر نامۂ بچانن

(بچانن کا پورا نام ڈاکٹر فرانسس بچانن ہے۔ یہ شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں سرجن کے عہدہ پر مامور تھا۔ زوالِ سلطنتِ خداداد کے چند ماہ بعد لارڈ ولزلی نے اسکو سلطنتِ خداداد کا زرعی صنعتی اور اقتصادی سروے کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ بچانن اوائل ۱۸۰۰ء میں سلطنت خداداد میں آیا۔ اور کامل دو سال تک سیاحت کی۔ اس حساب سے بچانن سلطنتِ خداداد کے زوال کے ٹھیک ایک سال بعد اس ملک میں آیا تھا)

تاکل میں زمین سے نمک نکالا جاتا ہے۔ یہ نمک ایک سلطانی فنم (فنم ایک چاندی کا سکہ تھا جس کی قیمت ۴ آنہ کے برابر تھی) کے عوض بیس سیر ملتا ہے۔ مدراس کا سمندری نمک اسی قیمت پر آٹھ سیر ملتا ہے سلطان ہمیشہ دیسی نمک استعمال کرتا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ اس کے باورچی خانہ میں سوائے سلطنت کے اندر نکلے ہوئے نمک کے کوئی دوسرا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہی ہدایت اس نے اپنی رعایا اور افسروں کو بھی دی تھی۔ یہ حکم اس لئے نافذ کیا گیا تھا کہ مدراس سے آئے ہوئے نمک کا منافع غیر ملکیوں یعنے ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا۔

مالور میں بکریوں کی اون سے کمبل بنائے جاتے ہیں۔

کارگوڑی میں چونا نکالا جاتا ہے۔ جس کا رنگ بالکل سفید ہے۔

مادور میں عمدہ قسم کا گڑ بنایا جاتا ہے۔

سرنگاپٹم اپنی مختلف مصنوعات کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر فوج سے متعلقہ سامان بنایا جاتا ہے۔ گنجام میں بے شمار جولاہے موجود ہیں۔ یہاں کی تمام تجارت کا انحصار شاہی محل پر ہے۔ جہاں اناج کپڑا اور تعیش کا سامان

مہیا کیا جاتا ہے۔ سلطانی حکم سے ان تمام تاجروں کو نقد قیمت ملتی تھی سلطان کے حکم سے یہاں قسم قسم کے کپڑے، کاغذ، گھڑیاں اور چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے اور ان کے بنانے کے طریقے بالکل راز میں ہیں۔ سر جان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کر دیں سلطان نے ایک گھڑی سر جان شور کو اور دوسری لارڈ ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھی (نوٹ:۔ افسوس ہے کہ آج باوجود ان بلند بانگ دعووں کے کل ہندوستان میں گھڑی بنانے کا کوئی کارخانہ موجود نہیں۔ تمام گھڑیاں یورپ و امریکہ سے بن کر آتی ہیں۔ محمود)

پتھر کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ سنگ ساز چالیس سے پچاس قسم تک روغن پیدا کرتے ہیں۔

چین پٹن میں شیشہ سازی کا عمدہ کام ہوتا ہے۔ اسی شہر میں فولاد کی باریک تار بنائی جاتی ہے۔ جو سازوں میں کام آتی ہے۔ اس کی مانگ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بھی ہے۔ ایک تولہ تار کی قیمت ایک سلطانی فنم ہے (آج بھی یہ تار یہاں بنائی جاتی ہے۔ یورپ اور امریکہ کو جاتی ہے۔ اور ابھی تک اس سے بہتر تار ایجاد نہیں ہوئی) اسی شہر میں نہایت اعلیٰ قسم کی سفید شکر بھی بنتی ہے اسکے بنانے کا طریقہ صیغۂ راز میں ہے سلطان نے اس خاندان کو جو شکر بناتا ہے ایک گاؤں بطور جاگیر دے رکھا ہے۔ ایک من شکر کے عوض میں ۲۰ سلطانی فنم لئے جاتے تھے۔

لوہے کا کام ملک میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ اخیر زمانے میں توپیں بھی نہایت عمدہ ڈھلنے لگی تھیں۔ اور ان میں سوراخ بھی درست ہوتا تھا اور یہ ہر حیثیت سے

یوروپی ساخت کی توپوں کی برابری کرتی تھیں۔
بنگلور میں ہر قسم کے سکے رائج ہیں لیکن حساب پگوڈا اور فنم میں رکھا جاتا ہے۔
سکوں کے تبادلہ کا نرخ ہر مہینے سلطانی حکم سے مقرر ہوتا تھا۔

ملک کے پٹو بگیہ اور کھتری ذات کے لوگ ریشم سے نہایت عمدہ اور قیمتی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے ہیں۔ اکثر تاجران لوگوں کو مال تیار کرنے کیلئے پیشگی رقم دے دیتے ہیں۔ اسی طرح کا سلوک سوتی کپڑا بنانے والوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ جلاہوں کی حالت ملک میں بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چند ملازم بھی رکھتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ اس پر محصول بہت کم لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس صنعت میں اپنا روپیہ لگا رہے ہیں۔ تو سلطان کے حکم سے محصول معاف کر دیا جاتا ہے۔

چک بالاپور میں مصری تیار ہوتی ہے۔ یہ مصری ملک چین کی مصری اور شکر کے ہم پلہ ہے۔ سلطان نے سرنگا پٹم میں بھی مصری تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بنانے کا طریقہ راز میں رکھا گیا ہے۔ سرنگا پٹم میں چین کی بنی ہوئی مصری سستی قیمتوں پر آکر فروخت ہوتی تھی۔ سلطانی حکم سے جب مصری سرنگا پٹم اور چک بالاپور میں تیار ہونی شروع ہوئی تو باہر کی مصری کا منگوانا ممنوع قرار دیا گیا اس کی وجہ سے اس صنعت کو یہاں بہت ترقی ہوئی۔ معمولی مصری ملک میں ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔

مادھوگری، چین رائے درگ، باگل واڑی اور دیورائے درگ

اپنی لوہے کی صنعتوں کے لیے مشہور ہیں۔ یہاں لوہا پتھر سے نکالا جاتا ہے۔ یہ لوہا
اس لوہے سے بہتر مانا جاتا ہے۔ جو مٹی سے نکلتا ہے۔ انہی مقامات میں لوہے سے
فولاد بھی بناتے ہیں۔ اس فولاد سے معماروں کے اوزار، تلوار اور ستار کی تار بنائی
جاتی ہے۔

منتھدڑ میں ایک قسم کا شیشہ تیار کیا جاتا ہے جس سے مختلف رنگوں کی چوڑیاں
تیار ہوتی ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ٹیپو ایک حکمران ہونے کے علاوہ ایک بڑا تاجر بھی ہے۔ اس
خاص مقصد کیلئے اس نے اپنے محل کو ہر قسم کی اشیاء تجارت سے بھر رکھا ہے۔"

(ماڈرن میسور صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۹)

صنعت و حرفت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رئیس اور ریچانن کی تحریروں
سے لیکر لکھا گیا ہے۔ فارسی اور اردو تاریخوں میں صنعت و حرفت کے متعلق کوئی ذکر نہیں
اگر یورپین مورخ اس کے متعلق کچھ نہ لکھتے تو آج دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ سلطنت خداداد
نے صنعت و حرفت میں کس قدر ترقی کی تھی۔

آہ! آج میسور اور ہندستان کس قدر تباہ ہوگئے ہیں۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ
زندگی کی ہر ایک ضرورت بلکہ سوئی تک کیلئے ہندوستان یورپ کا محتاج بن گیا ہے۔
خدا کا شکر ہے کہ میسور گورنمنٹ نے اب کوئی دس پندرہ سال سے ملک کی زراعت
صنعت و حرفت پر توجہ کی ہے اور قسم قسم کی چیزیں پھر ملک میں بنائی جا رہی ہیں
جن میں صندل اور لکڑی کی مصنوعات، صابن سازی، ریشم اور لوہے کی مصنوعات کو ایک
خاص امتیاز حاصل ہو رہا ہے۔ ابھی حال میں مٹی اور کانچ کی مصنوعات، کاغذ، شکر اور سیمنٹ

بنانے کے کارخانے بھی جاری ہوئے ہیں - اور اس لحاظ سے آج ریاست میسور کو ہندوستان بھر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے جس طرح ڈیڑھ صدی پہلے سلطان کے زمانے میں اس کو حاصل تھا۔

معلوم نہیں مصنف حملات حیدری کو یہ روایت کہاں سے ملی - اور مزید تعجب ہے کہ انھوں نے اس کو بغیر تحقیق کیے کتاب میں درج کیا کہ نواب حیدر علی کے سکہ پر ایک جانب

ثانی سلطان سکندر حیدر آخر زماں

اور دوسری جانب:-

ناصر دین محمد قاتل کل کافراں

ثبت تھا

نوٹ:- معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو بدنام کرنے کیلئے یہ شعر کسی متعصب مورخ کا بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ جب حیدر علی کی تاریخ جو اشہری صاحب نے لکھی ہے اس میں انھوں نے بغیر تحقیق کے بھی مندرجہ بالا شعر لکھ دیا ہے ورنہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے جس قدر سکے ہیں وہ [illegible] عجائب خانوں میں رکھے ہوئے ہیں اور [illegible] لوگوں کے پاس بھی محفوظ ہیں ہم نے ان تمام سکوں کو دیکھا ہے۔ ان میں کسی پر یہ شعر نہیں۔ کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے ورنہ انگریز مورخ ضرور اس کو شہرت دیتے۔

[illegible]

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سلطانی ۱ روپیہ (جعفری)	ٹیپو سلطان	محمد ۱۲۲۶ سنہ ضرب پٹن	جعفری سنہ ۱۲ جلوس
" ½ " (کاظمی)	"	"	الکاظمی
" ¼ آنہ (خضری)	"	ضرب دارالسلطنت	خضری سنہ ۱۲ جلوس

(ٹیپو سلطان کی جدت طبع نے تمام سکوں کو نام دے دیا تھا)

سلطنت خداداد کے جس قدر سکے کیپٹن ٹیل کو دستیاب ہوتے تھے۔ ان تمام کا عکس اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ وہی عکس (دو عدد پلیٹوں کے ذریعہ) اس کتاب میں بھی دیا گیا ہے۔ ہر سکے کے ساتھ نمبر دیا گیا ہے اور اس کی تشریح ذیل میں کر دی گئی ہے۔

پلیٹ نمبر ۱

۱۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل سوم بہاری سنہ ۳ جلوس

۲۔ سلطانی اشرفی۔ سونا

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل۔ تاریخ جلوس سال سخ سیم بہاری ۹ سنہ جلوس

(اس سکہ کا نام احمدی تھا)

۳۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی } عبارت وہی ہے جو اشرفی پر ثبت ہے۔
۴۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی }

۵۔ سلطانی نصف روپیہ۔ چاندی

ایک جانب - دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است . ضرب پٹن سال سراب سنہ ۱۲۱۴

دوسری جانب - ہو السلطان الوحید العادل - تاریخ جلوس سال رتخ سویم بہاری ۹ سنہ جلوسی

۶- سلطانی پگوڈا - سونا (ضرب سرنگا پٹم)

ایک جانب - ہو السلطان العادل محمد سنہ ۱۲۰۱

دوسری جانب - پٹن ج

(نوٹ: - ج کو رج لگایا گیا ہے - مراد جیت سے ہے اور پٹن سے مراد سرنگا پٹم ہے)

۷- سلطانی پگوڈا - سونا (ضرب حیدر نگر)

ایک جانب - ہو السلطان العادل محمد سنہ ۱۲۰۱

دوسری جانب - نگر ج

۸- سلطانی پگوڈا - سونا (دار الضرب کا نام ع ا ہے معلوم نہیں ج اس سے مراد کونسا شہر ہے - غالباً جمال آباد (کنافور) ہوگا -

عبارت وہی ہے جو نمبر (۶) اور (۷) کی ہے

۹- سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب سرنگا پٹم)

ایک جانب - ضرب پٹن

دوسری جانب - ہاتھی (نوٹ: - سال و سنہ نہیں ہے -)

۱۰- سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب بنگلور)

ایک جانب - ضرب بنگلور

دوسری جانب - ہاتھی (نوٹ: - ہاتھی کی دم پر سنہ ضرب ۱۲۱۱ درج ہے)

۱۱- سلطانی آدھا پیسہ - تانبہ - ایک جانب شیر - دوسری جانب نر -

وصفِ ایں قصر را شنید مگر　　زاں فریدوں بخوابِ غفلت شد

جستمش از حسابِ زر تاریخ　　گفت ہاتف کہ بیتِ عشرت شد

چوں شد ایں قصر تازہ نقش تمام　　صورتِ چینی خجل ز غیرت شد

جستم از خضرِ عقل تاریخش

گفت لاریب رشکِ جنت شد

(یہ کتبہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے)

ان تعمیرات کے علاوہ مختلف قلعہ داروں نے بھی اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں اور قلعے تعمیر کئے تھے جن میں مثال کے طور پر قلعہ کپل کا تذکرہ تاریخ سلطنت بیجاپور سے اقتباس لیکر کیا جاتا ہے۔

قلعہ کپل

علاقہ حیدرآباد کپل میں جو اس وقت نواب سالار جنگ کی جاگیر ہے۔ پہاڑ پر نواب حیدر علی کے زمانہ کا ایک قلعہ ہے قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ اس قلعہ کے تین دروازے ہیں۔ جن میں ایک ٹیپو سلطان کے نام پر سلطانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے

اللہ　　بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔

مالک ایں قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از وطالع شدہ آثار کل عمارت تیار کردہ فدوی قلعہ دار محمد خان بہلمی نہادہ اسم در سلطان باب۔

سنہ ۱۱۹۵ ہجری

دوسرے ایک دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

اَللّٰہُ کَافِی

حَمْداً کَثِیْراً دروازہ مکہ بالقاب معظمہ مزین شدہ

سنہ ۱۱۹۳ھ

بندۂ نیاز نشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی و ثناء بہ حسب آب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنی نواب حیدر علی خان بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنتہ و عظمتہ بنائے طیاری قلعہ کیپل دست داد۔ جا بجا نیز بپایہ بہج فرنگ و کارٹانک و نہر و خندق وغیرہ ترتیب یافت۔

یازدہم ذی قعدہ ۱۱۹۰ھ ہجری

(قلعہ کے پاس "چاند گنڈ" پر یہ کتبہ ہے)۔

دریں ایام عمل نواب بہادر	عمارت ساخت در کپیل نوادر
نوادر کار شد او یافت نومی	قلعہ دار از محمد خاں بہلمی
تخستیں ز آب قلت یافت عالم	بہائم طیر جملہ نسل آدم
ز دریا فیض بکشا نید او شاں	قلعہ کیپچی دمٹی را جتے داں
نہادند نام او را چاند کٹہ	بنزد است بر سر او جوگی بنڈہ
بعقلش آنکہ شد از اطراف تیلاب	میان جل پڑے بہ آب سیلاب
بماند یادگارے تا قیامت	نمونہ قریہ کپیل را سلامت
مرتب شد دریں رجب مہ نو	سنہ ہجری یکہزار صد و پنجاہ نو

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار وغیرہ

حلیہ میجر ایلن کی تحریر جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس میں سلطان کا حلیہ لکھا جا چکا ہے صاحبِ نشانِ حیدری اسکی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سلطان گندمی رنگ کا تھا۔ اس کی ناک خمدار، آنکھیں پُر آب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرہ کے خط و خال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ سلطان داڑھی منڈھایا کرتا تھا۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فیٹ اور آٹھ انچ تھا۔"

لباس سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتا تھا۔ اور اپنی دستار پر اور ٹھوڑی کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتا تھا۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے اس کو نفرت تھی۔

طرزِ گفتگو و زبان سلطان کا طرزِ گفتگو بالکل ملائم اور شیریں تھا۔ سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر رہتے کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو کنٹری اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا صاحب حملاتِ حیدری لکھتے ہیں؛

وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدرِ ضرورت بہرہ ور تھا۔ گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا

محتاط ایسا کہ کسی امر میں بمصداق خیر الامور اوساطہا کے اعتدال سے قدم باہر نہ رکھتا ایسی مزاح و بذل کا جس سے اسلام کی کسر شان پائی جائے۔ کیا امکان کہ اس پیرو شریعت کی مجلس میں مذکور ہو۔"

غیرت و حمیت تمام عمر سلطان نے خود کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہو کر مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ اور لارڈ کارنوالس کو ایک بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے تو اس دن سے یکبر شہادت کے دن تک سلطان کبھی چارپائی پر نہیں سویا۔ زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیا جائیگا۔ چارپائی پر سونا اس کے لئے حرام رہیگا۔ وہ تضحیک و تمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور کسی کو اس کے آگے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سادگی مسلمانوں کے اختلال کو دیکھتے ہوئے سلطان معلوم کر چکا تھا۔ کہ جب تک مسلمان عجم و ہند کے خصائص جو ان میں سرایت کر گئے ہیں۔ نہ چھوڑیں گے اور جبتک زمانۂ خیر القرون کی سادہ زندگی اختیار نہ کریں گے۔ وہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے اس لئے اس نے تمام تکلفات کو برطرف کر دیا تھا نشست و برخاست آداب و سلام اور تحریر و تقریر میں جو سادگی اس نے اختیار کی۔ وہ آپ اپنا نمونہ ہے۔ اس سے پہلے یعنی مغلیہ حکومت کے زمانے سے آداب و سلام کے طریقوں میں کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمین بوس ہو کر سلام کیا جاتا تھا۔ اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا تو ایک معمولی بات تھی۔ یہاں تک کہ مساجد میں بھی امیروں کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی تھی مسجدوں میں انسانوں کی تعظیم و تکریم روکنے کیلئے خود سلطان مسجد میں

علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہو جاتا تھا۔

روزانہ مشاغل

سلطان علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید کرتا جس کے بعد آدھا گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائنہ فرماتا۔ اور سیر کے لیے جاتا۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتا۔ اور اس وقت سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے تھے۔ غذا میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتا۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائنہ کیا جاتا تھا محل کو واپسی کے بعد باہر کے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائی جاتیں اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور شعراء کا تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی جس کے بعد سلطان نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ غذا صرف دو وقت تھی۔

سلطان کی روزانہ مصروفیت کے متعلق ٹیپو رگنڈیٹر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ پر لکھتا ہے:

"ٹیپو میں ایک سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام لینے کے سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ اور روزانہ اس قدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا کہ دیکھ کر اس کی جفاکشی اور اس کے دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے۔"

چونکہ اوپر کی تحریر میں سلطان کی خط و کتابت کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں سلطان کے ان چند مکاتیب کی نقل دی جاتی ہے جو روزانہ وہ اپنے افسروں، ایجنٹوں اور دوسروں کو لکھتا تھا۔ ان مکاتیب سے اس کی حیرتناک قابلیت اور عالی دماغی کا پتہ چلتا ہے اور کسی قدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کیسی عظیم المرتبت تھی۔

سلطنت کا روزمرہ انتظام

مکاتیبِ سلطانی

"ان مکاتیب کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ" ان کے ذریعہ سلطنت کے روزمرہ انتظام اور سلطان کی مصروفیت کا پتہ چلتا ہے۔" میسور گزیٹیر کا مصنف لکھتا ہے کہ ٹیپو میں ایک بڑا وصف تھا کہ وہ ہمیشہ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور جس قدر روزانہ خط و کتابت ضروری ہوتی تھی۔ اس کا انجام اسی دن ہوتا تھا۔"

نوٹ:۔ ان خطوط پر سنہ ہجری اور سلطان کا ایجاد کردہ سنہ بہاری لکھا ہوا تھا لیکن سہولت کے لئے انہیں سنہ عیسوی میں منتقل کیا گیا ہے۔ *

(۱) خط بنام شیخ احمد۔ مورخہ ۲۸ جون ۱۷۸۵ء

تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری مرضی کے مطابق تمہیں امورِ تجارت کی ذمہ داری دی جائے گی۔ تمہارے کارخانے کیلئے ایک مناسب جگہ کیساتھ پیشگی رقم بھی دیجائیگی۔ کہ تمہیں اپنے کاروبار میں سہولت حاصل ہو۔ جو کچھ منافع حاصل ہو دو سال تک وہ خاص تمہارا حصہ ہوگا۔ اس عرصہ میں تمہارے مالِ تجارت پر بھی کوئی محصول نہیں لیا جائیگا اس لئے فوراً حضوری میں چلے آؤ۔

(۲) خط بنام نور محمد خاں۔ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۷۸۵ء

سنا گیا کہ تم نے راؤ رستہ کی طلبی پر بھی دفتر میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ اس کا سبب ایک مسلمان عورت کو بتایا جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر اس عورت کو چھوڑ دیا جائے تو تم حاضر ہوگے۔ یہ بیان سن کر نہایت تعجب اور حیرت ہوئی۔ ملکی لوگوں میں ہمیشہ اسی طرح کے خانگی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے سرکاری کاموں کو نظرانداز

* یہ خطوط ماڈرن میسور سے لئے گئے ہیں۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے ان میں سے بعض خطوط میں اپنی جانب سے تشریح کی ہے یا کچھ حصہ چھوڑ دیا ہے۔ (محمود)

کرتے ہوئے راؤ رستہ کے پاس حاضر نہ ہونے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی ؟

آئندہ کے لئے تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ خانگی معاملات میں دخل مت دو۔ اور بحیثیت سرکاری ملازم کے صرف سرکاری معاملات ہی سے تعلق رکھو۔

(۳) خط بنام محی الدین علی خاں۔ مورخہ ۱۳ر اگست ۱۷۸۵ء

تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر میں گذارتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ تمہیں ایک مناسب وقت دفتر میں گذار کے وہاں امور سرکاری کی طرف توجہ دینی چاہیے کسی شخص کو بھی سرکاری کام کے متعلق گھر پر آنے کی تکلیف نہیں دینا چاہیے۔

(۴) خط بنام سید محمد قلعدار سرنگاپٹم۔ مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۷۸۵ء

اطلاع ملی ہے کہ متصدی کرشنا راؤ کو دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ مذکور متصدی کو حکیم محمد بیگ کے پاس بھیجا جائے کہ ٹھیک علاج کرے۔ مذکور متصدی سے یہ بھی کہا جائے کہ زخم کو بند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ چھ ماہ تک کھلا رکھے کہ تمام مواد نکل جائے۔

(۵) خط بنام غلام حیدر۔ مورخہ ۱۲ر اکتوبر ۱۷۸۵ء

تم نے بعض اشیا کا بازاری نرخ مقرر کرنے کیلئے یہاں کے متصدیوں قیمتیں دریافت کی ہیں۔ بڑھاپے نے تمہارے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہاں کے متصدیوں کی بہ نسبت مقامی متصدی وہاں کے بازار کا نرخ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لئے ضروری اطلاعات وہیں کے متصدیوں سے حاصل کی جائیں۔

(۶) خط بنام امام مسقط ۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۷۸۵ء

ایک دیسی کشتی (دہو) جو رتن جی اور جیون داس تاجران مسقط کی ملکیت ہے طوفان کی وجہ سے شکستہ ہوکر ہمارے بندرگاہ بھٹکل میں آگئی ہے۔ اگرچہ ملکی قانون کے مطابق انجگہ کے حاکم کو یہ اختیار ہے کہ اس پر قبضہ کرلے لیکن سرکار خداداد اور سرکار مسقط میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے اور چونکہ یہ تاجر آپ کی رعایا ہیں۔ اس لئے اس کشتی اور تمام مال کو ان تاجروں کے حوالے کرکے اس خط کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

(۷) خط بنام میر کاظم ۔ مورخہ ۲۵ ر نومبر ۱۷۸۵ء

بعد صیاغت یہ معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ دراز کے کسی حصہ میں زعفران پیدا ہوتا ہے۔ وہاں کے دو مقامی باشندوں کو سرکاری ملازمت میں لیکر ان کو یہاں روانہ کردیا جائے اور ان کے ساتھ دو من بیج بھی بھیجے جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ صندل اور کالی مرچ ابھی تمہارے پاس باقی ہے۔ اب اور زیادہ مال بھیجا جارہا ہے۔ ان اشیاء کو فوراً فروخت کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ یہ مشہور کردو کہ تمہیں حکم ملا ہے کہ مسقط میں انکی فروخت بند کرکے ان اشیاء کو جدہ بھیجدیا جائے۔ اگر یہ بات اچھی طرح مشہور ہوجائے تو ان چیزوں کی قیمت وہاں بڑھ جائیگی۔ اسوقت جب فی من پچیس ۲۵ یا تئیس ۲۳ پگوڈہ قیمت ہوجائے تو اس وقت فوراً ان اشیاء کو فروخت کردو۔

(۸) خط بنام ارمنی تجار مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۷۸۵ء

معلوم ہوا ہے کہ تم سامان تجارت لیکر انگریزی یا پرتگالی جہازوں میں آنے والے ہو اور اسکے لئے تم خاص اجازت چاہتے ہو۔ تمہارے ارادے اور خواہش کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ تم بندرگاہ منگلور یا کلی کٹ میں بالکل اطمینان سے اتر سکتے ہو لیکن یہ ضروری ہے

کہ جن چیزوں کی ہم کو خواہش ہے انہیں ایک مناسب قیمت پر سب سے پہلے ہمارے پاس فروخت کیا جائے اور باقی اشیا تم اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہو۔ تمہاری رہائش وغیرہ کے متعلق ارشد بیگ خاں فوجدار کلی کٹ اور غلام حیدر عامل منگلور کو پروانے بھیج دیئے گئے ہیں۔ تم جہاں چاہو اتر سکتے ہو۔

(۹) خط بنام ناظم اصطبل فیلاں مقام حیدر نگر ۷ فروری ۱۷۸۵ء

"تمہاری عرضی موصول ہوئی تم لکھتے ہو کہ تمہارے دفتر کے متصدی آرام طلب ہو گئے ہیں۔ اور ابھی تک نگر ہی میں اس لئے مقیم ہیں کہ تعلقدار سے بعض معلومات حاصل کرنی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پندرہ دن کے عرصہ میں سوائے نگر کے حسابات کے دوسرے مقامات کے حسابات ابھی تک تیار نہیں ہوئے۔ پہنت طلبی کیلئے تمہاری یہ عرضی نہایت تعجب خیز ہے جب کبھی تمہارے محکمہ کے متصدی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہ کریں۔ انہیں سخت سزا دی جائے۔

(۱۰) خط بنام محی الدین علی خاں مورخہ ۵ جنوری ۱۷۸۶ء

تم لکھتے ہو کہ کسی جگہ قلعی زمین میں دریافت ہوئی ہے۔ اور تم نے بذریعہ ڈاک اسکے سات ٹکڑے بطور نمونہ بھیجے ہیں اور دریافت کیا ہے کہ آیا یہ قلعی بیلوں پر لاد کر حضوری میں بھیجدی جائے یا حضوری سے کسی آدمی کو روانہ کیا جائیگا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ قلعی سدہوٹ کے قلعے میں جمع کیجائے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں زمین میں قلعی ہوتی ہے وہاں نیچے چاندی کی کان پائی جاتی ہے۔ اس لئے تم وہاں کی تھوڑی سی مٹی جمع کر کے رکھو یہاں سے ماہرین جمادات کو روانہ کیا جائیگا۔

(۱۱) خط بنام غلام علی خاں۔ مورخہ ۱ر جنوری ۱۷۸۶ء

حال ہی میں سرکار خداداد کے ملک میں کافور کا درخت دریافت ہوا ہے اس درخت کے تیل کی دو شیشیاں تمہیں بھیجی جاتی ہیں۔ تم اپنے پیروں پر اس کا استعمال کرو۔ اور قریباً ایک تولہ شوربہ کے ساتھ اندرونی طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر اس سے کچھ فائدہ پہونچے تو حضوری میں اطلاع دی جائے۔

(۱۲) خط بنام راجہ ملک پیگو (برما) مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۷۸۶ء

محمد قاسم اور محمد ابراہیم کے ذریعہ خدمت عالی میں دو گھوڑے اور ایک ہتھنی بطور خلعت بھیجی جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اس لئے بھیجا گیا ہے۔ کہ میسور اور پیگو کے سرکاروں میں باہمی فائدہ کیلئے تجارت کا سلسلہ قائم ہو۔ اس ملک سے جن چیزوں کی ضرورت ہو انہیں یہاں بھیجا جاسکتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ پیگو میں قیمتی لعل ملتے ہیں۔ اسلئے درخواست کیجاتی ہے کہ آپ اپنے وزراء کو حکم دیں کہ وہ لعل خریدنے میں ہمارے آدمیوں کی مدد کریں۔

(۱۳) خط بنام غلام علی۔ مورخہ یکم مارچ ۱۷۸۶ء

یہ ہماری خواہش ہے کہ بندرگاہ بصرہ حاصل کیا جائے۔ اسلئے یہ سنکر خوشی ہوئی۔ کہ تم بصرہ کے راستے سے قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔ وہاں پہونچکر تم بندرگاہ کی حالت کے متعلق اچھی طرح دریافت کرو۔ یہاں سے نجف پہونچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ اگر انکی مرضی ہو تو دریائے فرات سے ایک نہر نکالکر نجف تک لائی جائے گی اور اگر انکی خوشی ہے تو یہاں سے ضروری روپیہ اور لوگ اس نہر کے نکالنے کیلئے بھیجے جائیں گے۔

(۱۴) خط بنام بدرالزماں خاں مورخہ ۵ر مارچ ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ سو کے قریب لوگ چیچک سے مرگئے ہیں ملک کا وہ

حصّہ جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔اس لئے انہیں کھلے میدان میں جہاں کی آب و ہوا انہیں راس آئے۔ رکھا جائے ۔

(۱۵) خط بنام فرانسیسی جنرل مانشیور لالی۔ مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۷۸۵ء

(یہ فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فرنچ فوج کا افسر اعلیٰ تھا)

شراب فروخت کرنے کیلئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دوکان کی اجازت نہ دی جائے۔اور یہ امتناعی حکم دیا جائے۔ کہ سوائے یورپین لوگوں کے دلیسیوں کے ہاتھ شراب ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ مکان پر سرکاری پہرہ رکھ دیا جائے۔اسلئے کہ سرکار خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جا سکتی ۔

(۱۶) خط بنام مانشیور کاسگنی۔ مورخہ ۲۹ر دسمبر ۱۷۸۶ء

یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہے جس میں آلہ مقیاس الحرارت کے متعلق معلومات درج ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں یہ تحریر ہے کہ اگر کسی بخار زدہ شخص پر اس کا استعمال کیا جائے تو بخار کا درجہ حرارت معلوم ہو جاتا ہے۔اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر کے حضوری میں پیش کیا جائے ۔

(۱۷) خط بنام تربیت علی خاں۔ مورخہ ۲ر دسمبر ۱۷۸۶ء

تم نے شکایت کی ہے کہ تمہیں خطوط کے فوری جواب سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔ اس "بڈھے آدمی" (یعنے تربیت علی خاں) کو دن بھر سوائے دو یا تین مرتبہ کھانے۔ آرام کر لے یا خوش گپیوں کے کچھ اور کام نہیں ہے مگر ہم صبح سے لیکر رات تک امورات ملکی میں منہمک رہتے ہیں اور جس وقت بھی فرصت ملتی ہے ۔ ہم تمہارے خطوط کے جواب دینے کی طرف فوراً متوجہ ہوتے ہیں ۔

(۱۸) خط بنام ارشد بیگ خاں مورخہ ۲ فروری ۱۷۸۵ء

تم کو چاہیئے کہ وہاں کے تاجروں اور باشندوں کو قطعی حکم دیدو کہ وہ انگریزی تاجروں سے کوئی مال نہ خریدیں اور نہ ہی اُن کے ہاتھ کوئی مال فروخت کریں۔ اگر اس طرح کیا گیا تو وہ لوگ کب تک اس ملک میں رہیں گے تا آنکہ مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

(۱۹) خط بنام راجہ رامچندر مورخہ ۱۰ اپریل ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی مناسب آدمی یہاں نہ ملنے سے تم اپنی بیٹی کی شادی پائیں گھاٹ میں کرنا چاہتے ہو۔ اسلئے برات کے پائیں گھاٹ سے آنے کیلئے پروانہ راہداری چاہتے ہو۔ پروانہ ملفوف ہے۔ جس شخص کے ساتھ تمہاری لڑکی کی شادی ہو۔ اس کو اپنے ہی پاس ٹھہرا رکھو۔ پائیں گھاٹ کو واپس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوشش کر کے یہاں ہی اپنی ذات برادری کا کوئی اور بر تلاش کر لو۔ ضرورت ہے کہ ملک میں آبادی بڑھائی جائے۔

علمی قابلیت

سلطان بہت ذی علم تھا۔ طب، تجارت، معاملات مذہبی و فوجی اور بے شمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتا تھا۔ اس کا ثبوت وہ مکاتیب دے رہے ہیں جو ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔

کرنل کرک پیاٹرک جیسے ذمہ بعد زوال سلطنت خداداد سلطان کا کتب خانہ تھا، اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے:-

"سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل متمیز تھی۔ اس قدر مختصر اور پر معنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی معنے نکلتے تھے۔ اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا

کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی۔ کہ یہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں تحکم پایا جاتا تھا۔"

آر۔ ایچ کیمبل لکھتا ہے:۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا۔ اور اس کے مضمون میں ایک خاص شان پائی جاتی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا اور نہ کسی سے سلام قبول کرتا تھا۔"

کتاب تحفۃ المجاہدین اور دوسرے کتب جیسے وقائع منازل احکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص سلطان کی تصنیف ہیں۔

سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ اپنے مہر لگا کر آغاز عبارت پر اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتا۔ اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کر دیتا تھا۔ تاکہ اس میں کوئی اور لفظ نہ بڑھا لیا جاسکے۔

نوٹ:۔ کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کے فارسی و اردو ادبیات اور ان میں جو احکام ہیں وہ کسی دوسری جگہ دیئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف کا نام

"میر زین العابدین شوستری دیا گیا ہے۔"

مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کے زیر نگرانی لکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کس قدر قادر الکلام شاعر اور نثار تھا۔ اور اس سے اسکی اعلیٰ جنگی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

دانوٹ:۔ میر زین العابدین حیدر آباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے منشی تھے۔ انکے متعلق کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ سازش میں شریک تھے لیکن حیدرآباد اور میر عالم کی کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے

تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے کس طرح انہیں اس قدر ذمہ دار عہدہ پر رکھا تھا۔ زین العابدین اور میر صادق کو عہدوں پر بحال رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا تھا اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی یہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔ محمود)

یہ اسی علمیت اور علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگا پٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس کا خاص کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا۔ تسخیر سرنگا پٹم کے بعد جو تاراج و غارت لوٹ ہوئی۔ اس کے بعد بھی مندرجہ ذیل نادر الوجود قلمی کتابیں یہاں موجود تھیں۔

قرآن مجید	تفسیریں	کتب وظائف	کتب احادیث	الٰہیات
۴۴ جلد	۴۱ جلد	۳۵ جلد	۴۲ جلد	۴۶ جلد
تصوف	علم اخلاق	فقہ	علوم وفنون (آرٹس)	فلسفہ
۵۶ جلد	۴۲ جلد	۹۵ جلد	۱۹ جلد	۵۴ جلد
نجوم	ریاضی	حکمت (طب)	تحقیق زبان	فرہنگ لغات
۲۰ جلد	۷ جلد	۶۲ جلد	۴۵ جلد	۲۹ جلد
نظم کی کتابیں	ہندی اردو دوسری نظم کی کتابیں۔	ہندی اور دکنی انشا	ترکی نثر	قصص حکایات
۱۹ جلد	۲۳ جلد	۴ جلد	۲ جلد	۱۸ جلد

یہ کتب خانہ سوائے چند کتب کے تمام کا تمام ولایت بھیج دیا گیا۔ چند کتب کلکتہ کو بھی بھیجی گئیں۔

سلطان کے متعلق میجر اسٹورٹ اور پروفیسر آر۔ ایس۔ گھوش لکھتے ہیں کہ:-

"کتب خانہ کی ترتیب و تہذیب کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا۔ سلطان کو تصنیف و تالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے۔ جو اس وقت بھی یوروپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کر چکتا تھا۔ اس پر مہر لگا دیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر مہریں ثبت تھیں۔"

۱۷۹۹ء میں جب سرنگا پٹم پر انگریزی تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ چھ سال تک کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اس کے بعد میجر اسٹورٹ نے عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کیمبرج چھپ کر شائع ہوئی۔

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں جو کتابیں سلطانی کتب خانہ کی ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے:۔

رسالہ بدکھاہ۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ رسالہ کچہری۔ ضابطۂ امثال۔ راہ رفتن بہ سواری۔ فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) وقائع منازل۔ روزنامہ وکلا حیدرآباد اتالیق شاہزادہ۔ مجموعہ سندات حکمنامہ۔ فرمان۔ فرامین۔

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری میں ہیں۔ جن میں میجر اسٹورٹ نے اپنی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:۔

نام کتاب	مصنف	تصنیف سنہ	مختصر کیفیت
تذکرۂ شعرائے ہندی	فتح علی حسینی	۱۱۶۵	بمقام دہلی۔ اس میں ایک سو شعرا کے حالات ہیں
علی نامہ	ملا نصرتی	۱۰۷۱	مصنف علی عادل شاہ بیجاپور کا درباری شاعر

نام کتاب	مصنف	تصنیف	مختصر کیفیت
			ہے یہ کتاب شاہنامہ فردوسی کے جواب میں شاہنامۂ دکن ہے۔
گلشن عشق ✓	ملا نصرتی	١٠٦٨	مجموعۂ غزلیات۔ کتاب مصور ہے۔ چار ہزار غزلیں ہیں تصویریں آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں ضخامت تین سو صفحات۔
کلیاتِ قطب شاہ ✓	محمد قلی قطب شاہ	١٠٩٨	قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ کا فارسی اور دکنی کلام۔ صفحات ١٦ سو
قصۂ رضوان شاہ روح افزا	فائز	بہرام و گل اندام	ایک ضخیم مثنوی ہے (فائز ایک دکھنی شاعر ہے) صفحات تین سو۔
قصۂ ماہ پیکر	"		قصہ
قصۂ بہرام و گل اندام	طبعی باشندہ گولکنڈہ	١٠٨١	مثنوی ١٣٠٤ ابیات ہیں۔ سو صفحات
پھول بن	ابن نشاطی ✓	١٠٧٦	ابن نشاطی عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف مضامین نظم و نثر ہیں۔ کتاب مصور ہے۔
طوطی نامہ	"	١٠٦٤	قصہ
قصۂ پدمات دکھنی	"	"	قصہ
قصۂ لعل و گوہر	عارف الدین خاں عاجز باشندہ دکن	١١٠٠	کتاب اردو زبان میں ہے اسکا ترجمہ سلطان شہید کے حکم سے فارسی میں میر حسین عزت نے ١١٩٣ھ میں کیا

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
دیوانِ یقین	انعام اللہ خاں یقین	۱۱۰۰	مشہور شاعر کا دیوان
بھوگ بل	مترجم شہاب الدین	۱۱۰۰	برید شاہ کی فارسی کوک شاستر کا دکھنی میں ترجمہ کتاب گولکنڈہ میں بعہد تانا شاہ لکھی گئی ہے صفحات ڈیڑھ سو
مفرح القلوب	مترجم حسین علی		حسین علی سلطان شہید کا درباری شاعر اور ملک الشعرا تھا۔ کتاب سلطان کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ اس نام کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ
قصہ رضوان شاہ	فائز	۱۰۹۴ھ	فائز ایک دکنی شاعر ہے۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے صفحات ۳۰۰
قصہ ماہ و پیکر	نامعلوم		
قصہ بہرام و گل اندام	مصنف امینی باشندہ گولکنڈہ	۱۸۰۱ھ	مثنوی ۱۳۴۰ ابیات ہیں۔ صفحات ۱۰۰
دیوان رفیع سودا	مرزا محمد رفیع سودا		مشہور دیوان
قصائد رفیع سودا	"		مرزا سودا کے قصائد
سری گنیش			اس نام کی سنسکرت کتاب کا اردو ترجمہ
سندر سنگھار ہندی			یہ بھی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے مختلف عنوانات پر نظم ہیں۔
وجودی ہندی	شاہ درویش گجراتی		تصوف کی تین کتابوں کا ترجمہ

روضۃ الشہداء	سید امتوطن گلبرگہ	اس کتاب کا ماخذ فارسی روضۃ الشہداء ہے
رسالہ ہندو راگ	"	قدیم دکھنی غزلیات کا مجموعہ
نشاط العشق شرح غوث شہید	مترجم	حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ۔ موضوع کتاب نہایت نادر نسخہ ہے۔
ترجمہ مفتاح الصلوٰۃ	مترجم فتح محمد برہانی	اس نام کی فارسی کتاب کا دکھنی میں ترجمہ
خلاصہ سلطانی	سید امام الدین و محمد صمد	سلطان شہید کے نام سے قدیم اردو نثر میں لکھی گئی۔
کلید زبان تلنگی	قاضی سرنگا پٹم	یہ تلنگی ٹیچر ہے۔

ان کے علاوہ ونڈسر کیسل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے۔ جو شہنشاہ اورنگ زیب کا تھا اور سلطان ٹیپو کے خزانہ میں دستیاب ہوا۔ یہ قرآن شریف نو ہزار روپیہ کا قیمتی کہا گیا ہے اور نہایت ہی نفیس خط نسخ میں لکھا ہوا عمدہ نقش و نگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کے لئے فتاوے مرتب کروائے تھے۔ سلطان کی علم دوستی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ جمیع الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس میں مذہب کی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

شوق ایجاد و اختراع علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ سلطان کو ایجاد و اختراع کا بھی شوق تھا۔ اس کا یہ شوق ملک کو فائدہ پہنچانے

کی غرض سے تھا سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے سنہ ہجری کا رواج چلا آتا تھا اور اس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اس لئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی جس کی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتث کے حساب پر رکھے۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی۔

مہینوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث
(۱) احمدی	(۱) احمدی
(۲) بہاری	(۲) بہاری
(۳) جعفری	(۳) تقی
(۴) داراتی	(۴) ثمری
(۵) ہاشمی	(۵) جعفری
(۶) واسعی	(۶) حیدری
(۷) زبرجدی	(۷) خسروی
(۸) حیدری	(۸) دینی
(۹) طلوعی	(۹) ذکری

نوٹ۔ بحساب ابجد ان ناموں کے حروف سے مہینوں کی ترتیب ظاہر ہوتی ہے

(نوٹ۔ بحساب ابتث ناموں کے پہلے حروف سے مہینوں کی ترتیب ظاہر ہوتی ہے)

(۱۰) یوسفی — (۱۰) رحمانی

(۱۱) یازدی — (۱۱) راضی

(۱۲) بیاسی — (۱۲) ربانی

چونکہ ہندوؤں کے حساب سے ساٹھ سال کا ایک جگ ہوتا ہے۔ اس لئے ان ساٹھ سالوں کو بھی مذکورہ بالا طریقہ پر نام دیئے گئے جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

سالوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ایتث	بحساب ابجد	بحساب ایتث
۱۔ احد	احسد	۱۳۔ جہاو	بار
۲۔ احد	احمد	۱۴۔ وجد	وجیب
۳۔ اب	اب	۱۵۔ حاد	جبر
۴۔ ایا	ایا	۱۶۔ زہد	رحیا
۵۔ باب	باب	۱۷۔ جوزا	حرُ
۶۔ بارج	تاب	۱۸۔ حی	ور
۷۔ ابد	تابا	۱۹۔ واحد	وار
۸۔ آباد	باج	۲۰۔ بدوح	راحت
۹۔ جاہ	تاج	۲۱۔ طیّب	بارد
۱۰۔ اوج	ثابت	۲۲۔ ظائب	چرخ
۱۱۔ حج	ابد	۲۳۔ یوز	ضراج
۱۲۔ جہد	آباد	۲۴۔ کد	تاز

بحساب ابجد	بحساب ابتث	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۲۵۔ حاوی	خرد	۴۳۔ جم	سراب
۲۶۔ کبد	بدرتاب	۴۴۔ جام	ستتا
۲۷۔ آگاہ	ونتاج	۴۵۔ آدم	زبرجد
۲۸۔ وحید	واوار	۴۶۔ ولی	سحر
۲۹۔ یاحی	زاد	۴۷۔ والی	ساحر
۳۰۔ کائی	زر	۴۸۔ کوکب	راسخ
۳۱۔ کیا	زار	۴۹۔ کواکب	شاد
۳۲۔ کبود	بزر	۵۰۔ یم	حراست
۳۳۔ ابل	زرآب	۵۱۔ دوام	ساز
۳۴۔ دل	ستتا	۵۲۔ حمد	ثناواب
۳۵۔ دال	زرتب	۵۳۔ حامد	بارشش
۳۶۔ جبال	ربیتاز	۵۴۔ جان	رستتار
۳۷۔ زکی	سارخ	۵۵۔ اول	بشتر
۳۸۔ ازل	ساحتا	۵۶۔ ہمائے	بشارت
۳۹۔ جلو	وراز	۵۷۔ مجید	شرح
۴۰۔ دلو	واسا	۵۸۔ کمل	رشد
۴۱۔ ماہ	ستا	۵۹۔ جہاں	صباح
۴۲۔ کوکب	سارا	۶۰۔ نہیز	ارشاد

نوٹ:- بحساب ابجد و ابتث اس طرح ہے:-

(ابجد) ابجد - ہوز - حطی - کلمن - سعفص - قرشت - ثخذ - ضظغ

(ابتث) ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف
ق ک ل م ن و ہ ی - ٹ

سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی اختیار کیا گیا جو آنحضرت صلعم کی تاریخ پیدائش سے ہے

سلطان جب کارخانوں کے ملاحظہ کو جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع فرماتا۔ اور شال، مخمل، کمخواب وغیرہ میں نئی اختراعوں کی تعلیم ضرور ہوتی تھی۔

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے سلطان اکثر اسی کی قبا پہنتا تھا۔ سلطان کا تخت شیر کی صورت پر بنایا گیا اور محل میں جو ارغنون تھا۔ وہ شیر کی صورت پر تھا۔

سلطان نے ایک ایسی بجتر بنائی تھی جس پر گولی کارگر نہیں ہوتی تھی

سلطان کو شیر کی صورت سے خاص دلچسپی تھی اور شیر کے بہادرانہ اوصاف سے اس کو خاص مناسبت تھی۔ اس لئے وہ اپنے اختراعات میں خاص اس کا لحاظ رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد اعلیٰ مسجد اقصیٰ اور گنبد کو بھی ببری رنگ دیا گیا (اب سوائے گنبد کے مسجد اعلے اور مسجد اقصیٰ پر سفیدی پھیری گئی ہے

سلطان اپنی جدت پسند طبیعت کے لحاظ سے نہ خالص سیاہی سے لکھتا تھا نہ سرخی سے۔ بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا۔

سلطان پہلے پہل اپنے دستخط اس طرح کیا کرتا تھا سلطان

بعد میں اپنا نام اڑا کر صرف ٹیپو مالک اس طرح ٹیپو لکھتا تھا

ف ابجد کی طرح حروف ابتث سے بھی اس نے تاریخ نکالنے کو درج دیا اور اس کو تاریخ زد کا نام دیا گیا

اس کے شوقِ ایجاد نے شہروں کے قدیم نام بدل کر نئے نام دیئے :

قدیم نام	نیا نام	قدیم نام	نیا نام
ڈنڈیگل	خالق آباد	بلاری	ثمر پٹن
کشنگری	فلک الاعظم	کوئمبتور	سلام آباد
پاوگڈھ	ختمی	قلعہ گتی	فیض حصار
سنگل درگ	مظفر آباد	نندی گڑھ	گردوں شکوہ
پنچ کنڈہ	فخر آباد	میسور	نظر آباد
قلعہ یل	منظر آباد	فیروک	فرخی
ملولی	گلشن آباد	سرا	رستم آباد
منگلور	جمال آباد	کلی کوٹ	اسلام آباد
دیوان ہلی	یوسف آباد	بنگلور	دارالسرور
ہوسکوٹہ	اسلام پور	ماگڑی	ساون گڈھ
سرنگاپٹم	ظفر آباد	قلعہ چیتلدرگ	فرخیاب حصار

سلطان نے اپنی سلطنت کا نام سلطنتِ خداداد رکھا تھا۔

سلطان نے حبشیوں کا نام بدل کر "عسکر" رکھا۔ اسی لحاظ سے بنگلور چھاؤنی کو آج بھی "معسکر" کہا جاتا ہے۔ تمام کچہریوں کے نام اسمائے حسنیٰ پر رکھے گئے۔ اس نے بندوق کا نام تفنگ، توپ کا نام درخش، بان کا نام شہاب رکھا۔ اشرفی کا نام راحنی، احمدی و صدیقی اور ہن کا نام فاروقی۔ روپیہ کا نام امامی۔ اٹھنی کا نام باقری۔ دوّنی کا نام کاظمی۔ آنہ کا نام آبیہ

رکھا گیا۔ ہندسوں کی تحریر سیدھی طرف سے لکھنے کا حکم دیا گیا۔

زہد و تقویٰ

سلطان ہر روز بلا ناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا اور نماز کا اس قدر پابند تھا کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اُٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے علما۔ اور مشائخین آتے ہوئے تھے طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وُہ امامت کرے مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا اس پر سلطان نے کہا۔

"الحمدللہ میں صاحب ترتیب ہوں"

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

"ایک دن عید کے بعد سلطان اپنی والدہ ماجدہ کے محلسرا میں ادائے تہنیت کیلئے گیا۔ بعد تسلیم و نیاز کے وہیں ایک کمرہ میں سو رہا۔ اس اثنا میں نواب حیدر علی بہادر مرحوم کی دو منظور نظر کنیزیں جو جوان سالی اور خوبصورت تھیں۔ اپنے حجروں سے نکل کر سلطان کے پاس پہنچیں اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اُس کو طیش آگیا۔ وُہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے اور خوف خدا سے کانپنے لگا اور کہا۔

"یہ تم نے کیا کیا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روز قیامت باپ کو کیا جواب دوں گا!"

بعد ازاں ان کنیزوں کو سلطان نے خواجہ سرا کے حوالے کر دیا کہ انہیں ایسی سزا دے کہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔" (نشان حیدری)

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کیلئے قتل کا حکم تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے جس وقت جنگ ہو رہی تھی تو پائین گھاٹ میں معلوم ہوا کہ چند

مسلمان عورتیں گوروں سے زنا کی مرتکب ہوئی تھیں تو سلطان نے ان کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"سلطان اس قدر کامل الحیا تھا کہ سوائے اس کے پیر کے ٹخنوں اور کلائیوں کے اس کے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان کی دوسری حیرت انگیز مثال تھی۔

اور یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہیں تھی بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور ملیبار میں ہندو عورتیں زمانہ قدیم سے سر و سینہ برہنہ کر کے باہر نکلتی تھیں اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے اور اگر نکلے تو اس کے لئے سزا مقرر تھی۔ اس وقت سے ان تمام علاقوں میں عورتیں سینوں پر ایک کپڑا ڈالتی ہیں اور اسی طرح میسور میں بھی چولی پہننے کا رواج ہوا۔

رئیس نے اپنی تاریخ میں سلطنت خداداد سے پیشتر ہندو عورتوں کی حالت پر ایک طویل مضمون صفحہ ۱۴۳ پر لکھا ہے جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"عورتوں کی حالت ہندو راج میں نہایت درجہ گری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ذلت کے خوف سے ایک سہمی ہوئی زندگی بسر کرتی تھیں۔ علانیہ سر بازار فروخت کر دی جاتی تھیں۔ بڑے شہروں میں ان کی فروخت کیلئے خاص خاص منڈیاں تھیں اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی جو سمایا چار کہلاتی تھی۔"

ملک اور سوسائٹی میں ہندو عورتوں کی عزت و احترام بڑھانے کیلئے سلطنت خداداد

نے عورتوں کی فروخت ممنوع قرار دیدیا تھا اور پھر یہ کہ کوئی عورت بے چادر باہر نہ نکلے۔
انگریز مورخین مشرقی بادشاہوں کو بدنام کر رہے ہیں کہ وہ حرم سرائے میں صدہا عورتوں کو رکھ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں مگر سلطان کی ذات اس عیب سے پاک تھی۔

ولکس جیسا متعصب مورخ بھی اعتراف کرتا ہے کہ :-

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں رہیں سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوئی تھی سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی"

اطاعت والدین سلطان نے کبھی بھی اپنے والدین کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ میسور گزیٹر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے :-

"اس کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ ماں کی نصیحت سے کبھی اس نے بے اعتنائی نہیں کی۔ گو بعض اوقات ماں کی باتیں اس کی خواہشوں کے بالکل خلاف ہوتی تھیں"

انسانی ہمدردی آج سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانی کی جاتی تھی سلطان نے اس کو سختی سے روک دیا۔ میسور گورنمنٹ سے جو کتاب راہنمائے میسور شائع ہوئی ہے اس کے صفحہ ۱۹۱ پر یہ ذکر ہے :-

"اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا۔ کالی کی پوجا اس

مندر میں ہوتی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی جو سلطنت حیدری (سلطنت خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی تھی۔"

یہ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنے تمام قلمرو میں ہر جگہ سرکاری خرچ پر یتیم خانے جاری کئے تھے۔ گو ان کی ابتدا حیدر علی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ ان یتیم خانوں کے متعلق ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان لڑکوں کو داخل کیا تھا جو کورگ سے اسیر ہو کر اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں ان بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس سے سلطان کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسکے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ بھی تھی کہ جو بچے یہاں سے نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر لئے جائیں۔ وہ ترکی کے سلطان سلیم کی تقلید میں ینگچری فوج کے طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔"

ٹیپو سلطان اور انسدادِ غلامی

سلطان کے تخت نشین ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لئے سلطان نے انسداد غلامی کے لئے ایک فرمان جاری کیا جسکی نقل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

ٹیپو سلطان ذاد [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"در شہر گنجام برادران و خویشان مرحوم نوکر پیشہ وغیرہ کہ بروزگار ہستند [illegible] اینہا را گرفتہ در پیادہ لشتہ علاقہ ایشان نوشتہ فرلازم کنانیدہ و غلامانہ [illegible] را در سرکار خداداد ایک قلم آزاد فرمودہ شدہ است عالیشان نیز تقیید و خبرگیری این معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند غلاماں برضا و رغبت خود پیش ہر کسے کہ بطور نوکراں نوکری

نمایندہ مختار اند۔ نوزدہم ماہ دی سال ہجرات ۱۲۶۴ھ مولود محمد — نشان

رحمدلی

سلطان کی رحمدلی کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں جن میں سے ایک یہاں دی جاتی ہے

"جس وقت مرہٹوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اس وقت خبر آئی کہ فوج کی زیادتی کی وجہ سے ایک گاؤں میں عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ سلطان کو جب یہ خبر پہنچی تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سپاہیوں کو قابل عبرت سزا دی تاکہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اسی جنگ میں ایک جگہ مرہٹی سرداروں کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں سلطان نے بڑی عزت کے ساتھ علیحدہ خیموں میں رکھا اور اگرچہ جنگ کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ ان عورتوں کو پالکی میں بٹھا کر تحائف گراں بہا کے ساتھ پونا کو روانہ کر دیا" (ٹیپو سلطان از کرنل مالس صفحہ ۷۵)

سلطان کی رحمدلی کا اظہار اس سے بھی ہو سکتا ہے جو مختلف مورخین نے اس کے بارے میں لکھا ہے:-

"رات کا وقت تھا سلطان اپنے خیمہ میں سو رہا تھا تو اس کو کراہنے کی آواز آئی خیمہ سے نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں سلطان نے خود جا کر انہیں اٹھایا پانی لا کر پلایا اور اس وقت تک نہیں سویا جب تک یہ قیدی نہیں سو گئے"

رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال

اصلاحات سلطانی اور انتظام سلطنت کے زیر عنوان لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنی رعایا کو فارغ البال بنانے کے لئے کیا تجویزیں کی تھیں اور رعایا کس قدر آسودہ حال تھی یہ سب رعایا پروری کا جذبہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے اور تجارتی کوٹھیوں کا اجراء کیا اور کاشتکاروں کو

خوشحال بنانے کے لئے زمینداری کا خاتمہ کر دیا۔

میتھک سوسائٹی جرنل (مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء) میں تحریر ہے :-

"میسور میں سلطنت خداداد سے پیشتر بڑی بڑی زمینداریاں تھیں۔ چونکہ زمیندار اپنے کسانوں پر حد درجہ ظلم کرتے تھے۔ اس لئے سلطان نے تمام زمینداریوں کا خاتمہ کر دیا۔ کہ کسان اور سلطنت میں براہ راست تعلق رہے۔ اس لئے میسور میں کوئی زمینداری نہیں ہے۔"

رشوت کا سدباب کرنے کیلئے اس نے جو کچھ کارروائی کی۔ اس کا بیان آگے آ چکا ہے اور یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا جس نے اسے منشیات کے منع کرنے پر آمادہ کیا۔ متعصب سے متعصب مورخ بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک بہت بڑے ریفارمر کا کام کیا تھا۔ سلطان کی ان اصلاحات کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے ۲۰۹ صفحہ پر لکھتا ہے :-

"اصلاحات کیلئے اس کے دل میں ایک حقیقی تڑپ موجود تھی اور یہی اسکی حکومت کا ایک نمایاں جوہر ہے گو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصلاحات قبل از وقت تھیں یا بالفاظ دیگر یہ اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔"

سلطان کے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس فرمان سے ہو سکتا ہے جو اس نے عاملان حکومت کے نام جاری کیا تھا (اس کی نقل پہلے دی جا چکی ہے) اس سے بڑھ کر سلطان کی رعایا پروری کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس نے سوائے ملک کے بنے ہوئے کپڑے کے کبھی دوسرا کپڑا اور ملک کے بنے ہوئے نمک کے کبھی باہر کا نمک استعمال نہیں کیا (ملاحظہ ہو بیچانن کی تحریر) اور نیز حکم اس نے اپنے تمام افسروں اور رعایا

کو بھی دے رکھا تھا۔

جنگی قابلیت بچپن ہی سے علم کے ساتھ ساتھ فن حرب کی بھی تعلیم ہوئی۔ تعمیر قلعہ جات اور فوجی معاملات میں سلطان کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"وزارت کا کام کر سکتا تھا۔ سپہ سالاری میں طاق تھا۔ امیر البحر تھا اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اسکی قابلیت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ جس وقت جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا گیا تو اس نے امیران یم کی جماعت میں جہازوں کے نمونے تک بھیجدیے تھے کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کر لئے جائیں اور جہازوں کے پیندوں کیواسطے ہدایت ہوتی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں نیز جہازوں کی لکڑی کیلئے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا"

میدان جنگ میں اس کی قابلیت اور شہرت محتاج بیان نہیں۔ مدراس پر اس کا مشہور دھاوا بیلی، بریتھ وائٹ، فلرٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت دے رہی ہیں اور ۱۷۸۹ء میں میڈوز کی شکست کے متعلق بورنگ نے جو رائے دی ہے وہ پہلے لکھی جا چکی ہے۔ ہاں چند انگریزی افسر لکھتے ہیں کہ :-

"اس نے میدان جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا جو حیدر علی کا طرۂ امتیاز تھا اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ سوار فوج میں ایک نمایاں کمی کر دی اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا جس کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے پائے نہیں جاتے جو ان جنگوں سے پیشتر حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے"

لیکن کرنل آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) دوسرے افسروں کی اس رائے

سے اتفاق نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے:۔

"اس کی کیولری (سوار فوج) دُنیا میں سب سے بہترین فوج ہے ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں سے ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہم بنگلور چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکتے۔"

(ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۴)

کرنل آرتھر ولزلی اپنی اس تحریر میں اعتراف کرتا ہے کہ انگریزی فوج ایک غیر معروف راستہ سے آگے بڑھی تھی۔ یہ راستہ کس نے بتایا تھا؟ اگر میر قاسم علی کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے پڑھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس غدار نے انگریزوں کی رہنمائی اس راستے سے کی تھی۔ اسلئے سلطان کی جنگی قابلیت کے متعلق شک و شبہ کرنا خارج از بحث ہے۔

سلطان کی شکست کا راز اسکی جنگی قابلیت کے فقدان میں نہیں بلکہ اس کے امراء و وزراء کی غداری کا سبب ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترکی سلطنت اور شورِ بانداری ملا کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ اُلٹ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماڈرن میسور کا مصنف بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے:۔

"سلطان کی جنگی فراست و قابلیت میں کوئی شک نہیں لیکن جنگ کا نتیجہ جو کچھ نکلا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر رکھا تھا اور قدرت پر کامیاب ہونا انسان کی دسترس سے باہر ہے۔"

یہی مصنف اپنی کتاب میں فوج کی ترتیب کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:۔

باقاعدہ کیولری (۲) پنڈاری کیولری (۳) سلحدار جن کے پاس اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے (۴) معمار (۵) بارلین باقاعدہ پیادہ فوج (۶) باڈی گارڈ (۷) ملک کے مختلف حصوں کی مقامی فوج (۸) افریقی حبشی (۹) ہرکارے اور جاسوس (۱۰) پانیر (۱۱) بہیر یعنے فوجی باربردار متعلقین (۱۲) لوہار اور بڑھائی"

جس طرح نواب حیدر علی قلعہ بنانے میں مشّاق تھے سلطان نے بھی یہ قابلیت وراثت میں پائی تھی اور آج بھی اس کے بنائے ہوئے قلعے موجود ہیں۔

فن انجینیری میں وہ اس قدر مشتاق تھا کہ کرنل ولزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:۔

"جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، چند کاغذات جن پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا" (ماڈرن میسور)

شجاعت و بہادری

سلطان کی شجاعت و بہادری کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی کہ وہ دست بدست جنگوں میں بذات خاص شریک ہوتا تھا اور شیر کا شکار اس کی بہترین تفریح تھی۔ ایام شہزادگی میں ایک روز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ شیر کا منتظر تھا۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر نے نشانہ باندھا۔ شیر دل شہزادہ نے بندوق چھین لی۔ اتنے میں شیر دونوں پر لپک پڑا۔ دودھاری تلوار بے نیام ہو کر بجلی کی طرح شیر پر کوندی اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ ہو گئے۔ آج بھی میسور اس جری سلطان کو شیر میسور کے نام سے یاد کرتا ہے یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان شہید تک داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہوا اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گیا:۔

گیدڑ کی سَو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے شیر کی صفات، شیر کی لڑائی، شیر کا رنگ اس کو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ اس کا محل، اس کی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس کے تمام ہتھیاروں پر

"اسد اللہ الغالب"

کندہ تھا۔

تمام میسور میں یہ روایت زبان زد خاص و عام ہے کہ نواب حیدر علی نے میر نظام علی خاں نظام الملک کو یہ پیغام دیا تھا کہ دونوں خاندانوں میں اگر آپس میں شادیاں ہو جائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہیگا۔ اس تجویز کو عمل میں لانے کے لیے تجویز کی گئی کہ ٹیپو سلطان کی شادی نظام علیخاں کی دختر سے ہو جائے۔ اس سلسلہ میں حیدر آباد سے سلطان کی تصویر طلب کی گئی اور چند نامور مصور حیدر آباد سے سرنگا پٹم آئے۔

سلطان نے یہ کہہ کر تصویر دینے سے انکار کر دیا کہ

"مردوں کی بہترین تصویر اُن کی جوانمردی ہے"

میسور گزیٹر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹۸ پر سلطان کے اوصاف میں لکھتا ہے۔

"اس کی سپاہیانہ بے جگری۔ اس کی ذاتی بہادری اور ایسے وقت میں بھی جب شکست یقینی تھی۔ اس کا اپنے آپ کو دشمن کو حوالے نہ کرنا شجاعت اور جوانمردی کی وہ بے نظیر مثال ہے جس کے لئے وہ صد درجہ تعریف کا مستحق ہے۔ اُن لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست کہتا تھا کبھی اس نے بے وفائی نہیں کی ۱۷۹۹ء کی جنگ میں انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں انہیں حوالے کر دیا

جائے۔ فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالے کر کے وہ اپنے تاج و تخت کو بچا سکتا تھا لیکن اس کی شجاعت نے اس کو گوارا نہیں کیا"

کہا جاتا ہے کہ اسکندر اعظم اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بوناپارٹ اعظم دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار فاتح اور نامور جنرل تھا۔ جوانمردوں کی جوانمردی اور بہادروں کی بہادری کا احترام ہر شخص پر فرض ہے۔ نپولین اعظم کے لیئے اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نپولین اور ٹیپو سلطان کے آخیر لمحات کا موازنہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سلطان کی شخصیت نپولین اعظم کی شخصیت سے کس قدر شاندار ہے:۔

نپولین کو جب اخیر وقت اپنے امراء کی غداری کی وجہ سے شکست ہوئی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرتے ہوئے سلامتی اسی میں دیکھی کہ دشمنوں کی اطاعت قبول کر لی جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی قیدخانہ میں بسر ہوئی اور وہ قیدخانے ہی میں مر گیا۔

سلطان کو جب اس کے وزرا۔ اور امراء کی سازش کی وجہ سے شکست ہوئی تو اس نے آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدان جنگ میں ملک و ملت کی مدافعت میں شمشیر بکف مرجانا گوارا کر لیا کہ:۔

"گیدڑوں کی سو سالہ زندگی سے ایک دن کی شیر کی آزاد زندگی اچھی ہے"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۹۰ پر لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے اپنے لیئے وہ موت پسند کی جس سے اس کا ہمعصر دوست نپولین ہمیشہ ترساں رہا"

جذبہ جہاد

سترھویں صدی عیسوی میں مسلمانان ہند جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے اس کے متعلق سلطان کی مذہبی اصلاحات میں کچھ بیان آچکا ہے اور مزید حالات آئندہ اوراق میں "سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی و ہندی نقطہ نظر سے"

کے زیرِ عنوان دیے گئے ہیں مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ راحت طلبی اور عیش و آرام کی خواہش حد درجہ بڑھ گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو کر ملک اور حکومت سے بے پرواہ ہو گئے تھے اور مغربی قومیں دن بدن چیرہ دست ہو کر اپنا تسلط قائم کر رہی تھیں سلطان نے ان برائیوں کا واحد علاج یہی سمجھا کہ مسلمانوں کو جو اپنے راستے سے بھٹک چکے تھے۔ پھر اسی راستہ پر لے آئے جس کی تعلیم انہیں زمانۂ خیر القرون میں مل چکی تھی یعنے انہیں مذہب کی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اس کے خیال میں جہاد ہی ایک واحد علاج تھا جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو کر ملک اغیار کے تسلط سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اسلام اور آزادی کوئی دو علیحدہ نظریے نہیں ہیں۔ اس مقصد سے اس نے کتاب فتح المجاہدین میں خاص طور پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دلائل کے ساتھ بے شمار مسائل جہاد پر لکھے ہیں۔ جن سے دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے:۔

"مسئلہ۔ جہاد با کفار از برائے نصرتِ دینِ محمدؐ اسلام است"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے:۔

مسئلہ۔ نیکو نیست باج دادن بکفار با قدرۃ بر جہاد"۔

اس کے علاوہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے سلطان نے موید المجاہدین کے نام سے نئے خطبات جمعہ کی تدوین کا حکم دیا اور یہی خطبات مسجدوں میں پڑھے جاتے تھے۔ کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو عیدین کے خطبات ہیں اور ہر خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں اس طرح تحریر ہے:۔

"اس زمانہ میں کہ تیرھویں صدی ہجری ہے اور اس وجہ سے کہ سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ زادوں اور نوکروں کی نمک حرامی کی وجہ سے تباہی آگئی ہے اور ایک غیر قوم و ن بدن غلبہ پاتی ہوئی ملک پر مسلط ہوتی جا رہی ہے اور خطۂ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس اور احکام مذہب سے بے نیاز ہوگئے ہیں۔ اس لئے بحکم سلطانی ان خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔ اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں مروج تھے مگر چونکہ اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہوگئی ہے۔ اس لئے فارسی کو موزوں سمجھا گیا۔"

ذیل میں اس کتاب سے ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے:۔

"خطبہ در بحر مشہور متضمن حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی و مناقب اکابر دین و ترغیب جہاد مسلمین مزین و مجلے باسم سامی ہمایون پادشاہ دین پناہ حضرت ٹیپو سلطان خسرو غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ۔ (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن)

الحمد للہ الذی خالق لیل و انہار و عالم الجہر و الاسرار و کاشف الظلمت والانوار و نشہد ان محمد عبدہ و رسولہ المختار و علی آلہ و اصحبہ الاخیار اسمعوا قولہ العزیز الغفار۔ یا ایہا الذین امنوا لا تتخذ والکافرین اولیاء من دون المومنین۔

رسد باوجِ سخن از ثنائے ربِّ کریم	حکیم و قادر و قیوم و کردگار علیم
چگونہ شرح تواں داد نعمتِ عامش	کرشمہ ایست ز فیضش تمام باغِ نعیم
نمود خلق بیک لفظ کن تمام جہاں	بمحض قدرتِ خود بے شریک و ضد و سہیم
براہِ نعتِ نبی کلک چوں شود پویاں	ز فیضِ صفحہ شود پیشگاہ باغِ نعیم
زہے خجستہ رسولیکہ بہرِ او ایجاد	نمود کرسی و عرش و جہانِ ربِ کریم

کجا مجال تحریر می توان آورد / ثنائے آں شہِ محبوب کردگار قدیم

ہمیشہ باد تحیات و زاکیات بر آں / شہنشہِ دو جہاں تاکہ ہست عرشِ عظیم

ز پند و موعظت اکنوں گہر فشاں گردد / قلم کہ ہست ز فیض قدم چو ابر کرم

برائے دینِ نبی جہد کن کہ در دو جہاں / شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم

غزاست فرض بارباب دین خصوص کہ / کہ آورند بہ اسلام زور فوجِ لئیم

خدا نہ کردہ اگر سستی کنی بجہاد / بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم

گرفتم اینکہ بیابی حیات جاویداں / چہ سود چونکہ شود دینداری تو عدیم

مپوش دیدہ ز ایمان و دین اے دانا / چو کافرانِ دغل از برائے گوہر و سیم

بس است آنچہ نمودم بیاں پئے ہوشیار / خدا ز لطف کند جملہ را سہیم و فہیم

ہمیشہ تاکہ بود آفتاب زر افشاں / قلوبِ زمرۂ اربابِ دین باد سلیم

خطبۂ ثانی

کنم سپاس خداوند آسمان و زمیں / بدیع و رب و غفور و سمیع و برو قدیم

بلفظ کن دو جہاں را نمودہ است ایجاد / چساں حدیث جلالش کنم لبے کہ سقیم

زہے مدبر و دانا زہے خبیر و بصیر / زہے مدبر و بے شبہ و مثل رب رحیم

ز نعت احمد مرسل شفیع روز جزا / قلم چو دوحۂ طوبیٰ شود پئے ترقیم

زہے شفیع امم کائنات را رہبر / زہے خلاصۂ ایجاد خلق رب کریم

فلک بدرگہش از منطقہ کمر بستہ / برائے کسبِ شرف روز و شب چو عرشِ عظیم

مدام باد صلوٰۃ و درود بے پایاں / بروضہ اش کہ چو عرش است واجب التعظیم

بود خلیفۂ اول صدیقؓ خاص نبیؐ / بنام حضرت بوبکر واجب التعظیم

عمرؓ خلیفۂ ثانی کہ عدل و داد او   نماند ظلم و ستم در مزاج دہر سقیم
خلیفہ سیومین ہست صاحب نورین   بنام حضرت عثمانؓ بخلق و طبع و سلیم
چہارمین کہ بود شیرِ حق شہ مرداں   علیؓ عالیٔ اعلیٰ حبیبِ ربّنا کریم
ہمیشہ باد ازیں چار کردگار رضا   کہ ہر یکے است بدینِ نبیؐ بقدرِ عظیم
ہم از حسینؓ و حسنؓ سیدانِ اہل جناں   بطبع ہر دو سلیم و بخلق ہر دو کریم
دگر ز فاطمہؓ بنتِ محمدِ عربی   کہ ہست خاک درش فیض بخش چوں تسنیم
ہم از خدیجہؓ محمد و عمر النساء جہاں   کہ ہست منزلتِ شانِ آں رضیۂ عظیم
دگر ز سائرہ ازواج طاہراتِ نبیؐ   کہ بودہ اند ہمہ خاص کردگار کریم
ہم از دو عم گرامیش حمزہؓ و عباسؓ   کہ ہر دو در رہِ دیں اند واجب التکریم
ہم از شش آں کہ زدہ باقی اند کایشاں را   بشارتے بجناں دادہ کردگار رحیم
ہم از صحابۂ احمدؐ ہمہ کہ در رہ دیں   ہمہ نجوم سپہر ہدائے و با تکریم
ہم از تمامیٔ اسلامیاں ز فضل اتم   ہم از تمامیٔ ایمانیاں ز لطف عمیم

تہنیت

کنوں ثنائے شہنشاہ میکنم آغاز   شہے کہ بودہ گرو از شہاں بخلق کریم
شہنشہے کہ بود نام نامیش ٹیپو   بجبہہ مہر فروزاں بکف سحاب کریم
الٰہی از کرم عام خویش ایں شہ را   ہمیشہ دار بفر خجستگی بناز و نعیم
عنایتش بنما عمر خضر و شوکت جم   مدام دار باعزاز و جاہ با تکریم
مظفرش بنما خاص بر اعادی دیں   بکنش فتح مدامش بکافران لئیم
عزیز دار بہر دو جہانش پیوستہ   مدام زیب ببایدہ ز فرق او دیہیم

عطوفت کن با میران و زمرۂ غربا　　مروت ساز تخلقش بہ بخش لطف عمیم
نصیر دین نبیؐ ہر کہ ہست از دل و جاں　　ہمیشہ ناصر او باد کردگار کریم
شود ہر آں کہ بخذلان دین حق دائم　　مدام باد گرفتار در عذاب الیم
توئی کریم خدایا مسلمیں آں بخشش　　کہ درد و کون بگروند صاحب تکریم

سلطان کے اس جذبۂ جہاد و دیگر اوصاف جمیلہ کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا ہے:

"سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے مقام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علیؒ تھا اور اس کی نیابت الٰہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک صرف یہی سن کر آپ کی آنکھوں میں پھر جائیگی کہ اس کی سلطنت کا نام دولت خداداد اور اس کے ایوان عدالت کا نام دریا دولت تھا"۔ (روزنامہ انقلاب لاہور)

اسوۂ عالیہ کی جو صحیح مثال اُس نے قائم کی۔ اس لحاظ سے ہندوستان کے تمام مسلمان سلاطین میں اس کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

تمام انصاف پسند مورخین کو حیرت ہے کہ باوجود اس قدر مذہبی جذبہ رکھنے کے سلطان کس قدر بے تعصب اور روادار تھا لیکن متعصب مورخین نے اس کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اس سے ان کا ایک خاص مقصد وابستہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اپنی حکومت قائم کرنے کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی جس پالیسی پر کاربند رہی یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے کہ مدارس میں پڑھانے کیلئے ایسی تاریخیں لکھی گئیں جو شروع ہی سے بچوں کے دل میں عناد پیدا کریں۔ ان تاریخوں میں جو باتیں لکھی گئیں ان کا ثبوت ان مورخوں نے کہیں نہیں دیا ہے اور نہ کوئی تحقیق و تفتیش سے کام لیا ہے۔ لیکن یہ

آنے والے مورخوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ جو کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں۔ انہیں اپنے الفاظ میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر اس کے متعلق معمولی تحقیق سے بھی کام لیا جاتا تو میسور کا ذرہ ذرہ ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا ثبوت فراہم کرتا۔ خصوصاً موجودہ زمانے میں سفر کے وسائل اس قدر آسان ہو گئے ہیں کہ ہر شخص میسور آ کر سلطان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا بین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ریاست میسور میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو عمارتیں ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و منادر ہیں جن میں بعض کی تعمیر ہزار سال سے پیشتر کی ہے۔ سلطان اگر متعصب ہوتا تو اس کے لئے آسان تھا کہ ان مندروں کا نام و نشان مٹا دیتا۔ بخلاف اس کے ان مندروں میں سلطان کی دی ہوئی جاگیرات کے فرامین موجود ہیں جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

سلطان کا پایہ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے اور ہر سال ہزار ہا لوگ اس کے دیکھنے کے لئے دور دور سے آتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے زائر کی نگاہ ان دو بڑے مندروں پر پڑتی ہے جو اسٹیشن سے بالکل قریب ہیں۔ سلطان کا محل انہیں مندروں کے بالکل قریب تھا۔ محل کے پیچھے بلکہ محل سے لگا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے۔ بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔

اس کے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، نجن گڈھ، السور (بنگلور) وغیرہ میں ایسے مندر موجود ہیں جن کی تعمیر صدیوں پیشتر کی ہے۔ سلطان نے ان مندروں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنی طرف سے جاگیریں دیں اور یہاں کے گروؤں کی اس کے ہاں حد درجہ وقعت تھی جس کا ثبوت ریاست میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے آرکولاجیکل رپورٹوں

سے بخوبی ملتا ہے۔

میسور کے آرکوجیکل رپورٹ بابت سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"سرنگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے تین اور ٹیپو سلطان کے تینتیس۳۳ خطوط و فرامین ملے ہیں۔ ان تمام فرامین و خطوط میں سلطان نے سنہ ہجری کے ساتھ سنہ مولودی بھی استعمال کیا جو اسکی خاص ایجاد ہے۔ یہ تمام خطوط و فرامین سُرخ کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں اور ان میں اکثر خطوط کے لوح پر سلطان کی مہر موجود ہے۔ ان خطوط میں بخلاف دوسرے خطوط کے جن میں سلطان کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھا ہے اور اپنے نام کے ساتھ کوئی خطاب یا القاب استعمال نہیں کیا۔ ان میں بہت سے خطوط میسور کی تیسری جنگ کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں اور بعض خطوط سرنگری کے گرو کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں"۔

میسور کی تیسری جنگ میں انگریز، نظام اور مرہٹوں نے سلطنتِ خداداد پر فوج کشی کی تھی۔ مرہٹی فوج پرسرام بھاؤ کے ماتحت تھی۔ اس فوج نے جہاں تمام ملک کو لوٹ مار کرکے تباہ کیا۔ وہاں سرنگری جیسا مقام بھی اس کے ہاتھوں سے نہ بچ سکا۔ گرو نے سلطان کو لکھا کہ مرہٹی فوج سرنگری کے مندر کو لوٹ کر تباہ کر رہی ہے اور ساروا دیوی کے بُت کو اپنی جگہ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ مندر کا جملہ نقصان ساٹھ لاکھ روپیہ کے قریب ہوا ہے۔ مندر کے ہاتھی، گھوڑے وغیرہ تمام مرہٹے لیکر چلے گئے ہیں۔

اس کا جواب سلطان نے ۳۰ ر ماہ ربانی مطابق سنہ ۱۷۹۱ء میں اس طرح دیا:۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے سکتے ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھائی کر کے ہماری رعایا کو ستا رہے ہیں۔ آپ کی ذات تقدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اسلئے یہ آپ کا اور مندر

والے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کیلئے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش و خرم رہے۔"

پھر ایک خط میں گروجی نے سلطان کو لکھا تھا کہ انہوں (یعنی گروجی) نے مجبور ہو کر کسی اور جگہ اقامت اختیار کی ہے اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا ہے اور مندروں میں جو کچھ اثاث تھا۔ لیکر چلے گئے ہیں اور بغیر حکومت کی تائید کے ساروا دیوی کے بت کو دوبارہ نصب نہیں کیا جا سکتا۔

سلطان نے اس کے جواب میں لکھا ہے :۔

"ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے بھی باز نہیں آتے یقین ہے کہ اس کالی یوگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملیگا۔ لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے۔ گروؤں سے دغا بازی خود اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکمنامہ نگر کے آصف کے نام بھیجا تھا جس میں حاکم علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ دو سو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دو سو راحتی کے اجناس فوراً گروجی کی خدمت میں پیش کرے۔

اسی خط میں سلطان نے گروجی کو لکھا تھا :۔

"آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کرلیں۔ اس رقم اور اجناس سے سارداد یوی کے بت کو نصب کرتے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کے لئے دعا کریں۔"

ایک اور خط میں سلطان نے لکھا ہے :۔

"آپ کا بھیجا ہوا پرساد اور شالیں موصول ہوئیں۔ آپ کے استعمال کیلئے ایک جوڑی شال اور دیوی کے بت کیلئے کپڑے روانہ کیئے جاتے ہیں۔"

ماہ جعفری میں سلطان نے ایک اور خط لکھا ہے۔ اس میں گروجی کو اطلاع دی گئی ہے کہ "ان کی خاص سواری کے لیئے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے۔" اسی خط میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام جو حکمنامہ لکھا تھا۔ اس کی نقل بھی ملفوف تھی۔ اس حکم نامہ میں تاکید کی گئی ہے کہ گروجی کے چیلوں پر باہر آنے جانے کے لیئے کوئی پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

ماہ حیدری کا ایک رکارڈ بتاتا ہے کہ گروجی نے مندر میں دو خاص پوجا کی رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی تائید چاہی تھی اور یہ پوجا ۴۸ دن تک ہر روز ہونے والی تھی۔ جس کو سلطان نے منظور کرلیا اور نگر کے آصف کے نام حکم بھیجا کہ سرنگری پہنچکر تمام انتظامات مکمل کرنے میں گروجی کی تائید کرے۔ اسی ماہ میں گروجی کو بھی سلطان نے خط لکھا کہ:۔

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیجدیا گیا ہے۔"

ماہ دینی کے چار ریکارڈ مندر میں موجود ہیں۔ ان میں پہلے رکارڈ میں محمد رضا آصف نگر کو ہدایت کی گئی ہے کہ پوجا کے دنوں میں خاص انتظام کر رکھے کہ شر پر لوگ مندر کے کاموں میں مداخلت نہ کر سکیں۔

ایک اور رکارڈ میں سلطان نے اطلاع دی ہے کہ سارد ادیوی کے بت کے استعمال کیلئے ایک پالکی اور گروجی کے استعمال کیلئے ایک دوسری پالکی بذریعہ چوبدار فقیر محمد روانہ کی جاتی ہے۔

ذاکری مہینے کے ایک رکارڈ میں لکھا ہے کہ لنباڑی قوم کے حملوں سے مندر کو محفوظ رکھنے کیلئے پیادہ فوج کے سپاہیوں کو مندر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے (لنباڑی ایک خانہ بدوش

ہندو ذم ہے جو جنگلوں میں رہتی ہے اور اس کو سگالی بھی کہا جاتا ہے)

مندر میں ایک اور ریکارڈ (خط) موجود ہے جس میں ضلع نگر کے عامل (سید محمدؐ) کو سلطان نے لکھا ہے:۔

"سوامی جی سمندری غسل کے لئے جانے والے ہیں۔ ان کے لئے سفر میں تمام ضروریات مہیا کی جائیں"۔

ماہ ربانی کے ایک ریکارڈ میں سلطان نے سوامی جی کو اطلاع دی ہے کہ انکے استعمال کیلئے دو نقرئی سپر ارسال کئے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ (سوامی جی) خود پرسرام بھاؤ کے پاس جا کر اس سے درخواست کریں گے کہ مندر کا تمام مال جو مرہٹی فوج نے لے لیا تھا۔ واپس کر دیا جائے۔ اسکے جواب میں سلطان نے سوامی جی کو راہداری کا پروانہ دیتے ہوئے تمام عمالان حکومت کو لکھا ہے کہ وہ دوران سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کی جائیں۔ اسی خط میں سلطان نے سوامی جی کے استعمال کیلئے شالیں اور ہاتھی، نوبت نقارہ اور غلہ بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے جو اس نے اپنی جانب سے بطور نذرانہ گرو جی کو دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ گرو جی پونا پہنچے۔ پرسرام بھاؤ سے ملاقاتیں کیں لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اس لئے ان کو وہاں زیادہ عرصہ لگ گیا۔ اس پر سلطان نے انہیں ایک خط لکھا (یہ خط ماہ "رضی" میں لکھا گیا اور پلیٹ نمبر ۲۱ میں محفوظ ہے)

"آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کیلئے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو۔ اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارش اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپ کو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اپنا کام جلد انجام کو پہنچا کر اپنے ملک میں واپس آ جائیں"۔

ماہِ ربانی کے ایک خط میں سلطان نے گرو جی کو اطلاع دی ہے کہ :-

"آپ کی ہدایت کے مطابق چھتروں (سرادن) میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے آپ اپنی خیریت سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں۔"

۱۷۹۸ء میں سوامی جی نے اطلاع دی کہ وہ پونا سے واپس آنے والے ہیں۔ اسکے جواب میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام حکمنامہ جاری کیا کہ :-

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کرتے ہوئے سوامی جی کے نام اعزاز و مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔"

اس کے بعد ایک اور خط میں سلطان نے سوامی جی سے درخواست کی ہے کہ :-

"پایہ تخت میں تشریف لا کر درشن دیں"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ سرنگیری کے مندر سے متعلق ہے اور یہاں کا مندر تمام جنوبی ہند اور میسور میں نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے اور یہاں کے گرو اکثر راجاؤں کے مذہبی راہنما سمجھے جاتے ہیں ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیانگر کے راجاؤں کے راہنما بھی اسی مندر کے برہمن گرو تھے سلطان نے اس مندر اور یہاں کے گروؤں سے جو سلوک کیا۔ اسکی شہادت وہ ریکارڈ دے رہے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور یہ ریکارڈ ابھی مندر میں محفوظ ہیں۔

سلطان نے اپنی ہندو رعایا سے جو مراعات کیں اور ان کے مندروں کیلئے جو انعامات دیئے ان کی تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے مختصر یہ ہے کہ تمام سلطنت میں جس قدر مندر بھی موجود ہیں سلطان کے انعام واکرام سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ بہت سے مندروں میں ابھی تک سلطان کے دیئے ہوئے نقارے۔ برتن اور ملبوسات استعمال ہو رہے ہیں میسور آرکیولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں میل کوٹ کے مندر کا ذکر ہے۔ اس رپورٹ کے

صفحہ ۷۶ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔
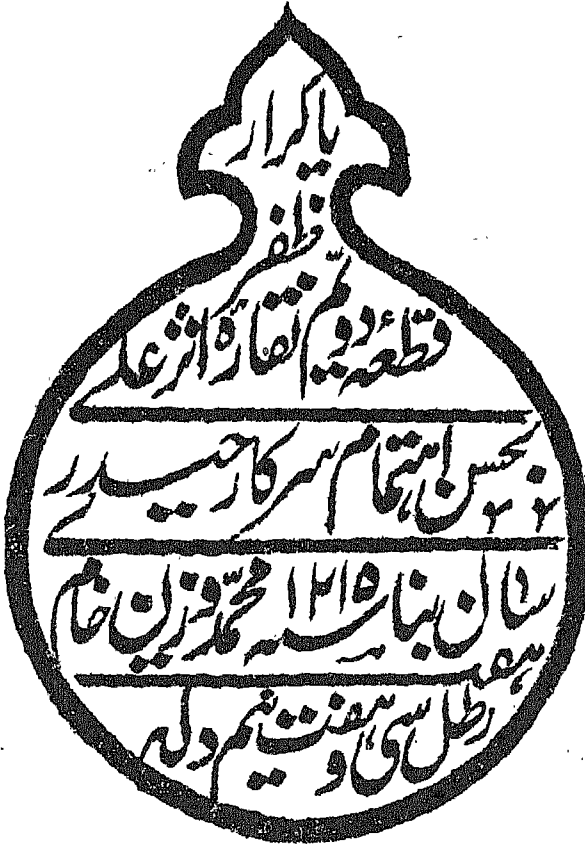
(یاکرار۔ قطعہ دوم نقارۂ ظفر اثر علی بجنس اہتمام سرکار حیدری
سال بنا سنہ ۱۲۱۵ محمد وزن خام ہفت رطل سی وہفت نیم و انگ)
یہ نقش اس نقارے پر ہے جو سلطان نے مندر کے استعمال کیلئے دیا تھا۔ آج بھی
نقارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت سنہ ۱۹۱۶ کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے :۔

رمیل کوٹ کے مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے پائے گئے۔ ان پر

جو تحریر ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے دیئے ہوئے انعامات ہیں"

اسی رپورٹ کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے :۔

"موضع کلالی (ننجن گڈھ تعلق) میں لکشمی کنتا کے مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک طبق اور ایک گلدان موجود ہے جو ٹیپو سلطان نے اس مندر کو دیئے تھے میل کوٹ تعلق میں نارائن سامی کے مندر میں بھی ایک چاندی کا گلدان ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ بادشاہ ٹیپو سلطان کا عطیہ ہے"

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر اگر حیدر علی کا بنایا ہوا ہے تو یہاں کے بُت کے استعمال میں جو کپڑے اور برتن ہیں وہ سلطان کے ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود ان سرکاری رکارڈوں کے موجود ہونے کے بھی آج اس سلطان کو متعصب کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک انگریزی مضمون اخبار رینگ انڈیا سے لے کر لکھا جاتا ہے جس سے سلطان کی مذہبی رواداری کا بخوبی ثبوت ملتا ہے :۔

ٹیپو سلطان اور گرو والور کا مندر

اسلامی رواداری

ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی۔ اگر اس وقت نظام حیدرآباد انگریزوں سے نہ مل جاتے تو ٹیپو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت ہی بہادر تھا۔ اُس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جس قدر بہادر تھا۔

اسی قدر خدا ترس اور بے تعصب بھی تھا۔ اس کی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا۔ آؤ ہم تمہیں ٹیپو سلطان کے متعلق ایک واقعہ سنائیں کہ اس نے مالابار کے ایک مشہور مندر کو بربادی سے کس طرح بچا لیا۔

مالابار میں گروایور کا مندر بہت پرانا اور مشہور ہے۔ مالابار کے ہندوؤں کا اگر اس کو کعبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ہزاروں خوش اعتقاد اس کی زیارت کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا اوتار کرشن جی مہاراج کے دادا واسدیو نے وشنو کی یہ مورت اپنی پرستش کیلئے ایک خواب دیکھ کر بنائی تھی اور گرد برہسپتی اور وایو نے جنوبی ہند میں ایک مناسب مقام تلاش کر کے یہ مورت نصب کی اور اسی لیئے اس کا نام گروایور قرار پایا۔ ٹیپو سلطان جب مالابار کو فتح کرتا ہوا گروایور کے قریب پہنچا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرائے اور انہوں نے دیوتا کی بیش قیمت مورت کو ریاست ٹراونکور کے ایک مشہور مندر میں بھیج دیا۔

ٹیپو سلطان تو گروایور کے قریب ہی ایک مقام پر رک گیا اور اپنی فوجوں کو گروایور فتح کرنے کے لیئے بھیجدیا۔ اس کے سپاہیوں نے گروایور کو فتح کر لیا اور چونکہ ان دنوں مسلمانوں کی مرہٹوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اس لیئے بعض مسلمان سپاہیوں نے ازراہ انتقام اس مندر کو جلا کر خاک کر دینا چاہا۔ چنانچہ چند سپاہیوں نے مندر کی دیواروں پر گھی چھڑک کر آگ لگا دی۔ عمارت تھوڑی ہی جلنے پائی تھی کہ ٹیپو سلطان کے افسروں کو اپنے بادشاہ کے احکام کا خیال آ گیا اور انہوں نے جلدی جلدی آگ بجھا کر مندر کے تینوں برہمنوں کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر شورش پسند سپاہیوں کی شکایت کریں۔

ٹیپو سلطان نے جس وقت پجاریوں سے یہ سنا کہ اسکے چند سپاہیوں نے مندر میں
آگ لگانے کی کوشش کی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور رات ہی رات سفر طے
کر کے کر والی ار پہنچا۔ یہاں پہنچکر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اور جن مسلمان سپاہیوں
نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو سخت سزا دی۔ مندر کو درست
کرایا۔ اور حکم دیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہو وہ سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے
بجائے ہمیشہ اس مندر کو بخشدی جائے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ پجاریوں نے اسکے خوف
سے مندر کی مورتی کو اٹھا کر چھپا دیا ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ دیوتا کی مورتی کو فوراً
واپس منگا کر اس مندر میں نصب کیا جائے۔

لارڈ ڈلنشا لکھتا ہے :-

چیر لیا نامی ایک بزرگ سرنگا پٹم میں رہتے تھے۔ جنہوں نے اکبار شکایت کی۔ کہ
ہندوؤں نے انکے معتقدوں کو بہت مارا پیٹا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ زیادتی
مسلمانوں کی ہے۔ ہوا یہ کہ ہندوؤں کا جلوس جا رہا تھا جس پر مسلمانوں
نے حملہ کر دیا

چیر لیا نے کہا کہ ہندوؤں کا اس طرح مسلمانوں کو مارنا گویا اسلام کی توہین کرنا
ہے۔ اور یہ سلطنت بحیثیت ایک اسلامی سلطنت ہونے کے اسکا فرض ہے کہ اسلام
کو ایسی توہین سے بچائے۔ اور اس معاملہ میں فوراً عاقبتی قدم اٹھایا جائے۔ تاکہ آئندہ
ہندو اسی طرح آزادانہ دستبرد کا سلسلہ ہی باعث نہ ہو جائے۔ جواب ملا ہے
کہ سلطنت کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں مساوی ہیں۔ پیر لیا نے کہا کہ یہی
حال رہا تو میں حدود سلطنت سے باہر چلا جاؤنگا۔ جس پر سلطان کی طرف سے جواب

تا ہے کہ جو مرضی میں آئے کیا جائے۔ پیر لعا مدراس بھاگ کر مقیم ہوئے اور وہیں رہ گئے۔"

(فوٹ:۔ یہ کسی تاریخ سے بھی معلوم نہ ہوا کہ غداری میں پیر صاحب کا ہاتھ کہاں تک تھا (محمود)

سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا ہو سکتی ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں اس نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ پورنیا جس کا نام میر صادق کی طرح بچے بچے کی زبان پر ہے۔ دیوان سلطنت تھا۔ پایۂ تخت سرنگاپٹم اور بنگلور کے قلعے سلطنت میں خاص وقعت اور حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہیں کے استحکام پر سلطنت کا دارومدار تھا ان قلعوں کے قلعدار کشن راؤ اور شام راؤ تھے۔ اپنچی شامیا محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا۔ سلطنت خداداد کی فوجی اور سول لسٹ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو افسروں کی تعداد بھی مسلمان افسروں سے کچھ کم نہیں تھی۔ یہاں تک کہ سب کے سب برہمن تھے اور پٹیل یا تو برہمن ہوتے تھے۔ یا دوسری ذات کے ہندو۔ سلطان کی اس بے تعصبی اور رواداری کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا ہے:۔

ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان اجنبی (انگریزی) مورخوں کی نگاہ میں تو متعصب مسلمان تھا جس نے اپنی ہندو رعایا کو بجبر مسلمان بنایا۔ لیکن یہ سب جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں سے اس کے تعلقات بہت دوستانہ تھے اس کے کارنامۂ زندگی کی یاد ایسے وقت میں جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے اصلی بدیسی دشمن کو بھول کر جو درمیان پھوٹ ڈلوانا چاہتے ہیں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ اور خود غرضی کی وجہ ان سب سے سلب ہو چکی ہے دل میں مسرت کی ایک گدگدی پیدا کر دیتی ہے

اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا جس نے نہایت شرم سے کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے تیس سے زائد خطوط ہیں جو سلطان نے سرنگا پٹم کے شنکر اچاریہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط کنڑی زبان میں ہیں۔ ٹیپو ایک خود مختار حکمران تھا مگر اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ہندو ساہوکاروں کو اس پہ مجبور کرے کہ وہ اپنا حساب و کتاب عربی حروف میں لکھیں بخلاف اسکے اس نے خود اپنی قومی زبان میں شنکراچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے شنکراچاریہ (دعا خوانی) کی درخواست کی تھی۔ اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی فلاح کی دعا چاہی تھی کہ آپ میسور جلد واپس آئیں کیونکہ نیکوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے۔ یہ خط اس قابل ہے کہ زرین حروف میں لکھا جائے۔ اس موقع پر گزیٹ انڈیا نے کنڑی زبان کے اس خط کو دیوناگری حروف میں دیا ہے۔ ٹیپو نے ہندو مندروں کیلئے نہایت فیاضی جاگیریں وقف کیں۔ اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گرد و پیش سری رنگنا تھا سوامی، اور شری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ اپنی عبادت الٰہی میں ہندوؤں کی پوجا کی تشویش سے پریشان نہ ہوا تھا۔ ٹیپو آزادی کے ساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا مگر اس نے دشمنوں کی اطاعت گوارا نہ کی۔

ہمیں بھی سلطان ٹیپو کے اس الہامی مقولہ کو یاد رکھنا چاہیئے۔

ہوتا رہتا تھا۔ وہاں سب سے پہلے عیسائی پادریوں کو امن اور نجات کے دیوتاؤں کے بھیس
میں روانہ کیا۔ اور اسکے بعد جب وہاں کے باشندوں سے ذرا بھی کہیں مخالفت ہوئی تو کلیسا اور
پادریوں کو بچانے کے بہانے سے اس کو مستقل طور پر اس ملک پر فوج کشی کر دی۔ تاریخیں ان واقعات
سے بھری پڑی ہیں۔ سلطان پادریوں کی ان فریب کاریوں سے واقف تھا۔ اسی لئے اس نے
کورگ کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے بجائے اپنے ہی آبائی مذہب پر رہنے کا حکم دیا
اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ لیکن تعجب ہے کہ
میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف بھی جس نے اپنی کتاب سرکاری خرچ پر شائع کی ہے۔ اور جس کو چاہیئے
تھا کہ انصاف پسندی سے کام لیتا۔ اپنی کتاب میں سلطان کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:-

"حقیقت میں اس کا تعصب اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مذہبی اور دوسرے ملکی معاملات میں
وہ کبھی دوسرے کے مذہبی احساسات کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ گو اس نے سرنگیری کے
گرو سے تعلقات رکھے تھے لیکن ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ جس سے وہ فائدہ
اٹھانا چاہتا تھا۔" (میسور گزیٹیر مصنفہ ہیودن راؤ صفحہ ۲۴۰)

لیکن یہی مصنف اپنی پوری کتاب میں کہیں اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکا کہ سلطان نے
اپنی ہندو رعایا کے مشاغل و مذہبی معاملات میں کبھی دخل اندازی کی ہو۔ پھر تعجب نہیں ہے کہ اس
مصنف نے کس لئے تعصب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور جب اسکو ایک مثال بھی اپنے بیان کے ثبوت
میں نہیں ملی تو اس نے یہ لکھ دیا کہ سلطان نے سرنگیری کے گرو سے جو تعلقات رکھے تھے۔
ان کا مقصد صرف سیاسی تھا۔ اس مصنف کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ اس کو کوئی ثبوت
سلطان کے تعصب کا نہ مل سکا تو زبردستی ان تعلقات کو زیر بحث لایا ہے جو سرنگیری کے
گرو اور سلطان کے درمیان تھے۔

اب رہا ان تعلقات کے مقصد کا صرف سیاسی ہونا تو اس سے شاید بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے
انکار نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان مسلمان تھا اور یہ ناممکن تھا کہ مذہبی حیثیت سے وہ کسی ہندو دیوتا
سے اعتقاد رکھے۔ سلطان تو خیر آج کوئی ہندو ہو یا مسلمان مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے
تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح عیسائی اور ہندو اور عیسائی اور مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک
دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس سے تو یہ مصنف بخوبی واقف ہے کہ آج ہندوستان
میں کئی ایک ہندو اور مسلمان ریاستیں ہیں۔ ہندو ریاستوں کے راجہ اپنی ریاست میں مسجدیں
تعمیر کرتے ہیں اور مسلمان نواب مندر بنوا لیتے اور مندر بنا دیتے ہیں۔ کیا یہ مصنف کہہ سکتا ہے کہ
ہندو راجہ اسلام کے شیفتہ ہو کر مساجد کی تعمیر کرتے ہیں یا مسلمان نواب ہندو مذہب کے گرویدہ
ہو کر مندر بنا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حکمران کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنی رعایا کی دلجوئی
کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ دلجوئی سیاسی مقصد کیلئے ہی ہوتی ہے۔

ملکہ الزبتھ نے لندن میں بھی کئی ایک مسجدیں تعمیر کیں۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں بھی حکومت
نے مسلمانوں کیلئے مسجد بنائی۔ خیر یہ تو دور کا قصہ ہے۔ خود ہمارے ہاں ہی دیکھا جائے تو حکمران وقت
نے اپنے خرچ سے چند مسجدیں تعمیر کی ہیں آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ یہی کہ اپنی رعایا کی دلجوئی
اگر ٹیپو سلطان نے بھی ایسا ہی کیا تھا تو اس میں اس مصنف کو عیب کیوں نظر آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے مورخین اور مصنفین سے تنگدلی دور نہیں ہوئی۔ اور یہ
اسی قسم کی کتابوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو مسلم تعلقات بجائے سلجھنے کے اور کشیدہ ہوتے
چلے جا رہے ہیں۔

سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال

سلطان نے بچپن میں جس جگہ پرورش پائی تھی۔ اس جگہ ایک مسجد اعلیٰ بنی ہوئی ہے۔ پہلے

یہاں ایک مختصر مندر اور مسافرخانہ تھا۔ فقیر نے بھی یہ پیشین گوئی کی تھی۔ سلطان نے حسب ہدایت فقیر یہی جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے انتخاب کی۔ مگر مندر ہونے کی وجہ سے اس کو پس و پیش ہوا۔ پجاریوں اور عام ہندوؤں کو بلاکر کہا گیا کہ اگر یہ جگہ مسجد کیلئے دیدی جائے تو اس کے عوض ایک عالیشان مندر تعمیر کرکے دیا جائیگا۔ ان کے راضی ہوجانے کے بعد سلطان نے اپنے قول کو جس طرح نبھایا اس کا ثبوت وہ عالیشان مندر ہے جو مسجد سے مغربی جانب ایک فرلانگ دور سڑک کے سیدھے بازو پہ شمالی رخ ہے۔ اور اس مندر کو جو پیشکش قرار پا کر دی گئی۔ اس کے سندات ابھی مندر میں موجود ہیں۔

اس باب کو ختم کرتے ہوئے اخیر میں میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ جولائی ۱۹۲۳ء کے صفحہ ۲۰۴ سے وہ تبصرہ درج کیا جاتا ہے۔ جو ٹیپو سلطان کے حالات و اطوار اور طرز حکمرانی پر مشہور میکنٹاش آف میسور میں لکھا گیا ہے۔

"ٹیپو ایک نہایت عالی حوصلہ حکمران اور شیر میسور کے نام سے مشہور تھا۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں اس سے خوفزدہ تھے۔ جن سیاحوں نے ٹیپو کی سلطنت کو اس کی تخت نشینی کے بارہ سال بعد یعنی ۱۷۹۵ء میں دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ملک میں زراعت خوب ہو رہی ہے۔ باشندے جفاکش اور مستعد ہیں۔ تجارت روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ اور ہر جگہ خوشی و خرمی ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طرز حکومت لوگوں کے پسندیدہ ہے۔ اور ملک کی عام حالت بتا رہی ہے کہ رعایا اپنے حکمران سے خوش اور قانع ہے۔ اگرچہ ٹیپو کو گذرے ہوئے آج سوا صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن لوگ آج بھی ٹیپو کا اس کے عمدہ صفات کے لحاظ سے ادب و احترام کرتے ہیں۔ بخلاف معترضین کے ٹیپو کے مداح دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔"

ہندوستان اور ممالک اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے

سلطان کی جدوجہد

اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کے لئے

سلطان کی مساعی جمیلہ

یوں تو سلطان کے متعلق جس قدر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں اس کا ذکر ہے کہ سلطان نے ترکی، ایران اور افغانستان کو سفارتیں روانہ کی تھیں۔ بکس اور بورنگ نے ان سفارتوں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ دوسرے مورخین خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم صرف یہ لکھ کر اکتفا کر گئے ہیں۔ کہ سفارتیں روانہ کی گئی تھیں لیکن ان سفارتوں کے مقاصد اور گہرائیوں تک پہونچنے کی سعی کسی نے بھی نہیں کی

اتحاد بین الاقوام ہند کے سلسلہ میں یہ کہا جا چکا ہے کہ سلطان نے نظام سے بار بار اتحاد کی درخواست کی تھی اتحاد بین المسلمین کیلئے اس نے ایلچی متعدد بار حیدرآباد بھیجے لیکن وہ ناکام واپس آئے اسکی وجہ سے سلطان کو یقین ہوگیا کہ ہندو اور مسلمان اپنے نجات سے بالکل بے پرواہ ہیں اور ان سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔ اس اتحاد سے سلطان کا مقصد اس خط سے ظاہر ہے جو اس نے نظام علی خاں کو بھیجا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۲۹) اس کے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اس کی دوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ بنگالہ اور بمبئی پر قبضہ

کے پردے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کس طرح ملک پر قبضہ کر چکی ہے اور جنوبی ہند میں والاجاہ محمد علی کی خود غرضی اور اسلام و وطن دشمنی نے کمپنی کو کس قدر چیرہ دست بنا دیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ تمام ہندوستان کو اپنا غلام بنا لیگی۔ اس لیے کہ ملک میں ہندو ہوں یا مسلمان دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار تھے۔ اپنی اور ملک کی آزادی کی کسی کو بھی رتی بھر فکر نہیں تھی۔ اس وقت ان دونوں قوموں کی جو حالت تھی۔ اس کا اندازہ سلطان کی خاص تحریر سے ہوتا ہے۔ صاحب حملات حیدری نے لکھا ہے کہ یہ تحریر خاص سلطان کی نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس زمانے کے متعلق کسی نے کا الحاقی

خدا نے فضلی حیثیتوں سے جیسے اس ملک میں تمام دنیا کے مجموعی اوصاف جمع کر دیئے ہیں یعنی سردی، گرمی، بارش، برف وغیرہ آثار قدرت جو دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب قدرت نے اس ملک کے مختلف حصوں کو عنایت کیے ہیں باشندگان ملک کیلئے تمام زمین کو ہر قسم کے غلوں سے ذخیرہ گاہ قدرت بنایا ہے سینکڑوں ندیوں اور عالیشان دریاؤں سے ملک کی سیرابی کا سامان موجود ہے ہر طرح کے پھل پھول سے جنگل گلزار ہو رہے ہیں۔ یہاں کے ریگزاروں میں سونے چاندی کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یاقوت و الماس کی تھیلیاں بھرے بیٹھے کھڑے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

ویسے ہی قدرت نے یہ نعمت عظمیٰ اس قوم کو عنایت فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت میں تمام دنیا کی قوموں سے بہتر اوصاف رکھتی تھی۔ یہاں کی قوم ہنود کی تعریف دور دور کے ملکوں میں بطور ایک نادرہ مثال کے بیان کی جاتی تھی۔ ان کی نفس کشی اور دیا کی کوئی حد نہ تھی۔ نرم دلی ایسی تھی کہ ذی روح کو اگرچہ وہ بھنگا اور چیونٹی کیوں نہ

جو تکلیف نہ دیتی تھی۔ محبت اور رفتاری میں دوسرے ملک والوں کو ایسا موہ لیتی تھی۔
کہ وہ اسکے اطوار پسندیدہ اور اخلاق برگزیدہ کے رہین منت ہو کر اس کی تعریف کا
افسانہ ساتھ لیجاتے تھے کسی جاندار کا ایذا دینا حرام مطلق تھا۔ اور اس حکم کی
پابندی اس دلی رحم و لینت سے کیجاتی تھی کہ وہ ہر شخص کی طبیعت ثانی بن گئی
تھی خیرات اور صدقات کی کچھ حد نہ تھی۔ حتیٰ کہ صدقات و خیرات لینے والے
بمشکل دستیاب ہوتے تھے بعض راجے اپنا راج تک خیرات کر دیتے تھے ایفائے عہد
اور قول پروری اس وقت کا خاصہ تھی۔ ذرا سی عذر کی جگہ میں بظاہر یزدانی
کی پرستش پر آمادہ رہتے تھے۔

زاں بعد یہی قوم دوسری قوموں کی آمیزش اور اختلاط اور اپنے قانون عملی
کو چھوڑ کر ایسی گمراہ اور خراب ہوئی کہ انکی ہر شکل سے ان گنتی برائیاں پھوٹ
نکلیں بت پرستی نے سرتاپا کفر و ضلالت میں مبتلا کر دیا۔ انکی خیرات و مبرات
کے بیجا مصرف نے ان گنت فقیر اور سائل پیدا کر دیئے جن کے افعال و اطوار اس
لائق تھے کہ ان کو حرام خوری کا موقع دیا جاتا۔ ان کے دلوں سے رحم اور خداترسی
کا مادہ گھٹنے اور تعصب و نفسانیت کا مادہ بڑھنے لگا۔ اور ان کا رحم قدیم بجائے عام
بنی نوع انسان کے اپنے اغراض و خصوصیات سے متعلق ہو گیا جس نے ان سے پہلی
حالت برگزیدگی کے اوصاف واپس لے لئے۔ اور یہ بتدریج روحانیت کی تابناک روشنی
سے کفر و بادہ پرستی کی تاریکی میں کھو گئے۔ مسلمانوں کے وقت میں انکے تعصب نفسانیت
اور ریا و خوشامد وغیرہ نے ترقی کی۔ اور وہ خصائل جو تونگری اور تمول کو لازم ہیں۔
ان پر چھا گئے۔ اولاد کی کثرت تعلیم کی قلت عیش و تنعم کے اسباب بے ہنرمندی کے فقدان

مردی و فرزانگی کا نام و نشان بھی تیرے لشکر میں باقی نہ رہیگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی حالت پر غور کیجیے کہ ایران، توران، بلخ، ہرات، غزنین، قندھار وغیرہ سے کیسے کیسے توانا اور اولو العزم مغل اور پٹھان یہاں آئے تھے۔ لیکن یہاں کی رہائش سے وہ کیسے تن آسان، عیش پسند اور عشرت پسند ہو گئے اور ان شیروں، پہاڑ والوں کی اولاد کیسی کمزور اور نازک ہو گئی۔ اور انہوں نے کیسی کیسی تحیتیں اور بزدلی کی باتیں اختیار کیں کہ ان کی اصلیت کا کوئی اعتبار نہ ہی باقی نہ رہا۔ اور وہ بھی ہندوؤں کیساتھ ملکر اپنے اوصاف شجاعت، مردانگی، غیرت و حمیت کو کھو بیٹھے۔ اور اولو العزمی ان کی سرشت سے نکل گئی۔"

(مقالات حیدری)

سلطان کو جب حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد میں مایوسی ہوئی تو اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنا چاہا (جس کا بیان پہلے آچکا ہے) اسی سلسلہ میں اس نے افغانستان، ایران اور ترکی کو بھی سفارتیں روانہ کیں۔ ان ممالک کو سفارتیں روانہ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان کو مغربی قوموں سے محفوظ رکھے بلکہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کو بھی ان سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے اس جذبہ کو پین اسلامزم کہا جائے یا کچھ اور لیکن یہ حقیقت تو اس پر واضح تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور اس پر مستقل حکومت کرنے کیلئے ان قوموں (خصوصاً انگریز) کی نظریں بلاد اسلامیہ کے ان ساحلوں پر پڑ رہی تھیں جو ہندوستان کے راستے میں تھے۔ وہ اس سے واقف تھا کہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران اور عرب کے سواحل پر انگریز اپنا قبضہ جمالیں گے۔ اس لئے کہ ان ممالک کے پاس کوئی بحری قوت نہیں تھی۔ جو یورپین اقوام کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ممالک اسلامیہ کا آپس میں اتحاد کرنے سے سلطان کے پیش نظر مندرجہ ذیل فوائد تھے:-

(۱) انگریزوں کی دیران کو ہندوستان میں بندرگاہیں دی جائیں اور اس کے عوض ان
ممالک کے ساحلوں پر سلطنت خداداد کی بندرگاہیں موجود رہیں تو اسلامی جہازوں کی
آمد و رفت کی وجہ سے مغربی قوموں کو ان ساحلوں پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملیگا
(۲) قدیم زمانے سے ہندوستان کی تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی اور یہی تجارت
ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی خوشحالی کا باعث تھی لیکن یورپ والوں نے
کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) کا راستہ دریافت کر کے اس تجارت کو اپنے ہاتھ
میں لے لیا تھا۔ اسلئے سلطان نے پھر اس تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے ہندوستان سے
براہ [illegible] کا بحری راستہ تجویز کیا جو راس امید کے راستے سے زیادہ نزدیک اور سہل تھا
اور اس کے علاوہ تجارت کے یہ مقصد بھی تھا کہ تجارت کی حفاظت کرنے کیلئے اسلامی
ممالک بھی ان سمندروں میں اپنی بحری طاقت قائم کریں کیونکہ جو اب تک نہیں تھی۔
(۳) اسلامی صنعت و حرفت اور تجارت سے بیگانہ ہو چکے تھے جو تجارت اور صنعت
و حرفت میں اقوام عالم کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے سلطان نے [illegible] اپنی سلطنت
میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تجارتی کوٹھیاں کھول کر مسلمانوں کو اس جانب توجہ
دلائی جائے۔
(۴) انگریزوں سے جس کی شرارت اتصال سے عالم میں پھیلی ہوئی تھی فوجی امداد حاصل
کر کے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔
ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے جو سفارت بھیجی تھی۔ اسکا ذکر مختصر طور پر اوپر کیا
تھا۔ یہ سفارت نہایت شان و اہتمام سے روانہ کی گئی۔ اس کے لئے خاص طور پر سلطنت کے
سب سے بڑے جنگی جہاز فخر المراکب کو جس کے جلو میں چار جنگی جہاز تھے چنا گیا ۔

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے مختار نامہ دیا تھا اس میں اسے
اس نے جو ہدایات لکھی تھیں وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

قلم اول:۔ سرکار خداداد و سلطان روم کے درمیان شمس و قمر کے دور قیام
تک دوستی و یکجہتی قائم رہے گی۔

قلم دوم:۔ بندرگاہ بصرہ و ملحقہ ملک معہ ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے
اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائیگا۔

قلم سوم:۔ اس کے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت
ہو اجارہ پر دی جائیگی اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان رسل و رسائل اور جہازوں
کی آمد و رفت ہوتی رہے گی جس کے سبب سے دین متین احمدی کو روز افزوں تقویت ملیگی۔

قلم چہارم:۔ ترکی سلطنت ہماری تائید کیلئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کرکے
روانہ کریگی اس کے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کریگی اور جس وقت ترکیہ
کی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہوگی تو اس فوج کو جہازوں پر سوار کرکے
بسلامت خداداد کے خرچ پر واپس بھیجا جائیگا۔

قلم پنجم:۔ سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں۔
لیکن اور چند بندوق و توپ اور قرابہ سازوں کو جو ماہر فن ہوں ترکی سے
بھیجے جائیں۔ اور انکے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار
خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کیجاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرار نامہ کی صورت میں قلمبند کرکے سلطان
روم سے اس پر دستخط لے جائیں اور اس کی ایک نقل ہمارے ملاحظہ کیلئے بھیجی جائے۔

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ دو گنڈک کی کانوں کے اور چند سونے اور چاندی کی کانوں کے ماہرین کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اور چالیس توپیں بھی خرید کی جائیں۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہدنامہ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان نے میر غلام علی کو ایک اور منشور دیا جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے اس میں سلطان نے لکھوا تھا:۔

(۱) اس اتحاد کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگالہ کو جس کے محاصل ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک نانکہ کو جس کے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں۔ جو بادشاہ ہندوستان کی ملکیت ہیں مقامی حکام سے سازش کر کے پچیس ۲۵ یا تیس ۳۰ سال سے اپنے قبضہ میں لے آئے ہیں۔ اور اکثر اہل اسلام کو گرفتار کر کے ان کے مساجد و مقابر کو تباہ کر کے اپنے کلیسا تعمیر کرتے ہیں۔ اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے سلطان ان سے جنگ کرنے میں مشغول ہے۔ اس جہاد میں آپ کی تائید چاہیئے

(۲) نصاری کے قلع قمع کے لئے جہازوں کی سخت ضرورت ہے اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازوں کی تیاری میں مشغول ہے۔ لیکن ان جہازوں کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کیلئے بندرگاہیں چاہیئیں اس لئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکیگی۔ اور اسکے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازوں کی آمد و رفت ہمیشہ قائم رہیگی۔ اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا۔

(۳) بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت

ہو دی جائیگی اس سے مقصود یہ ہے کہ ترکی سلطنت کی اگر ایک سفیر رہ کر ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہاز ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے اور اس طرح نصاریٰ کی آمد ورفت کا قلع قمع ہو جائیگا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کے ساحل ان کی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) نصاریٰ ہر طرح سے اپنی صنعت و حرفت، تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ دول اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کی طرف توجہ کریں سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر چکی ہے۔ اس لئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بے شمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں ان کے علاوہ گھڑیاں، ظروف چینی، قندیلیں، آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں۔ سلطنت ترکی کو جب یہاں ان اشیا کی ساخت کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جا سکتے ہیں۔ اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔ انہیں بہ خوشی یہاں ملازمت دی جائیگی۔ اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں تو انہیں واپس جانیکا اختیار ہوگا۔

(۵) چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کی وجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے اس لئے دریائے فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کریگی۔ اور اجازت منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجا جائیگا یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کیلئے بھی کام آسکے گی۔"

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا تھا کہ:
بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد، نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہنچے
اور راستے میں مقاماتِ مقدسہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سے سلطنتِ خداداد
کو آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اس کے متعلق میر غلام علی کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اس کی نقل بجنسہ بزبان
فارسی میں دی جاتی ہے:

"نقل حکم نامہ: آنکہ نوشتہ ئے کہ اکثر مساجد و مقابر و درگاہ بزرگان
دین ہمہ ویران باشند رفتہ از طرف سرکار خداداد نذر و شیرینی بردہ فاتحہ شود و بقدر
مناسب از نقد خیرات نمایند و احد شریف کہ سلطان روم تعمیر دریافت شود تعمیر
معروض دارند۔ مکہ شریف و در مدینہ شریف و درگاہ حضرت میران پیر و در نجف
اشرف و در کربلائے معلی و در درگاہ حضرت امام رضا برائے نذر کدام چیز مقبول
پاپندار است و نیز اگر در دار ہائے نقرہ فرستادہ شود در مکانہائے موصوف نصب
خواہش یابد و ہم درگاہ روبروئے درگاہ اگر کلان است بر آں بالاخانہ تیار کردہ
نقارخانہ گذاشتہ شود بہتر است یا نہ؟

مرقوم پانزدہم حیدری سال جلو از مقام متصل ظفرآباد ہجری"

دفوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نامہ سرنگاپٹم سے سفارت کے روانہ ہو جانے کے بعد میر غلام علی کو
بھیجا گیا تھا۔ (محمود)

غرض یہ سفارت نہایت شان و شوکت سے قسطنطنیہ (استنبول) پہنچی۔
ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتا ہے:

"عہد نامہ منگلور کے بعد سلطان نے ایک سفارت قسطنطنیہ کو بھیجی۔ اس سفارت کا
رئیس غلام علی تھا۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان ترکی کو نہایت بیش قیمت تحائف
کے علاوہ ٹیپو نے نئی بندوقیں جو اس کے کارخانوں میں تیار ہوئی تھیں۔ دس لاکھ
روپیہ جو نئے ڈھلے ہوئے تھے قیمتی پارچہ جات، سونا اور جواہرات بھی بھیجے تھے۔"

سفارت بندرگاہ بصرہ میں پہنچی۔ ترکی گورنر نے باب عالی سے حکم آنے تک اسکو یہاں
ٹھہرا رکھا۔ تین ماہ کے بعد جب حکم پہونچا تو اس کو جانے کا حکم دیا گیا۔ قسطنطنیہ پہونچکر ارکان
سفارت نے وزیر اعظم اور دوسرے امراء سے ملاقاتیں کیں لیکن بارگاہ سلطان ترکی میں ایک
عرصہ تک باریابی نہ ہو سکی۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہونچی تو بمشکل دو ماہ کے بعد باریابی ملی سلطان سلیم نے
ٹیپو کی ان تجاویز کا مضحکہ اڑایا۔"

سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کی تجاویز کا مضحکہ اڑایا ہو یا نہ اڑایا ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے
کہ اس نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہکر ٹالدیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا رہنا کافی ہے
جب اسکے بعد بندرگاہ بصرہ کی جاگیر اور نجف اشرف میں نہر کی تیاری کی درخواستیں پیش ہوئیں
تو یہ بھی مسترد کر دی گئیں بلکہ بصرہ میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملی۔
ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۳۱ پر لکھتا ہے:۔

"غلام علی نے سلطان ترکی کے آگے ٹیپو سلطان کی یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ بصرہ میں
سلطنت خداداد کو ایک فیکٹری (تجارتی کوٹھی) کھولنے کی اجازت دی جائے اور
اس امر کی بھی اجازت دی جائے کہ نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جائے
مگر سلطان سلیم نے ان تجاویز کو قبول نہیں کیا۔"

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"جب باب عالی کے آگے سلطان کی یہ تجویز پیش ہوئی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ تو وزیر اعظم نے کہا۔ اس قسم کی باتیں قدیم زمانے میں جب زمین پر جنات اور دیو آباد تھے سنی جاتی تھیں ریگستان میں نہر نکالنا اب تک نہیں سنا گیا۔ اگر خدا کو منظور ہے کہ یہ نہر نکالی جائے تو وہ خود اس کا سامان پیدا کر دیگا۔ اور ترکی کو ٹیپو سلطان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی"

یہ الفاظ حقیقت میں وزیر اعظم نے کہے تھے یا ولکس کے دماغ کی ایجاد ہیں۔ اسکے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں ترکی اور تمام عالم اسلام پر ایک جمود طاری تھا۔ سترھویں صدی عیسوی میں ہر جگہ کے مسلمانوں کی یہی حالت تھی۔ ترکی جو دنیائے اسلام کی سب سے زبردست اور دنیا میں علمبردار اسلام کہلاتی تھی۔ تباہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی۔ باب عالی میں یورپین اقوام کی ریشہ دوانیاں اور انکے سفیروں کی آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سب سے بڑھکر انگلستان حصہ لے رہا تھا جو فرانس کے خوف سے ترکی کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا۔ صنعت و حرفت کا ملک میں نام و نشان تک نہیں تھا اور تمام تجارت یورپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی۔ مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ترک حد درجہ گر چکے تھے۔

تاریخ خاندان عثمانیہ میں اس زمانہ میں ترکی کی اندرونی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے :۔

ترکی کی حالت

(۱) صرف وہی قومیں جو مذہب معاشرت اور زبان میں ترکوں سے متفق تھیں نہیں بگڑی ہوئی تھیں۔ بلکہ رعایا میں مسلمان بھی جو کافی زبردست ہو جاتے تھے۔ [illegible]

قاعدہ کلیہ بنالیتی اور زبانی فرمانبرداری کے سوا اور سب طرح سے مطلق العنان ہو جاتے تھے۔ بغاوت اور خانہ جنگی بڑے بڑے پاشاؤں کا معمولی وطیرہ تھا

(۲) عام طور پر گورنر ایک سال کیلئے مقرر ہوتے تھے۔ اور یہ تقرریاں عموماً رشوتیں دیکر حاصل کی جاتی تھیں۔ اور وہ لوگ جو گورنر ہونا چاہتے تھے۔ مالدار نہیں ہوتے تھے اس لئے عموماً رشوت کا روپیہ کسی مالدار یونانی یا یہودی سے قرض حاصل کرتے تھے قرض دہندہ فی الحقیقت اس صوبہ کا جس پر اس کا مقروض متعین ہو مرتہن ہو جاتا تھا اور رہن بھی باقبضہ ہوتا تھا کیونکہ لازمی طور پر اس کا معتبر ایجنٹ سکرٹری کی حیثیت میں پاشا کے ساتھ جاتا تھا۔ اور بسا اوقات صوبہ کا واقعی حاکم یہی سکرٹری ہوتا تھا اور پھر ہر سال عہدہ کی تجدید کی ضرورت پاشاؤں کو اس مالی غلامی سے آزاد نہیں ہونے دیتی تھی

(۳) قاضی صاحبان جیسے مجسٹریٹ بھی عموماً پاشاؤں کی طرح اپنے عہدوں پر بذریعہ خرید متصرف اور انہی جیسے ظالم اور خائن ہوتے تھے۔

(۴) جاگیری انتظام میں بے اندازہ خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں اور باب عالی کی غفلت یا کمزوری سے سلطنت کے اہم صوبجات میں مختلف اقوام و مذہب کی چھوٹی چھوٹی خودسر ریاستیں سی قائم ہو جاتی تھیں جس سے سلطنت عثمانیہ کی کمزوری اور بدنظمی میں مختلف اور بے حساب اضافہ ہو گیا تھا۔

(۵) جاگیردار نیابتی اور براہ راست نام سلطان اور اسکے گورنر کی اطاعت کرنے سے تو انکار نہیں کرتے تھے لیکن کسی سرکاری عہدہ دار کی مجال نہیں تھی کہ جاگیردار کے قلعہ میں داخل ہو کر حکم کی تعمیل کرا سکتے۔

(۶) علما اور بالخصوص مفتی یعنی شیخ الاسلام کی طاقت بہ نسبت سابق بہت بڑھ گئی تھی یہی کیفیت املاک و اوقاف کی بھی تھی۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کیلئے اپنی املاک متولیان اوقاف سے خفیہ معاہدہ کر کے وقف کر دیتے تھے۔

(۷) الغرض سلطنت کے ہر شعبہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صدی کے خاتمہ کے قریب سلطنت عثمانیہ کمال انحطاط کے درجہ پر پہنچ گئی تھی تو اس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہ ہوگا۔" (تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم اقتباس از صفحات ۴۶ تا ۴۸)

ان حالات میں سفارت کا ناکام واپس آنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔

لیکن سلطان اس سے مایوس نہیں ہوا۔ اس نے پھر دو سفارتیں روانہ کیں اور ان میں جو آخری سفارت تھی وہ ۱۷۹۸ء میں روانہ کی گئی تھی۔ اس وقت باب عالی میں انگریزی سفیر کا طوطی بول رہا تھا۔ ترکی پورے طور پر انگریزوں کے اثر میں تھا اس لئے جب ٹیپو سلطان کا خط پیش ہوا تو سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ فرانسیسیوں پر اعتماد نہ کرے بلکہ انگریزوں کے ساتھ مل جائے۔ سلیم ہندوستان کے حالات سے ناواقف تھا بہر طور یہاں سلطان سلیم کا خط اور اس کا جواب جو ٹیپو سلطان نے بھیجا تھا درج کئے جاتے ہیں۔

سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط مورخہ ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ بنام ٹیپو سلطان

(یہ اصل خط عربی میں تھا۔ عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا)

اس سلطان برادر قدر دان کو معلوم ہو کہ ان ایام میں کہ فرانسیسی لوگ دیار فرنگ کی اکثر ریاستوں کے ساتھ سرگرم پیکار رہتے تھے۔ ہماری سرکار نے ان لوگوں کے ساتھ اتفاق و دوستی کے سبب جو سابق سے چلی آتی ہے ان کے دشمنوں کی طرفدار نہ ہو کر صلح کل کا مسلک

اختیار کیا۔ اس سرکار کو چونکہ بہ نسبت ان لوگوں کے نہایت درجہ میلان و التفات اور ان کی لگاوٹ کی باتوں کا کمال اعتماد تھا۔ اسی سبب سے دوسروں کے سوال و پیغام اسکے خلاف مسموع نہ ہوئے۔

سرکار عالی کو یہ خیال تھا کہ وہ بھی ان مدارات کے بدلے لوازم مروت و دوستی بجا لائیں گے لیکن برخلاف اسکے ان لوگوں نے یکایک دغابازی اور مکاری کا طریقہ اختیار کیا چنانچہ پہلے تو انہوں نے طولون میں جو ملک فرانسیس کے متعلق بندرگاہ میں سے ہے جہازوں کی تیاری کی۔ اور ان جہازوں کے روانہ کرنے کا لوازمہ اسباب مہیا کرنے کے بعد کثیر لشکر ان پر چڑھایا۔ اور بعضے آدمیوں کو جو عربی زبان سے ماہر اور قبل اسکے ملک مصر میں گئے تھے ساتھ کیا۔ اور سرداری اس کی بوناپارٹ کو دی جو اس قوم کا سپہ سالار تھا۔ چنانچہ سپہ سالار مذکور نے ان جہازوں وغیرہ کے ساتھ جزیرہ مالطہ کی سمت کوچ کر کے اس مقام کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ پھر یہاں سے اسکندریہ کی جانب روانہ ہو کر ۱۸ محرم الحرام ۱۲۱۳ھ کو اسکے سامنے جا کر اکبارگی اپنا سارا لشکر شہر میں داخل کر دیا کچھ دنوں بعد ان نے وہاں عربی عبارت میں اس مضمون کے اشتہار شائع کئے۔ کہ ہم کو سرکار عثمانیہ کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں۔ بلکہ تادیب و تنبیہ مصر کے بیگوں کی جنہوں نے قوم فرانسیس کے سوداگروں کو تکلیف پہونچائی منظور ہے عرب کے جتنے آدمی فرانسیسیوں کی موافقت اختیار کریں گے۔ انکے ساتھ حسن سلوک عمل میں آئیگا۔ اور جو لوگ مخالف ہونگے وہ موت کا مزا چکھیں گے تعجب تو یہ ہے کہ ان مفسدوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ مصر کی مہم ہمارے مرضی اور صلاح سے واقع ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ بات محض جھوٹ ہے۔

اسکے بعد اس مکار نے شہر روضہ میں دخل کر لیا۔ تب تو دولت عثمانیہ کی فوجوں نے جو شہر قاہرہ سے ان مصیبت زدوں کی مدد کو بھیجی گئی تھیں ان کا مقابلہ کیا اور مصر کی سرزمین جو اس اعتبار سے کہ متصل قبلۂ اہل اسلام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے واقع ہے۔ اس کی نسبت قوم مذکور کے بعض منصوبے کھلے گئے۔ انکی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عرب کے ملک کو لیکر اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اسلئے ہمارے دل میں یہ بات سمائی ہے کہ توفیق الٰہی اور تائید رسالت پناہی سے ان دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کے دفع کرنے میں ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جاتی ہے۔

چونکہ اس بہادر قدردان کے ساتھ جو دین اسلام کی حمایت میں مشہور آفاق ہیں۔ مدت سے مراسم یک جہتی ثابت و مستحکم اور طرفین سے ارتباط و یگانگت کی رسمیں جاری ہیں۔ امید ہے کہ وہ بادشاہ مہربان اس خرخشے کی صفائی کیلئے اس سرکار عالی کے ساتھ درمیان عزم و رزم کے متفق اور معاون ہوتے ہیں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں گے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ ان دنوں قوم فرانسیس نے سرکار انگریزی کے علاقہ ہندوستان میں طرح طرح کی سازشیں کی ہیں۔ اور تقریب سے درمیان قوم فرانسیس اور اس بادشاہ کے نہایت موافقت اور میل پیدا ہوا ہے چنانچہ ان کے سرداروں نے مصر کے راستے سے فوجوں کے بھیجنے کا اقرار کیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کا مکر و فریب جلد ظاہر ہو جائیگا۔

چونکہ اس قوم کے مقابلہ کیلئے ادھر تو ناظمان سرکار انگریزی مستعد ہیں اور ادھر ہم بھی انکے فتنہ و شورش کا دفعیہ کرنا ضرور جانتے ہیں۔ اس صورت میں دونوں سرکار

کے سرداروں کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت میں شریک ہیں۔ اور یہ بات
ایک جہان کے گوش زد ہو گئی ہے کہ فرانسیسیوں کے شرارتوں نے ہر دین و مذہب کے
تلبیست و نابود کرنے پر کمر باندھی ہے۔ یہاں تک کہ پاپائے روم کے ملکوں پر جو یہاں
کے قدیم پیشیوں میں سے ہے۔ اور دیار فرنگ کی سب قومیں اس کی عزت اور توقیر
کرتی ہیں ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور ریاست ہشگواں بھی جو بطور ریاست
اجماعی تھی لے لی ہے۔ اور اب سرکار عثمانی کے ملکوں پر تاخت کی ہے۔ اور آئندہ
ان کو ہندوستان لینے اور انگریزوں کو وہاں سے نکال دینے کی دھن ہے۔ الحاصل
فرانسیسیوں کی قوم ایسی بے مروت ہے کہ ان کے مکر و فریب کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اسلئے
امید ہے کہ وہ برادر طریقہ دین اسلام کے اقتضا سے اپنے ہم مذہبوں کی کمک اور
مدد میں بلکہ قوم فرانسیس کے شر و تمرد سے خلق ہند کے بچانے میں کچھ دریغ نہ فرمائینگے
اور اگر درمیان اس برادر والا قدر اور قوم مذکور کے کچھ ارتباط اور سلسلہ ملاپ ہوا
ہے تو امید ہے کہ وہ برادر والا قدر حال و استقبال کے آغاز و انجام سے نظر کر کے
اس فتنہ و فساد کو جو اس قوم کی عادت میں منظور رہتا ہے تدبر کر کے دل سے
بہت دور کر کے اس سے احتراز لازم جانیں گے۔ اور انگریزوں سے ملنے کے قصد دل
سے مقرر کر لیں گے۔ اور جس صورت میں اس برادر کو انگریزوں سے کچھ شکایت ہو تو
وہ ہمیں مفصل اسکا حال لکھیں گے۔ تاکہ اس کی صفائی کیلئے ہر طرح کی دوستانہ کوشش
عمل میں لائی جائے۔ امید ہے کہ وہ برادران امور میں غور و فکر کر کے قدیم دوستی
اور ارتباط کی بنیاد کو جو جانبین سے بطور شائستہ ثابت و قائم ہے اور زیادہ
مضبوط و استوار کریں گے۔ فقط

ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب

(یہ خط عربی زبان میں لکھا گیا تھا)

سب ستائش اور حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس نے ملوک صاحب احتشام اور سلاطین عالی مقام کے نظم و نسق سے دین اسلام کو ایسا نور و ظہور بخشا۔

اور درود و سلام اس کے رسول مجتبیٰ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی آل و اصحاب امجاد پر جنہوں نے شریعت خیر الانام کے طریقے کو آج اوج کمال پر پہنچایا۔

بعد اس کے شہنشاہ جہاد حکومت و ابہت پناہ ظل ملک صمد مورد الطاف ربانی منبع دانش و عرفان مجمع پرداختان مقدمۃ الجیش نصرت وزی و اقبال برگزیدہ حضرت ذوالجلال۔ بادشاہ بحر و بر نائب ایزد دادار۔ اعلیٰ سلطان روم کی بارگاہ والا میں (خدا ان کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے) پوشیدہ نہ رہے کہ :-

آپ کا مکتوب گرامی جو قوم فرانس کی توہین و تذلیل اور جمیع مسلمین کے ساتھ ان کے عناد رکھنے اور یک قلم مذہب کے طریقوں کو صفحہ جہاں سے محو کر ڈالنے پر مشتمل اور انگریزوں کی تعریف و تحسین اور درمیان انکے اور ہمارے صفائی کر دینے کیلئے اس عظمت و دستگاہ کے کفیل و عازم ہونے اور ہم میں اور ان میں جو خصومت اور دشمنی واقع ہے۔ اس کا سبب بیان کرنے پر محتوی تھا۔ نیک ترین ساعت میں پہنچا۔

خاطر عاطر پر روشن اور مبرہن ہو کہ ہم نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے اور دین محمدی

کی بنیاد قائم رکھنے کیواسطے کمر باندھی ہے۔ اور فی الواقع فرانسیسیوں کی ذات جیسا کہ آپنے لکھا ہے بڑی بے وفا اور سنگ دل ہے۔ ہم ان کی برائیوں سے خوب آگاہ ہیں اور چونکہ انگریزوں کی قوم نے ان دنوں ہمارے ملک پر تاخت کرنے میں پیش دستی اور حرب و تہیہ کی تیاری کی ہے۔ اس لئے ہم پر بلکہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا ہے۔ توقع ہے کہ جناب عالی اوقات خاص میں مناجات کر کے ہمت اور دعا سے ہماری معاونت فرمائیں گے۔ بعد اس کے ہم سب کو فضل الٰہی اور توفیق ایزدی کی اعانت بس ہے۔ تفصیل اس کے ہم نے ایک نامہ سید علی محمد اور مدار الدین کی معرفت بھیجا ہے جس میں بخوبی مفصل حالات مندرج ہیں۔ علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر بھی ایک دوسرا مکتوب لیکر گیا ہے۔ وہ عنقریب بارگاہِ والا میں حاضر ہو کر ہمارے مقاصد و مطالب تشریح وار عرض کرے گا۔ صلوٰۃ و سلام خدا کا نبی برحق اور اس کی آل و اصحاب پر ہو۔ فقط

سلیم کے خط کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ٹیپو سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی سے توقع رکھنا لاحاصل ہے۔

ایران کو جو سفارت روانہ کی گئی تھی وہ ایک حد تک کامیاب رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ایک بندرگاہ دینے اور اس کے عوض ہندوستان میں بندرگاہ لینے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور شاہ ایران کے نام خط لکھا کہ جو بندرگاہ ضروری ہے اس کا انتخاب کر لیا جائے جیسا کہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔

خط بنام کریم خاں زند، فرمانروائے مملکت ایران

چونکہ آفتاب کے ظہور اور ماہتاب کے نور سے ساحت آسمان و زمین نوریاب

اور گلزار عالم ابر آذری سے سرسبز و شاداب رہے محفل سلطنت و دولت اور گلشن مکنت و حشمت ؎

خداوند اورنگ شاہنشہی　　سپہدار اقلیم فرماں دہی
خدیو زماں شاہ عالی مدار　　شہ دادگر خسرو نامدار
فرازندۂ رایت سروری　　فروزندہ خورشید اوج سری

زیب و زینت چار بالش تمکین و جاہ نوازندۂ خلق اللہ کی تمتع اقبال تائید ایزدی اور رضائے سرمدی سے دو شن رہے۔

آپ کا الطاف نامہ جس کے مضمون سے سراسر خلاص و محبت کا رائحہ پیدا ہوتا تھا ایسے وقت میں کہ دل آشفتہ مند کو وہاں کی خبر خیریت کے دریافت کا انتظار تھا بساعت مسعود و زمان محمود سیادت پناہ شرافت دستگاہ شاو قرۃ الشفاد و ذالاجاہ رفیع الشان میرزا محمد سلیم الدین العابدین خاں کی معرفت چہرۂ افروز وصول ہوا اس کے مشاہدہ سے اور مطالعے سے دل اور دماغ میں کمال انبساط اور سرور نے جگہ پائی۔ مخلص نیازمندان مراتب موالات و محبت کے سننے سے جو سفیران مذکور کی زبانی معلوم ہوئے۔ الطاف سامی کا شکر گذار ہوا۔ چونکہ اتفاق و وفاق عامۂ بنی آدم سے نیکیاں اور حسنات پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب دو صاحب شوکت حاکموں اور ذی اقتدار بادشاہوں کے درمیان مؤالفت اور مجالست کی بنیاد قایم ہو تو بے حد و بے شمار برکات و فوائد کا مترتب ہونا ظاہر ہے۔

اس لیے یہ دعاگو کیش اس زیبندۂ تاج و دیہیم کے اوصاف ذاتی اور کمالات فطری سن کر حسب مضمون اس شعر کے ؎

مصاحبت چہ ضرور است آشنائی را
ہنوز یاد ہمین مجو نگہت عربی است

اس جناب سے اتحاد و ارتباط کا خواہاں ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ دل نیاز منزل کو اس شاہ والا تبار کی فتوت و مروت سے جو امید تھی وہ بخوبی ظہور میں آئی۔ یعنے اتحاد و محبت کا آفتاب دونوں پر پرتو فگن اور کاشانۂ وداد و اتفاق روشن ہوا۔

یہ بات جو اثنائے الطاف و کرم قید تحریر میں آئی ہے کہ یہ اخلاص شعار اپنی سرکاری کشتیوں اور جہازوں کی لنگرگاہ کیلئے جو بندرگاہ بنادر ایران سے درکار و ضرور ہو، آپ کو لکھ بھیجے۔ الحق جب بنائے یکجہتی و اتحاد قائم ہوئے تو جانبین کے دیار و امصار ایک حکم میں داخل ہوئے۔

نیاز مند کل ملک ایران کے علاقوں اور جزیروں کو اپنا ہی سمجھتا ہے۔ اور اب اس فروغ اکلیل شہریاری سے بھی بحکم القلب یھدی الی القلب امید یہ ہے کہ اس صفا کیش کے قلمرو کے سب جزیروں اور بنادر کو اپنا تصور فرما کر جس بندرگاہ کی خواہش ہو، اس سے اپنے خیرخواہ کو آگاہ کریں اور دولت ایران کے شاہی معتمد کو وہاں روانہ فرمائیں۔ بندرگاہ مذکور بسر و چشم انکے حوالے کر دی جائیگی۔ تاکہ یہاں سے بڑے بڑے شہتیر اور کُندے اور تختے وغیرہ جہازوں کی تیاری کا سامان جو اس اطراف میں کثرت سے ہے۔ اور نیز اس دریا کے دوسرے تحائف اور عجائب ہمیشہ وہاں پہنچا کریں۔ باقی مراتب سیادت دستگاہ سید نور اللہ کے ذریعے رائے کشا پر روشن ہونگے۔ شفقت شاہانہ سے امید ہے کہ مکتوبات محبت طراز کے ہمیشہ بھیجنے سے جو ذات مجمع محاسن کی صحت و آسائش اور تحائف کی فرمائش پر متضمن

ہوں۔ ولی آرزومند کو محفوظ فرماتے رہیئے۔ الٰہی خورشید اقبال مشرق جاہ و جلال سے طالع رہے۔ فقط مہر و دستخط ٹیپو سلطان۔

یہ خط جب ایران پہونچا تو وہاں کی دنیا ہی نئی تھی تمام ملک میں شیعہ و سنی اختلافات سے ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی اور اس آگ پر تیل ڈالنے کے لیئے لارڈ ولزلی کا بھیجا ہو مراد آباد کا ایک شیعہ وہاں موجود تھا (میسور کی چوتھی جنگ میں اس پر مفصل بیان لکھا جا چکا ہے)

اب اسلامی ممالک میں صرف افغانستان باقی تھا۔ جس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں تھی لیکن ایک ایسا فرمانروا موجود تھا جس کے دل میں اسلام و اسلامیوں کیلئے تڑپ موجود تھی۔ اس نے ٹیپو سلطان کو امداد دینے اور ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دینے کا ارادہ کر لیا۔ اور سلطان کو خط لکھا۔

خط زمان شاہ والی افغانستان۔ بنام ٹیپو سلطان

"بعد حمد یزدان پاک اور نعت نبی صاحب لولاک اور القاب سلطان مکتوب الیہ کے منشاء قلم شاہد مدعا کے چہرہ سے یوں نقاب اٹھاتی ہے کہ

خط مسرت نمط جو اہر محبت و وفا کا مخزن کنوز مروت و فلا کا معدن جو آپ کے اہتمام و توجہ پر شریعت محمدی کے رواج دینے اور بددینیاں بدبختی کے برباد و تاراج کرنے پر متضمن ہے اور اس میں آپ نے لکھا ہے کہ سلطانی قلمرو کی جامع مسجد ولی میں ہر جمعہ کے روز بعد نماز کے اس نیاز کی وسعت مملکت اور نصرت رایات فتح آیات کے واسطے ایزد سبحانہ کی جناب میں مناجات کی جاتی ہے۔ اس عالیجاہ کے ایلچی سید حبیب اللہ اور سید محمد رضا کے ہاتھ مع سوغات مندرجہ اس دعا سے کہ اس سرکار کے دو شخص اس مخلص کے دربار میں حاضر رہا کریں۔ ساعت سعید میں پہنچا

جس سے دوستی اور یکجہتی کا گلشن از سر نو تازہ ہوا

"چونکہ اس سلطان والاشان کو بے دینان مخذول کا نیست و نابود کرنا اور شرع اطہر رسول مقبول کا جاری کرنا منظور ہے۔ ہم بعون الٰہی مع لشکر قاہر جلد اس طرف کوچ کرتے ہیں۔ تاکہ کفار بدکردار ضلالت شعار کے ساتھ غزا و جنگ کر کے اس ملک کو لوث اور کفر و بدعت سے پاک و صاف کریں۔

آپ اس امر میں بخاطر جمع رکھیں کہ وہاں کے باشندے اپنی داد کو جلد پہنچ کر مہد امن و آسائش میں چین سے رہیں گے

اور اس سلطنت پناہ نے جو محبت اور ارتباط کی استواری کے واسطے اپنی سرکار والا کے ایک شخص ہمارے یہاں بھیجنے کے باب میں درخواست کی۔ اس کو ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اس عالی منزلت کے سفیروں کی معرفت جو اپنی سفارت کے کام بخوبی بجا لائے۔ کچھ ہدیے اور تحفے جو ہماری دوستی و محبت کی نشانی ہیں بھیجے جاتے ہیں۔

مدام اپنے مرکوزات خاطر سے مع اعلام خصوصیات دیگر ہمارے دل مشتاق منزل کے مذاق کو شیریں کام رکھیں۔"

زماں شاہ نے نہ صرف یہ خط بھیجا۔ بلکہ فوج لیکر سرحد ہندوستان پر پہونچ بھی گیا۔ لیکن لارڈ ولزلی کے فرستادہ شخص نے ایران میں جو آگ لگائی تھی۔ اس کی بنا پر اسی وقت شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے زماں شاہ کو واپس جانا پڑا۔

سلطان نے جو رائے ملک ہند اور مسلمانوں کے متعلق قائم کی تھی۔ وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اور جو خدشات کہ اس کو بلاد اسلامیہ کے متعلق تھے۔ وہ بھی حرف بہ حرف پورے

ہوئے ہندوستان محکوم ہو گیا۔ اور ہندوستان پر قبضہ رکھنے کیلئے انگریزوں نے بلادِ اسلامیہ پر یعنی ایران کے جزائر، عرب میں عدن، کویت اور عراق میں بصرہ پر قبضہ کر لیا۔

مقاصدِ حیات

سلطان کے حالات، اسکے عادات و اطوار، اسکا طرزِ حکومت، اسکے اخلاقِ حسنہ، اس کا جذبۂ جہاد اور اس کی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوامِ ہند و اتحاد بین المسلمین کیلئے اس کے مساعیٔ جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔

ہندوستان کا ماضی و حال اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی پانچسو سالہ حکومت۔ اس کا زوال اور اس کے اسباب سے وہ بے خبر نہیں تھا کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے دیباچہ میں سلطان خود لکھتا ہے:۔

"سلطنتِ مغلیہ کی تباہی کا باعث وہ جنگ و پیکار ہے۔ جو بعد انتقال عالمگیر اسکی اولاد میں باہم واقع ہوئی۔ ان کی آرام طلبی اور آسائش دوستی بہت زیادہ کی عیش و عشرتِ سلطنت کے کاروبار میں تکلیف و مشقت سے بیزاری اور عورتوں کی صحبت نے اس سلطنت کی جمعیت میں پریشانی و تفرقہ ڈالے جب سلطنت کے آثار کچھ باقی رہے تو امیرانِ سلطنت اور صوبہ داروں نے اطاعت اور نیابتِ دولتِ تیموریہ سے نافرمانی و بغاوت کر کے علمِ استقلال و خودسری بلند کیا۔ اور رشک و ہمچشمی کے باعث ایک دوسرے کی بیخ کنی اور استیصال میں مصروف و مستعد ہوئے۔

ہندوستان اور مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی حالت کو دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ یورپ کی جو قومیں تجارت کیلئے آئی ہوئی تھیں۔ ان میں انگریز ہندوستان کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کر ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔ اس کا غیور دل یہ گوارا نہ کر سکا کہ گیارہ سو سال سے جو قوم یہاں

حکمران رہی ہو۔ وہ عیش و عشرت اور خانہ جنگی میں گرفتار ہو کر دوسروں کی غلام بن جائے۔ اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی قرار دیا تھا کہ از سر نو ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر اس کو آزاد کرے مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی۔ اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوے تلے رہ کر منظم بن سکیں اس لئے اس نے اعلان کیا کہ :-

"دکن، اٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آ کر آباد ہو جائیں۔ اس اعلان میں ان مہاجروں کے لئے مراعات دینی منظور کیں۔" (تاریخ ولکس)

اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں از سر نو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی اور اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو جاتیں۔

مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہندو رعایا کو بھی زندگی کے اسی اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی سلطنت میں عہدے دینے میں کوئی تفریق باقی نہیں رکھی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت ہر ایک شعبہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ تھے مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اس کی نوازشیں یکساں تھیں۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں مل کر آزاد رہیں۔ وہ ایک نئی سوسائٹی اور نئی طرز زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی اس کے ان عزائم جلیلہ سے اگر اس وقت کوئی واقف تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف آج ہندوستان آزاد رہتا بلکہ کل ممالک اسلامیہ و ایشیا بھی یورپین اقوام کی دستبرد سے محفوظ رہتے۔

اس کی شخصیت کس قدر بلند پایہ تھی؟ اس کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس گورنمنٹ آرڈر سے ملتا ہے جو لارڈ ولزلی نے ۱۵ مئی ۱۷۹۹ء کو فورٹ سینٹ جارج مدراس سے شائع کیا تھا۔ اس گورنمنٹ آرڈر میں سرنگاپٹم کو تسخیر کرنے والی فوجوں کی تعریف و توصیف کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھا ہے :-

"۴ مئی کے واقعات نے جو گورنر جنرل ان کونسل کی توقعات سے بڑھ کر نکلے انگریزی فوج کی ناموری کو ہندوستان میں عزت اور شان و شوکت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے یہ واقعات کرۂ دنیا کے کسی حصہ میں اس حصہ کی فوجی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں اس سے بڑھ کر اہم کوئی واقعات ہوئے ہوں۔

یہ فتح ان فوائد کا پیش خیمہ ہے جن کی رو سے انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور امن ہندوستان میں ایک مضبوط چٹان پر قائم ہو جائیں گے۔"

سلطان پر

انگریزی مؤرخین کے اعتراضات

سلطان کی انتظامی قابلیت اور اس کے ذاتی صفات و عادات لکھنے کے بعد بہتر تھا
مناسبت سے یہ ہے کہ ہم ان الزامات کو بھی غلط ثابت کر دیں جو مغربی مورخین اور ان کی
تقلید میں ہندو مورخین نے بھی اس پر لگائے ہیں۔ یہ تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ مغربی مورخین
کا قلم دھرم کا ایک خاص مقصد کے ماتحت ہے لیکن ہندو مورخین کا ان کی اندھا دھند تقلید کرنا
سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے یہ مقصد نہیں کہ ہندوستانی مورخ تحقیق و تفتیش کے دامن کو ہاتھ
چھوڑ دیں اور ہر ہندوستانی بادشاہ کی چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان تعریف کریں اگر سلطان
میں کچھ عیوب تھے تو ہم ان کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں۔ آخر وہ انسان ہی تھا اور اس سے
غلطیوں کا سرزد ہونا بھی ممکن تھا۔

مغربی مورخوں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے۔ وہ یہی ہے
کہ ہندو اور مسلمانوں میں افتراق کی ایک وسیع خلیج حائل کر دی جائے۔ اس مقصد میں وہ کامیاب
ہو چکے ہیں اس لئے کہ بچوں کا دماغ تحقیق و تفتیش کے قابل نہیں ہوتا۔ جو بات کتاب
میں ہوتی ہے اور جو کچھ مدرس کہتا ہے۔ وہی ان کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتے
ہیں۔ اب رہی ہمارے مدرسین کی حالت تو انہوں نے بھی وہی کتب میں پڑھی
تھیں۔ جو آج وہ بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ان کے دماغ بھی انہیں
تحریروں سے ماؤف ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ

انہیں صرف اپنی روزی سے سروکار ہے۔ اور اس میں وہ مجبور بھی ہیں کہ اگر متعلقہ کتابوں کے علاوہ کچھ اپنی جانب سے پڑھائیں تو یہ خوف رہتا ہے کہ شاید سرکاری امتحانات میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

مغربی مورخوں نے تاریخ لکھتے وقت صرف اسی ایک چیز کو مد نظر نہیں رکھا کہ ہندو اور مسلمانوں میں نا اتفاقی پھیلا دیں بلکہ ان کا مقصد اس سے اور بھی زیادہ کچھ تھا۔

وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دل سے حب الوطنی اور قوم پرستی کا مادہ بالکل نکال دیا جائے۔ اسی لئے جو بادشاہ یا قوم پرست یا محب الوطن تھا جس کی سب سے زیادہ انکی طرف سے مخالفت کی گئی ہو اسکی بہترین مثال بنگال کے نواب سراج الدولہ اور میسور کے حکمران ٹیپو سلطان سے ملتی ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے۔ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال کر ہندوستان کو خود مختار کیا جائے۔ اگر ان بادشاہوں کے ارادے پورے ہو جاتے تو ضرور تھا کہ انکی حب الوطنی کا ذکر ہو جس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہو۔ اس وجہ سے مصنفین نے ایسی کتابیں لکھیں کہ ان میں کہیں بھی حب الوطنی یا قوم پرستی کا نام تک نہیں لیا گیا۔

ٹیپو سلطان پر جو الزامات لگائے گئے ان کا جواب پچھلے صفحات میں خود بخود مل جاتا ہے لیکن اس الزام سے پتہ چلے گا کہ مصنفین نے دیانتداری سے کام نہیں لیا یہاں ان تمام الزامات کا سلسلہ وار لکھا جاتا ہے جو ہائی اسکول انگلش اور ہندی بنگلہ اسکولوں کی تاریخوں کے علاوہ دیگر کتابوں وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔

(۱) سلطان غاصب سلطنت تھا۔

اسکے متعلق حالات نواب حیدر علی میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ سلطان نے جو سلطنت پائی وہ اسکے باپ

حیدر علی سے وراثت میں پائی تھی۔ انگریزی کمیشن بھی جو سلطنت کے تجزیہ کیلئے بیٹھی تھی اسی نظریہ کو تسلیم کرتی ہے۔

(۲) سختی سے انتقام لیتا تھا۔

(۳) قیدیوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں کبھی ایسی خفت نہیں اٹھائی تھی جیسی پیلی۔ منرو اور بریتھ وائٹ کی شکستوں سے اٹھانی پڑی۔ اور سلطان پر یہ الزامات ان شکستوں کی اہمیت کو کم دکھانے کیلئے لگائے گئے۔ ان جنگوں میں صدہا انگریز قید کر لئے گئے تھے۔ قید خانوں میں ان سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اسکے عوض انہیں گذر اوقات کیلئے روزانہ رقم دیجاتی تھی۔ آجکل کی مہذب سلطنتیں تو یہی کرتی ہیں۔ جیلوں میں قیدیوں سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان پر ہی یہ الزامات کیوں تھوپے جاتے ہیں؟

(۴) عہد ناموں کا پابند نہیں تھا۔

میسور کی تیسری اور چوتھی جنگوں کے اسباب بتلا رہے ہیں کہ عہد شکنی کس نے کی تھی۔

(۵) فرانسیسیوں سے خط و کتابت کرتا تھا۔

سلطان تو کوئی باجگذار والئی ریاست نہیں تھا۔ وہ ایک خود مختار فرمانروا تھا۔ وہ جس سے چاہتا خط و کتابت کر سکتا تھا کسی عہد نامہ سے اس کو پابند نہیں کیا گیا تھا کہ فرانسیسیوں سے خط و کتابت نہ کرے۔

(۶) شہر میسور کو مٹا دینے کا حکم دیا۔

میسور کا قلعہ اور شہر میسور آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے اس زمانے میں تھا۔ بلکہ اس کو مٹانے کی جگہ اس نے اس کو اور زیادہ آباد کیا۔ میسور کا نیا محلہ نظر آباد اسی کا آباد کیا ہوا آج بھی موجود ہے۔

(۷) متعصب تھا اور کورگ پر چڑھائی اسی تعصب کا نتیجہ تھی۔

ملکوں پر چڑھائی بادشاہوں کی اولوالعزمی کا نتیجہ ہوتی ہے تعصب کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ ملیبار اور کورگ نواب حیدر علی کے زمانہ میں فتح ہو چکے تھے لیکن کورگ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی سلطان نے جب ساتویں بار بغاوت ہوئی تو یہاں کے بہت سے خاندانوں کو جلاوطن کر کے میسور میں آباد کیا۔ اور انکے عوض دس ہزار مسلمان خاندان کورگ میں آباد کئے گئے۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی سے یہاں کے باشندے بغاوت کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

انگریزی مورخوں نے تعصب کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے۔ کہ اس نے عیسائی مشنریوں کو یہاں تبلیغ سے منع کیا تھا اور باشندوں کو لکھا کہ کوئی شخص اپنا قدیم آبائی مذہب ترک نہ کرے اور اگر ترک مذہب کا شوق ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس نے پادریوں کو تبلیغ سے کیوں منع کیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مذہب کے پردے میں عیسائی مشنری بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عیسائی پادری ہر جگہ یہی کرتے آئے ہیں جس ملک پر قبضہ کرنا ہوتا ہے اس جگہ پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں۔ تبلیغ تعلیم اور شفاخانوں کے پردے میں جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اس سے آج دنیا واقف ہے؟

(۸) خود کو با دولت اور حضور پر نور کہلواتا تھا۔ حالانکہ یہ حق صرف مغلیہ شہنشاہ کو حاصل تھا۔

(۹) اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور تخت پر بیٹھا۔

اگر برائے نام مغلیہ شہنشاہ کو جو پنشن پر گذارہ کر رہا تھا۔ با دولت اور حضور پر نور کہلانے کا حق حاصل تھا تو سلطان جو اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست آزاد اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا۔ اس کو با دولت اور حضور پر نور کہلانے کا حق

کیوں حاصل نہیں تھا؟ بہ حیثیت ایک مطلق العنان فرمانروا ہونے کے اس کو حق حاصل تھا کہ
اپنے نام کا خطبہ پڑھائے اور سکہ جاری کرے۔

(۱۰) اپنی سلطنت کو تکبر سے "خداداد" کہتا تھا۔

سلطنت کا نام "خداداد" رکھنا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ علامت تکبر کی نہیں۔ بلکہ انکساری کی
ہے۔ ایک خدا پرست انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ بھی ملتا ہے۔ وہ خدا کا دیا ہوا ہے
(اسی لحاظ سے سلطان نے اپنی سلطنت کو خداداد کا نام دیا) یہ اور بات ہے کہ مادہ پرست
اس کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھیں۔ اسی قسم کا ایک الزام مورخ جیمز مل نے بھی دیا ہے
وہ لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کی طبیعت میں مذہب کا پہلو خاص طور سے نمایاں تھا۔ اسکے دل پر مذہب
کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ بہت زیادہ وقت صرف خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا اور اپنی
سلطنت کو خداداد کہتا تھا۔ خدا پر اس کو اس قدر بھروسہ تھا کہ اس کا اثر اس کے
ہر کام پر پڑتا ہے تو یہ ہے کہ جو اسباب اسکی تباہی کا باعث ہوئے۔ ان میں ایک
اس کا خدا کی امداد پر حد سے زیادہ یقین تھا۔ وہ خدا کی حمایت پر اس قدر بھروسہ
رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظرانداز کر جاتا تھا" (تاریخ ہند جیمز مل)
مادہ پرست مغربی مورخ اس کے سوا اور کیا لکھ سکتے ہیں؟:۔

(۱۱) حد درجہ مغرور تھا اور متکبر بھی۔ اس نے سلطنت سرنگاپٹم کے بے حد مبالغہ آمیز [illegible]
اشعار کے اعلان کی عام اجازت دے دی تھی۔ ان اشعار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان
کو کیسا غرور ہو گیا تھا۔ ایک قصیدہ کا مختصر سا مضمون ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔
"جب بادشاہ رستم دل نے اپنے سمندر جلد کو گرم کیا تو انگریزی شیروں کے دل

خوف سے لرز رہے تھے۔

اس کی تلوار کی چمک نے بجلی کی فوج پر برق خاطف کا کام کیا، اور عتو کی آنکھوں سے مثل ابر نو بہار کے تار اشک بندھ گیا۔ تفنگ کا دل لالہ کی طرح داغدار ہو گیا۔ اور اس ہیبت پر کوٹ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

جب مرہٹے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں، تو غزالانِ دشت کی مانند راہِ فرار لیتے ہیں۔

سندگی اور نظام الملک چار سے بادشاہ کے خوف سے شب و روز یکجا بسر کرتے ہیں۔

حجام کی فوج (نظام کو حضرت حجام کہا گیا ہے) اپنے خوف سے اس طرح فرار ہوتی ہے جس طرح شیر نیستاں کو دیکھ کر شکاری بھاگتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں حاتم لئیم تھا۔ اور افلاطون دہ ہزار طفل مکتب تھے۔ سلطان کی ہیبت سے جلاد فلک شیر خوار بچہ ہو گیا ہے۔

اس سلطان کے انصاف کی بدولت غزالانِ دشت شیر و پلنگ کے پہلو میں تکیہ بناتے ہیں۔ اور بیل و اسد ان کے قاتل ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"

یہ حقیقت سے بالکل بعید ہے کہ معاہدہ سرنگا پٹم کے بعد سلطان نے مغرور ہو کر اس قسم کے مدحیہ اشعار چھاپے۔ سرنگا پٹم کا معاہدہ ۱۷۹۲ء میں ہوا تھا۔ اس معاہدہ سے سلطان کا نصف ملک ۳ کروڑ روپیہ اور سلطان کے دو فرزند بطور یرغمال انگریزوں کے ہاتھ آئے تھے۔ یہ عجیب ہے کہ شکست کھانے کے بعد انسان مغرور ہو کر اس قسم کے مدحیہ اشعار چھاپے اگر یہ لکھا جاتا کہ سلطان کو جب فتوحات حاصل ہوتی تھیں تو اس وقت یہ اشعار چھپنے لگے

تو کچھ بات بھی تھی پس نہ کو جانے دیجئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے تھے یا نہیں؟ یہ بعید از قیاس نہیں ممکن ہے پڑھے گئے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ مصنف واقف ہے کہ اس سے زیادہ توہین آمیز اشعار اس زمانے میں سرنگاپٹم اور حیدر آباد دونوں جگہ پڑھے جاتے تھے۔ ان کا سلسلہ نواب حیدر علی کے زمانے سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ جب حیدر آباد اور سرنگاپٹم کے شاعر اپنے اپنے ممدوحین کو خوش کرنے کیلئے قصیدے لکھ کر حیدر علی یا نظام کی ہجو اڑاتے تھے۔ (رسالۂ کوثر بنگلور میں اس قسم کا ایک قصیدہ شائع ہوا تھا) تو اس کا الزام ان شاعروں کو دینا چاہیئے جو اس قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

ممکن ہے کہ مشرقی شاعروں کے اس تخیل سے مغربی مؤرخوں کو اتفاق نہ ہو۔ لیکن سلطان کو الزام دینا سراسر ناانصافی ہے۔ ہمارے شاعروں کا کیا کہنا۔ وہ ایک معمولی شال کے لئے (جس کی قیمت دو تین روپوں سے زیادہ نہیں ہوتی) اپنے ممدوحین کو حاتم دوراں اور افلاطون وقت بنا دیتے ہیں۔ اور آج حالت یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ صرف اپنا نام اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے دیکھ کر بیرسٹروں اور سکریٹریوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب ہے کہ آج معمولی افسر تک جن کی تنخواہ دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جھوم جھوم کر قصیدہ خوانوں کی زبانی ایسے الفاظ سنتے ہیں جس کے مقابلہ میں نوشیرواں کا عدل۔ حاتم کی سخاوت اور دارا اسکندر کی شوکت بھی گرد ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۱۲) اس نے میسور کے راجہ کے محل کو کئی بار لوٹا اور وہاں کچھ نہ چھوڑا۔ (میسور گزیٹر صفحہ ۲۶۸۵)

کس قدر سنگین الزام دیا گیا ہے اور کس قدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ لوٹ ہوتی تو ایک

وقت ہوتی۔ پھر اس کے بعد کیا رہ جاتا۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان نے محل لوٹ لیا تھا۔ تو پھر دوبارہ لوٹنے کیلئے محل میں مال یا روپیہ کہاں سے آیا؟ اگر یہی مصنف اپنی کتاب دیکھے تو گذشتہ صفحات میں وہ لکھ چکا ہے کہ میسور کی رانیاں انگریزوں سے امداد طلب کر رہی تھیں۔ اور انہیں کئی دفعہ لکھ چکی تھیں کہ اگر انگریزی فوج پیش قدمی کرے تو روپیہ دیا جائیگا۔ اگر سلطان متعدد دفعہ محل لوٹ لیتا تو پھر یہ روپیہ ان کے پاس کہاں سے آیا۔ جس کا وہ کئی دفعہ انگریزوں سے وعدہ کرتی ہیں۔

ان الزامات کی جو حقیقت ہے ظاہر کی جا چکی ہے۔ یہ مورخ خود بھی سمجھتے ہیں۔ کہ ان کی تحریروں میں کہاں تک سچائی ہے؟ لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ ان کے متعلق خود ایک انگریزی مورخ سر جان کے جو انڈیا کونسل کے شعبۂ خفیہ کا سکرٹری رہا ہے، تسلیم کرتا ہے:۔

"ہم لوگوں کا یہ عام طریقہ ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمران کی سلطنت پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر اس معزول بادشاہ یا اس کے جانشین کو بدنام کرتے ہیں"

یہی ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی ہوا۔ اور اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟

بوسیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"اس زمانہ میں جب سیاست اور رشیل زندگی ہندوستان میں ہر لحظہ پہلو بدل رہی تھی۔ ایک حکمران کیلئے یہ کس قدر مشکل کام تھا۔ کہ اندرونی و بیرونی سازشوں اور حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرے۔ ٹیپو نے اپنی زندگی کا بہترین زمانہ بطور فرمانروا بسر کیا اور میدان جنگ میں سپاہی کی موت حاصل کی۔ وہ صرف ایک دنیا دار نہیں تھا۔ اپنے مذہب سے اس کو حد درجہ محبت تھی کہ مذہبی محبت کو بھی جرم قرار دیا جائے

اگر اس محبت کو جرم ہی ٹھہرایا جائے تو انگلستان کی تاریخ کب ان جرائم سے پاک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے (ٹیپو نے) اپنے بڑے افسروں کو بھی بے رحمانہ سزائیں دیں اس کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ محمد علی کمیدان کی موت کا باعث ہوا۔ کیا آج کی مہذب حکومتیں باغیوں اور غداروں کو سزائیں نہیں دیتیں؟ ٹیپو نے اگر اپنے افسروں کو سزا دی تو اسلئے کہ وہ رعایا پر ظلم وستم کرتے تھے اور ان پر جو اعتماد کیا گیا تھا۔ وہ اس میں جھوٹے ثابت ہوئے۔ محمد علی کی موت کا باعث سلطان نہیں ہے۔ بیشک سلطان نے اس کو قید کر دیا تھا محمد علی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک باغی کی حمایت کی تھی۔ سلطان نے تو صرف قید کی سزا دی۔ اگر قید کی سزا دینا بھی ایک جرم ہے تو ہنری ہشتم کے متعلق کیا کہا جائیگا۔ جس نے انگلستان کے قرونِ وسطیٰ کے مدبر، سیاست دان اور ادیب سر تھامس مور کو صرف اس لئے سزائے موت دی کہ وہ ایک ستم رسیدہ ملکہ کی حمایت کر رہا تھا۔

ٹیپو پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ جنگوں کا شائق تھا۔ گہری نظر سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسکی جنگیں اس لئے نہیں تھیں کہ وہ اسکندر اعظم کی طرح فاتح بننا چاہتا تھا۔ یا جولیس سیزر کی طرح طاقت کا دلدادہ تھا۔ اس کو نپولین کی طرح جنگوں کا یا قیصر ولیم کی طرح خونریزی کا شوق نہیں تھا۔ اس کی جنگیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ اس ملک کو جو اس کے باپ سے اس کو وراثت میں ملا تھا اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔

ٹیپو کو یہ الزام بھی دیا جاتا ہے کہ اس نے تعصب سے کوچین اور ملیبار پر چڑھائی کر کے بہت سے لوگوں کو بجبر اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔ الزام دینے سے پیشتر ہمیں خود اپنے دل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر طاقت وحکومت حاصل ہو جائے تو

کیا ہم اسی بے تعصبی اور رواداری کا سلوک کریں گے جس کے آج ہم دعویدار ہیں۔ اگر ٹیپو پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے۔ سچ ہے تو پھر انگلستان کی تاریخ کب اس سے پاک ہے انگلستان کے تخت پر نصف درجن سے زیادہ ایسے حکمران گذرے ہیں جو اسی جرم کے مرتکب ہیں ہنری ہشتم۔ ایڈورڈ، میری، الزبتھ ایڈورڈ ششم کرامول نے کیا یہی نہیں کیا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ اسپین میں فرڈی ننڈ اور اسابیلا نے موروں کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

تعجب ہے کہ ایک انسان کے مر جانے کے بعد بھی اس کی صرف برائیاں ہی برائیاں دکھائی جائیں اور اس کے کیرکٹر کے روشن و تابناک پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔

لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ شاید میں نے ولکس کی کتاب نہیں دیکھی ہے؟ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہی ہے بلکہ اب بھی وہ میرے پاس موجود ہے اس کے علاوہ میرے پاس ولکس کی وہ انتظامی رپورٹ بھی موجود ہے۔ جو اس نے ۱۷۹۹ء میں تیار کی تھی لیکن اس دریافت سے مقصد کیا ہے میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ میجر ٹیشن، کرنل میڈونٹیلر اور صدہا کرنلوں اور میجروں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں۔ جو انہوں نے اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے اور اپنی روٹی کیسے مکھن پیدا کرنے کیلئے لکھی ہیں۔ کیا میں ان سب کو تسلیم کر لوں؟ خیر مجھے جانے دیجئے۔ آپ ان یورپین مورخوں کو کیا کہیں گے۔ جو ان بیانات کے متعلق یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ بالکل مہمل ہیں۔ ان سے قطع نظر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان ملٹری افسروں کو تاریخ لکھنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔

اب رہا یہ سوال کہ حیدر علی اور ٹیپو میں سے کس کی شخصیت عظیم المرتبت ہے۔
میں اس سوال کا جواب اپنے آئندہ مضمون میں دونگا۔ لیکن اس عرصہ میں میں یہ
کہونگا کہ خالص تشدد آمیز نکتہ چینیوں سے کوئی ذہنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔
گیلی لیئو نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین گردش کر رہی ہے تو پاپائے روم نے اس پر
نکتہ چینی کی تھی تمام نکتہ چینیوں کو سن کر گیلی لیؤ نے آخر میں یہی کہا کہ باوجود ان
نکتہ چینیوں کے زمین گردش کر رہی ہے۔ اسی طرح ٹیپو کے عمدہ صفات باوجود
انگریزی مورخوں کی نکتہ چینی کے عمدہ ہی رہیں گے۔ ہاں ملک میں ان لوگوں کی
کمی نہیں ہے جو مدرسوں کیلئے نصاب کی کتابیں لکھ کر ٹیپو کو بدنام کریں۔ یا ایسے
لوگ جو سرنگاپٹم کے متعلق ٹورسٹ گائڈس لکھ کر زائرین کے ہاتھوں تک پہنچا دیں۔"

(ٹیپو سلطان از جی۔ آر جوسیر ایم اے یف۔ آر۔ ای ایس ممبر
رائل سوسائٹی آف لٹریچر گریٹ برٹن)

ڈاکٹر جان آر ہنڈرسن سی۔ آئی۔ ای نے سلطان کے سکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:
ٹیپو سلطان کے عادات و خصائل کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنا حد درجہ مشکل
ہوگیا ہے ہمعصر مورخین نے خواہ انگریز ہوں یا مسلمان سبھوں نے یکطرفہ لکھا ہے
ٹیپو کو الزام لگایا جاتا ہے کہ جنگوں میں وہ بہت زیادہ سختی سے انتقام لیتا تھا بے رحم
تھا اور مذہب کے نام پر ظلم کرتا تھا۔ لیکن اس مہذب زمانے میں جنگوں میں جو
کچھ ہورہا ہے۔ انکے آگے ٹیپو کے مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ جہاں تک میں
خیال کرتا ہوں مسلمان مورخوں نے ٹیپو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سچائی کے بالکل
قریب ہے۔ برخلاف انگریزی مؤرخوں کے جنہوں نے صرف ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھکر

اپنی کتابیں لکھی ہیں۔

"ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اس کی نظیر نہیں دیکھ سکیگا۔ اس کے ارادے بہت بلند، اس کی قابلیت حیرت انگیز، اسکی سلطنت بہت وسیع تھی۔ وہ ایک بہادر انسان تھا جس نے جوانمردی کی موت حاصل کی۔ وہ اپنے ملازموں پر مہربان اور ان لوگوں کا ثابت قدم دوست تھا جن سے وہ محبت کرتا تھا۔"

انگریزی مورخین نے جو بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں۔ اور پکھ دیئے گئے ہیں اور پروفیسر جوہیر اور کرنل ہنڈرسن کی رائے بھی لکھی جا چکی ہے۔ اب یہاں تاریخ حملات حیدری سے سلطان کے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے:۔

(سلطان کے) ان صفتوں اور ہنروں کو اسی ایک عیب نے چھپا دیا کہ جس شخص کو اسکے عہدے سے برطرف کردیتا۔ پھر اس کو اسی منصب پر بحال کرتا۔ اور اسی عمل نے اسکی سلطنت میں خلل ڈالا۔"

یہ اعتراض ایک حد تک قابل تسلیم ہے۔ میر صادق میر غلام علی اور بدر الزماں خاں نائطہ کو بیشک سلطان نے عہدوں سے برطرف کرکے پھر بحال کیا تھا۔ بلکہ میسور کے ہندوؤں میں یہ بھی مشہور ہے کہ نواب حیدر علی نے اپنے ایک خفیہ آخری خط میں سلطان کو لکھا تھا کہ میرے بعد پورنیا میر صادق اور میر غلام علی کو قتل کردیا جائے اسلئے کہ انکی نیتیں اچھی نہیں ہیں" لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ سلطان صحیح معنوں میں ایک سچا مسلمان تھا۔ اور بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے اس نے ہر وقت عفو و حلم سے کام لیا۔ اور ان پر اعتماد کیا۔ مگر نمک حراموں نے اسکے حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کا خاتمہ کردیا۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی

ہندی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

تاریخ سلطنتِ خداداد میں انگریزی مورخین کے الزامات لکھنے کے بعد کوئی ایسا اہم واقعہ باقی نہیں رہا جو سپردِ قلم کیا جا سکے اس لئے ہم اس تاریخ کو ختم کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلطنت کی تباہی کو اسلامی اور ہندی نقطۂ نظر سے دیکھیں۔

سلطنتِ خداداد کی تباہی پر آج ہندوستان لاکھ بھی ماتم کرے۔ مگر تاریخ ہند میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے۔ ہندوستان کی قسمت میں تو ابد روز ازل ہی سے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیروں کا محکوم بنکر رہے۔ خدا جانے کہ اس سرزمین کا نام کس نے پہلے پہل ہندوستان" (ہندواستھان) رکھا جس کے معنی غلام استان یا غلام آباد کے ہیں۔ ہندوستان کی سب سے قدیم زبان سنسکرت میں ہندو کے معنی غلام کے ہیں۔ ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اس قدر تاریک ہے کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہاں کونسی قوم آباد تھی اور اسکی طرزِ معاشرت کیا تھی۔ تاریخ اگر پتہ دیتی ہے تو یہی کہ سب سے پہلے وسط ایشیا سے آرین قوم اس سرزمین پر آئی۔ اور یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا۔ اس لحاظ سے اس قوم کو جو یہاں رہتی تھی۔ ہندو کا نام دیا اور ملک کا نام ہندوستان ہوگیا۔ جو باشندے اس غلامی سے بچ نکلے وہ جنوبی ہند میں آکر آباد ہوئے اس جفاکش قوم میں بھی جس کا نام آرین تھا چند صدیوں کی بود و باش کے بعد وہی اثر سرایت کر گیا۔ جو پہلے یہاں کے باشندوں میں تھا۔ یہ قوم عیش و تنعم میں گرفتار ہو کر

اپنے خصائص کو کھو بیٹھی۔ اس زمانہ میں جب یہ قوم اپنے پورے عروج پر تھی۔ تو ہندوستان کا تمدن
اور ہندوستان کی تہذیب زمانہ میں فخر روزگار رہی جب امتداد زمانہ سے اس پر زوال آیا۔ تو
نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ایشیا سے
سیتھین قوم جس کا نشان سانپ تھا) ان پر مسلّط ہو گئی۔ یہ قوم قریباً ۶۰۰ سو سال قبل مسیح ہندوستان
میں آئی۔ ابھی ان پر ایک صدی بھی نہیں گذری تھی کہ دارائے ایران ہندوستان پر حملہ آور
ہوا۔ اور اسکے دو سو سال بعد اسکندر یہ ذوالقرنین کی فوجیں ہندوستان پر نازل ہوئیں اگر
دارا اور اسکندر کی تاریخیں دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ہی کے باشندوں نے
ان کو دعوتِ حکمرانی دی وہ آئے اور لوٹ کر چلے گئے اسکے بعد تاریخ میں ہندوستان کا وہ
زمانہ آتا ہے جس میں مذہب کے نام پر تمام ہندوستان میں ایک آگ سلگی ہوئی تھی گوتم بدھ کے
پیرو اور قدیم مذہب وید کے پرستار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے برہمن اپنی
سیادت اور ذاتی برتری کو رخصت ہوتے دیکھ نہ سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مذہب
ہندوستان سے قریب قریب مٹ گیا۔

مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر

یہ وہ زمانہ تھا کہ آفتاب اسلام افق عرب سے طلوع ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کا سب سے پہلا
حملہ سنہ ۱۲ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ فتح عجم کے بعد عرب
فاتحین سندھ میں آئے۔ سپہ سالار عساکر اسلام کے شہید ہو جانے سے عرب پلٹ گئے
اسکے بعد ۲۰ سال تک پھر ادھر توجہ نہ ہوئی کیونکہ عساکر اسلام کی تمام تر توجہ بلاد مغرب کی
طرف لگی ہوئی تھی سنہ ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح نہروان کے بعد ایک فوج
ہند کی طرف روانہ کی۔ یہ فوج بھی سندھ کی طرف آکر آخری لشکر اسلام کے زیر تصرف سندھ کا ایک

حصہ آ گیا۔

عربوں کے مرکز میں خود خانہ جنگی پھیل گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہو گئے جب یہ خبر ہندوستان میں پہنچی تو ہندوؤں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا اور عرب ملک سے نکال دیئے گئے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے۔ گو عرب فاتحین برابر مغرب کی طرف بڑھتے رہے۔ مگر مشرق میں ہند پر توجہ نہیں کی گئی حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشین ہؤا۔ اُسکے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے۔ بنی امیہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ مگر عربوں میں خانہ جنگی ایک عرصہ تک رہی۔ گو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے زمانہ میں تھی۔ بنی امیہ اب مستقل حکمران تھے۔ سنہ ۱۲۱ھ میں محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے حکم سے سندھ پر حملہ آور ہوئے۔ تاریخ میں اس حملے کو اس لحاظ سے ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ مانا جاتا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے کیونکہ تمام ملک گجرات فتح ہو چکا تھا۔ خلیفہ کی موت کے بعد جب دوسرا خلیفہ تخت نشین ہوا تو اس نے کسی رنجش کی بنا پر حجاج کو معزول کر دیا۔ اور اسی سلسلہ میں محمد بن قاسم کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔ اس طرح ہند فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

بنی امیہ کا زمانہ تاریخ اسلام میں فتوحات کے لحاظ سے وہ تابناک زمانہ ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ مگر عربی قوم میں جو قبائلی جنگ کا بیج ابتدا ہی سے بویا گیا ہے جس کو زمانہ خیر القرون میں چالیس سال کی مہلت ملی تھی پھر سرسبز ہونا شروع ہوا۔ بنی عباس بنی امیہ کے مقابل آ گئے۔ عراق و عجم نے بنی عباس کا ساتھ دیا۔ اور تخت خلافت پر

آل عباس متمکن ہوئے۔ ہارون رشید کے زمانہ میں مامون نے پھر ہند پر چڑھائی کی۔ لیکن کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

مسلمانوں کا استقلال ہند میں

مامون کے حملے کے ایک صدی بعد سبکتگین ہند پر حملہ آور ہو کر پنجاب پر قابض ہو گیا جس کے بعد ہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے پے در پے حملے کئے۔ ان حملوں کے بعد پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا۔ پھر ہند کے دارالخلافہ پر قابض ہونے کیلئے بلانے والے بھی یہی ہند کے باشندے تھے۔ سبکتگین اور محمود غزنوی کو دعوت دینے والے بھی یہی تھے۔ اسکی وجہ انکی آپس کی نااتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و نفاق تھا۔

قطب الدین کے خاندان کے بعد خلجی خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور اس میں علاؤالدین وہ مشہور شہنشاہ گذرا ہے جس کے زمانہ میں تمام ہندوستان ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا تھا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں ملک کافور اسکا سپہ سالار دہلی سے نکل کر جنوبی ہند میں آیا۔ انہی معرکوں میں فتح گجرات کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپس میں شادیوں کی بنیاد پڑی۔ اس سلسلہ میں جو پہلی شادی ہوئی۔ وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی دیول دیوی سے علاؤالدین کے فرزند شاہزادہ خضر خاں کی تھی۔ ملک کافور گجرات سے بڑھتا ہوا ہندوؤں کی آپس کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتا ہوا مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ جنوبی ہند کا مشہور پایۂ تخت دوارسمدرم (جس کا ذکر ریاست میسور میں کیا گیا ہے) کو فتح کرتا ہوا جنوب میں رامیسورم تک پہونچ گیا۔ ملک کافور کی واپسی کے بعد شہنشاہ محمد تغلق کی فوجوں نے پھر ایک بار جزیرہ نمائے ہند کو راس کماری تک طے کیا۔ اس وقت ہندو دوارسمدرم کو پھر از سر نو بنا رہے تھے۔ اور ایک عالیشان مندر تعمیر ہو رہا تھا۔ اسلامی فوجوں نے پھر ایک بار

اس پر قبضہ کر لیا۔ اور وہ مندر جو تعمیر ہو رہا تھا۔ اسی طرح رک گیا (موجودہ کیسے بیدجو ریاست میسور میں ہے وہ دوسرے سمدرم کا جائے وقوع ہے اور اب بھی یہاں وہ عالیشان مندر نامکمل کھڑا ہے۔ لیکن اب ریاست میسور اسکی تعمیر کر رہی ہے)

مسلمان جب ہند میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر چکے تھے۔ تو ان میں بھی سرزمین ہند کی وہی سرشت پیدا ہو گئی جس نے ہند کو ممتاز کر رکھا ہے۔ آپس کی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں کئی خاندان تخت نشین ہوئے۔ اور جب خانہ جنگی اور بھی ترقی کر گئی تو انہوں نے ہندوؤں کی تقلید میں پہلے تیمور لنگ صاحبقران کو بلایا اور بعد میں بابر بانی سلطنت مغلیہ کو۔ ملک گیری کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن بھی ہند میں محیط ہو رہا تھا۔ اور یہ صاف نظر آ رہا تھا۔ کہ ملک میں اسلامی تمدن پھیل جائیگا۔ لیکن ہیموں کی سرداری میں ہندو تمدن نے اسلامی تمدن پر ضرب لگانی چاہی۔ مگر بیرم خان نے ہیموں کا خاتمہ کر دیا۔ اکبر تخت نشین ہوا تو اس نے کوشش کی کہ دونوں تمدنوں کو ملا دیا جائے۔ اور اس کے زمانہ میں اسکی بنیاد بھی پڑی۔ مگر دونوں تمدن متضاد کے متضاد ہی رہے۔

جنوب میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور وجیانگر کی ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی۔ مگر مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی آگ پھیل گئی۔ یہ آگ وجیانگر کی لگائی ہوئی تھی۔ شمال میں جب ہند تمدن کو ناکامیابی ہوئی تو جنوب میں اس نے کوشش کی کہ اسلامی تمدن کا تختہ الٹ دے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہو کر اس سے پانچ اور سلطنتیں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام تاریخ میں بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈا، بیدر اور برار نکل ہیں لیکن یہ پانچ سلطنتیں ہی آخر میں وجیانگر کیلئے پیغام فنا ثابت ہوئیں۔ ہندوستان میں ہندوؤں کی آخری آزاد سلطنت یہی حکومت وجیانگر تھی۔ ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹہ کی جنگ

میں ہندوؤں کی کامل شکست اور وجیانگر کی بربادی سے ہندوؤں کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا۔ اب ہندوستان میں صرف مسلمان آزاد ہوگئے۔ اور ایک عرصہ تک بلاشرکت غیرے حکمران رہے اور ہندوستان ان کا وطن بن گیا۔

ہند کی بود و باش اور دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیش و نازونعم کا غلام بنا دیا مسلمانوں نے پہلے پہل ہند میں دیکھا کہ کس طرح برہمن اپنی سیادت منوا رہے تھے۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کا دعوے کریں۔ جو برہمن اپنی پیدائش کے متعلق کر رہے تھے۔ اس کے عوض مسلمانوں کا ایک طبقہ نسب ناموں پر اتر آیا۔ کہ عام مسلمانوں پر اپنی سیادت قائم کرلے۔

ایک طرف اگر اکبر کی لگائی ہوئی الحاد کی آگ پھیل رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں پیر پرستی و نسب پرستی شروع ہوئی۔ جس مسلمان بادشاہ نے ان معبودانِ باطل کو توڑنا چاہا۔ تاریخ اس کو عالمگیر اورنگ زیب کے نام سے یاد کر رہی ہے ؎

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید بازاندر فطرتِ دارا دمید
حق گزید از ہند عالمگیر را آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را (اقبال)

عالمگیر ایک حد تک فتنۂ الحاد کے مٹانے میں کامیاب ہوگیا مگر نسب پرستی مسلمانوں کے خون میں سرایت کر چکی تھی۔ عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی پھر مسلمانوں نے رنگ بدلا۔ اب پھر وہی خانہ جنگی تھی۔ وہی نازونعم وہی عیش و آرام اور وہی حسد و نفاق۔

مسلمانوں کو اس طرح کمزور ہوتے دیکھ کر ہندو بھی میدان میں آگئے نتیجہ یہ نکلا کہ ہند کے باشندوں نے نادر شاہ کو آنے کی دعوت دی۔ نادر شاہ کی آمد نے بجائے مفید ہونے کے مسلمانوں میں اور زیادہ افتراق پھیلا دیا جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کی سرپرستی میں ہندو

تمدن اس شان سے میدان میں آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہند اسکے زیرنگیں آگیا۔ اور
صاف نظر آرہا تھا کہ اسلامی تمدن کوئی گھڑی کا مہمان ہے مسلمانوں کو اگر عالمگیر کے ذریعہ
پہلی مہلت دیگئی تو دوسری مہلت اب احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملی۔ احمد شاہ ابدالی ہندستان
آیا۔ اور مرہٹوں کو ۱۷۶۱ء میں میدان پانی پت میں ایک ضرب کاری لگا کر پلٹ گیا نتیجہ یہ ہوا
کہ ہندو پھر کمزور ہوگئے۔

فطرت الٰہی نے ہر قوم کو آزاد پیدا کیا اور آزاد رکھنا چاہتی ہے مگر جب وہ اسکی اہل
ثابت نہیں ہوتی تو یہ نعمت چھین لی جاتی ہے مگر اس نعمت کے چھیننے سے پہلے مہلت پر مہلت دیتی
ہے اور جب اُن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تو قدرت بھی اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہے
ہندوؤں کو مسلمانوں کے حملوں کے وقت مہلت پر مہلت دیگئی۔ مگر وہ نہیں سنبھلے مسلمانوں کو
ان پر مسلط کر دیا گیا۔ اب مسلمانوں کی باری آئی اور قدرت نے ان کو مہلت دینی شروع کی
عالمگیر کے بعد ابدالی کے ذریعہ مہلت دی گئی۔ اور اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کیلئے وہ سلطنت
وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں "سلطنت خداداد" ہے ہند کیلئے خدا نے یہ غیر مترقبہ
نعمت دی اور کیا عجب کہ اس لحاظ سے اس کا نام بھی "خداداد" ہوا ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر اقوام تجارت کیلئے ساحل ہندوستان پر آئی تھیں۔ اور یہ بھی
عجب نہیں کہ قدرت نے انہیں کے ذریعہ ہند کی آزمائش کرنی چاہی ہو۔ کہ وہ کہاں تک
سنبھلتے ہیں۔ مگر ہندوستان کی آب و ہوا کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس
امتحان میں پورے نہیں اترے۔ ہندوؤں میں پہلے ہی سے یہ اثر تھا۔ اور اب مسلمان بھی اسکا
شکار ہوگئے۔ اور ان دونوں نے مل کر انگریزوں کو دعوت دی کہ

"آؤ اور ہم پر حکومت کرو"

ایک ماہرِ سیاست کا قول ہے:-

"اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو۔ اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا و میر صادق کو۔ روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو۔ پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہاری غلام بنی رہتی ہیں۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا۔ میر جعفر، پورنیا اور میر صادق خوش قسمتی سے پیدا ہو گئے۔ یہ اقوامِ ہند کا باہمی نفاق ہی تھا کہ مرہٹوں نے بار بار سلطنتِ خداداد پر حملے کئے۔ یہ مسلمانوں کا باہمی افتراق ہی تھا جس نے نظامِ حیدر آباد کو سلطان کا مخالف بنا دیا۔ اگر اس ماحول میں میر جعفر، پورنیا و میر صادق پیدا ہوں تو تعجب ہی کیا ہے۔ اور انکے ہوتے ہوئے وہ سازشیں اور وہ جوڑ توڑ جو ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے عمل میں آئے ہندوستان کی فطرت کے عین مطابق تھے۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال لکھتے ہیں:-

اندرونِ او دو طاغوتِ کہن   روحِ قومے کشتہ از بہرِ دو تن

سلطنت کا نام خداداد تھا۔ قدرت کی فیاضی نے اسکے بانیوں کو بھی خداداد صلاحیت دی تھی کہ وہ آزاد ہندوستان کا نمونہ بنا کر دنیا کو دکھا دیں کہ ابھی اسلام اور ہندوستان میں وہ جوہر پوشیدہ ہے جن پر فخر کر سکتے ہیں۔ باپ کے ہاتھ سے ایک آزاد سلطنت قائم ہوتی ہے۔ تو بیٹے کی شجاعت، بہادری، نگاہ دور رس اور اولوالعزمی تمام ہندوستان کو آزاد بنانا چاہتی ہے۔ اس لئے وہ حق و صداقت، آزادی و شجاعت، کا بے مثل نمونہ بنکر آیا۔ کہ مسلمان اور ہندوستان اس سے سبق سیکھیں۔

جس طرح اسلام کے دورِ اولین میں حق و صداقت کا وہ مجسم پیکر حیدر رضؓ و فاطمہؓ کا جگر بند جو ملوکیت کی غلامی سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے دریائے فرات کے کنارے بے آب و دانہ اپنا ہی

قوم کے ہاتھوں داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہو گیا۔ اسی طرح اسلام اور ہندوستان کو طوقِ محکومی سے بچانے کیلئے دریائے کاویری کے کنارے حیدرؓ و فاطمہؓ کا یہ نورِ نظر بھی شدتِ پیاس سے بیقرار جوہرِ مردانگی دکھاتا ہوا شہید ہو گیا۔ اور اس کی شہادت کا باعث بھی قوم ہی ہوئی ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

قوم ملک نے اس نعمتِ الٰہی کو ٹھکرا دیا نسب و ذات کا امتیاز، آپس کی نا اتفاقی، ایک ہی قوم میں ایک دوسرے سے حسد و نفاق ان سب نے ہندوستان کے ساتھ جو کچھ شروع سے کیا۔ وہی سلطنتِ خداداد کے ساتھ ہوا۔ قدرت کے اس عطیہ سے کفرانِ نعمت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی سلب کر لی گئی۔

یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے کہ حکومت و سلطنت کسی ایک قوم میں ہمیشہ کے لئے نہیں رہتی۔ بقا تو صرف ذاتِ خدا کیلئے ہے۔ ذاتِ الٰہی ہر قوم کا ظرف آزمانے کیلئے حکومت و سلطنت دیتی ہے۔ اسی کلیہ کے تحت مختلف اقوام آریہ، ایرانی، یونانی، عرب، پٹھان اور مغل یکے بعد دیگرے داد حکومت دیتے رہے۔ اور ان سب کے بعد انگریزی قوم آج ہندوستان پر حکمران ہے۔

مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئی قدیر ه

دیکھئے، مالکِ سلطنت کا تو سلطنت دیوے جسکو چاہے اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے۔ تیرے ہاتھ سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

غداروں کا انجام

اکثر لوگوں کو جستجو ہے کہ ان نمک حراموں کا انجام کیا ہوا جنہوں نے سلطان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک و ملت کے ساتھ غداری کی تھی۔ اور ان کے خاندانوں کا کیا حال ہے۔ ان میں بہت سے غدارانِ وطن کسی نہ کسی وجہ سے یا اتفاقاً اُسی دن مارے گئے جس دن سلطان کی شہادت ہوئی تھی۔

کتاب الاعراس میں جو مضمون اور فہرست بہ سے کہ دن کی دی گئی ہے۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"بست و ہشتم ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۳ھ روز شنبہ در حرب نصاریٰ یورش قلعہ ٹیپو سلطان برحمتِ حق پیوست و قریب دوازدہ ہزار (۱۲۰۰۰) سپاہ خاص و عام دراں روز شہید و کشتہ شدند

تاریخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

میر میراں محمد رضا	نواب حسین علی خاں شہید فرزند قطب الدین خاں
" " سید اشرف	غلام حسین داروغہ توشک خانہ
" " محمد حسین	محمد یوسف داروغہ نعمت خانہ
" " میر محمد صادق	غلام حیدر خاں میرزا ئے دفتر در مسجد
آصف سید محمد خاں	میر میراں سید غفار شہید

میر خازن شیخ اسمٰعیل	میر نواب میر معین الدین
ر آصف شیر خان	محمد ابراہیم عرض بیگی
ر خازن سید بڈہن	مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد اعلےٰ

سپہدار و تیدار و نوزدار و سپاہی وغیرہ دواز دہ ہزار کس کشتہ شدند از فرمان حق۔

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے۔ ان میں ایک تو سید غفار کا نام ہے اور دوسرا نواب حسین علی خاں کا۔ سید غفار کی جاں نثاری کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے حسین علی خاں بن قطب الدین خاں ۴ مئی کی صبح کو شہید ہوئے تھے۔ اس سے پہلی شب میں انکا نکاح ہوا تھا۔ یہ ایک شب کا دولہا صبح ہی صبح اس مورچہ پر جہاں یہ متعین تھا۔ پہونچا۔ قریباً دس بجے اس کی لاش سلطان کے روبرو لائی گئی حسین علی خاں کو مورچہ کی حفاظت کرتے وقت گولہ لگا تھا سلطان لاش دیکھ کر آبدیدہ ہوگیا۔ کتاب ہفت خوان حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ جب نوجوان دولہا کی لاش گھر پر لائی گئی تو اس کی ایک شب کی دولہن کی آہ وزاری سے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ رہا تھا یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سوگوار دولہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کردی۔ ایک مدت العمر زندہ رہی اور ہر وقت اس کی زبان پر ۴ مئی کے واقعات رہتے تھے۔

۴ مئی کے ہنگامے کے بعد جو غدار زندہ رہے۔ ان میں خاص طور پر قابل الذکر پورنیا قمر الدین، راجہ خاں، میر غلام علی۔ بدر الزماں خاں نائطہ اور غلام علی خاں بخشی ہیں۔

ان میں سوائے پورنیا کے باقی غداروں کو کمپنی کی جانب سے پنشنیں دی گئیں۔ پورنیا کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ غداری کے صلہ میں اس کو میسور کی نئی ریاست کا دیوان بنایا گیا۔

اور بلندہ در کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ تھی۔ دے دی گئی۔ پورنیا کا انتقال سرنگا پٹم میں ۱۸۱۲ء میں ہوا۔ اس کی کوٹھی سرنگا پٹم میں اسکاٹ کے باغ سے جانب شرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے ہے۔ اور اس پر اسکے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ اور آج کل پورنیا کے باغ سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات بھی لکھ دیں۔ جو سلطنت خداداد کے خلاف شروع ہی سے تنجاور میں رہکر سازشیں کر رہے تھے (انکا بیان سلطنت خداداد کے اسباب زوال کے بیان میں مفصل آچکا ہے) ان دو بھائیوں میں ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد کر لیا تھا کہ ریاست کی بحالی کے بعد اس کو دیوان بنا لیا جائیگا لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بنا کر اسکی توقعات کا نہ صرف خاتمہ کر دیا بلکہ اس کو ریاست میسور کے حدود کے اندر آنے کی بھی منع کر دیا۔ اور حکم دیا گیا کہ مدراس ہی میں مقیم رہے۔ کتاب پرودھانس آف میسور کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔

"جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کی خبریں ان تک پہنچیں تو انہوں نے مدراس میں شکر گاڑیوں میں بھر کر تقسیم کی"

ان کی خدمات کے صلہ میں میسور کی رانیوں نے اپنے حسب وعدہ چاہا کہ ترمل راؤ کو دیوان بنایا جائے۔ اسی امید پر ترمل راؤ مدراس سے نکل کر سرنگا پٹم پہونچا لیکن جنرل ہارس نے اس کو اپنے کیمپ میں ٹھہرا لیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو اب ان بھائیوں کی خدمات کی ضرورت نہیں تھی۔ لارڈ ولزلی جو ایک ماہر سیاست داں تھا۔ جان چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی کس قدر سازشی ہیں۔ اس نے جنرل ہارس کو لکھا کہ ترمل راؤ کو فوراً مدراس واپس بھیج دیا جائے۔ یہ حکم جب ترمل راؤ کو سنایا گیا تو وہ حیران ہوگیا۔ اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک بار تو اس کو رانیوں سے ملاقات کرنے کا موقع دیا جائے لیکن جنرل ہارس نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا۔ ترمل راؤ کو مدراس واپس بھیج دیا

گیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کے گذارہ کیلئے پنشن دیکر انہیں مدراس ہی میں مقیم رہنے کا حکم دیا گیا۔ نارائن راؤ کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا۔ اور ترل راؤ ۱۸۱۵ء میں مر گیا۔

میر قمر الدین

اس غدار کو (جس کی غداری کا حال گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے) اس کی غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی۔ جس کی آرزو اس کو اور میر معین الدین کو تھی۔ میر معین الدین کے مرجانے سے اب صرف یہی ایک دعویدار تھا۔ اس نے یہ جاگیر انگریزوں سے سمجھوتہ کر کے پہلے ہی لکھوالی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کو جو کورک کے راستے سے بڑھ رہی تھی سرنگا پٹم پر آجانے دیا۔ مورخ کرمانی لکھتا ہے:۔

"سلطان کی شہادت کے بعد وہ گرم کنڈہ کی جاگیر کی خوشی میں شادیانے بجاتے ہوئے سرنگا پٹم سے نکلا۔ اور وہاں مرض مہلک (جذام) میں مبتلا ہو کر بصد غم و حسرت مر گیا"

نوٹ:۔ گرم کنڈہ ضلع چتور میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ قلعہ اس وقت بالکل شکستہ حالت میں ہے پہاڑی سے نیچے جانب مغرب میں مقابل نواب میر رضا علی خاں کا مزار ایک بہت بڑے دو منزلہ گنبد میں ہے۔ طرز تعمیر بالکل سادہ ہے۔ مزار اوپر کے حصہ میں ہے۔ اور نیچے کے حصہ میں چند اور مزارات ہیں۔ اور اسی گنبد کا کچھ اور حصہ موجودہ وقت میں رہائش گاہ بنا لیا گیا ہے گنبد کے پیچھے ایک چھوٹی مسجد ہے جس کے دروازے نہیں ہیں مسجد بالکل ویران پڑی ہے۔ گنبد پر توپ کے گولوں کے ایک دو نشان ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب قمر الدین آکر یہاں اقامت گزین ہوا تو کڈپہ کے افغان گرم کنڈہ پر حملہ کر کے قلعہ پر قابض ہو گئے۔ اور انہوں نے مقبرہ پر بھی گولہ باری کی۔

پہاڑی کے داہنی بازو پر میر قمر الدین کا محل تھا۔ جو رنگ محل کہلاتا تھا۔ یہ اب کھنڈر ہو گیا ہے۔ اور اس کے کچھ حصہ میں اب مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے۔ گاؤں مقبرہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے اور

اس میں سوائے چند جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں ۔ گرم کنڈہ کی جاگیر دو لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی ۔)

مقامی طور پر بھی یہی روایت مشہور ہے کہ میر قمر الدین شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے رخصت ہوا معلوم نہیں کہ یہ غدار اپنے دل میں اس وقت کیا سمجھا ہو لیکن انگریزوں کا اسکے متعلق جو خیال تھا وہ اس خط سے ظاہر ہے ۔ جو لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا تھا ۔

"میں آپ کی خدمت میں نظام الدولہ (میر نظام علی خاں) کا خط جو میر عالم کے نام ہے روانہ کرتا ہوں ۔ مجھے اعتماد ہے کہ آپ اسکے وسیلے سے نواب میر قمر الدین کی رضا جوئی میں اچھی طرح سرگرم ہو سکتے ہیں ۔ چونکہ اس کی عزت و آبرو وہاں کے لوگوں میں ہے ۔ اسکے ذریعے سے وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف ملا لینے میں بے حد مفید ہوگا ۔ مگر آپ اسکو بہت ہی جلد اس پر آمادہ کریں کہ وہ گرم کنڈہ چلا جائے ۔"

میر قمر الدین گرم کنڈہ پہونچا ۔ کڑپہ کے پٹھان اس کی غداری کی وجہ سے سخت برافروختہ تھے ۔ انہوں نے گرم کنڈہ پر چڑھائی کی ۔ اور قلعہ و محل پر قبضہ کر لیا ۔ اور جو کچھ ملا ۔ لوٹ کر چلے گئے اس کے بعد ہی میر قمر الدین مرض جذام میں مبتلا ہو گیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اسکی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی ۔ اسی حالت زار میں اس کا خاتمہ ہو گیا ۔ اور یہ حیرت سے دیکھا جائیگا کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھی اسی مرض میں انتقال ہوتا ہے ۔

سوانح میر عالم کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدر آبادی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں :-

"میر عالم دیوان ہونے سے پیشتر فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے جس کا ذکر صاحب تحفۃ العالم نے بھی کیا ہے ۔ اس مرض نے کہنہ ہو کر جذام کی شکل اختیار کی تھا جب یہ دیوان ہو چکے تو انکے اس مرض میں اور ترقی ہو گئی ۔ اقسام کے علاج کئے یہی کہ ناگ سانپ تک ڈسوائے

اور مرض کے زہر سے ڈسنے والے سانپ مر گئے لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ بہر حال میر عالم نے علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں کی لیکن دوا سے انکے مرض میں تخفیف نہیں ہوئی۔ آخر وقت موعود آپہونچا۔"

پھر بھی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۱۹ پر لکھا ہے:۔

"حیدرآباد میں اس مرض (جذام) کا نام عام طور پر "میر عالم کا آزار" مشہور ہے ممکن ہے کہ اس کی وجہ تسمیہ یہی ہو کہ میر عالم اس مرض میں مبتلا تھے۔ اور انہی کے نام سے مرض منسوب ہو کر اس عرف سے مشہور ہو گیا۔"

کتاب الاعراس میں جن غداروں کے نام دئے گئے ہیں۔ ان میں سوائے میر معین الدین اور میر صادق کی قبر کے دوسرے غداروں کی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اور نہ ان غداروں کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عام مسلمان جو اس غداری سے بالکل برافروختہ ہو چکے تھے۔ ان غداروں کا خاتمہ کر چکے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد شہر میں جو قتل و غارتگری کا ہنگامہ رہا۔ اس ہنگامہ میں یہ بھی قتل ہو گئے ہوں۔ اور عام مقتولین جنگ کی لاشوں کے ساتھ انہیں بھی اندرونی خندق کے سپرد کر دیا گیا ہو۔

میر معین الدین

اس کی غداری کے وجوہ گذشتہ صفحات میں لکھے جاچکے ہیں۔ یہ میر قمرالدین کا رشتہ دار بھی تھا۔ ۴ مئی کے دن یہ شدید زخموں کی حالت میں قلعہ پر پڑا ہوا پایا گیا۔ اور جب انگریزی افسروں نے اس کو اٹھایا۔ تو اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑے ہوئے تھے۔ ان افسروں نے پالکی منگوا کر اسے اسکے مکان پر بھجوا دیا۔ اس کے بعد میجر آلن لکھتا ہے

"دوسرے دن یعنے ۵ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح کو پالکی میں سوار ہو کر میں قلعدار اور معین الدین کے بھائی کے ساتھ اس جگہ پہونچا، جہاں کل شام کو معین الدین کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت لاش اس جگہ نہیں تھی۔ لیکن اس کی ایک جوتی قریب ہی پڑی تھی جس کو اٹھا کر اس کے بھائی نے چھاتی سے لگا کر رونا شروع کر دیا۔ اسکے بعد ہم میر معین الدین کے مکان پر گئے۔ گھر شب بھر میں لوٹ لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی نہایت سختی کا سلوک کیا تھا۔ مجھے اطلاع ملی کہ سید صاحب کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ وہاں جب ہم پہونچے تو لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا جو معین الدین کا بیٹا تھا۔ اور دوسرے چند رشتہ دار بھی بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر بعد اٹھایا گیا۔ اور ایک خاص قبر میں جو پہلے سے بنی ہوئی تھی۔ اسے دفن کر دیا گیا"

(نوٹ:۔ یہ قبر سکاٹ کے باغ کے احاطہ میں ہے۔ قبر کے تعویذ کو سبز رنگ میں رنگا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ سید کی قبر ہے۔ اسکے گرد ایک مختصر سی چار دیواری اور سائبان ہے۔ سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے۔ اسکا ثبوت کہ معین الدین کی قبر یہی ہے اس سے بھی ملتا ہے کہ یہ اسی جگہ واقع ہے۔ جہاں اسکی کوٹھی تھی۔ میجر ایلن کی تحریر بھی اسکا ثبوت دیتی ہے)

میر صادق

بحیثیت وزیر اعظم ہونیکے سلطنت خداداد کی تباہی کی پوری پوری ذمہ داری اس غدار پر عاید ہوتی ہے۔ اوّل تو وہ سلطان تک صحیح خبریں پہونچنے نہیں دیتا تھا۔ اور آخر میں ۴ مئی کے دن جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ بند کرا دیا کہ سلطان واپس نہ آ سکے۔ اور فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو اسی غدار نے دی تھی۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"میر صادق نمک حرام نے سلطان کو مورچہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر ڈوڈی دروازے کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا بند کرا دیا۔ اور خود گمنام کا راستہ لیا کہ قلعہ کے باہر اپنی کوٹھی میں جا کر رہے۔ (محمود) جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہونچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہو چکا تھا۔ اس کو گھوڑے سے کھینچ کر تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے چار دن بعد اس کی لاش بے کفن اسی جگہ گاڑ دی گئی۔ آج بھی لوگ آتے جاتے اس کی قبر پر تھوکتے اور پیشاب کرتے ہیں اور اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔"

(نوٹ:۔ اس سپاہی کا نام جس نے میر صادق کو قتل کیا۔ احمد خاں ہے اور وہ کڑپہ کا باشندہ تھا)

عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کر دی گئی تھی جہاں قتل ہوا تھا اور آج بھی لوگ قلعہ کے دوسرے مشرقی دروازے کے قریب مٹی کے ایک ڈھیر پر تھوکتے، جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس غدار کے اسی جگہ دفن ہونے کی یہ روایت کس طرح مشہور ہو گئی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس طرح میر معین الدین کی قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ وہ پیر کی قبر ہے۔ اسی طرح اس غدار کی قبر کو بھی توہین سے بچانے کے لئے یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ وہ جس جگہ قتل ہوا۔ اسی جگہ دفن بھی کیا گیا۔ لیکن کوئی مستند روایت نہیں ملتی کہ اس کو کن لوگوں نے دفن کیا تھا۔ سرنگاپٹم کے مسلمان تو اس قدر برافروختہ تھے کہ شاید انہوں نے اس کی لاش کو دفن بھی نہیں کیا ہوگا جہاں تک تحقیق سے پتہ لگا ہے میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھا کر قلعہ کے شمال مشرقی برج سے تھوڑے فاصلہ پر دفن کر دیا۔ اور چونکہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں لاش شمالاً جنوباً دفن ہوتی ہے۔ اس لئے ہوا یہ کہ اس کی قبر آج تک بھی غرباً شرقاً بنی ہے۔ اس کی مصنوعی قبر بھی شرقاً غرباً بنی ہوئی ہے

سرنگا پٹم کے بہت سے بڑے بوڑھے لوگوں نے جو اس راز سے واقف ہیں۔ خود مصنّف کو لیجا کر بتایا ہے کہ اس غدار کی قبر یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک قبر نمایاں نظر آتی تھی لیکن اب وہاں ایک غار پڑ گیا ہے جس کا رُخ بھی شقرِ فاغر یا ہے۔ اور صد ہزار عبرت کا مرقع۔ دیکھنے والے پر اس ویران سنسانے میں ایک خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

رہا اس کی غرضی یا اصلی قبر پر لعنت کا بھیجا جاتا تو وہ در اصل اس مٹی کے ڈھیر پر نہیں بلکہ اس غدارِ ملک و ملت کی روح پر ہے۔ میر صادق اور دوسرے غداروں کی آخیر گھڑیاں چاہے کرب و بلا میں گذری ہوں یا ہنسی خوشی ہیں۔ علاوہ خدا ہی خوب جانتا ہے مگر مکافاتِ عمل اس دنیا میں نہیں تو ضرور اس دنیا میں ملے گی۔ علامہ اقبال اس کا کچھ نقش اپنے عالمِ خیال (جاوید نامہ) میں کھینچتے ہیں جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے۔

بنگالہ میں جن غداروں نے سراج الدولہ سے غداری کی۔ ان میں سب سے ممتاز میر جعفر ہے اور ٹیپو سلطان سے جنہوں نے غداری کی ان میں میر صادق سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس لئے علامہ اقبال نے ان دو کو ہی منتخب کیا ہے۔

دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچتے ہوئے جہاں ارواح بے یوم النشور رکھی گئی ہیں میر صادق و میر جعفر کی ارواحِ رذیلہ کو اس طرح دکھایا گیا ہے:-

منزلِ ارواحِ بے یوم النشور — دوزخ از احراقِ شاں آمد نفور
اندر او دو طاغوتِ کہن — روحِ قومے کشتہ از بہرِ دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگِ آدم ننگِ دیں ننگِ وطن
ناقبول و ناامید و نامراد — ملتے از کارِ شاں اندر فساد
ملتے کو بندِ ہر ملت گشاد — ملک و دینش از مقامِ خود فتاد

می ندانی خطۂ ہندوستان | آں عزیزِ خاطرِ صاحب دلاں
خطۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز | درمیانِ خاک و خوں غلطد ہنوز
درگلش تخم غلامی را کہ کشت | ایں ہمہ کردار آں ارواحِ زشت

در فضائے نیلگوں یک دم بایست
تا مکافاتِ عمل بینی کہ چیست

روحِ ہندوستان ظاہر ہوکر نالہ و فریاد کرتی ہوئی کہتی ہے (اس نظم میں موجودہ زمانہ کے غداروں کی طرف بھی اشارہ ہے) ؎

کہئے شبِ ہندوستاں آید بروز | مردِ جعفر زندہ روحِ او ہنوز
ملتے را ہر کجا غارتگرے است | اصل او از صادقے یا جعفرے است

الاماں از روحِ جعفر الاماں | الاماں از جعفرانِ ایں زماں

اس فریاد کو سن کر قلزمِ خونیں جوش میں آتا ہے اور دوزخ بھی ان نامرادوں کو قبول نہیں کرتی ؎

گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ | شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ

جب دوزخ بھی ان ارواحِ رذیلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیتی ہے تو غدار اس طرح فریاد کرتے ہیں ؎

اے ہوائے تند اے دریائے خوں | اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں
اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب | اے قلم اے لوحِ محفوظ اے کتاب
اے بتانِ ابیض اے لُردانِ غرب | اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب
ایں جہاں بے ابتدا بے انتہا است | بندۂ غدار را مولا کجا است

سلطنت کو ختم ہوئے ابھی سوا سو سال کا عرصہ گذرا ہے۔ اس لئے تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد اکثر احباب نے مصنّف سے دریافت کیا ہے کہ سلطان کے خاندان کے کوئی افراد میسور و جنوبی ہند میں باقی ہیں یا نہیں۔ اور غدارانِ وطن کے خاندان کہاں کہاں آباد ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سلطان کے خاندان میں سے کوئی فرد بھی میسور و جنوبی ہند میں باقی نہیں ہے۔ ان تمام لوگوں کو جنہیں خاندانِ سلطانی سے کچھ دور کا بھی رشتہ تھا کلکتہ میں بھیجدیا گیا تھا۔ میر قمر الدین ہو یا میر معین الدین انہیں خاندانِ سلطانی سے کچھ بھی تعلق نہیں میر قمر الدین سلطان کے سوتیلے ماموں کا فرزند تھا۔ میر معین الدین کی دختر سے سلطان نے ۱۷۹۵ء میں نکاح کیا تھا۔ ڈیڑھ سال کے بعد یہ بیگم اور نوزائیدہ بچہ دونوں انتقال کر گئے۔ اور جو رشتہ میر معین الدین اور سلطان کا تھا ختم ہو گیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ لوگ غداروں کے خاندانوں کے حالات کیوں دریافت کرتے ہیں؟ جن لوگوں نے غداری کی وہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بے شک انکے خاندان ملک میں باقی ہیں لیکن ان پر کیا الزام دھرا جاسکتا ہے۔ باپ کا الزام بیٹے پر یا بیٹے کا الزام باپ پر اور بھائی کا الزام بھائی پر نہیں آسکتا۔ ہر انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے لئے وہ خود خدا کے آگے جوابدہ ہوتا ہے۔ دوسرے جوابدہ نہیں ہوسکتے۔ مذہب بھی یہی سکھاتا ہے اور ضمیر کی بھی یہی آواز ہے۔

ضمیمہ

سرنگاپٹم

سلطان کی زندگی کے حالات کے ساتھ ساتھ یہ بھی مناسب ہوگا کہ ہم اس کے دارالسلطنت سرنگاپٹم کے حالات بھی لکھدیں اور بتائیں کہ اس زمانہ میں جب شہر پایۂ تخت تھا کس حالت میں تھا۔ اور اب کس حالت میں ہے۔

سلطان کے ملک اور اس کے پایۂ تخت کے متعلق ملا فیروز اپنے جارج نامہ میں لکھتے ہیں :-

همایوں کشورے خرم زمینے — طرب را مرز بومے دل نشینے

وطن گاہے نشاط و خرمی را — طرب گاہے پری و آدمی را

صفائی آب شیرینش رواں بخش — ریاحِ بادِ مسکینش تواں بخش

مزاجش : اعتدال استوائی — بعنبر بیزی و گوہر فزائی

ہوائش را نشاطِ زعفراں زار — نسیمش را شمیم زلفِ دلدار

ندیدہ کس چنیں آب و ہوائے — بدیں خوبی ہمانا نیست جائے

زباں در وصفِ آں فرخندہ کشور — بود لال و کند خامہ نگوں سر

دکن زیں او شدہ دار الخلافت

مصئون باد از ہر آسیب و آفت

سرکار خداداد کا پایۂ تخت جس کا نام سلطان نے ظفر آباد رکھا تھا میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جس کی کل لمبائی چار میل سے زیادہ نہیں اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے۔ اس جزیرہ میں نویں صدی عیسوی میں سری رنگا کا مندر
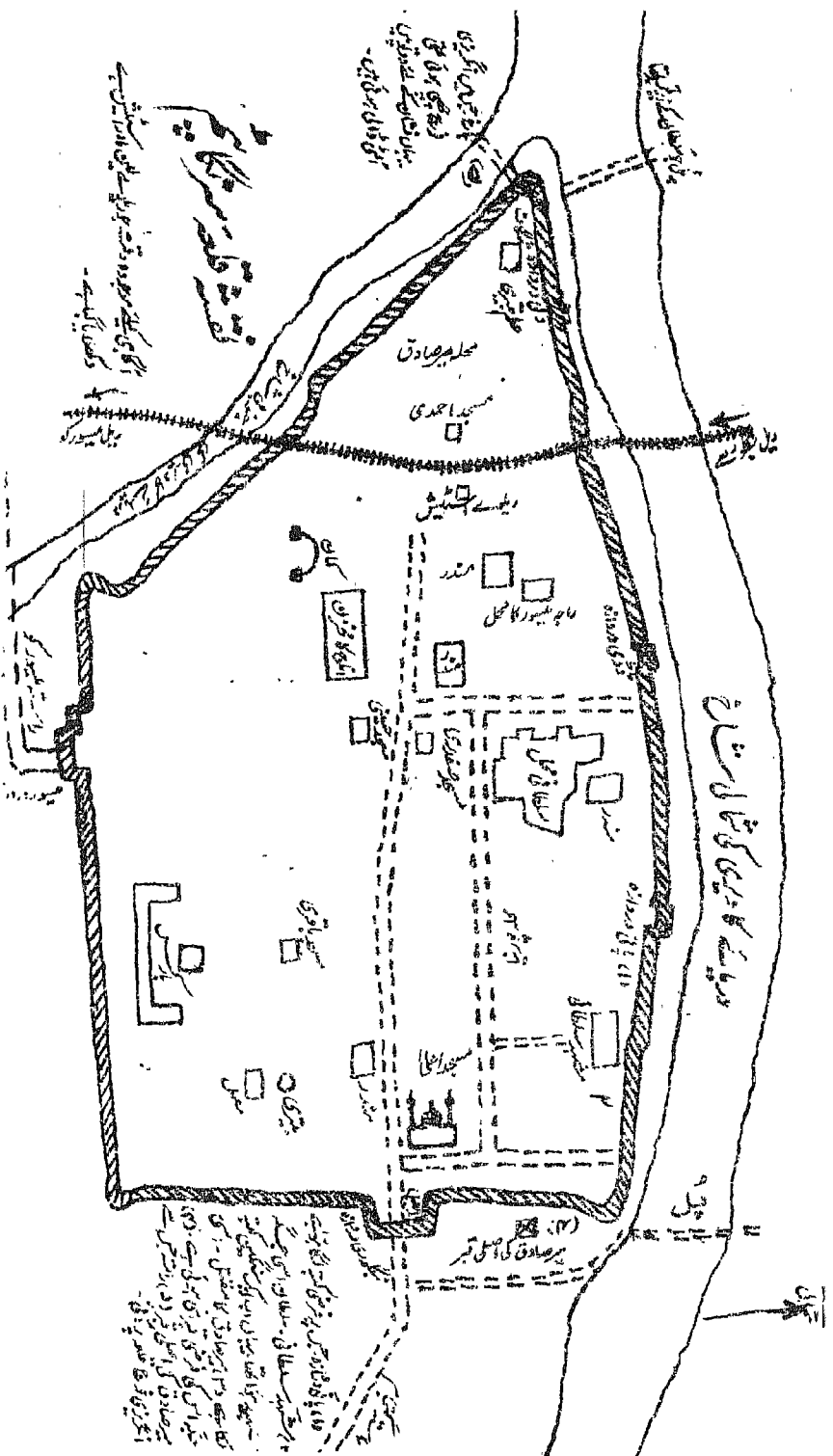
تعمیر ہوا تھا اور شہر کی بنیاد پڑی تھی۔ ۱۴۵۴ء میں راجہ تمّانے بہ اجازت دربار وجیانگر یہاں قلعہ بنوایا۔ ۱۶۱۰ء میں راجہ وڈیر نے جو موجودہ حکمران خاندان میسور کے اجداد میں سے تھا، اس جزیرہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ اس زمانہ سے لیکر ۱۷۹۹ء تک یہ میسور کا پایۂ تخت رہا۔ ۱۷۶۱ء میں نواب حیدر علی برسرِ اقتدار آئے۔ اس وقت سے لیکر زوالِ سلطنتِ خداداد یعنے چالیس سال تک اس کو جو عروج حاصل ہوا۔ وہ تاریخ عالم میں یادگار ہے۔ قدیم قلعہ کو ڈھاکر حیدر علی نے نیا قلعہ تعمیر کروایا جس کے بعد ٹیپو سلطان نے پھر اس میں متعدد تبدیلیاں کیں اور قلعہ کے اندر دوسری فصیل اور خندق بنوائی جس کو انگریزوں نے ڈھاکر خندق کو بھر دیا۔ ۱۷۹۲ء میں سرنگاپٹم کی جو حالت تھی۔ اس کے متعلق میجر ڈیرام جو لارڈ کارنوالس کا اسٹاف افسر لکھتا ہے:۔

"اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے۔ اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے۔ جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے تعمیر ہوا ہے۔ اسکے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم شدہ ہے۔ اور ہر مربع کے چار طرف وسیع و فراخ اور خوشنما سڑکیں ہیں۔ جن کے دونوں بازوؤں پر سایہ دار درخت لگے ہوتے ہیں۔ اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری ضروریات کیلئے ہر قسم کی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔

گنجام سے مشرقی جانب وہ مشہور باغ ہے جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے باغ نہایت خوش وضع ہے۔ انواع و اقسام کے میوہ دار درخت لگے ہوتے ہیں۔ روشوں کے دونوں طرف بلند و خوبصورت شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں۔

شہر کی مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں۔ جن کے اوپر سے قدیم مندروں کی اونچی چوٹیاں اور مسجد کے اونچے مینار نظر آتے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے

اگر لال باغ (جو خوبصورتی و خوشنمائی کا ایک دلفریب منظر ہے) کا نظارہ کیا جائے اور ان کے ساتھ قلعہ اور اس لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کا یہ عروس البلاد اس زمانہ میں سب سے زیادہ متموّل، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سکون بخش خطۂ زمین ہے۔"

ایک اور انگریزی مورخ جو ۱۸۰۴ء میں سلطان کی شہادت کے پانچ سال بعد آیا تھا۔ لکھتا ہے کہ:۔

آس وقت شہر کی آبادی اڑھائی تین لاکھ کے قریب ہے۔"

سرنگاپٹم کا قلعہ جزیرہ کے مغربی حصہ میں ہے۔ دریائے کاویری کی شمالی شاخ فصیل قلعہ سے ملی ہوئی بطور خندق چلی جاتی ہے۔ اور جنوبی شاخ کچھ دور تک فصیل قلعہ کے ساتھ ساتھ ہے۔

جزیرہ سرنگاپٹم میں داخل ہونے کیلئے دریائے کاویری پر دو پل ہیں۔ ایک شمال میں اور ایک جنوب میں۔ شمال مغربی جہت میں سلطان شہید نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پل کی بنیاد رکھی تھی۔ جو اب بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کیلئے متعدد دروازے ہیں جن میں مشرق کی طرف بنگلوری دروازہ ہے جنوب کی طرف دو دروازے ہیں۔ ایک میسوری دروازہ اور دوسرا ہاتھی دروازہ۔ شمال کی طرف پانی کا دروازہ ہے اور شمال مغربی جہت میں دلّی دروازہ ہے۔

میسوری دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔

چو شہ ایں قلعہ را بنیاد فرمود زبر جد سال ماہ خسروی بود

ہزار و دو صد و بہ عشرہ نہم	شمار سال احمد بدر مولود
بتاریخ نہم رو ز سہ شنبہ	بعین ساعت بہ عین مسعود
طلوع قوس بود و ہم بمیزاں	شفق بہ زہرۃ بہ عین افزود
عطارد آفتاب راس ہر سہ	ببرج سنبلہ بودند محمود
بجدی ماہ بعقرب بود مریخ	زنب در حوت کیواں در حمل بود
شمر ایں وقت رانیست پندار	کہ قلعہ از ہمہ اسباب بود

بماندش تا ابد محفوظ از آفات

بفضل رحمت خلاق معبود"

شہر میں آب رسانی کیلئے دریائے کاویری سے نہر کاٹ کر لائی گئی تھی۔ اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں۔ قلعہ کے اندر بھی پانی زمین دوز نہروں کے ذریعہ لایا گیا تھا۔ جو اب بھی بعض جگہ نظر آتی ہیں۔ مسجد اعلیٰ کے حوض اور سلطانی محل کے لئے پانی دریائے کاویری سے اس طرح لیا جاتا تھا کہ قلعہ میں شمال مغربی کونے میں پانی اچھال کر ایک حوض میں بھر دیا جاتا۔ جہاں سے وہ پختہ نالیوں کے ذریعہ حوض میں آجاتا تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

موجودہ حالت

موجودہ وقت میں یہاں کیا ہے۔ آہ! سرنگا پٹم جو سلطنت خداداد کا پائے تخت تھا ایک معمولی قصبہ رہ گیا ہے۔ یہ وہ شہر تھا کہ اگر سلطنت کو مہلت دی جاتی اور سلطان کی ایک دو نسلیں یہاں تخت نشین ہوتیں تو دلی۔ کابل اور قاہرہ تو در کنار سلطان کی

اولوالعزمی کو دیکھتے ہوئے سرنگاپٹم کا نام آج بغداد و غرناطہ سے پہلے آتا مگر قدرت کو یہی منظور تھا، جو ہوا۔ جس طرح گلشن میں کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں۔ اور جس طرح چھوٹے بچے اوائل عمری میں داغِ مفارقت دے جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض شہر اور قصبے بھی اپنی ابتدائی منازلِ تمدن میں برباد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سرنگاپٹم بھی اسی طرح برباد ہو کر رہ گیا ہے۔

آج مندروں کے علاوہ مسجد اعلیٰ۔ دریا دولت باغ، مقبرہ اور مسجد اقصیٰ موجود ہیں۔ باقی سب ہُو کا عالم ہے قلعہ کے اندر ریٹھ میں تھوڑی سی آبادی ہے۔ اور کہنا ہو دن بدن ویران ہوتا جا رہا ہے۔ آہ! یہ وہ شہر ہے جہاں بیٹھ کر سلطان داد سلطنت دیتا تھا۔ جس کے چپہ چپہ پر آبادی اور مکانات تھے جس کے قلعے پر سلطانی علم اپنی پوری جبروت و عظمت کے ساتھ کبھی اڑتا تھا۔ آج یہ ویران کھنڈر ہے سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے صرف ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار کتبہ کے لئے چھوڑ دی گئی ہے جس پر لکھا ہوا ہے:۔

"یہاں سلطان کا محل تھا"

آہ!

اجڑے محلوں سے جو آتی ہے صدائے بازگشت — طرفہ افسانہ سناتی ہے صدائے بازگشت
پہلے کچھ احکامِ سلطانی سناتی ہے مجھے — قصۂ شانِ جہاں بانی سناتی ہے مجھے
پھر سناتی ہے محافل کی طرب انگیزیاں — شوخیِ حسن و ملاحت زا کی شکر بیزیاں
کالی کالی وہ گھٹائیں اور بھری برسات میں — ناز سے گانا وہ رقاصوں کا بھیگی رات میں
عاشقوں نے گفتگو مستی جذبات میں — کی تھی جو آہستہ تنہائی میں بھیگی رات میں
ذرہ ذرہ میں یہاں کے نطق کی تفسیر ہے — ریزے ریزے میں یہاں کے جوہرِ تقریر ہے

سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کے یہاں ۔۔۔ ہو رہا ہے ہر طرف ایامِ پیشیں کا بیاں
ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں ۔۔۔ داستانِ حالتِ ماضی سناتی ہے زمیں
اسجگہ کچھ عیش اور عشرت کے ساماں دفن ہیں ۔۔۔ اس جگہ پر کچھ مرادیں اور ارماں دفن ہیں
اس جگہ پر ہے مزارِ شوکت و شانِ غرور ۔۔۔ اس جگہ مدفون ہیں اسبابِ امکانِ غرور
آرزوئے حدِ شہرت کی یہاں پر قبر ہے ۔۔۔ جستجوئے لطفِ جنت کی یہاں پہ قبر ہے
دلربائی اور دل آزاری کی حد ہے اس جگہ ۔۔۔ عاشقی اور ناز برداری کی حد ہے اس جگہ
نالۂ شبگیرِ زاہد اس جگہ پر ختم ہے ۔۔۔ حسنِ عالمگیرِ شاہد اس جگہ پر ختم ہے
تیغ جوہر دار کی حد اس جگہ پر ہو گئی ۔۔۔ حسنِ بدکردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی
اس جگہ ہے بےکسی اور نامرادی سو رہی ۔۔۔ قبر ہے یاں شوخیٔ چشمِ فسوں پرداز کی
دب گئے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اس جگہ ۔۔۔ دفن ہیں کچھ غنچہ ہائے ناشگفتہ اس جگہ
مرقدیں ہیں کچھ جنونِ فتنہ ساماں کی یہاں ۔۔۔ چاک دامن کی یہاں چاک گریباں کی یہاں
ساقیٔ توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں ۔۔۔ شاہدِ نازک بدن ہے اس جگہ آرام ہیں

ہیں غرض یہ بستیاں تاریخ صفحاتِ قدیم
ان کو ویرانہ نہ سمجھو، ہیں یہاں روحیں مقیم

سلطانی محل

سری رنگا سامی کے عظیم الشان قدیم مندر کے تھوڑے فاصلہ پر سلطانی محل تھا یہ محل ایک عالیشان خوبصورت چھوٹی سی عمارت تھی مگر نہایت سادہ، وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا جس میں سلطان کی رہائش تھی۔ اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک

سنہری کارنس سی بنی ہوئی تھی اور اس پر ایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں۔ اور ان پر سونے کا پانی یا پترے تھے سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی۔ وہ قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہوگی۔

اس محل کے مشرقی طرف مسجد اعلےٰ تک اور بھی چھوٹے چھوٹے محلات تھے جن میں سلطان کے شہزادے اور دوسرے عزیز و اقارب رہتے تھے۔

محل کے عین مقابل مغرب میں توسری رنگا سامی کا مندر اور میسور کے راجہ کا محل ہے جنوب میں بھی محل سے لگا ہوا ایک اور مندر ہے۔ اور اسی طرح شمال مشرقی پہلو پر ایک اور قدیم مندر ہے۔

سلطانی محل کے انہدام کے بعد اس کی بہت سی چیزیں فروخت کر دی گئیں جن میں سنگ سیاہ کے ستون بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں۔ اور باقی سامان بنگلور کے ایک کلیسا کی تعمیر میں استعمال ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس سلطان دین پناہ کے محل کا سامان بھی عبادت گاہوں ہی کے کام آیا۔ محل سے لگا ہوا جنوب کی طرف توشک خانہ تھا۔ توشک خانہ کے ایک حصہ میں پہلے صندل کوٹھی تھی اور اب میونسپل آفس۔ اور اس سے تھوڑی دور پر غلہ جمع کرنے کا مخزن تھا۔

سیاح بچانن لکھتا ہے:۔

"سلطان کا محل ایک عالیشان سنگین عمارت ہے۔ گو باہر سے یہ بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے مگر اندر نہایت خوشنما ہے سلطان جس حصہ میں رہتا تھا۔ وہ محل کے ایک جانب ہے۔ اور باقی تینوں جانب گودام ہیں زنانہ میں جانے کے راستہ میں شیر بندھے ہوئے تھے۔"

مسجدِ اعلیٰ

سلطانی محلات کے ویرانوں سے لگی ہوئی بنگلور دروازے کے قریب یہ عالیشان بلند عمارت واقع ہے جس کے سربفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر شہیدانِ وطن کے پاک خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تسخیر قلعہ کے وقت چار ہزار ہندو اور مسلمان یہاں جمع تھے۔ جو مدافعت وطن، تحفظ آزادی اور اپنے سلطان کے نام پر نثار ہو گئے۔

عمارت مسجد کے دو حصے ہیں۔ اوپر کے حصے میں مسجد ہے۔ مسجد میں جانے کے لئے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ میناروں میں بھی اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ جہاں پہونچکر بہت دور دور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ سلطان کی پنجگانہ نماز اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام رستے سے داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس خیال سے کہ مبادا اس کی آمد پر نمازیوں کو مسجد میں اس کے ادب و احترام کا احساس سکون قلب اور توجہ الی الحق سے محروم کر دے مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتا تھا۔ نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا کہ وہ اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی جگہ پر فی الفور عبادت میں مشغول ہو جاتا۔ اور کسی ایک نمازی کے دل میں بھی وسوسہ نہ گذرتا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان انسانی طبائع سے کس قدر آشنا تھا۔ اتنا گوارا نہ تھا کہ لوگوں کی اضطراری کیفیات احکام الٰہی کے منشا کی تکمیل میں حائل ہوں۔ اخلاق اسلامی کے اعتبار سے

عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا ابھی بہت دشوار تھا کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو اور خدا کے گھر میں کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے مسجد کی دیواروں پہ ہری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ محراب کے اوپر کتبہ تاریخ لگا ہوا ہے۔

کتبہ

کرد حضرت سلیمان اندر زمان ماضی — تعمیر مسجدے کہ نامش نہاد اقصیٰ

در این اوان فرخ سلطان دین بنا کرد — آن مسجدے کہ اسمش ہم گذاشت اعلیٰ

طاق است چون مرنو طاقش بحسن خوبی — روحش چون روح باشد ولجسپ فیض پیدا

زردہ نشان زمردہ آن صفہ صفا خیزد — محراب دلکش او آئینہ در لطیبا

مانند زرہ جو یا گشتم برائے تاریخ

طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا

مسجد کا نام غالباً مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا۔ اس مسجد کی بنیاد ۱۲۰۸ھ میں رکھی گئی۔ مسجد اعلیٰ میں جس بات کو دیکھ کر اس زمانہ کے مسلمان کے دل میں بھی اس دینی حرارت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے جس کے امین قرون اولیٰ کے مسلمان تھے وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے۔ یعنی مسجد میں چار کتبے لگے ہوئے ہیں جن میں ایک اسمائے حسنٰے اور دوسرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام ہیں شمالی دیوار پر جو کتبہ ہے وہ احکام جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے۔

کتبہ

قولہ تعالیٰ وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب

من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقا تقتلون

وتأسرون فریقاً وأورثکم أرضهم ودیارهم وأموالهم وأرضا لم تطؤها وکان اللہ علیٰ کل شیء قدیرا۔

بعد از فرار کفار حکم شد کہ بحرب بنی قریظہ روند کہ عہد شکستہ مددگار احزاب بودند لشکر اسلام ایشان را پانزدہ شبانروز محاصرہ کردند۔ وکار بر ایشان تنگ شد دیر بحکم سعد ابن معاذ فرود آمدند۔ وسعد حکم کرد کہ مردان ایشان را بکشند وکودکان ایشان را بردہ گیرند۔ واموال ایشان را مسلمانان قسمت کنند۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ اے سعد معاذ حکم کردی کہ خدائے تعالیٰ بر بالائے ہفت آسمان حکم کردہ وحق سبحانہ ازیں واقعہ خبر میدہد۔ وفرود آورد خدائے آنان را کہ یاری دادہ اند۔ احزاب را وہم پشت ایشان گشتند از اہل توریت یعنے یہود قریظہ را فرود آورد۔ از قلعہائے ایشان وافگند در دلہائے ایشان۔ ترس از پیغمبر ولشکر او گروہے را کہ کشتند ہے نصد تن بکشتند یا ہفت صد تن دیردہ میگیرید۔ گروہی را یعنے فرزندان ایشان را۔ ومیراث داد۔ شما را زمین ایشان یعنے مزارع وحدائق وسراہائے ایشان یعنے حصون وقلاع ومال ہائے ایشان از نقود وامتعہ ومواشی وبشما داد زمیں را کہ نرفتہ آں یا مالک آں نبودید ومراد خیبر است یا دیار روم یا ممالک فارس وگفتہ آید ہر زمیں کہ بجوزہ اسلام درآید۔ تا قیامت دریں داخل است۔ وہست خدائے بر ہمہ چیز قادر وتوانا۔

اور جنوبی دیوار پر غزوائے پیغمبر کے متعلق احادیث مکتوب ہیں۔ کتبہ ذیل میں دیا جاتا ہے :-

کتبہ

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الناس تبع القریش ھذا الشان مسلمھم تتبع والمسلمھم وکافرھم تتبع الکافرھم متفق علیہ ۔ روایت است از ابی ھریرہ کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ۔ جمیع مردم تابع قریش را در ایں نشان مسلمانان تابع اند مسلمانان قریش را و کافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیہ ونصبیبو علیھم المجانیق کما نصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الطائف وحرقوا انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام احرق البویرۃ قال وارسلو علیھم الماء وقطعوا اشجارھم وافسدوا زروعھم لان فی ذالک کسر شوکتھم وتفرق جمعھم فیکون مشروعا وپا برداید بر مشرکان و تیز تفنگ و درخش چنانکہ برپا داشتہ بود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر طائفہ وبسوزید آنہا زیراکہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بسوخت بویرۃ را دارسال نمانید بر آں کافران آب را و ببرید درختہائے ایشاں را وتباہ سازید کشت وکار ایشاں را زیراکہ تحقیق ۔ دراں شکست شوکت آنہا است و پراگندگی جمعیت ایشاں پس در شرع ایں ہمہ امور روا است من احب اخاہ فلیعلم ایاہ یعنے شخصے کہ دوست دارد برادر مومن خود را ۔ پس آگاہ نماید او را کسے کہ اعانت جنگ کفار بکند در حرب بنفسہ یعنے خود شریک شود با مال یا باسلحہ جنگ پس اگر معلوم شود از میل ورغبت ۔ بطرف دین کفار پس او ولد کفار است اگر معلوم نہ شود رغبت پس قید می کردہ شود ۔ تعزیر می شود ۔

تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جائیے۔ کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوئی اور کیا عوام کی، کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی۔ سوائے "مسجد اعلیٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے۔ شاہجہان کی مسجدوں میں آیہ لمسجد اسس علی التقویٰ من اول حق ان تقوم فیہ الخ پڑھکر بے شک دل خوش ہوتا ہے۔ کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہان کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا۔ مگر "مسجد اعلیٰ" کو دیکھ کر شاہجہان کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہ گئی۔ (علامہ اقبال مد انقلاب)

مسجد کے صحن میں چند قبریں بنی ہوئی ہیں۔ یہ سلطنت خداداد کے زوال کے بعد کی ہیں۔

دریا دولت باغ

یہ محل سلطان کا ایوانِ عام ہے۔ جو دریا دولت کے نام سے مشہور ہے۔ دریا دولت دریائے کاویری کے شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عدل و انصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتا تھا۔ عمارت عظیم الشان ہے اور دو منزلہ ہے۔ دوسری منزل کے ایک کشادہ حجرے میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے۔ انہیں سلطان کی نشست گاہ تھی۔ سامنے برآمدے ہیں جن میں اعیانِ دولت و وزراء کی نشست گاہیں تھیں۔

دریا دولت کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواریں اور ستون اور چاندنی پر تمام طلائی نقوش ہیں۔ اس کی دیواروں پر چند نہایت ہیجان خیز تصاویر ہیں۔ جو فنِ مصوری کا لاجواب نمونہ ہیں۔ ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں۔ اور بعض کرنل آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں ہندوستان کے

اس وقت کے امراء و وزراء ان کی طرز معاشرت کو دکھایا گیا ہے۔ ان میں نانا فرنویس پیشوا سے پونا، محمد علی والا جاہ، نظام الملک، بالیا جو، نواب کڑپہ اور نواب شاہنور وغیرہ کی تصاویر ہیں۔

مشرقی دیوار پر جو تصاویر ہیں۔ ان میں سے دو داہنی جانب ہیں اور دو بائیں جانب داہنی جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں سے اوپر والی تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ حیدرآباد کی فوج واپس جا رہی ہے۔ ہاتھیوں کی دو قطاریں ہیں۔ جن کی عماریاں خالی ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ نظام الملک کے ہاتھ کچھ نہیں آیا گھوڑے کے نیچے ایک گائے اور سور کی تصویر بنی ہوئی ہے جس سے مقصود شاید دوستی اور دشمنی کا نظارہ دکھانا ہے۔ غالباً یہ تصویر اسوقت کا سماں کھینچ رہی ہے جبکہ انگریزوں سے نواب حیدر علی کی پہلی جنگ کے بعد حیدرآباد اور حیدر علی میں دوستی ہوئی تھی مگر حیدرآباد پھر حیدر علی کا مخالف بن گیا۔ اس تصویر کے متعلق عام طور پر سیاحوں میں یہی مشہور ہے۔ نیچے کی تصویر میں جنگ پولی لور کا نقشہ اور بیلی کی شکست کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ کرنل بیلی ایک پالکی میں اسیر بیٹھا ہے۔ اس کے قریب موسیو لالی فرنچ افسر ہے۔ جو نواب حیدر علی کی ملازمت میں تھا۔ اس کے چہرے سے اس کامیابی کی خوشی برس رہی ہے کرنل بیلی اس شکست سے متحیر ہو کر انگشت بدنداں ہے۔

بائیں جانب جو دو تصاویر ہیں۔ ان میں سے اوپر کی تصویر میں نواب حیدر علی کا شاہانہ جلوس دکھایا گیا ہے۔ اور نیچے کی تصویر میں اس سازش کا پورا پورا حال کھولا گیا ہے۔ جو سلطنت خداداد کی بربادی اور سلطان کی شہادت پر ختم ہوئی۔ اس تصویر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہے۔ اور سامنے میر صادق آداب بجا لاتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے۔ اسکو شہید کر دیں اور سلطان

کی پشت کی جانب بھی کسی غدار کو گھوڑے پر سوار دکھایا ہے اور وہ منہ پھیر کر ہاتھ سے انگریزی فوج کو بتا رہا ہے کہ یہی سلطان ہے تیسری طرف بھی کسی اور کی جانب سے اسی قسم کا اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ تصویر مسلمان کی نہیں بلکہ ایک ہندو کی ہے جس سے غالباً پورنیا مراد ہے سلطان کے دوسرے امراء وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں سلطان کی دائیں جانب گھوڑے پر میر قمر الدین کو بوجہ سید ہونے کے سبز لباس میں دکھایا گیا ہے۔

ان تمام اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان غداروں نے سلطان کی نقل و حرکت کا سراغ رتی رتی انگریزی فوج کو دیا تھا۔ تین طرف سے اشارے ہوتے دکھائے گئے ہیں۔ اس سے مقصود سلطان کا اخیر وقت میں انگریزی فوج میں گھر جانا ہے اور حقیقت میں سلطان تین طرف سے گھر گیا تھا (یہ تصویر کرنل آرتھر ولزلی نے کھنچوائی تھی)

اس محل میں لارڈ ڈلہوزی کا ایک فرمان رکھا ہوا ہے جس میں اس نے اس عمارت اور سرنگا پٹم کے دوسرے عمارات کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایک فریم میں سرنگا پٹم کا نقشہ دیا گیا ہے جس پر سلطان کے دستخط کا عکس دیا گیا ہے۔ اس محل میں ڈیوک آف ولنگٹن دو سال رہا وہ لکھتا ہے کہ:-

"جنت ارضی یہیں ہے"

مسٹر ریس سیاح جس نے ایران اور ہندوستان میں کثرت سے سیاحی کی ہے لکھتا ہے :-

"مجھے سرنگا پٹم میں دریا دولت باغ دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آگئے۔ اس محل کے نقش و نگار جو اس کے ایک ایک انچ پر کئے ہوئے ہیں۔ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے تمام ہندوستان میں اس قدر منقش و دلفریب عمارت اور کوئی نہیں ہے"

دریا دولت باغ کی ایک تصویر کا عکس
دوستی اور دشمنی

گنبدِ اعلیٰ

ادب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

دریا دولت سے مشرقی سمت گمنام سے گذرتے ہی شہید کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ سلطان کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے۔ مقبرہ کے اندر ہری رنگ پھیرا ہوا ہے۔ اسکے اندر نواب حیدر علی خاں بہادر اور سلطان کی والدۂ ماجدہ کے مزار ہیں۔ خدا کی شان کہ اپنے والد اور والدہ کا مزار بناتے وقت سلطان کو اپنی موت کا بھی خیال رہا

مقبرہ کے اندر صرف تین قبروں ہی کی گنجائش ہے جس میں دو قبریں تو پہلے تھیں اور تیسری قبر سلطان کے لئے خالی رہی تھی۔ مقبرہ کی عمارت سطوت وجلال کا عبرت افزا منظر ہے چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے جنوبی برآمدہ میں نزدیک کے اعزا و اقربا کی قبریں ہیں عمارت مقبرہ کے صحن میں سلطان کے کئی عزیز واقارب اور دیگر اعیان سلطنت کی قبریں ہیں۔ مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر جو چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں لکھی ہیں۔ یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین علی کی کہی ہوئی ہیں اور کتبے ۱۲۱۲ھ میں سید عبدالقادر کے بنائے ہوتے ہیں۔

ٹیپو سلطاں شہید شد ناگاہ	جانِ خود داد فی سبیل اللہ
ز ذی قعدہ بست وہشتم آں	کہ شدہ روز شنبہ حشر عیاں
ہفت ساعت ز صبح بگذشتہ	خوں ز دیوار و در رواں گشتہ
ز بست پنجاہ سال با اقبال	بادشاہ بود ہفت دہ سال

داشت دردل ہمیشہ عزم جہاد — گشتہ آخر شہید حسب مراد

آہ تاراجیٔ مکین و مکان — خوں بگریید لمعہ زمین و زماں

چوں غم او بجز دو کل دیدم — سالِ ماتم زِ دردِ پرسیدم

گفت ہاتف زنیم آہ بگفت — نورِ اسلام ودیں زدنیا رفت

اور اس مصرعہ سے بھی وہی تاریخ نکلتی ہے:۔ — حامیٔ دیں شہرِ زمانہ برفت

شاہ ما چوں بملک برتر شد — حاضرِ مجلس پیمبر شد

روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسلِ حیدر شہید اکبر شد

اور ایک قطعہ بھی لگا ہوا ہے جس کا تاریخی مصرعہ یہ ہے:۔

ع۔ یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد"

لیکن ان تاریخوں میں سب سے زیادہ معنی خیز تاریخ وہ ہے جو عربی میں لکھی ہوئی ہے:۔

ان اخذت مصر کما قد ذکروا

وسرنج فتن اخذت ودبتہما

مصیبۃ ما مثلہا ارختہا

ذھب عز الروم والھند کلہا — سرنگاپٹم

۱۷۹۹ء یا ۱۲۱۳ھ دنیائے اسلام کیلئے ایک منحوس سال ہے جس میں سلطان کی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا۔ گویا تمام اسلامی اقتدار اور ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہوا۔ اسی سال سلطنت ترکی کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ ہوا۔ جس سے یورپ میں ترکی کی وقعت گھٹ گئی اور مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اسی سال برباد ہو گئی۔
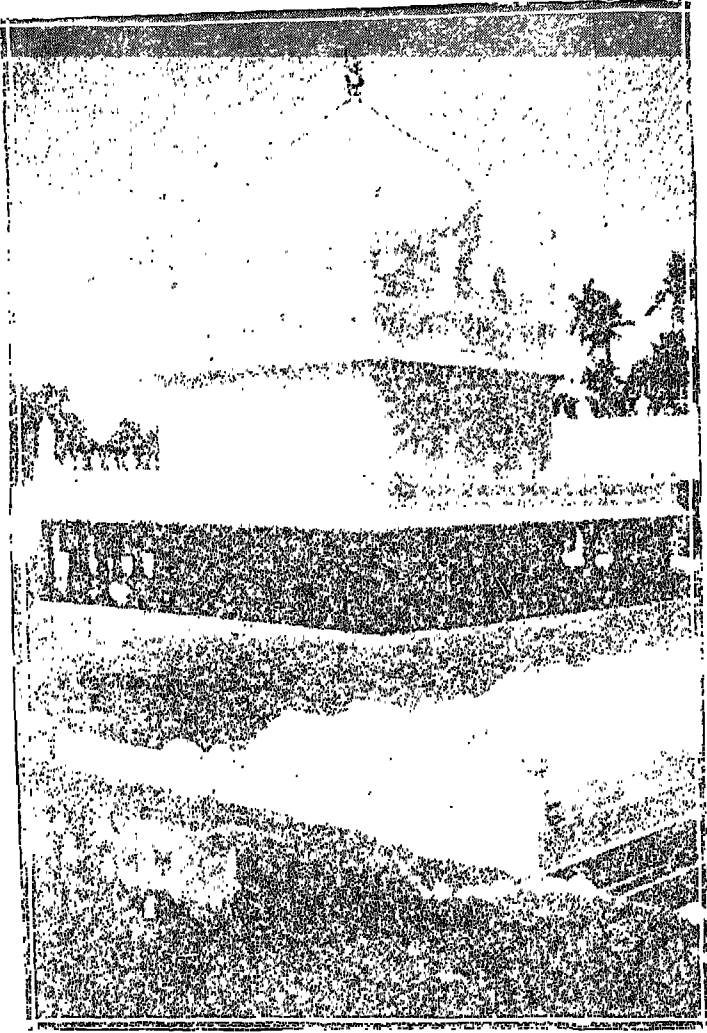
سرنگا پٹم۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ

مقبرہ کے اندر مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی ہے اور دوسری یعنی جنوبی دروازے کے مقابل نواب حیدر علی خان بہادر کی ہے اور تیسری یعنی مغربی دروازے کے مقابل سلطان شہید کی ہے جس کی تعریف میں اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا تھا۔

خدیو جہانگیر کشورکشا کہ تیغش ظفر را بود متکا

فلک بندۂ شوکت و شان او قضا گوئے چوگان فرمان او

شود عارض قہرش از تابناک زند شعلہ جوش از سمک تا سماک

وگر لطفش آرد نمی رو بکار شود در دلِ سنگ قطرہ شرار

بعہدش نشد فتنہ گاہے دلیر کہ در چشم خوباں شود گوشہ گیر

وہم سنج چوں نعمت عام او کہ دریاست یک قطرہ انعام او

ز بیمش کند لابہا چرخ پیر چو روباہ کہ افتد بچنگال شیر

چو کیوانست از جارسان ورشش رسیدہ ز رفعت بگردوں سرش

سعادت ز خاک درش دام کرد

بسعدی فلک مشتری نام کرد

آہ! یہ وہ مزارات ہیں جہاں انوارِ الٰہی برس رہے ہیں۔ جہاں آسمان سے ہر صبح و شام رحمتیں نازل ہوتی ہیں سلطان شہید کے مزار پر سُرخ غلاف پڑا ہوا ہے جو شہادت کا نشان ہے۔ نشانات شاہی رکھے ہوتے ہیں۔ گویا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابھی تک غزوات جہاد میں مصروف ہے اور یہ اس کا ایک گہوارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی جاہ و جلال کی آخری نشانی اسی سُرخ غلاف کے نیچے پنہاں

ہے سلطان کو اس دُنیا میں نہیں رہا۔ مگر اس کا جاہ و جلال اور اُس کی عزت اور اس کا احترام اب بھی دلوں میں اسی طرح جاگزین ہے اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس آستانے پر بادشاہوں امیروں اور گداؤں کے سر پئے تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

مقبرے کے اندر داخل ہوتے ہی سلطانی ہیبت و جلال کے نظارے کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا نقشہ، دار السلطنت کا موجودہ عبرتناک منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

گنبد کے چاروں طرف چار دروازے ہیں۔ چوکھٹوں پہ نواب حیدر علی یا سلطان شہید کے متعلق قطعات لکھے ہوئے ہیں۔ مغربی دروازے کی چوکھٹ پر جو رباعی لکھی ہوئی ہے۔ وُہ یہ ہے:-

از فاطمہؓ زوجہ علیؓ شیرِ خدا — شد سبطِ نبیؐ سیدِ شہدا پیدا
ایں فاطمہؒ زاد از علیؒ حیدر — ٹیپو سلطان کہ گشت شاہ شہدا

جنوبی دروازے کی چوکھٹ پر یہ رباعی کندہ ہے:-

در ملکِ حجاز از علیؓ حیدرؓ — مفتوح شدہ بہ حنت قلاعِ خیبر
زین حیدرؒ دکنی دول کرناٹک — گشتند مطیع یک خدیو کشور

مشرقی دروازے کی پیشانی پر ذیل کی رباعی ہے:-

آں سیدِ شہدائے عرب سبطِ نبیؐ — لختِ جگر فاطمہؓ و جانِ علیؓ
از فاطمہؒ و حیدرؒ دکنی۔ ٹیپوؒ — سلطانِ شہیداں شدہ از جانِ دلی

شمالی دروازے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے:-

کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے — بدیں جا نہاز سلطانی کہ آمد شد چو مہمانے

مقبرہ کے چاروں دروازوں کی سیاہ لکڑی کے کواڑوں میں ہاتھی دانت کا کام دستکاری کی ہوئی ہے۔ یہ دروازے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے سلطانی عظمت و وقار کو مد نظر رکھتے ہوئے عطیہ میں دئے تھے۔ لارڈ ڈلہوزی نے آثارِ قدیمہ کو برقرار رکھنے کیلئے بہت سے عمدہ کام کیئے۔ اس کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہو کر آیا جس کے زمانہ میں بغاوتِ ہند ہوئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی طرزِ حکمرانی کو دیکھتے ہوئے سلطنتِ انگلستان نے مناسب سمجھا کہ سلطنتِ ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں حکومتِ ہند ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر تاجِ برطانیہ کے زیرِ نگیں آگئی۔

مقبرہ کے چبوترے سے لگی ہوئی مغرب کی جانب مسجد اقصیٰ ہے جس پر سبز رنگ پھرا ہوا تھا۔ اب بالکل سادہ ہے۔

گنبد کے برآمدہ میں اور چبوترہ پر بہت سی قبریں ہیں۔ جن میں کسی کسی پر کتبہ ہے اور کسی پر سیاہ رنگ سے نام لکھ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ یہ نام مٹ جائیں۔ اس لئے یہاں چبوترہ کا نقشہ دے کر تشریح کر دی گئی ہے۔ تشریح میں جو نمبر دیا گیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قطار میں سلسلہ وار وہ اسی نمبر کی قبر ہے۔

(نوٹ:۔ جن قبروں پر کتبے یا نام نہیں ہیں وہ چھوڑ دئے گئے ہیں)

گنبد اعلیٰ کے اندر تین مزارات ہیں

ان میں جانب مشرق والدہ ٹیپو سلطان کا مزار ہے۔ درمیان میں نواب حیدر علی کا مزار ہے اور تیسرا ٹیپو سلطان شہید رح کا ہے۔

گنبد کے جنوبی برآمدے میں

مشرق سے جانب مغرب:۔ (۱) سلطان بیگم صاحبہ ہمشیرۂ ٹیپو سلطان شہید رح

مسجد اقصیٰ

شمال

جنوب
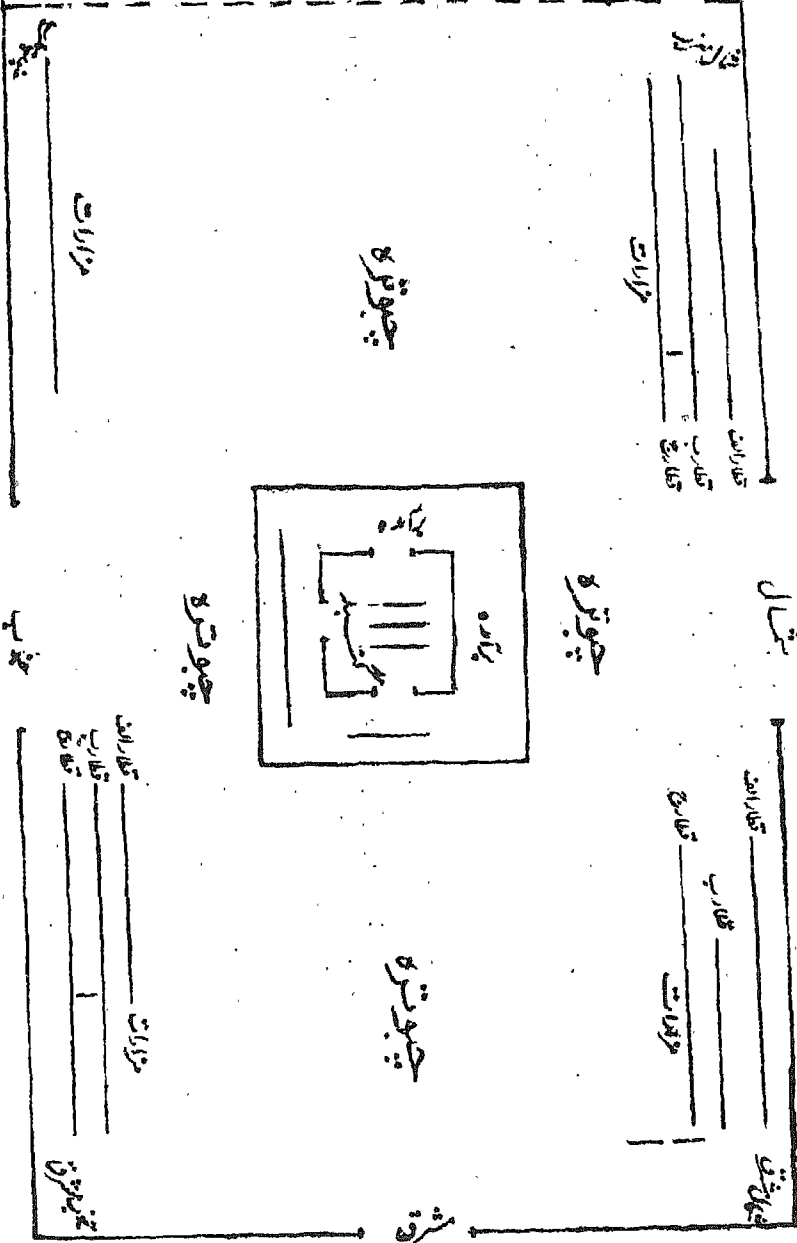
مشرق

۲۔ شاہزادی فاطمہ بیگم صاحبہ (دختر سلطان شہیدؒ)

۳۔ شاہزادی بیگم (صبیہ سلطان شہیدؒ)

۴۔ نواب سید شہباز صاحب (داماد سلطان شہیدؒ)

۵۔ محل نواب میر محمود علی خاں

۶۔ نواب میر محمود علی خاں

۷۔ والدۂ نواب میر محمود علی خاں

} یہ تینوں قبریں زوال سلطنت کے بعد کی تعمیر ہیں۔

مشرقی برآمدہ میں

سنگ سیاہ کا ایک مزار ہے۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ مدینہ بیگم کا مزار ہے جو سلطان کی دایہ تھیں۔

چبوترہ پر

شمال مغربی کونے پر جو مسجد اقصیٰ سے لگا ہوا ہے

یہاں مزارات کی تین قطاریں ہیں۔ ان میں پہلی قطار جس پر نقشہ میں الف کا نشان دیا گیا ہے۔ اس میں جملہ نو قبریں ہیں۔ ان نو قبروں میں دو زنانہ قبریں ہیں۔ باقی چھ مردانہ ہیں۔ ایک جو سطح چبوترہ کے برابر ہے معلوم نہیں کہ قبر زنانہ ہے یا مردانہ۔ اس قطار میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے۔

دوسری قطار (ب)

اس قطار میں چودہ قبریں ہیں۔ زنانہ چھ اور مردانہ آٹھ۔

(تفصیل جانب مغرب سے)

۱۔ بانوئے سلطنت رقیہ بانو ملکہ سلطان شہیدؒ۔ اس مزار کے سرہانے یہ کتبہ

لگا ہوا ہے :-

"رحلت ہمشیرہ برہان الدین شہید بتاریخ بیست و ہفتم ماہ رازی سال زبرجد ۱۲۱۹ مولد محمد مطابق بیست و پنجم ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۰۶ ہجری بہ شب یکشنبہ بوقت پنج گھڑی شب باقی ماندہ روح پاک پرواز کرد۔ اسم زنیہ بی بی"۔

۴۔ برہان الدین شہید برادر نسبتی سلطان شہیدؒ و برادر بانوے سلطنت رقیہ بانو ملکہ سلطان شہید۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

"تاریخ شہادت برہان الدین مرحوم چہارم ماہ محرم ۱۲۰۵ھ روز چہارشنبہ محمد مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ۱۲۱۸ محمد"

۵۔ شاہزادہ نظام الدین۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

"تاریخ وفات نظام الدین شاہزادہ مرحوم بیست و ششم ماہ صفر روز یکشنبہ سنہ ۱۲۰۶ ہجری مطابق بیست و ہشتم ماہ خسروی سال زبرجد سنہ ۱۲۱۹ محمد"۔

۱۱۔ اس قبر پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان کی دوسری یا تیسری بیگم کی قبر ہے۔

تیسری قطار

اس قطار میں چودہ ۱۴ قبریں ہیں۔ نو ۹ زنانہ اور چار ۴ مردانہ۔ ایک قبر جو سطح زمین کے برابر ہے معلوم نہیں کہ مردانہ ہے یا زنانہ (مغرب سے جانب مشرق)

۷۔ نواب محمد رضا علی خاں شہیدؒ (بنکی نواب) (نواب محمد رضا علی خاں المعروف بہ بنکی نواب۔ کورگ کی جنگ میں بتاریخ ۲۶ ماہ رمضان سنہ ۱۲۱۳ھ میں شہید ہوئے تھے)

۹۔ سکینہ بیگم بنت ابراہیم صاحب۔

دوسری اور تیسری قطار کے درمیان ایک زنانہ قبر ہے جو معلوم نہیں کس کی ہے۔

(نوٹ:۔ کتبے بالکل معمولی پتھر کے ہیں جو صاف بھی نہیں کئے گئے اور خط بھی بالکل معمولی ہے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے بعد یہ پتھر لگائے گئے ہیں)

چبوترہ کے شمال مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

بارہ قبریں ہیں۔ نو زنانہ اور دو مردانہ اور ایک سطح زمین کے برابر ہے۔ ان قبروں میں مشرقی جانب سے دوسری قبر پہ یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

تاریخ وفات حبیب صاحبہ والدۂ لالہ میاں صاحب مرحوم
بیست و ہفتم ماہ صفر روز آخر چہار شنبہ

دوسری قطار (ب)

تین قبریں ہیں ایک زنانہ اور دو مردانہ

تیسری قطار (ج)

تیرہ قبریں ہیں۔ ان میں ۸ زنانہ اور ۵ مردانہ ہیں تیسری قطار کے نیچے اور دو قبریں ایک کے نیچے ایک بنی ہوئی ہیں۔ ان میں جنوب کی قبر زنانہ ہے۔

چبوترہ کے جنوب مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

اس میں پانچ قبریں ہیں۔ دو مردانہ اور تین سطح زمین کے برابر ہیں۔

مغرب سے جانب مشرق

۱۔ یہ کتبہ لگا ہوا ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم تاریخ وفات مولوی محمد حبیب اللہ

دلوک شمس و ماہ سہ شنبہ ——— پیپا ساز سفر آں گل شگفتہ
بجستم چوں عزاں سالش خرد آہ ——— حبیب اللہ بجنت رفت گفتہ"
۱۲۲۴ ہجری ۱۲۲۴

دوسری قطار (ب)

بارہ قبریں ہیں۔ ایک زنانہ۔ سات مردانہ۔ اور چار سطح زمین کے برابر ہیں۔ اس قطار میں مغرب سے جانب مشرق گیارھویں قبر پر کتبہ ہے :-

"قبر سید عبدالقادر"

تیسری قطار (ج)

اس قطار میں گیارہ قبریں ہیں اور سب مردانہ ہیں مغرب سے جانب مشرق تیسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

چوں سپہدار جنود ٹیپو سلطان شہید ——— زیں جہاں بگذشت و در ملک بقا منزل گزید
نام و تاریخ و نشان مرقدش جستم زدل ——— با دل محزوں بگفتا ایں تربت سید حمید
۱۲۰۵

۶۔ کتبہ "تاریخ شہادت خواجہ آفتاب خاں چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ۱۲۰۵ھ

مطابق ششم ماہ حیدری سال شیا ۱۸۲۱ محمد"

۷۔ کتبہ "تاریخ شہادت محمد جہاں گیر سر عسکر۔ چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ۱۲۰۵ھ

مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا ۱۸۲۱ محمد"

۸۔ کتبہ "تاریخ شہادت شیخ میراں سر عسکر چہارم ماہ محرم روز چہارشنبہ ۱۲۰۵ ہجری

مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا ۱۲۱۸ محمد"

۹۔ کتبہ "تاریخ وفات ارشد بیگ خاں ہجدہم ماہ صفر روز سہ شنبہ ۱۲۰۵ ہجری

مطابق بستم ماہ دینی ۱۲۱۶ محمد"

میں (غالباً ۱۳۱۱ھ میں) تبلیغ اسلام کے لئے آئے ہوئے تھے تعجب ہے کہ اس زمانہ میں جب اس جگہ ایک مسلمان بھی نہیں تھا بلکہ اس کے باشندے اسلام کے نام تک سے ناآشنا تھے۔ اور رسل ورسائل اور حمل ونقل کے ذرائع بالکل مفقود تھے اور سفر درحقیقت سقر کا نمونہ تھا سرفروشانِ اسلام کس عالی حوصلگی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کے لئے سختیاں جھیل کر تبلیغِ اسلام کے لئے آتے تھے۔

گذشتہ سطور میں جن عمارات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ سرنگاپٹم میں اور کچھ باقی نہیں ہے۔ شاہی باغات بھی جو اس زمانے میں قسم قسم کے درختوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی کچھ باقی نہیں۔ اس وقت سرنگاپٹم اور گنجام کی آبادی قریباً سات ہزار ہے۔ آہ! یہ ہے وہ سرنگاپٹم جہاں مسلمانوں کی قسمت کا ڈرامہ چالیس سال تک کھیلا گیا جس قدر کامیابیوں کے بعد ناکامیاں اور امیدوں کے بعد مایوسیاں اس شہر نے ایک قلیل عرصہ میں دیکھیں وہ نہایت عبرت انگیز ہیں۔

مشہدِ سلطانی

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مشہدِ سلطانی کا ٹھیک پتہ بتانے کے لئے ایک طویل مضمون لکھا گیا تھا۔ اس دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس لئے کہ میسور گورنمنٹ نے اس سال اس جگہ ایک سنگین کتبہ نصب کر دیا ہے۔

(نوٹ:- اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ واٹر گیٹ (پانی کے دروازے) پر جو گمراہ کن انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے اس کو دور کر دیا جائے)

یہ کتبہ جس جگہ لگا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں قلعہ کی اندرونی کچی فصیل تھی اور شہر کا اندرونی بڑا دروازہ اسی جگہ تھا سلطان اسی دروازہ میں سے داخل ہوتا ہوا تین طرف سے محصور ہو کر شہید ہو گیا۔ ۱۸۰۰ء میں کرنل آرتھر ولزلی نے اس کچی فصیل کو ڈھا کر خندق کو بھروا دیا اور اس پر پالی کے درخت بو دئیے گئے۔

واٹر گیٹ پر کتبہ لگانے کی ضرورت ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ مشہدِ سلطانی کو زیارت گاہِ عام بننے سے روکنا چاہتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد لوگ یہاں جمع ہو کر ہر روز ماتم کرتے تھے۔ ریڈ زاوڈ کلف نے بھی اپنا مرثیہ یہیں بیٹھ کر لکھا تھا جب دیکھا گیا کہ اس جگہ کی عظمت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور یہاں ہر سال ۲۷ ذیقعدہ کو لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے تو عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے واٹر گیٹ پر کتبہ لگا دیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں نے سچ کہا ہے:-

کہیں سوتے میں نہ کر دے یہ مجاہد حملے ابھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حشو

گنبد اور مسجد کا موجودہ انتظام

سلطانی عظمت و جلال کی نشان باقی رکھنے کیلئے مقبرہ کے دروازے پر نوبت و نقارہ ہر روز پنج وقتہ بجتے رہتے ہیں۔ انگریزوں اور ریاست میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نوبت و نقارہ ہمیشہ بجتا رہے۔ گنبد، مسجد اقصیٰ، مسجد اعلیٰ اور قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں ایک ناظم کے ماتحت ایک خاص محکمے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناظم صاحب کو چالیس سے پچاس روپیہ تک تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان کے ماتحت مسجد اعلیٰ سے اور گنبد میں تقریباً ۲۵ آدمی ہیں جن میں دس قرآن خواں ہیں جنہیں ماہانہ دس روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ ہر روز قرآن مجید پڑھ کر سلطان شہیدؒ کی روح کو ثواب بخشیں ادنیٰ ملازموں یعنے خدام کو پانچ، چھ اور سات روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ داروغہ متولی، پیش امام، منشی اور قاضی وغیرہ پندرہ سے پچیس روپئے تک تنخواہ لیتے ہیں۔ ان تمام ملازموں کو رخصت وغیرہ سرکاری قانون کے مطابق دی جاتی ہے اور اخیر عمر میں جب یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے یا کام چھوڑ دیتے ہیں تو انہیں ایک سال کی تنخواہ دی جاتی ہے تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن جس وقت شائع ہوا۔ قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں بالکل ویران پڑی تھیں۔ اب انہیں آباد کر دیا گیا ہے اور یہاں ایک آدمی چراغ، پانی اور اذان کے لئے مقرر ہے۔ ابھی حال میں گنبد، مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ میں میسور گورنمنٹ نے برقی روشنی کا انتظام کیا ہے۔ گنبد میں روشنی مفت مہیا کی جاتی ہے اور مسجد اعلیٰ سے فی یونٹ ایک آنہ لیا جاتا ہے خدام کے لئے ایک خاص سرخ بانات کی وردی مقرر ہے جو خاص خاص

موقعوں پر استعمال ہوتی ہے جب کبھی کوئی والیٔ ملک یا وائسرائے وغیرہ آتے ہیں تو خدام کی جانب سے انہیں دروازے پر باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے اور انہیں چھتر کے سائے میں لایا جاتا ہے۔ گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے یعنی سلطان ابھی زندہ ہے اور اس کا جاہ و حشم برقرار ہے۔

سلطانی لنگر سلطان شہید کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے سلطان کے نام سے ایک لنگر جاری ہے۔ اس کا خرچ ماہانہ دو سو روپیہ ہے۔ اس لنگر سے نصف مسلمانوں کے اور نصف غیر اقوام کے غریبوں اور بیواؤں کو امداد دی جاتی ہے۔ اس امداد کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین روپیہ، دو روپیہ اور ایک روپیہ۔ اس کے علاوہ روزانہ دس آنے مسافروں یا محتاجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک میں سحری و افطاری پر پانچ سو روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔ ربیع الاول میں بارہ دن، ربیع الثانی میں گیارہ دن اور محرم میں گیارہ دن تک خدام اور مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اعراس سلطان شہید کا عرس ہر سال ۲۷ ماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے صندل مسجد اعلیٰ سے گنبد کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے جلوس کیلئے مہاراجہ صاحب میسور کے محل سے (یعنی پیلس ڈپارٹمنٹ) بارہ سوار اور بارہ پیادہ سپاہی ایک ہاتھی اور ایک اونٹ مہیا کئے جاتے ہیں۔ بینڈ کا انتظام بھی رہتا ہے لیکن یہ بینڈ مقامی طور پر مہیا کیا جاتا ہے۔ عرس کے دن غریبوں کو صبح کے وقت کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس عرس پر محکمہ کی جانب سے ایک سو اسّی روپیہ کی مقررہ رقم خرچ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کلکتہ سے خاندانِ شہید { MYSORE FAMILY کی جانب سے بھی پانچسو روپیہ عرس کیلئے سالانہ بھیجے جاتے ہیں۔

اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر سطوت کے جاں سوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلوار کی زہرہ گداز جھنکار سے فضا لبریز ہو رہی تھی اور مرنے والے جلد جلد آخری دم توڑ رہے تھے۔ تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا اور سپاہی کی طرح مر گیا۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوتے ہوں۔ موت بہتر ہے۔ ایسی رسواکن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۴۔ تیرا بہادر اور توی باپ جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ تجھ میں اسی کی روحِ جہاد تڑپ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اُس نے دیکھا کہ تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے اور تیری خونریز تلوار دشمن کے لہو سے سرخرو ہو رہی ہے۔

اور اُس نے دیکھا کہ تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے اور تیرے گلرنگ زخم اب کے سب تیرے سینے پر ہیں۔

اللہ اللہ! اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوتے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسواکن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۵۔ اہلِ جنت نے نخلِ طوبیٰ کے نیچے اپنی زمردیں خلوتوں میں شہید کے لئے سدا بہار پھولوں کا ایک شاندار ہار گوندھا اور فردوس کی جاودِچشم حوروں نے گوہریں رومال ہلا ہلا کر آسمان خلدِ بریں کی شفاف فضاؤں میں مجاہدین کے سلطانِ اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ اللہ! شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاودانی مسرت ہو۔ ایسی رسواکن زندگی سے ہزار درجے بہتر ہے جس میں فاتح دشمن کا جھنڈا سر پر لہرا رہا ہو۔"

(ب)

(یہ مرثیہ کنٹری زبان میں لکھا گیا تھا)

۱۔ آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہو گئی!

آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر، دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی۔ اس کے ظفر مند جھنڈے کیونکر اوجِ آسمان سے ٹکراتے تھے۔ اس کے قاہر لشکر کس قدر غرور اور سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے

آہ! مالکِ کائنات نے تبسم کریمانہ کی نظریں ان کی طرف سے ہٹالیں اور وہ سب گذر گئے

۲۔ ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور و افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے اس کی فوجیں بے شمار تھیں۔

اس کے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کیلئے بیقرار تھے سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹتا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں وہ سب گذر گئے۔

۳۔ ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوتے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔

انہیں قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے۔

اور اژدر دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے۔

انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلندی پر چمکتے نظر آتے تھے اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہوا میں لہراتے تھے۔ آہ! ایک چشم زدن میں وہ سب گذر گئے۔" (از تاریخ جیمیس مل)

سلطان شہیدؒ

آتشے در دل دگر بر کردہ ام — داستانے از دکن آوردہ ام

در کف ام خنجر آئینہ فام — می کشم او را بہ تدریج از نیام

نکتہ گویم ز سلطان شہیدؒ — زانکہ ترسم تلخ گردد روز عید

پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او — تا شنیدم از مزار پاک او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست

ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است (علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبال اپنی تصنیف "جاوید نامہ" میں پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری کے تحت میں "حقیقت حیات و مرگ و شہادت" میں لکھتے ہیں:۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است — موت نیرنج و طلسم و سیمیا ست!

بندۂ حق ضیغم و آہو ست مرگ — یک مقام از صد مقام اوست مرگ!

می فتد بر مرگ آں مردِ تمام — مثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام

ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ — زندگی او را حرام از بیمِ مرگ

بندۂ آزاد را شانے دِگر — مرگ او را می دہد جانے دِگر

او خود اندیش است مرگ اندیش نیست — مرگِ آزاداں ز آنے بیش نیست

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد — زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دد

مردِ مومن خواہد از یزدانِ پاک — آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک

آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق — آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق!

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر! — مرگِ پورِ مرتضیٰ چیزے دگر

جنگِ شاہانِ جہاں غارتگری است — جنگِ مومن سُنّتِ پیغمبری است

جنگِ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست — ترکِ عالم، اختیارِ کوئے دوست

آنکہ حرفِ شوق[ف۱] با اقوام گفت — جنگ را رہبانیِ اسلام گفت!

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را

کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

(نوٹ:۔ ف۱ - آنکہ حرفِ شوق الخ یعنی حضورِ سرورِ کائنات۔ در مصرعہ ثانی اشارہ الی حدیث

الجہاد رہبانیۃ الاسلام (از جاوید نامہ)

سلطان ٹیپو کی وصیت

(سلطان ٹیپو کی وصیت کے عنوان سے علامہ اقبالؒ نے "ضربِ کلیم" میں لکھا ہے)

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں!
محفل گداز گرمیِ محفل نہ کر قبول

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

شیرِ ہندوستان ٹیپو سلطان رح

عجائباتِ زمانہ کے اے تماشائی
رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنائی

محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی
قطب سے کی ہے قطب تک کی دشت پیمائی

نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کے دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب

افق میں جبکہ عناصر میں ہو صف آرائی
جہاز لاتے تباہی [illegible] کشتیِ دریائی

فضا میں جبکہ چلی ہو سموم صحرائی
غبارِ دشت سے آنکھوں پہ تیرگی چھائی

ہر ایک حال میں چلنے سے کام ہے تجھ کو
نہ لطفِ صبح نہ کچھ خوفِ شام ہے تجھ کو

دیارِ ہند میں جب سیر کے لئے آنا
تو اپنے پہلو میں تو اک دلِ حزیں لانا

عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا
دکن میں جا کے سرنگاپٹم چلے جانا

کہ جس کی خاک میں سوتا ہے شیرِ ہندوستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احساں

ادب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر
فلک سے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر

کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگانِ فرنگ
جھکا ہے سامنے جس کے بہت نشانِ فرنگ

زمینِ ہند سے اُٹھا نہ کوئی فرزانہ رہا یہ ملک ہمیشہ مطیعِ بیگانہ
بہ قدرِ ظرف جو ملتا کسی کو پیمانہ دکھاتا کر کے وہ کچھ ہاتھ ہوتے مستانہ

جہاں نے ختم کئے دور ہائے سالِ دراز
ہوا نہ پیدا ٹیپو را کا کوئی ہم آواز

وہ بادہ جس سے کہ سلطان لودی تھا مسرور وہ آگ جس سے مراحل کے شیر شاہِ سُور
وہ نوش جس سے کہ مدہوش ہو گیا تھا پور اسی شراب سے ٹیپو کو بھی کیا مخمور

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے
کریگا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے

سپہرِ ہند کا وہ اک چمکتا اختر تھا دکن کی خاک کا اک آبدار گوہر تھا
نصیبِ ہند تھا اقبال تھا مقدر تھا نہ ہو کیوں ایسا کہ آخر تو ابنِ حیدر تھا

خیال کچھ نہ کیا اس نے اپنی زحمت کا
قدم قدم پہ رکھا دھیان اس وصیت کا

فلک بکامِ تو باشد کہ اہتمام کند سپہر بادۂ عیشِ ترا بجام کند
زمانہ خنجرِ کیں تو در نیام کند اگر پدر نتوانند پسر تمام کند

ترا کہ زورِ بازوئے تیغ زن باقی است

بگیر تیغ کہ آن حسرت کہن باقی ست

نہ ڈھونڈو لطف سحرگاہ شام ماتم میں　　کبھی نہ دیکھو گے ذی الحجہ تم محرم میں
دکھائے خاک بہار اپنی باغِ عالم میں　　وہ پھول جو کہ کھلا ہو خزاں کے موسم میں

کئے خدا نے مقرر ہر ایک کام کے وقت

سحر کا کام ملا اس کو ہائے شام کے وقت

دکھائے اُس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر　　اِدھر وہ یکہ و تنہا خدائی ساری اُدھر
وہ کیا کرے کہ نہ ہو جس کا آسماں یاور　　شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر

نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا

مقابلہ تو مرے پہلوان نے خوب کیا

نظام دیکھ کے اندازِ جنگ ہے مسرور　　پھرا ہے پیشوا لے کے غنیمت موفور
نہ کھینچیں کس لئے انگریز اپنے آپ کو دُور　　کہ جس سے رکھتے تھے دل میں وہ سینکڑوں ناسور

پڑا ہے خاک پہ اس ناتواں کا لاشہ ہائے

فلک یہ تو نے دکھایا ہے کیا تماشہ ہائے

وہ بادہ جس کا کہ خانِ شہید تھا شیدا　　وہ نوش جس کو کہ تغلق نے تھا پسند کیا
وہ زہر جس کا کہ ہمیوں نے پی لیا پیالہ　　ازل کے دن سے وہ حصہ نصیب ٹیپو تھا

مرا وہ موت جسے کہئے عاشقانہ موت

سپاہی کہتے ہیں اس کو سپاہیانہ موت

بجا ہے اس کو جو بیداد گر کہیں انگریز　　روا ہے اس کو اگر بےخبر کہیں انگریز
درست ہے جو اسے بے ہنر کہیں انگریز　　رقیب کو ستم آرا اگر کہیں انگریز

کہ اس کے آگے جھلکتا رہا ایاغِ فرنگ
جلا نہ سامنے اس کے کبھی چراغِ فرنگ

ہزاروں اُٹھ گئے دنیا سے بے پھلے پھولے | وہ ہونہار جو دنیا میں آئے اور نہ رہے
وہ تازہ غنچے جو مرجھا گئے بغیر کھلے | اسی طرح سے گیا ٹیپو وقت سے پہلے

کہ اس کو موت بھی آئی شباب سے پہلے
پلایا زہر ہی اس کو شراب سے پہلے

رہا زمانہ میں کچھ روز مہماں کی طرح | بہار اس کو جو آئی بھی تو خزاں کی طرح
چھپا ہوا ہے وہ گنجِ شائگاں کی طرح | دلوں سے محو ہوا یادِ رفتگاں کی طرح

کسی بشر نے نہ کی اس پہ اشک افشانی
فرشتے گور پہ کرتے ہیں فاتحہ خوانی

بہار گائیں گی جب بلبلیں گلستاں میں | خزاں کا دَور ہو جب موسمِ زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب ایک میداں میں | اڑائیں ساغرِ مے جبکہ بزمِ یاراں میں

جہاں میں رسم ہے جبتک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئیگا اس کے لئے سرنگا پٹم

پروفیسر محمود شیرانی مرحوم

سرنگا پٹم

اے سرنگا پٹم اے گنجِ شہیدانِ کرام | آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود
تیری آنکھوں میں ہے اپنوں کا عروج اور زوال | تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود
کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاکِ دکھن | تیرے ذروں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج — مکر کا دام بچھاتا نہ اگر چرخِ کبود

سو رہا ہے ترے پہلو میں وہ میسور کا شیر — مایۂ ناز تھا ملت کے لئے جس کا وجود

قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت — اس کی دولت کے دعاگوؤں میں شامل تھے ہنود

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے — اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

اس کے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا — تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا — جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود

شیر اچھا ہے جسے مہلتِ یک روزہ ملی — یا وہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود

دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا ساتھ جب آج — اس کی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود

پھر گئی آنکھ میں فردوسِ بریں کی تصویر — ظلِ ممدود میں تھا جلوۂ سدرِ مخضود

اس کی دہلیز سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق — چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملائک کے جنود

آئی گنبد سے ندا اے کہ تری پیشانی — رات دن درگہِ داور پہ ہے وقفِ سجود

بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمت خواہ — کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود

میں نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح — توڑ دی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار

سلطانِ شہید رح

پوچھ اے میسور اپنے ماضیِ خوں ناک سے — "برہنہ شمشیر" اک چمکی تھی تیری خاک سے

جس کی تابش نے بھری محفل کو خیرہ کر دیا — ظلم سے چمکا ہوا ماحول تیرہ کر دیا

پرورش محلوں میں پائی تھی تہذیبِ جنگ نے　　یا اماں پھولوں میں لی تھی حریت کے رنگ نے

اے سرنگاپٹم! اے عہدِ کمالِ حیدری!　　ہے امانت تجھ میں تصویرِ جلالِ حیدری
وہ شہیدِ ذوقِ آزادی، وہ غازی، وہ جواں　　جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں
جس کی نظروں میں وطن کا حال و استقبال تھا　　جو دکن کی گود میں اک آتشِ سیال تھا
ہند میں جو چاہتا تھا ہندیوں کی برتری　　خود شناسی اور خودداری تھی جس کی خودسری
آہ! خود اس کے وطن نے اس سے کیں غداریاں　　یاد ہیں وہ ذہنِ قومیت کی سازش کاریاں
ڈیڑھ سو سال اس کی رحلت پر ابھی گذرے نہیں　　دردِ کہنہ سے وطن کی وسعتیں پھر پیچ اٹھیں
ہے یہ اس سلطانِ آزادی سے کاوش کا مآل　　جورِ استبداد سے ہندوستاں ہے پائمال
یہ مصیبت اس سے غداری کی ذمہ دار ہے　　یہ غلامی رنجِ آزادی کی اک پھٹکار ہے
ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن　　ڈوب جا آفت کے طوفانوں میں اے بے غیرتِ وطن

اے شہید! اے مردِ میدانِ وفا تجھ پر سلام　　تجھ پہ لاکھوں رحمتیں، لاانتہا تجھ پر سلام
ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا سامان تھا　　ورنہ تو ہی عہدِ آزادی کا اک عنوان تھا
مصر سے تا روم پہنچی تیری آوازِ بلند　　گونج اس کی آج بھی باقی ہے باندازِ چند
اڑ رہے ہیں آج جو ماحول میں سیلاب کے　　یہ بھی کچھ ذرے ہیں تیری خاکِ آتش تاب کے
اپنے ہاتھوں خود تجھے اہلِ وطن نے کھو دیا　　آہ کیسا باغباں شامِ چمن نے کھو دیا

آہنی پیکر ترا اب ہاتھ آ سکتا نہیں
لے کے مشعل بھی کوئی ڈھونڈے تو پا سکتا نہیں

تھا مقدر تیری فطرت میں شہادت کا شرف ۔۔۔ کر دیا منصب نے تیرے ناگہاں خنجر بکف

بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تو نے جنگ میں ۔۔۔ مسلم ہندی قیامت ہے حجازی رنگ میں

اس کی فطرت جب مچلتی ہے تو پھر رکتی نہیں ۔۔۔ تیغ کا جھکنا تو مشکل ہے نظر جھکتی نہیں

تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجاب گور میں ۔۔۔ جذب ہو کر رہ گیا ہے ہستی پرشور میں

عین بیداری ہے یہ خواب گراں تیرے لئے ۔۔۔ ہے شہادت اک حیات جاوداں تیرے لئے

بے نیازی اپنے اہل ملک کی کر دے معاف ۔۔۔ خوابگاہ پاک سے اک دن الٹ بھی دے غلاف

آ پھر ارباب وطن کی مشکلیں آساں کر

قصر الادب آگرہ ۔۔۔ پھر شہ یکہ جنگ آزادی ہو سینہ تان کر ۔۔۔ جذب بیتاب اکبر آبادی

سلطان ٹیپو نور اللہ مرقدہٗ

زمانے کی ستم رانی سے جب آرام پاتا ہوں ۔۔۔ وطن کی سطوت رفتہ کے غم میں ڈوب جاتا ہوں

مجھے میسور کا خونیں تماشہ یاد آتا ہے ۔۔۔ سراپا زندگی تھا جو وہ لاشہ یاد آتا ہے

چمکتی تیغ پر گرد و غبار جنگ کا دامن ۔۔۔ کہ ہے شمع اجل فانوس خون و خاک کا دامن

وہ صہبائے شہادت کے نشے میں جھومنے والے ۔۔۔ وہ خنجر کو عروس نو سمجھ کر چومنے والے

اکھڑتی سانس سے کہتی ہیں نقشیں اے جوانمردو ۔۔۔ لہو سے اپنی تاریخ عمل کو سرخرو کر دو

وہ لالہ رنگ تلواروں پہ آزادی کی تحریریں ۔۔۔ وہ خون و خاک سے مستقبل ملت کی تعمیریں

اسی منزل سے استقلال کے چشمے ابلتے ہیں ۔۔۔ اسی مٹی کے سانچے میں بتان قوم ڈھلتے ہیں

زبان حال سے کہتی ہیں یہ خوں آلو شمشیریں

ادھر آؤ دکھائیں خواب آزادی کی تعبیریں

وہ ٹیپو! وہ مجاہد، وہ علمبردارِ آزادی — تر و تازہ ہے جسکے خون سے گلزارِ آزادی

چمکتی ہے لہو میں اس طرح دھار اسکے خنجر کی — شفق میں جیسے ہوتی ہے کرن صبحِ منور کی

رخِ روشن پہ خوں کے مضطرب قطرے درخشاں ہیں — کہ تاریخِ جوانمردی کے اوراق پرفشاں ہیں

ٹھکانا کیا ہو اس کی ہمتِ عالی کی رفعت کا

سمجھتا ہو جو تلواروں کو زینہ قصرِ ملت کا

شہیدِ قوم اے شمعِ شجاعت خانۂ ملت — ترے ہی نام سے روشن ہوا افسانۂ ملت

تری موجِ نفس بھی وہ شعاعِ ماہِ آزادی — نظر آتی ہے جس کی روشنی میں راہِ آزادی

ترا حسنِ عمل آئینۂ انوارِ انسانی — ترا جوشِ شہادت جلوۂ حسنِ مسلمانی

جگا دیگا وطن والوں کو جو خوابِ ہلاکت سے

وہ شورِ زندگی اک دن اٹھیگا تیری تربت سے

مولانا اظہر امرتسری

ٹیپو شہید رح

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا — نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ

تو نے کی تجدید پیمانِ شہیدِ کربلا — تو نے سمجھا یا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی — موت تھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پہ کیفیِ تھی تیری رقص وجد — تیرے گوشِ قلب تھے ناآشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے

مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ

مولانا ماہر القادری

اقتباس از نظم "بیانِ اسلام" مطبوعہ اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۹ ستمبر ۳۷ء

سلطان شہید حضرت ٹیپوؒ کے

مزار پُر انوار پر

نگاہوں کیلئے ہے یہ جگہ عبرت فروش اب تک
چلا آتا ہے یہ مظلوم مرقد سرخ پوش اب تک

شکوہِ کیقبادی سطوتِ جم دفن ہے اسمیں
دکن کی خاک کا فرزندِ اعظم دفن ہے اسمیں

غلافِ قبر میں اسلام کی شمشیر پنہاں ہے
شہادت کی مجسم خونچکاں تصویر پنہاں ہے

کیا ہے غسلِ خوں سورج نے جوئے شام میں گویا
مجاہد ہے غزا ہے روز سے آرام میں گویا

یہ روضہ مقبروں میں امتیازی شان رکھتا ہے
ہماری غیرتوں کے واسطے سامان رکھتا ہے

نظر کے سامنے آئینۂ تقدیر ہے گویا
سپاہی کے سنہری خواب کی تعبیر ہے گویا

یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزینوں سے
ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے دفینوں سے

کہاں ہیں مرگِ آزادی کے دیوانے یہاں آئیں
چراغِ کشتۂ ملت کے پروانے یہاں آئیں

کہ ہوتی ہے یہاں کی خاک سے دل کی غذا حاصل
فنا کے منظرِ خاموش سے درسِ بقا حاصل

غمِ ملت درخشاں ہے مسلمانوں کی آہوں میں
اتر کر آسماں سے نور آتا ہے نگاہوں میں

جھلکتی ہے مئے توحید دل کے آبگینوں میں
مچلتے ہیں نمائش کیلئے سجدے جبینوں میں

خدا کی شان یہ بھی غیب سے سامان ہونا تھا
دکن کے شیر کو اس خاک کا مہمان ہونا تھا

مجاہد کو خدا کی راہ میں قربان ہونا تھا
سری رنگا پٹم کو منبعِ عرفان ہونا تھا

اسے ایمان والوں کی زیارت گاہ بننا تھا
یہاں کے ذرے ذرے کو دلِ آگاہ دینا تھا

ابھی تک آ رہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے
اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

شناور ہو کے ڈوب کر دنیا میں آخر پار جاتے ہیں
وہ بازی جیت لیتے ہیں جو بازی ہار جاتے ہیں

حضرت فاخر ہربازی

سلطانِ شہیدؒ

(مجاہدِ وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں)

اے شجاعِ ازل! اے ہند کے فرزندِ جلیل
زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل
نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل

رزم آرا علم جنبشِ صداقت تجھ سے
زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

لے گئی عرشِ وفا پر تجھے تقدیر تری
گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری
عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

لب اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے
سوز آزادیٔ مشرق ترا پروانہ ہے

ہائے وہ منزلِ الفت سے گذرنا تیرا
حجلہ آرائے شہادت! وہ سنورنا تیرا
غیرتِ عشق کے آغوش میں مرنا تیرا

بزم امکاں پہ گراں جب تری تنہائی ہوئی
موت آئی ترے آغوش میں شرمائی ہوئی

تو ہے وہ بحر جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا

وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا

عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تو نے — جادوانِ ہستیٔ فانی کو بنایا تو نے

تری جرأت تھی غمِ سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد

باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزاد ابھی — ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجاد ابھی

ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا!
حق وفاداریٔ مشرق کا ادا تو نے کیا!
پرچم افشاں علمِ دینِ خدا تو نے کیا!

حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے — ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے

حریت، سرخیٔ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
انقلابات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر

پھر ہے بیدار جلال و حشم آزادی — وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علم آزادی

ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر، جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے

شرِ تکمیل ترا جذبِ تمام آپہنچا — صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آپہنچا

اشتیاق حسین نقوی

ٹیپو سلطان سے ہندستان کا خطاب

اے پیکرِ آزادی، اے روحِ شجاعت آ   اے قلبِ محبت آ، اے جانِ محبت آ

ایثار و صداقت پر کی جان فدا تو نے   دکھلا دے اسیروں کو اجڑی ہوئی شوکت آ

قائم تھا ترے دم سے اندازِ جہانبانی

باقی تھی ترے بل پر حرّیتِ انسانی

آ دیکھ! اتری بستی برباد ہوئی کیونکر   اس باغ پہ گلچیں کی بیداد ہوئی کیونکر

تھے دل کے جو ہنگامے وہ گُل کی طرح چپ ہیں   بے سود تری بلبل فریاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی

اور گل کے تبسّم میں وہ آن نہیں باقی

ہم دوست عدو کے ہیں اور دوست کے دشمن ہیں   غیروں کے تو رہبر ہیں اپنوں ہی کے رہزن ہیں

منجدھار میں آفت کے ہیں اہلِ وطن سارے   ہے غم کی گھٹا سر پر برباد نشیمن ہیں

او روحِ عمل ٹیپوؒ! آ، ہم کو سہارا دے

آفت کے اٹھانے کا ہر قلب کو یارا دے

آ، اور ہر اک گل میں بو ہو کے سما جا تو   غنچوں کو کھلا جا تو سوتوں کو جگا جا تو

پروانہ بنا جا تو اس دیس کی الفت کا   اس بزم کی الفت میں اک شمع جلا جا تو

حیدرؒ کے پسر آ جا اور خون بہا کر جا

او شیرِ نیستانی باطل کو مٹا کر جا

ٹیپوؒ تری ہستی پر نازاں ہے وطن اب تک   اور تیری شہادت پر نالاں ہے وطن اب تک

محفل تری سونی ہے اور جانِ عمل گم ہے   اک روح نہ ہو جیسے بے جاں ہے وطن اب تک

آنکھوں میں چمک جا تو آنسو سے ٹپک جا تو
الفت کی انی بن کر ہر دل میں کھٹک جا تو

وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہ جاتا   کیا شیخ کا تقویٰ تھا جو حور پہ رہ جاتا
ٹیپو کا دل مسلم کونین کا حامی تھا   کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہ جاتا

دنیا بھی ملی اس کو عقبیٰ کی حکومت بھی
اک وار میں حاصل کی شہرت بھی شہادت بھی

اکبر وفاقانی بی۔اے
جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد

سرنگاپٹم

اے ہند کے سوادِ جنوبی کے رہ نورد   میسور کا فسانۂ خونیں نہ ہم سے پوچھ
گر پوچھنا ہی ہے تجھے دل سوز ماجرا   ویلور کے کھنڈر کی نوا ہائے غم سے پوچھ
کیا شے ہے جو ادھر تجھے لائی کشاں کشاں   نائرہ اپنے مرحلہ پیما قدم سے پوچھ
کس کی جدائی میں ہے ابھی تک وہ اشکبار   کاویری رواں کی حزیں زیر و بم سے پوچھ
غدار کس طرف تھا ٹیرے تھے کس کے ساتھ   یہ ولزلی کے تجزیۂ کیف و کم سے پوچھ
اتنی مصیبتیں پڑیں کیوں ایک جان پر   یہ چرخ فتنہ زا کی نگاہ کرم سے پوچھ
ہے یاد اس کی کس قدر اندوہ در کنار   انداز بے نیازیٔ اہل حرم سے پوچھ
کس طرح کانپتے تھے لرزتے تھے مرہٹے   یہ شیر دل شہید کی تیغ دو دم سے پوچھ
کر اس کی شانِ اوج کا جبریل سے سوال   اس کا بلند مرتبہ لوح و قلم سے پوچھ
ثابت قدم رہا جو مخالف ہوائیں بھی   پامردی مقاومت اس کے علم سے پوچھ

خود بن گیا کمان کا جو آخری خدنگ — عزم ستیزہ معرکہ اس کی قسم سے پوچھ

برق ان میں بے قرار ہے کس التہاب کی

(لدھیانہ) یہ ذرّہ ہائے خاکِ سرنگاپٹم سے پوچھ (لطیفی)

سلطان ٹیپو کی تیغ زنی اور شہادت

تلوار میں جوہر تھے قیامت کے بلا تھی — اغیار کی جس صف میں یہ چمکی وہ صفا تھی

وہ برق تھی یا برق کے ہنسنے کی ادا تھی — آسیب کا سایہ تھی چھلاوہ تھی قضا تھی

راکب کے وہ دو کر کے ٹھہرتی نہ تھی زیں پر

مرکب کی کمر کاٹ کے جاتی تھی زمیں پر

بچ نہ گیا سامنے جو بد گہر آیا — سر جس کا اٹھا خاک پہ غلطاں نظر آیا

کشتہ ہوا جو سر سے کفن باندھ کر آیا — کھلتا تھا زباں کا کہ لہو منہ میں بھر آیا

تلوار تھی اعدا کا لہو چاٹ کے مدہوش

ہر سمت تھا ہنگامۂ تفریق سر و دوش

ہلچل پڑی اعدا میں جو وہ صف شکن آیا — جاں نذر کریں اسکے سوا کچھ نہ بن آیا

اک شور اٹھا رن میں کہ وہ تیغ زن آیا — وہ وقت کہ ہوتے ہیں جدا جان و تن آیا

ہر بار اجل تیغ سے کہتی تھی ٹھہر جا

مسدود ہے اس بھیڑ میں رستہ ہی عدم کا

تھی شمع جو سلطان کے اقبال کی روشن — اس نام کی ہیبت سے لرز اٹھتے تھے دشمن

فتنہ کو زمیں پر کہیں ملتا نہ تھا مسکن — ہوتی تھی جدا دوش سے اکڑی ہوئی گردن

ناموسِ وطن شمع تو پروانہ تھا ٹیپوؒ
غیرت کی صدف میں دُرِ یکدانہ تھا ٹیپوؒ

یہ حکم دیا فوج کو سر جائے تو جائے
سایہ بھی مگر غیر کا قلعے میں نہ آئے
سر اسکا نہ ہو آگے جو پاؤں اٹھائے
اس خط سے نہ غدار کوئی بڑھنے نہ پائے

پروا انہیں ہر گام پہ باراں بلا ہو
جاں ملک کی عزت کے تحفظ پہ فدا ہو

مقتول ہوئے جنگ میں مردانِ دلاور
باقی نہ رہے لشکرِ اسلام میں افسر
سچ ہے کہ قضا سے نہیں جیتا کوئی لڑکر
سلطاںؒ نے پیا نزع میں آبِ دمِ خنجر

طالع کی خرابی ہو کہ تدبیر کی خامی
اس ملک کی تقدیر میں لکھی تھی غلامی

مولانا انعام اللہ خاں ناصر ایڈیٹر احسان لاہور

سرنگاپٹم

اے سرنگاپٹم اے شہر سلطانِ شہیدؒ
سطوتِ فاروقؓ پردے میں ترے مستور ہے
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے گنبدِ اعلیٰ ترا
اس کا ہر ذرہ مری آنکھوں میں کوہِ طور ہے
سرنگوں جس وقت دنیا میں ہوا تیرا علَم
پارہ پارہ ہوگئی لیکن رفعت مستور رہی
محوِ خوابِ استراحت ہے یہاں شیرِ دکن
ساتھ اس کے سو رہی ہے عظمت مستور رہی
چشمِ زائر ڈھونڈھتی ہے کس مجاہد کو یہاں
کونسا گنجِ گرامی ان بیابانوں میں ہے
نعرۂ اللہ اکبر کی صدائے بازگشت
گونجتی پھرتی ابھی تک تیرے ویرانوں میں ہے

کس کے غم میں رو رہی دلی ہے یوں سینہ فگار — بال ہیں بکھرے ہوئے ماتم میں کوئی جیسے
کیوں فضا میں ہے غضب کی خامشی چھائی ہوئی — حسرتوں سے یہ ظفر آباد کیوں معمور ہے

تیرے ہر ذرہ میں ہے خونِ شہیداں کی جھلک — آبروئے امتِ مرحوم کا حامل ہے تو
شانِ خالد شوکتِ حیدر کا مظہر تجھ میں ہے — عظمتِ اسلامیانِ ہند کا حاصل ہے تو

تیرے کھنڈروں پہ برستا تھا کبھی جاہ و جلال — جلوہ گر تھی تیرے ویرانوں میں شانِ حیدری
یہاں بھی ایوان تھا ایوانِ دربارِ شہیدؒ — ہاں اسی ایواں پہ اڑتا تھا نشانِ حیدری

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہیدؒ — قطرۂ خونِ شہیداں میں ہے جانِ زندگی

گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی" (محمود مصنفِ کتاب)

یادِ ظفر آباد (سرنگاپٹم)

اس ظفر آباد میں مجھ کو جب آتا ہوں میں — اک نئے عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں
آہ دلی داغ تھا اس کے لئے ماتم کناں — میری قسمت میں ظفر آباد تھا شاید نہاں
حسرتوں کی اک نئی دنیا یہاں آباد ہے — مسلمِ ہندی کا یہ اک خانۂ برباد ہے
کارواں جاتا رہا پر کارواں کا نقش ہے — ذرہ ذرہ پر حیاتِ کامراں کا نقش ہے
آہ جو ٹوٹے ہوئے باقی در و دیوار ہیں — سطوتِ شاہانِ ماضی کے علمبردار ہیں
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا حیدری جاہ و جلال — ان سے پوچھے کوئی کیا تھا ہند کا علم و کمال؟
طائرِ بامِ حرم کا آشیانہ تھا یہاں — گنجِ تہذیبِ حجازی کا خزانہ تھا یہاں
ہاں یہیں لوٹی گئی تھیں ہند کی آزادیاں — ہاں یہی وہ شہر ہے جس میں ہوئیں غداریاں

ڈہ۔ اس سنسان ویرانے میں آبادی سے دور — قبر میں آرام فرما ہے وہ سلطانِ غیور

وبت سلطان ابھی باقی ہے با صد کرّ و فر — کج کلاہوں کے اسی دربار میں جھکتے ہیں سر

بجھ چکی تھی شمعِ عالمگیر ہندوستان میں — چھا چکی تھی تیرگی اسلام کے ایوان میں

پھر کیا قدرت نے پیدا وہ شہ عالی صفات — ہند میں جس نے دیا مسلم کو پیغامِ حیات

وہ مجاہد، مردِ غازی جس کا ٹیپوؒ نام تھا — جس کی ہیبت سے زمانہ لرزہ بر اندام تھا

اس کا وہ شوقِ شہادت۔ اسکا وہ ذوقِ جہاد — کربلا کے معرکہ کی جس نے تازہ کی ہے یاد

لہ یک گلشن میں پھر چلنے لگی بادِ خزاں — گردشِ ایّام نے لوٹا ہمارا کارواں

نالانِ عرش بھی چلّا اٹھے یہ کیا ہوا — خونِ مسلم آب کا ویری سے بھی ارزاں ہوا

اہلِ قرآں ہوئے توحید سے جب بے نیاز — شورِ ناقوس کلیسا میں چھپی بانگِ حجاز

ابجا پر سو رہا ہے وہ شہِ عالی مقام — مسلمِ ہندی کو دبے بھی دے رہا ہے یہ پیام

ٹھ کہ عالم میں بنا ہنگامہ اک پیدا تو کر — آبروئے شیوۂ اہلِ وفا پیدا تو کر

ٹھ کہ آزادی ہمیشہ شیوۂ اسلام ہے — یعنی جو آزاد نہیں انکا ہی بس اسلام ہے

گونج اٹھیں وادیاں پھر نعرۂ تکبیر سے
عقدۂ مشکل کو حل کرنا ناخنِ تدبیر سے (محمود مصنف کتاب)

میر صادق

زمین قبرِ صادق کس قدر ہے سوزناک — شعلۂ آتش سے بڑھکر گرم ہے اسکی خاک

مجھ کو حیرت تھی کہ اس پر اسقدر کیوں ہے عتاب

روحِ صادق سے ملا محمود یہ مجھ کو جواب:-

اس کا اندیشہ ہی کیا گر قبر ہے آتش فشاں — مجھ کو غداری نے بخشی ہے حیاتِ جاوداں

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں — جس نے دی تعلیمِ غداری وہ پیغمبر ہوں میں

نور کی دنیا میں آخر نار بھی تو چاہیئے — جس جگہ گل ہوں وہیں کچھ خار بھی تو چاہیئے

میر قمر الدین[1]، معین الدین یا لنگڑا غلام — میرے ہی اخگر لئے ترکیبی کے ہیں یہ چند نام

کابلی ملا[2] رہے یا ہو وہ مکہ کا شریف[3] — کب ہے میدانِ سیاست میں کوئی میرا حریف

میر غلام علی

مجھ کو قسمت نے دیا اہلِ سلطنت پر اقتدار — جس پہ تھا اسلامیانِ ہند کا دار و مدار

میں نے ہی سلطان آزادی سے غداری جو کی — ہل گئی بنیاد اس سے ملتِ اسلام کی

ناز تھا اسلامیوں کو جس پہ وہ جوہر گیا — سرزمینِ ہند سے آئینِ پیغمبر گیا

میرے قبضہ میں سیاست کی ہے تیغ بے نیام — مجھ کو لینا ہے ابھی اسلامیوں سے انتقام

جس کو کہتے ہیں قیامت آنیوالی تو نہیں — اس سے بڑھکر اور آفت آنیوالی تو نہیں

بھائی سے بھائی مسلمانوں میں بیگانہ ہوا — ناز ہے اُن کو کہ یہ اک کارِ مردانہ ہوا

مال و دولت پر ہے منعم کو بہت فخر و غرور — اور فقیروں کو نہیں کچھ بھی فقیری کا شعور

بھائی کی بھائی ترقی دیکھ سکتا ہے کہاں — اس قدر رشک و حسد ہے الحفیظ و الاماں!

گو بظاہر کر رہے ہیں مجھ سے نفرت خاص و عام — ہیں مگر باطن میں وہ میرے ہی آئین کے غلام

ہاں! یہی اک خوف ہے ہیں جس سے ناامید — پھر کہیں بیدار ہو جائے نہ سلطانِ شہید

کارگاہِ دہر میں بگڑے گا میرا سب نظام — زادۂ توحید کا پھر سخت ہوگا انتقام

شعلۂ نارِ جہنم سے کہاں ڈرتا ہوں میں

پھر نہ ہو بیدار وہ اس سے خوف مرتا ہوں میں

سلطان شہید

(محمود مصنف کتاب)

---

[1] سلطنت خداداد کے غدار امراء [2] ملا شور بازار جس نے امیر امان اللہ خاں والیٔ کابل سے غداری کی تھی [3] شریف حسین جس نے ترکوں سے غداری کی تھی۔

خاتمۃ الکتاب

اس خدائے جل جلالہ و عم نوالہ کا ہزار ہزار شکر کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی۔

جو کچھ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ بھی ہوگا تیرے کرم سے ہوگا (حالیؔ)

میں ان تمام بزرگوں اور احباب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس تاریخ کے مرتب کرنے میں مجھے تصاویر۔ حوالجات کے انگریزی اور اردو مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب اور نظموں سے امداد فرمائی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن دیکھ کر بعض احباب نے مصنف سے شکایت کی تھی کہ لڑائیوں کا حال تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے میں نے عمداً اس سے احتراز کیا تھا۔ اور اس ایڈیشن میں بھی میں نے اختصار ہی سے کام لیا ہے میرا خیال ہے کہ تفصیل سے کوئی ذہنی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔ جو واقعات ہمارے موجودہ حالات سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ وہی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے بجائے جنگوں کی تفصیل لکھنے کے اس زمانہ کی سیاسی پالیسی سے بہت زیادہ بحث کی ہے۔ اس زمانے میں جو پالیسی کارفرما تھی۔ آج بھی ہندوستان کے اندر اور باہر وہی پالیسی کام کر رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میر صادق دیو رنیا کی روحیں ابھی تک اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے سے پہلے میں نے متعدد بار اس اجڑے عروس البلاد (سرنگاپٹم) کی چپہ چپہ زمین کو جا کر دیکھا۔ اور مختلف اصحاب بزرگوں سے تبادلۂ خیال کیا۔ قلمی دستاویزیں

پیدا کیں۔ فرامین دیکھے۔ حوالجات کے کتب فراہم کیے۔ میں نے اپنی دانست میں سمجھا تھا کہ مجھے مزید محنت کرنی نہ پڑیگی لیکن پہلا ایڈیشن شائع ہونیکے بعد جہاں کتاب سے حد درجہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ وہاں مجھے توجہ بھی دلائی گئی کہ سلطان کی شخصیت اور زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کی اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہے میں نے از سرِ نو اس پر توجہ کی۔ یہ شاید میری خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے کے بعد میں نے تاریخ جنوبی ہند کے لیے کتابیں فراہم کرنا شروع کیا۔ ان کتابوں میں بھی مجھے بہت سا مواد مل گیا۔ جو تاریخ سلطنت خداداد سے تعلق رکھتا تھا میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خدائے حی و قیوم کے ہاتھ میں ہے کہ میری سعی کو مشکور فرمائے۔ یہ اسی کی نوازش تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کو اس کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس کو مقبول بنائے۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں کوئی قادر الکلام ادیب ہوں ممکن ہے کہ ادبی حیثیت سے کتاب میں بہت سی غلطیاں ہوں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ اردو کے مرکز سے بعید دور دراز جہاں کی روزمرہ بول چال بالکل مختلف ہے میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے احسان ہوگا کہ اگر احباب بجائے نکتہ چینی کے اصلاح پر توجہ فرمائیں۔

مذکورۂ بالا سطور لکھے جا رہے تھے کہ مصنف کے آگے سلطان شہیدؒ کے متعلق ایک اور نظریہ پیش ہوا ہے اور نہایت تعجب سے دیکھا جائیگا کہ اس نظریہ کے پیش کرنے والے مسلمان ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی، افلاس اور تنگدستی کو دیکھ کر یہ نظریہ پیش کیا گیا ہو۔ بہر طور وہ نظریہ یہ ہے:۔

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت قبول کر لیتا تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست